

عام فہم اردو تفسیر

آوار الہیات

فی کشف اسرار القرآن

سکلیں اور عام فہم زبان میں اردو کی سب سے پہلی مفصل اور جامع تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحديث کا خصوصی اہتمام، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواظ و نصائح کی تشریح، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر وحدیث اور کتب فقہ کے حوالوں کیساتھ

مدظلہ العالی
محقق العصر محمد عاشق الہی مہاجر مدنی
حضرت مولانا مفتی

ادارۃ تالیفات اشرفیہ

بیرون پورہ گیت ملتان شہر 540513

اضافہ شدہ ایڈیشن

عام فہم اردو تفسیر

اورعائیں

فی کشف السرائر للقرآن

جلد - ۴

بقیہ سورۃ الاعراف تا سورۃ ہود

بلیس اور عام فہم زبان میں اردو کی سب سے پہلی مفصل اور جامع تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، ولنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواظظ و نصائح کی تشریح، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر وحدیث اور کتب فقہ کے حوالوں کیساتھ

معقق العصر
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی
قدس سرہ

ادارۃ تالیفات اشرفیہ

چوک دارہ ملتان، پاکستان فون: 540513

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اس کی اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔

تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان موجود ہے۔

لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

(ادارہ)

نام کتاب..... انوار البیان جلد ۷، ۸

نام مؤلف..... مولانا عاشق الہی مدنی رحمہ اللہ

باہتمام..... محمد اسحاق عفی عنہ

تاریخ اشاعت..... محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

مطبع..... سلامت اقبال پریس ملتان



ملنے کے پتے

- ☆ ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
- ☆ ادارہ اسلامیات انارکلی، لاہور
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوسٹہ
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
- ☆ یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
- ☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- ☆ صدیقی ٹرسٹ لیبیلہ چوک کراچی نمبر ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض ناشر

تفسیر انوار البیان جلد ۴ جدید کیسٹو کتابت کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
اس میں خصوصی طور پر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کے متن میں ہی ترجمہ دیا گیا ہے اور عربی عبارات مثلاً روح المعانی اور قرطبی وغیرہ کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے اس سے استفادہ میں مزید آسانی ہوگی۔
مزید جلدیں بھی اسی طرح ان شاء اللہ آتی رہیں گی۔

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے یہ جلد نئی ترتیب و تزئین کے ساتھ ایسے وقت منظر عام پر آرہی ہے جبکہ
حضرت مؤلف رحمہ اللہ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
حضرت مولانا مفتی عاشق الہی بلند شہری ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ ان علمائے ربانین میں سے تھے جن سے
دین کی صحیح رہنمائی ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود آپ میں تعلیٰ تو کیا خود نمائی کا
شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اور اسی کی برکت ہے کہ آپ کی تصانیف مقبول عام ہیں۔

زندگی کے آخری دور کی تصنیف تفسیر انوار البیان (کامل نو جلد) جو آپ کی زندگی ہی میں ادارہ
تالیفات اشرفیہ ملتان سے چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے جس کو آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں رہ
کر لکھا آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرحمن کوثر بتلاتے ہیں کہ جب تفسیر کا کام ہو رہا تھا تو میں نے خواب میں
اس طرح دیکھا کہ جیسے جیسے تفسیر کا کام مکمل ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو رہی ہے۔ آپ کی
عربی، اردو تصانیف کی تعداد تقریباً سو ہے ایک پرانے بزرگ سے سنا ہے کہ مولانا کا جن دنوں دہلی میں قیام تھا
تو مولانا کی بے سرو سامانی کا یہ حال تھا کہ ائمہ مساجد (احباب) کے پاس جا کر ان کے پاس سے خشک روٹیوں
کے ٹکڑے اکٹھے کر لاتے اور پھر ان کو بھگو کر انہیں پرگزارہ کرتے ان حالات میں بھی استغناء برقرار رکھا اور کسی

کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا یا اور حضور ﷺ کے ارشاد الفقیر فخری کا نمونہ بن کر دکھلایا۔
 آپ نے اپنی زندگی کے آخری چھبیس برس مدینہ منورہ میں گزارے آپ کو جنت البقیع میں دفن ہونے کا
 بہت ہی شوق تھا اسی لئے آپ حجاز سے باہر نہیں جاتے تھے اور اپنی علالت کے بعد تو وہ اس میں بہت ہی احتیاط
 فرماتے تھے۔

آپ کا انتقال پر ملا ۱۳ رمضان المبارک ۱۲۲۲ھ کو ہوا روزہ کے ساتھ، قرآن کریم کی تلاوت کرتے
 ہوئے مسنون طریقہ پر سوئے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالم راحت و امن میں چلے گئے۔ نماز تراویح کے بعد
 مسجد نبوی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور آپ کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی کہ آپ کو جنت
 البقیع میں حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مدفن ملا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔
 یا اللہ! اس ناکارہ کو بھی ایمان کے ساتھ جنت البقیع کا مدفن نصیب فرما، آمین۔
 اللہ پاک حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

احقر محمد اخلق عفی عنہ
 محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

اجمالی فہرست

سُورَةُ الْاَعْرَافِ ----- ۱۹

سُورَةُ الْاَنْفَالِ ----- ۱۱۵

سُورَةُ التَّوْبَةِ ----- ۱۸۲

سُورَةُ يُونُسَ ----- ۳۱۶

سُورَةُ هُودَ ----- ۳۷۳

فہرست مضامین

(بقیہ سورۃ الاعراف، سورۃ الانفال، سورۃ التوبہ، سورۃ یونس، سورۃ ہود)

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۵	قوم فرعون کی قحط سالی وغیرہ سے گرفت ہونا اور ان کا الٹی چال چلنا۔	۲۰	بقیہ سورۃ الاعراف
۳۸	قوم فرعون پر طرح طرح کے عذاب آنا اور ایمان کے وعدے کر کے پھر جانا۔	۲۱	حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اہل ایمان کو کفر میں واپس آنے کی دعوت دینا اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہونا۔
۳۸	طوفان سے کیا مراد ہے؟	۲۱	فوائد۔
۳۸	نڈی اللہ کا لشکر ہے۔	۲۱	اصحاب مدین پر عذاب کیوں آیا؟
۳۸	قُتِلَ کی تفسیر۔	۲۱	ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال۔
۳۹	مینڈکوں کا عذاب۔	۲۲	عبادت میں کمی اور کوتاہی۔
۳۹	خون کا عذاب۔	۲۳	قوم کی بربادی کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب جن بستیوں میں نبی بھیجے گئے ان کو خوشحالی اور بدحالی کے ذریعہ آزمایا گیا۔
۴۰	بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہونا۔	۲۵	اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں۔
۴۱	یعقوب شون کی تفسیر۔	۲۶	زمین کے وارث ہونے والے سابقہ امتوں سے عبرت حاصل کریں۔
۴۲	سمندر سے پار ہو کر بنی اسرائیل کا بیت پرست بننے کی خواہش کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کو جھڑکنا۔	۳۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگر بتانا اور مقابلے کے لئے جادوگروں کو بلانا اور جادوگروں کا ہار مان کر اسلام قبول کر لینا۔
۴۲	بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دینا اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔	۳۳	قوم فرعون کے سرداروں کا فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے خلاف بھڑکانا۔
۴۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا اور وہاں چالیس راتیں گزارنا۔	۳۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نصیحت فرمانا اور صبر و عاف کی تلقین کرنا۔
۴۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الہی کے لئے درخواست کرنا اور پہاڑ کا چور چوراہا ہو جانا۔		
۴۴	بنی اسرائیل کا زیوروں سے جھڑبنا کر اس کی عبادت کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضبناک ہونا۔		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	حضرت سلمان فارسی کے اسلام قبول کرنے کا عجیب واقعہ۔	۴۹	ظلم و زیادتی کی معافی مانگنا۔
۶۰	موجودہ انجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشین گوئی۔	۴۹	لیس الخبر کا لمعائینہ۔
۶۳	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کے اوصاف میں سے ہیں۔	۵۰	القاے الواح پر سوال و جواب۔
۶۵	رسول اللہ ﷺ محل الطہات اور محرم النجاست ہیں۔	۵۰	بنی اسرائیل کا نادم ہونا اور توبہ کرنا۔
۶۵	منکرین حدیث کی تردید	۵۱	پچھڑے کی پرستش کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور دنیا میں ان لوگوں کی ذلت۔
۶۶	رسول اللہ ﷺ کے دین میں بوجھ والے احکام نہیں ہیں۔	۵۱	اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔
۶۶	تین صحابیوں کا ایک واقعہ۔	۵۱	توریت شریف ہدایت اور رحمت تھی۔
۶۷	نبی ﷺ کی توقیر اور اتباع کرنیوالے کامیاب ہیں	۵۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر افراد کو اپنے ہمراہ لے جانا اور وہاں ان لوگوں کی موت واقع ہو جانا۔
۶۸	رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپ کی تعظیم و تکریم کے مظاہرے۔	۵۳	اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے۔
۶۸	دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد نصروۃ کا مطلب۔	۵۳	بنی امیہ کا ذکر یہود و نصاریٰ توریت و انجیل میں پاتے ہیں۔
۶۹	آپ ﷺ کے ساتھ جو نور نازل ہوا اس کا اتباع کرنا لازم ہے۔	۵۵	توریت شریف میں آپ ﷺ کی صفات
۷۰	حدیث نبوی حجت شریعہ ہے۔	۵۶	حضرت عبداللہ بن سلام کی حق شناسی۔
۷۰	اگر حدیث کو نہ مانیں تو دین اسلام پر نہیں چل سکتے	۵۶	قیصر روم کا اقرار۔
۷۰	رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم اور آپ کی بعثت عامہ کا اعلان۔	۵۷	توریت شریف کی پیشینگوئی اور بائبل شائع کرنے والوں کی تحریف۔
۷۰	بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی تھے۔	۵۷	ایک یہودی کا اپنے لڑکے کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دینا۔
۷۰	بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے بادلوں کا سایہ کیا اور	۵۸	کعب بن احبار کا بیان۔
		۵۸	بعض یہود کا اقرار کہ آپ اللہ کے نبی ہیں لیکن قتل کے ڈر سے اسلام نہیں لاتے۔
		۵۹	ایک یہودی کا آپ کو آزمانا پھر مسلمان ہونا۔

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۹۹	اولاد کو شرک کا ذریعہ بنانے والوں کی تردید۔	۷۲	من وسلویٰ نازل فرمایا۔
۱۰۰	باطل معبود نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ مدد کر سکتے ہیں		ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل
	اخلاق عالیہ کی تلقین اور شیطان کے وسوسے	۷۳	کی نافرمانی۔
۱۰۱	آنے پر استعاذہ کا حکم۔	۷۵	سنیچر کے دن یہودیوں کی زیادتی کرنا اور بندر بنایا جانا
۱۰۲	معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت۔	۷۶	بنی اسرائیل پر دنیا میں عذاب آتا رہے گا۔
۱۰۲	حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو معاف کرنا۔	۷۸	بنی اسرائیل کی آزمائش اور انکی خب دنیا ہونیکا حال
۱۰۳	فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کا اہل مکہ سے برتاؤ	۷۹	مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا
۱۰۴	امر بالمعروف		بنی اسرائیل کے اوپر پہاڑ کا ٹھہرنا اور انکا یہ سمجھنا کہ
۱۰۴	جاہلوں سے اعراض کرنا	۸۰	یہ کرنے والا ہے۔
۱۰۴	شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ لینے کا حکم	۸۱	عہد الست بریکم کا تذکرہ۔
۱۰۴	ایمانیات میں وسوسہ آنے پر استعاذہ		ایک ایسے شخص کا تذکرہ جو اتباعِ صوفی کی وجہ سے
۱۰۵	غصہ کا علاج	۸۳	اللہ تعالیٰ کی آیت کو چھوڑ بیٹھا
۱۰۵	شیطان سے بچنے والوں کا طریقہ کار		انسانوں اور جنوں میں ایسے لوگ ہیں جو چوپایوں
۱۰۶	فرمانی معجزات طلب کرنے والوں کو جواب	۸۵	سے زیادہ گمراہ ہیں۔
۱۰۷	قرآن بصیرت ہدایت اور رحمت ہے	۸۶	اللہ تعالیٰ کیلئے ایسا حسنی ہیں انکے ذریعہ اس کو پکارو۔
۱۰۷	قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے احکام اور آداب		مکذبین کو ڈھیل دی جاتی ہے اللہ جسے گمراہ کرے
۱۰۷	امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم	۸۹	اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں
۱۰۸	حضرات صحابہ کے ارشادات	۹۱	قیامت آنے کا وقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں
۱۰۸	امام مالک اور امام احمد کا مذہب	۹۲	آپ فرمادیں کہ میں کئی نفع ضرر کا مالک نہیں ہوں
۱۱۲	ذکر اللہ کا حکم اور اس کے آداب		رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کلی ثابت کرنے والوں
۱۱۳	ذکر خفی کی فضیلت	۹۳	کی تردید۔
۱۱۳	صبح شام اللہ کا ذکر کرنا	۹۶	بیوی قلبی سکون کے لئے ہے۔
۱۱۳	غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ	۹۷	میاں بیوی آپس میں کس طرح زندگی گزاریں۔
۱۱۳	فرشتوں کی تسبیح اور عبادت	۹۷	جعلاً لہ شُرکاء فیما اتھما کی تفسیر۔

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۲۶	بدر میں مسلمانوں پر اونگھ کا طاری ہونا۔	۱۱۴	سجدہ تلاوت کا بیان
	فرشتوں کا قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے	۱۱۴	سجدہ تلاوت کی دعاء
۱۲۷	قلوب کو جمانا۔		سورة الانفال
	مشرکین کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت		
۱۲۸	کی سزا ملی۔	۱۱۵	انفال کا بیان۔
۱۲۹	جب کافروں سے قتال ہو تو جو کچھ کر قتال کرو۔	۱۱۵	گزشتہ اُمتوں میں اموال غنیمت کا حکم۔
۱۲۹	صحابہ کا ایک واقعہ۔	۱۱۵	ایک نبی کے جہاد کا واقعہ۔
۱۳۰	بارہ ہزار کا لشکر کبھی مغلوب نہ ہوگا۔	۱۱۵	اموال غنیمت کا حلال ہونا اُمت محمدی کی خصوصیت ہے
۱۳۱	اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے مشرکین مقتول ہوئے۔		اموال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف اور اس کے بارے
۱۳۲	مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا خطاب۔	۱۱۶	میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ۔
۱۳۳	اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کا حکم		اللہ سے ڈرنے اور آپس کے تعلقات درست رکھنے
۱۳۵	ایسے فتنے سے بچو جو خاص کر گناہگاروں پر واقع نہ ہوگا	۱۱۶	کا حکم۔
۱۳۶	نبی عن المنکر چھوڑنے پر وعیدیں	۱۱۶	انفال کے دوسرے معنی۔
۱۳۷	مسلمانوں کو ایک بڑے انعام کی یاد دہانی۔	۱۱۷	اہل ایمان کے اوصاف۔
	اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور		اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اہل ایمان کا ایمان
۱۳۸	آپس میں بھی خیانت کرنے سے باز رہو	۱۱۷	بڑھ جاتا ہے۔
۱۴۰	اموال اور اولاد فقہ ہیں۔		وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے
۱۴۱	تقوے پر انعام	۱۱۸	ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں
۱۴۱	آپ کے سفر ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ کے مشورے	۱۱۸	مذکورہ صفات والے سچے مومن ہیں
۱۴۲	ابو جہل کا مشورہ اور شیطان کی تائید	۱۱۹	جنت کے درجات کی وسعت۔
	حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد اور آپ ﷺ کا صحیح و	۱۱۹	غزوہ بدر کا تذکرہ۔
۱۴۲	سالم سفر ہجرت کے لئے روانہ ہو جانا۔		غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا دعاء میں مشغول
۱۴۲	مشرکین کی ناکامی۔	۱۲۳	رہنا اور آپ کی دعاء قبول ہونا۔
	مشرکین کا عناد اور جھوٹا دعویٰ کہ ہم بھی قرآن جیسا	۱۲۵	فرشتوں کا نازل ہونا اور مومن کے قلوب کو اطمینان ہونا

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۶۳	سے ہلاک ہوئیں۔	۱۳۳	کلام کہہ سکتے ہیں۔
۱۶۴	اہل کفر جانوروں سے بدتر ہیں	۱۳۴	نضر بن حارث کا عذاب کے لئے دُعا کرنا
۱۶۵	کافر لوگ معاہدے کے بعد غد کرتے ہیں انہیں عبرت ناک سزا دو۔	۱۳۵	حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد کہ استغفار سبب امان ہے
۱۶۶	اہل ایمان کو غدار اور خیا کی اجازت نہیں دشمنوں سے مقابلہ کے لئے سامان حرب تیار رکھو اور انہیں ڈراتے رہو۔	۱۳۵	مشرکین کی عبادت یہ تھی کہ بیت اللہ کے قریب سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے
۱۶۷	دور حاضر کے بم اور میزائل وغیرہ۔	۱۳۷	اللہ کی راہ سے روکنے والے مغلوب ہوں گے اور ان کے اخراجات حسرت کا باعث ہوں گے۔
۱۶۸	دشمن صلح پر آمادہ ہوں تو صلح کی جاسکتی ہے	۱۳۸	کافروں کو اسلام کی ترغیب اور کفر پر جہنم کی وعید
۱۶۹	اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے قلوب میں الفت پیدا فرمادی دشمن کی دگنی تعداد ہو تب بھی راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں۔	۱۳۹	کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ سارا دین ہی اللہ کے لئے ہو جائے۔
۱۷۱	بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب	۱۵۱	اموال غنیمت کے مستحق کون ہیں؟
۱۷۳	قیدیوں کے احکام	۱۵۲	یوم الفرقان
۱۷۵	ہر قیدی کا فدیہ کتنا تھا؟	۱۵۳	بدر میں محاذ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد
۱۷۷	مساوات کا ایک نمونہ	۱۵۵	دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر مقابلہ کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔
۱۷۸	بدر کے قیدیوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ	۱۵۶	آپس میں جھگڑنے سے ہوا خیزی ہو جاتی ہے
۱۷۹	مجاہدین مہاجرین اور انصار سے متعلق بعض احکام	۱۵۷	ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اکڑتے مڑتے ریا کاری کے لئے نکلے۔
	سورة التوبة	۱۵۸	مشرکین کو شیطان کا جنگ کے لئے پھسلانا اور پھر میدان کارزار سے بھاگ جانا۔
۱۸۲	سورة توبہ سے پہلے بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ	۱۶۰	منافقین کی بد اعتقادی اور بد زبانی
۱۸۲	بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ	۱۶۰	معلومات ضروریہ متعلقہ غزوہ بدر
۱۸۳	سورة توبہ کے ابتداء میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے	۱۶۳	موت کے وقت کافروں کی پٹائی
۱۸۵	اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں		سابقہ امتوں نے آیات الہیہ کو جھٹلایا جس کی وجہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۰۵	طائف کا محاصرہ اور وہاں سے واپسی	۱۸۶	مشرکین کے چار گروہ
۲۰۵	ہجرانہ میں تقسیم غنائم	۱۸۶	۹ھ میں حضرت ابوبکر کی ذی امارت حج کی ادائیگی اور مشرکین سے براءت کا اعلان۔
۲۰۵	حنین میں فرشتوں کا نزول	۱۸۹	الحج الاکبر سے کیا مراد ہے؟
۲۰۷	مشرکین نجس ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں	۱۹۰	مشرکین کو کسی قربت داری اور معاہدہ کی پاسداری نہیں
۲۰۹	اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم	۱۹۰	کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔
۲۱۰	حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ كَامَطْلَب	۱۹۲	مشرکین اس کے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں۔
۲۱۱	مسلمان اصحاب ارتداد جزیہ کا قانون نافذ کرنے سے جان چراتے ہیں۔	۱۹۵	مسجدوں کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے
۲۱۲	کن لوگوں پر جزیہ نہیں۔	۱۹۶	مساجد میں کیا کیا کام ممنوع ہیں
۲۱۳	یہود و نصاریٰ کی تردید جنہوں نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتایا۔	۱۹۷	مسجد کی صفائی کا اجر و ثواب
۲۱۳	تحلیل و تحریم میں غیر اللہ کی فرمانبرداری شرک ہے	۱۹۷	حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا ایمان اور جہاد کے برابر نہیں۔
۲۱۶	پھونگوں سے اللہ کا نور بجھایا نہ جائے گا۔	۱۹۸	مؤمنین اور مجاہدین کو بشارت
۲۱۸	یہود و نصاریٰ دین حق سے روکتے ہیں	۱۹۹	اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے کنبہ قبیلہ آل و اولاد
۲۲۲	مہینوں کی حلت و حرمت میں تقدیم و تاخیر کفر میں ترقی کرنا ہے۔	۲۰۰	مکان دکان کی کوئی حقیقت نہیں۔
۲۲۵	خروج فی سبیل اللہ کیلئے کہا جائے تو نکل کھڑے ہو	۲۰۱	ایمان کی مٹھاس پانے والے
۲۲۶	اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب وہ غار ثور میں تھے۔	۲۰۲	محبت کی دو قسمیں ہیں عقلی اور طبعی
۲۲۷	غار ثور کے ساتھی حضرت ابوبکرؓ تھے۔	۲۰۳	غزوہ حنین میں کثرت پر گھمنڈ ہو نیکی وجہ سے مسلمانوں کا شکست کھا کر بھاگنا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا
۲۲۸	حضرت ابوبکرؓ کی جاٹاری	۲۰۳	غزوہ حنین کا مفصل واقعہ
۲۲۹	روافض کی گمراہی	۲۰۴	مقام اوطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور انکی شکست

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۳۷	بنکوں میں زکوٰۃ کی رقم رکھنا	۲۳۰	منافقین کی بے ایمانہ اور بد حالی کا مظاہرہ۔
۲۳۸	منافقین نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دیتے ہیں اور	۲۳۱	منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے غزوہ تبوک کی
۲۳۸	مؤمنین کو راضی کرنے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں	۲۳۲	شرکت سے رہ گئے۔
۲۵۰	منافقین کی مزید شرارتوں کا تذکرہ۔	۲۳۵	منافقین کی بد باطنی کا مزید تذکرہ
۲۵۲	منافق مرد اور عورت نیکوں سے روکتے ہیں بخیل	۲۳۷	منافقین کا مال مقبول نہیں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں
۲۵۲	ہیں اللہ تعالیٰ کو بھول گئے ہیں۔	۲۳۸	کہ وہ تم میں سے ہیں۔
۲۵۳	منافقین کو دنیا سے محبت ہے اور ان کے لئے	۲۳۹	منافقین کا صدقات کے بارے میں طعن کرنا اور
۲۵۳	عذاب دوزخ ہے۔	۲۴۰	اللہ رسول کی تقسیم پر راضی نہ ہونا۔
۲۵۳	اقوام سابقہ کی بربادی سے عبرت لیں	۲۴۱	زکوٰۃ کے مصارف کا بیان
۲۵۴	مؤمنین کی خاص صفات اور ان کے لئے رحمت	۲۴۱	فقیر اور مسکین کون ہیں
۲۵۴	اور جنت کا وعدہ۔	۲۴۱	الْعَامِلِينَ عَلَيْهَا
۲۵۶	کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان	۲۴۱	فِي الرِّقَابِ
۲۵۷	کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا حکم۔	۲۴۱	الْفَارِغِينَ
۲۵۷	منافقوں کی مکاری اور جھوٹی قسمیں	۲۴۲	ابْنُ السَّبِيلِ
۲۵۸	منافقین نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا	۲۴۲	فِي سَبِيلِ اللَّهِ، مَوْلَاهُ قُلُوبُ
۲۶۰	بعض ایسے منافقین کا تذکرہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ	۲۴۳	سادات کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ
۲۶۱	سے عہد کیا کہ ہمیں مال دیا جائے گا تو صدقہ کریں	۲۴۳	رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا
۲۶۱	گئے۔ پھر انہوں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی۔	۲۴۴	نصاب زکوٰۃ
۲۶۱	منافقین کا مخلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر کرنا	۲۴۴	زکوٰۃ کے ضروری مسائل
۲۶۳	منافقین کا اس پر خوش ہونا کہ رسول اللہ ﷺ	۲۴۷	وفی سبیل اللہ میں عموم نہیں ہے
۲۶۳	کے ساتھ نہ گئے۔	۲۴۷	حج کے لئے چندہ مانگنا
۲۶۵	منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھے اور ان میں سے	۲۴۷	شادیوں کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینا
۲۶۵	کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہو جائے		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۸۹	مشرکین کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت	۲۶۶	وسعت ہوتے ہوئے منافقین کا اجازت طلب کرنا کہ غزوہ میں نہ جائیں۔
۲۹۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے استغفار کرنا پھر اس سے بیزار ہونا	۲۶۶	رسول اللہ اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بشارت۔
۲۹۲	کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں کرتا	۲۶۸	جن حضرات کے پاس سواری نہ تھی وہ غزوہ تبوک کی شرکت سے محرومی پر رورہے تھے۔
۲۹۳	اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جبکہ انہوں نے مصیبت کی گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا۔	۲۷۱	تبوک سے واپسی پر عذر پیش کرنے والوں کو جواب دیہاتوں میں سخت نفاق والے بھی ہیں اور مخلصین بھی
۲۹۴	تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے۔	۲۷۲	سبقت لے جانے والے مہاجرین و انصار اور ان کا اتباع کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔
۲۹۷	فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ غزوہ تبوک	۲۷۴	روافض کی گمراہی۔
۲۹۹	اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور بچوں کے ساتھ جانے کا حکم	۲۷۶	حضرات مہاجرین و انصار اور انکا اتباع کرنے والے جنتی ہیں۔
۳۰۳	صادقین کی مصاحبت	۲۷۶	مدینہ منورہ اور آس پاس کے دیہات میں رہنے والے منافقین کا تذکرہ۔
۳۰۴	فی سبیل اللہ سفر اور خرچ کرنے پر اجر و ثواب کا وعدہ	۲۷۷	مومنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے۔
۳۰۶	جہاد اور تفقہ فی الدین میں مشغول رہنے کی اہمیت اور ضرورت	۲۸۰	منافقوں کی ایک بہت بڑی مکاری اور مسجد ضرار کی بناء۔
۳۰۶	جہاد کی قسمیں۔	۲۸۶	اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کے عوض انکی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے
۳۰۶	تفقیہ اور تفقہ کی ضرورت	۲۸۸	مؤمنین کی صفات
۳۱۲	ان کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں	۲۸۹	حدود اللہ کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے
۳۱۳	منافقوں کی کافرانہ باتیں		
۳۱۳	رسول اللہ ﷺ کی صفات عالیہ اور اخلاق حسنہ کا بیان		
	سورۃ یونس		
۳۱۶	توحید و رسالت اور معاد کا اثبات		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۳۷	قرآن موعظت ہے سینوں کے لئے شفاء ہے اور ہدایت و رحمت ہے	۳۲۰	اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو روشن بنایا منزلیں مقرر فرمائیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو
۳۳۸	اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔	۳۲۲	اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا
۳۳۹	اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے کوئی ذرہ اور اس سے چھوٹی بڑی چیز اور مخلوق کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔	۳۲۳	انسان جلد باز ہے مصیبت میں اللہ کو پکارتا ہے اور عافیت کے وقت بھول جاتا ہے۔
۳۵۰	اولیاء اللہ نہ خوف زدہ ہوں گے نہ غمگین۔	۳۲۷	منکرین کی اس بات کا جواب کہ دوسرا قرآن لے آئیے یا اس کو بدل دیجئے
۳۵۳	مشرکین صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں انہوں نے اللہ کے لئے اولاد تجویز کر کے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے۔	۳۲۹	مشرکین کی گمراہی اور انکے قول و عمل کی تردید
۳۵۷	حضرت نوح علیہ السلام کا جرأت کے ساتھ اپنی قوم سے خطاب فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا غرق ہو جانا	۳۳۳	دنیا کی بے ثباتی کی ایک مثال
۳۵۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف مبعوث ہونا اور ان کے مقابلہ میں جادو گروں کا شکست کھانا	۳۳۵	اہل جنت کی نعمتیں اور اہل دوزخ کی بد صورتی اور عذاب دائمی کا تذکرہ
۳۶۰	مصر میں بنی اسرائیل کا بے بس ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا انہیں توکل کی تلقین فرمانا اور گھروں میں نمازیں پڑھنے کا اہتمام کرنے کا حکم دینا۔	۳۳۷	باطل معبود اپنے پرستاروں سے کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔
۳۶۱	فرعون اور آل فرعون کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی بد دعاء فرعون کا غرق ہونا اور عبرت کے لئے اس کی نعش کا باقی رکھا جانا۔	۳۳۸	مشرکین سے سوال کہ تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہارے کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے اور تمام کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے؟
۳۶۵	بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ اور پاکیزہ رزق ملنا۔	۳۳۹	مشرکین سے مزید سوالات اور توحید پر آنے کی دعوت
۳۳۶	عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان	۳۴۰	قرآن حکیم کی حقانیت پر واضح دلیل اس جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج
		۳۴۲	قیامت کا منظر دنیا میں عذاب آنے کی وعید
		۳۴۶	ظالم لوگ جان چھڑانے کے لئے زمین بھر کر فدیہ دینے کو تیار ہوں گے اور انکے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا۔

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۸۷	مومن اور کافر کی مثال	۳۶۶	لانا اور عذاب سے بچ جانا۔
۳۸۸	حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا ہٹ دھرمی کے ساتھ پیش آنا۔	۳۶۹	اگر اللہ چاہتا تو سب ایمان قبول کر لیتے۔
۳۹۱	دنیاوی مال و عہدہ عند اللہ مقبول ہونے کی دلیل نہیں	۳۷۰	اللہ تعالیٰ ہی لائق عبادت ہے وہی خیر اور ضرر کا مالک ہے اس کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔
۳۹۲	قوم کا مزید عناد اور عذاب کا مطالبہ اور حضرت نوح علیہ السلام کا جواب۔	۳۷۲	ہدایت کا نفع اور گمراہی کا نقصان انسان کو ذاتی طور پر خود پہنچتا ہے۔
۳۹۳	قرآن کو افتراء بنانے والوں کا جواب		سورۃ ہود
۳۹۴	حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم اور سرداران قوم کا تمسخر۔	۳۷۳	اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے حضور توبہ کرنے پر انعام۔
۳۹۵	پانی کا طوفان کافروں کی غرقابی اور اہل ایمان کی نجات	۳۷۴	إِلَّا أَنَّهُمْ يُشْكُونُ صُدُّهُمْ كَسَبَ نَزُولِ
۳۹۶	حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا موج کی پلیٹ میں طوفان کا ختم ہونا اور کشتی کا جودی پہاڑ پر ٹھہرنا	۳۷۶	زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔
۳۹۹	اہل ایمان کا باسلامت کشتی سے اترنا۔	۳۷۶	مستقر و مستودع کی تفسیر
۴۰۰	حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ	۳۷۷	رزق پورا کئے بغیر کسی کو موت نہ آئے گی
۴۰۰	عبرت اور نصیحت ہے اور خاتم الانبیاء علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے	۳۷۸	”إِن كُنتُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا“
۴۰۱	جودا پہاڑ کہاں ہے؟	۳۷۸	کثرت عمل سے زیادہ حسن عمل کی کوشش کی جائے
۴۰۲	قوم عاد کو حضرت ہود علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا قوم عاد کا متکبرانہ دعویٰ اور حضرت ہود علیہ السلام سے	۳۸۰	نا اُمیدی، ناشکری، شیخی بگھارنا انسان کا خاص مزاج ہے۔
۴۰۳	بے تکی باتیں کرنا۔	۳۸۱	منکرین کو چیلنج کہ قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر لائیں
۴۰۴	قوم عاد کی بربادی	۳۸۳	کافروں کے اعمال کا دنیاوی میں بدلہ دے دیا جاتا ہے
		۳۸۳	ایک جاہلانہ اعتراض کا جواب
		۳۸۵	ظالموں پر اللہ کی لعنت اور اہل ایمان کے لئے جنت

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۴۱۹	قیامت کے دن سب جمع ہوں گے۔ کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی، الا باذن اللہ	۴۰۵	قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا، اور قوم کا نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہونا۔
۴۲۰	قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی دو قسمیں	۴۰۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتوں کا حاضر ہونا، بیٹے اور پوتے کی بشارت دینا۔
۴۲۱	مصادمت السموات والارض کا مطلب	۴۲۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ کا متعجب ہونا اور فرشتوں کا جواب دینا۔
۴۲۲	الا ماشاء ربک	۴۱۰	حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کا آنا، بدکار لوگوں کا ہلاک ہونا اور اہل ایمان کا نجات پانا
۴۲۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت شریف کا تذکرہ اور آنحضرت ﷺ اور آپ کی تبعین کو استقامت پر رہنے کا حکم۔	۴۱۱	بستیوں کا الٹنا اور پتھروں کی بارش برسنا
۴۲۳	حد سے آگے بڑھنے کی ممانعت	۴۱۳	مدین والوں کو حضرت شعیب علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا
۴۲۵	ظالموں کی طرف بھگنے کی ممانعت	۴۱۵	حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمانا کہ میری مخالفت تم پر عذاب آنے کا سبب نہ بن جائے۔
۴۲۶	نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں	۴۱۶	اہل مدین کا بُری طرح جواب دینا اور ہلاک ہونا
۴۲۹	گزشتہ اثین جو ہلاک ہوئیں ان میں اہل بصیرت نہ تھے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے	۴۱۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور آل فرعون کی بغاوت۔ دنیا و آخرت میں آل فرعون پر لعنت۔
۴۳۱	قدرت ہوتے ہوئے گناہ گاروں کو نہ روکنا عام عذاب آنے کا سبب ہے۔		اللہ تعالیٰ ظالموں کی گرفت فرماتا ہے، کسی گرفت سخت ہے۔
۴۳۲	جمعہ کے دن سورۃ ہود کی تلاوت کرنا		



قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِيبَ وَالَّذِينَ آمَنُوا

ان کی قوم کے سردار جو تکبر کرنے والے تھے کہنے لگے کہ اے شعیب ضرور ضرور ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے

مَعَكَ مِنْ قَرِيْبَيْنَا اَوْ لَنَعُوْدَنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوْ لَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ ۝۷۰ قَدْ افْتَرَيْنَا

اپنی ہستی سے نکال دیں گے۔ یا یہ کہ تم ہمارے دین میں والہیں آ جاؤ انہوں نے جواب دیا کیا (ہم تمہارے دین میں والہیں آ جائیں گے) اگرچہ دل سے برا جانتے ہیں: اگر ہم تمہارا دین میں

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجَّيْنَا اللّٰهَ مِنْهَا وَمَا يَكُوْنُ

واپس ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے بن جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے اس سے ہم کو نجات دلائی اور ہم سے یہ نہیں ہو سکتا

لَنَا اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا

کہ ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں اِلَّا یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ

ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے۔ اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر

الْفَاتِحِيْنَ ۝۷۱ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِيْنِ الْاَبْعَثْكُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ

فیصلہ کرنے والا ہے اور کہا ان کی قوم کے سرداروں نے جو کفر پر تھے کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلے لگو گے تو بلا شبہ

اِذَا الْخُسُوفُ ۝۷۲ فَاَخَذَ تَهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوا فِيْ دَارِهِمْ جَثِيْمِيْنَ ۝۷۳

بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ سو پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے سو وہ صبح کے وقت اس حال میں ہو گئے کہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے تھے

الَّذِيْنَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۝۷۴ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا

جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا کہ وہ ان گھروں میں رہے ہی نہیں تھے جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی

الْخٰسِرِيْنَ ۝۷۵ فَتَوَلٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰ قَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلَتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ

نقصان میں پڑنے والے ہیں سو پشت پھیری ان کی طرف سے اور کہا کہ اے میری قوم بے شک میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی

لَكُمْ فَكَيْفَ اَسٰى عَلَى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝۷۶

کی سو پھر میں کفر اختیار کرنے والی قوم پر کیوں رنج کروں؟



حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اہل ایمان کو کفر میں واپس آنے کی دعوت دینا اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہونا

تفسیر: جو قوم کے سردار ہوتے ہیں وہ متکبر بھی ہوتے ان متکبر سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے دین میں کیسے آ سکتے ہیں جبکہ ہم اسے بُرا جانتے ہیں۔ خدا نخواستہ اگر ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی یعنی اگر ہم پھر تمہارا دین اختیار کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا یہ اعتقاد غلط ہے کہ شعیب اللہ کے نبی ہیں اور جو دین اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں یہ حق ہے۔ اس طرح سے تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے۔ کفر کا عقیدہ رکھنا اور کفر کو دین حق سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنے کا معنی یہ ہے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے العیاذ باللہ۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دے دی اور ہم نے سوچ سمجھ کر قبول کر لیا تو اس کو چھوڑ دینا اور زیادہ تہمت کی چیز ہوگی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے لئے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تمہارے دین میں واپس ہو جائیں ہاں! اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو تو اور بات ہے (اس میں یہ بتایا کہ ہدایت پانا اور گمراہ ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اور قضاء و قدر سے ہوتا ہے اور ایمان پر جتنا ہمارا کوئی کمال نہیں جو استقامت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے)۔ ہمارا رب علم کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا ہے (اللہ تعالیٰ سے ہمیں اُمید ہے کہ وہ تمہارے مکر و فریب سے ہمیں بچا دے گا اور ہمیں اپنے محبوب دین پر استقامت سے رکھے گا) بستی والوں کو یہ جواب دے کر وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا کی کہ اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دیجئے اور آپ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں۔

قوم کے سرداروں نے اپنی عوام سے یہ بھی کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے (اس میں انہوں نے اپنے ان عوام کو بھی حضرت شعیب علیہ السلام کے اتباع سے روکا جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا تھا اور اہل ایمان پر بھی تعریض کی کہ تم نقصان میں پڑ چکے ہو) فَاِخَذُواْ نَفْسَهُمُ الْجُنْفُ فَكَتَبُوْاْ فِیْ ذٰلِكَ مِنْ جُنْحِیْنٍ (سوان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا۔ سو وہ اپنے گھروں میں صبح کے وقت اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے) اس میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ جیسے قوم ثمود کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے اور وہیں کے وہیں ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا بھی حال ہوا۔ سورہ ہود میں ہے۔ اَلَا بُعْدًا لِّمَیْمِنٍ کَمَا یَبْعَثُ ثَمُوْدُ۔ (خبردار مین کے لئے رحمت سے دُوری ہے جیسا کہ قوم رحمت سے دور ہوئی)

پھر فرمایا اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعْبٰیۤ اَکَانَ لَہُمْ یَعْقُوْلٰۙہُمْ۔ (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا وہ اپنے گھروں میں رہے ہی

نہ تھے) اَلَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَاذِبًا كَانُوا لِحُكْمِ الْعِزَّةِ (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ میں پڑنے والے ہوئے) کہ اپنی جانوں کو جا بھی میں ڈالاً نہ دنیا کے رہے نہ آخرت ملی۔ اہل ایمان کو وہ خسارہ میں بتا رہے تھے اور حقیقت میں خود خسارہ میں پڑ گئے۔

فوائد

فائدہ نمبر ۱: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحب زادہ کا نام مدین تھا۔ ان ہی کے نام پر اس بستی کا یہ نام مشہور ہو گیا جس میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قیام تھا۔ سورۃ اعراف سورہ ہود اور سورہ عنکبوت میں حضرت شعیب علیہ السلام کی امت کو اصحاب مدین بتایا ہے جسکی طرف وہ مبعوث ہوئے اور سورہ شعراء میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں بھی یہ فرمایا کہ ان کو حضرت شعیب علیہ السلام نے ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا۔ دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ دونوں ہی قوموں کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے۔ البتہ بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم ہو لیکن قرآن کے سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قومیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اہل مدین کے بارے میں لفظ اخحاهم کا اضافہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل مدین ہی کی قوم کے فرد تھے۔ اور اصحاب الایکہ کے بارے میں لفظ اخحاهم استعمال نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث تو ہوئے لیکن وہ خود ان میں سے نہ تھے اور دونوں ہی قوموں میں ناپ تول میں کم کر کے دینے کا رواج تھا۔

اصحاب مدین پر کون سا عذاب آیا؟ یہاں سورۃ اعراف میں اہل مدین کے بارے میں بتایا کہ وہ رحمہ یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے اور سورہ عنکبوت میں بھی ایسا ہی فرمایا ہے اور سورہ ہود میں فرمایا ہے کہ وہ صحیحہ یعنی چیخ سے ہلاک ہوئے۔ اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ دونوں ہی طرح کا عذاب آیا تھا۔ اور اصحاب الایکہ کے بارے میں سورہ شعراء میں فرمایا۔ فَكَذَّبُوهُ فَاصْدَعْ لَهُمْ عَذَابَ الْيَوْمِ الظَّلَامَةِ (کہ انہوں نے شعیب کو جھٹلایا لہذا اُن کو سایہ والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا) انکی بربادی اس طرح ہوئی کہ ان کی پوری بستی میں سخت گرمی پڑی جس سے سب بلبلا اُٹھے پھر قریب ہی میں انہیں گہرا بادل نظر آیا۔ گرمی سے گھبرائے ہوئے تو تھے ہی اس بادل کے سایہ میں جمع ہو گئے۔ جب سب وہاں پہنچ گئے تو بادل سے آگ برسی اور یہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ ایک جگہ جنگل کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ جنگل نمابستیوں میں رہتے تھے اس لئے ان کو اصحاب الایکہ کہا جاتا ہے۔ اصحاب الایکہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب فرمانا اور ان کا اُلٹے اُلٹے جواب دینا ان پر عذاب آنا سورہ شعراء (رکوع ۱۰) میں مذکور ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال

فائدہ نمبر ۲: حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید کی دعوت دیتے ہوئے ان سے یہ بھی فرمایا کہ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ کہ ناپ تول میں کمی نہ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَلَا تَحْسَبُوا النَّاسَ كَثِيرًا هُمْ کہ لوگوں کو انکی چیزیں گھٹا کر

مت دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال بچتے وقت گاہک کو مال کم دینا صرف یہی منع نہیں ہے بلکہ کسی بھی طرح سے کسی کا مال رکھ لینا حق مارنا حلال نہیں۔ جو لوگ ملازمتیں کرتے ہیں ان میں جو لوگ تنخواہ پوری لے لیتے ہیں کام پورا نہیں کرتے یا وقت پورا نہیں دیتے۔ آیت کا عمومی مضمون ان لوگوں کو بھی شامل ہے۔ ناپ تول کی کمی کو سورۃ مطفقین میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيَلِّ لَكُمْ طُفْقَيْنَ الَّذِينَ إِذَا أَكَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالَهُمْ أَوْ ذُكِّرْتُمْ يَنْحُسِرُونَ۔ (بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جب یہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیتے ہیں)۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ناپ تول کا کام کرنے والوں سے فرمایا کہ ایسے دو کام تمہارے سپرد کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں (رواہ الترمذی کنانی المسکوٰۃ ص ۲۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت کا رواج پا گیا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا اور جن لوگوں میں زنا کی کثرت ہو جائے گی ان میں موت کی کثرت ہو جائے گی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے اُن کا رزق کاٹ دیا جائے گا۔ اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں خوں ریزی پھیل جائے گی اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا)

ہر گناہ سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ آخرت کی فکر دامن گیر ہو۔ اور وہاں کے مواخذہ اور محاسبہ اور عذاب کا احتضار ہو۔ ناپ تول میں کمی کرنے کا جو گناہ ہے اسکے بارے میں سورۃ مطفقین میں فرمایا۔ الَّذِينَ إِذَا كَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالَهُمْ أَوْ ذُكِّرْتُمْ يَنْحُسِرُونَ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) ناپ تول میں کمی کر کے دینے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی بھی ہے اور بندوں کے حقوق مارنے کا گناہ بھی ہے۔ قیامت کے دن دونوں باتوں کا مواخذہ ہوگا اور بندوں کے جو حقوق مارے ہیں ان کے عوض نیکیاں دینی ہوں گی اور نیکی نہ ہوئی تو اصحاب حقوق کے گناہ اپنے سر لینے ہوں گے جیسا کہ حقوق العباد کی ادائیگی کے بارے میں حدیث میں وارد ہوا ہے۔

عبادت میں کمی اور کوتاہی: جس طرح حقوق العباد میں تطفیف کی جاتی ہے عبادات میں بھی لوگ ایسا کرتے ہیں۔ لیکن اس کا احساس نہیں ہوتا۔ دنیاوی کوئی نقصان ہو جائے تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور عبادات میں کوئی نقصان ہو جائے تو دل پر اثر نہیں ہوتا۔ موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو عمر کی نماز میں موجود نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ تمہیں نماز سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے کوئی عذر بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”طَقَفْتُ“ کہ تو نے نقصان کا کام کیا۔ اس کے بعد امام مالک نے فرمایا۔ ”لِکُلِّ شَيْءٍ وَفَاءٌ وَتَطْفِيفٌ“۔ یعنی ہر چیز کے لئے پورا کرنا بھی ہے اور کم کرنا بھی۔ (موطا جامع الوقت)

مطلب یہ کہ کسی بھی چیز کو قاعدہ کے مطابق مکمل کر دینا وفاء ہے یعنی پوری ادائیگی ہے اور اگر کمی کر دی جائے تو یہ تطفیف ہے یعنی نقصان کی بات ہے۔ نمازوں کو صحیح طریقہ پر نہ پڑھنا رکوع و سجود میں سے کٹوتی کرنا یہ سب تطفیف ہے۔

قوم کی بربادی کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب: فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰ قَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَتِ رَبِّي وَنَحْتُلُكُمْ فَلَئِنْ اَتَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّكَفَرٌ مِّمَّنْ (پھر ان لوگوں سے منہ پھیر اور کہنے لگے کہ اے میری قوم میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کر چکا۔ سو اب کافروں پر کیسے افسوس کروں) جب حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی بربادی ہو گئی تو انہوں نے اُن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم میں نے تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی۔ لیکن تم نے سب سنی ان سنی کر دی۔ پر اب کفر پر جسے رہے تو اب میں کافر لوگوں پر کیسے رنج کروں۔ تم نے خود ہی اپنی بربادی کا سامان کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی بربادی کے بعد بطور حسرت فرضی خطاب فرمایا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب عذاب آنے کے آثار نمودار ہوئے ہوں اس وقت حضرت شعیب علیہ السلام نے زندوں ہی کو خطاب فرمایا ہو اور یہ خطاب فرما کر وہاں سے روانہ ہو گئے ہوں۔

قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے اہل ایمان کے ساتھ مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور وہیں وفات ہوئی حضرت ابن عباسؓ سے ابن عباسؓ نے نقل کیا ہے کہ مسجد حرام میں صرف دو قبریں ہیں۔ ایک قبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جو حطیم میں ہے اور ایک قبر شعیب علیہ السلام کی جو حجر اسود کے مقابل کسی جگہ پر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (روح المعانی ص ۹۷۸)

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ اُس کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف کے ساتھ نہ پکڑا ہو

لَعَلَّهُمْ يَضُرَّعُونَ ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوا وَقَالُوا قَدْ

تاکہ وہ عاجزی کریں۔ پھر ہم نے بد حالی کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں تک کہ وہ بڑھتے چلے گئے۔ اور کہنے لگے

مَسَّ آبَاءُنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ

ہمارے باپ دادوں کو تکلیف اور خوشی پہنچ چکی ہے۔ سو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اس حال میں کہ انہیں خبر بھی نہ تھی۔ اگر

أَنَّ أَهْلَ الْقَرْيَةِ آمَنُوا وَاتَّقُوا فَفَتَنَّا عَلَيْهِمُ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِن

ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان کی اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ لیکن

كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۳﴾ أَفَأَمِّنَ أَهْلُ الْقَرْيَةِ أَن يَأْتِيَهُمُ بَأْسُنَا

انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا۔ کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب ان کے پاس

بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿۱۴﴾ أَوْ آمِنَ أَهْلُ الْقَرْيَةِ أَن يَأْتِيَهُمُ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ

رات کے وقت اس حال میں آجائے کہ وہ سو رہے ہوں یا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے جبکہ وہ

يَلْعَبُونَ ۝ اَفَاَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُونَ ۝

کھیل رہے ہوں۔ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے غرور ہو گئے۔ سو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جن کا برباد ہونا ہی طے پا چکا ہو

جن بستیوں میں نبی بھیجے گئے ان کو خوشحالی اور بدحالی کے ذریعہ آزمایا گیا

تفسیر: گزشتہ چند رکوع میں متعدد قوموں کی تکذیب اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا۔ ان بستیوں کا حال نبی اسرائیل کو معلوم تھا اور قریش بھی تجارت کے لئے ملک شام کی طرف جاتے تھے وہ بھی ان میں سے بعض بستیوں پر گزرتے تھے۔ اور اگر کسی کو ان کے حالات معلوم نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمادئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کر سنا دیا۔ ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ سابقہ اقوام کی بربادی کا سبب ان کا کفر تھا اور ان کے اعمال بد تھے۔ اس رکوع میں اول تو یہ فرمایا کہ جس کسی بستی میں ہم نے نبی بھیجا وہاں کے رہنے والوں کو تنبیہ کرنے کے لئے پکڑا۔ یہ گرفت سختی اور دکھ و تکلیف کے ذریعہ تھی۔ اساء سے سختی اور عام مصائب اور حضراء سے جسم و جان کی تکلیفیں مراد ہیں۔ ان کو یہ گرفت اس لئے تھی کہ یہ لوگ کفر و نافرمانی کی زندگی کو چھوڑ دیں اور اپنے خالق و مالک کے سامنے گڑ گڑائیں اور عاجزی کریں اور کفر سے اور نافرمانیوں سے توبہ کریں۔ لیکن یہ لوگ برابر طغیانی اور سرکشی پر تلے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انکی بدحالی کو اچھے حال سے بدل دیا۔ نعمتوں سے نوازا۔ خوشحالی عطا فرمائی۔ تندرستی دی۔ مال دیا یہاں تک کہ جان و مال میں کثرت ہو گئی پہلے تو تنگدستی و بدحالی کے ذریعہ آزمائے گئے تھے اب انہیں نعمتیں دے کر آزمایا گیا۔ پہلے امتحان میں توفیل ہوئے ہی تھے دوسرے امتحان میں بھی فیل ہو گئے۔ نہ بدحالی میں مبتلا ہو کر راہ راست پر آئے نہ خوشحالی سے عبرت حاصل کی بلکہ الٹا یہ نتیجہ نکالا کہ اچی ایہ خوشحالی کچھ ایمان اور کفر اور اچھے کاموں اور بُرے کاموں سے متعلق نہیں ہے۔ یہ دنیا کا الٹ پھیر ہے۔ کبھی خوشحالی کبھی بدحالی ہمارے باپ دادوں پر بھی یہ دونوں حالتیں گزری ہیں۔ لہذا ہم اپنا دین کیوں چھوڑ دیں۔ ہمارے باپ دادے بھی اپنے دین پر جے رہے ہم بھی مضبوط ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ تنگ دستی اور سختی سے عبرت لی اور نہ خوشحالی اور نعمتوں سے نوازے جانے پر شکر گزار ہوئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اچانک انکی گرفت فرمائی۔ نزول عذاب کا پتہ بھی نہ چلا اور مبتلائے عذاب ہو کر ہلاک ہو گئے۔

اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے تو
انکے لئے آسمان وزمین کی برکات کھول دی جاتیں

اس کے بعد فرمایا: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقَرْيَةِ اٰمَنُوا وَآلَفُوا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (اور اگر ان بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیز کرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے) وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاهْتَمَّ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (اور

لیکن انہوں نے جھٹلایا لہذا ہم نے انکے اعمال کی وجہ سے انکی گرفت کر لی) اس آیت میں ایک عمومی تکوینی قانون بتایا ہے اور وہ یہ کہ جب لوگوں میں ایمان ہوگا اعمال صالحہ ہوں گے کفر و شرک اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہوں گے تو انکے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں کھول دی جائیں گی۔ آسمان سے بھی برکتیں نازل ہوگی اور زمین سے بھی نکلیں گی بہت ہی زیادہ خوشحال زندگی گزاریں گے اور اگر ایمان نہ ہوگا اور اعمال صالحہ نہ ہوں گے تو گرفت ہوگی نعمتیں چھن جائیں گی اور عذاب آئیں گے۔ شاید کسی کو یہ دوسوہ آئے گا ہم تو دیکھتے ہیں کہ کافر خوشحال رہتے ہیں نعمت و دولت انکے پاس وافر مقدار میں ہوتی ہے نزول عذاب کے ذریعہ انکی گرفت نہیں ہوتی یہ دوسوہ غلط ہے کیونکہ آیت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ سارے عالم کے کافروں اور نافرمانوں پر ایک ہی وقت میں عذاب آئے گا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق دنیا کے مختلف علاقوں میں عذاب آتے رہتے ہیں جنہیں جاننے والے جانتے ہیں۔ پھر ہذا یوں کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ زلزلے آنا۔ آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا۔ سیلابوں سے برباد ہونا۔ ٹڈی کا آ جانا اور کھیتیاں صاف کر دینا۔ نئے نئے امراض پیدا ہونا۔ یہ سب عذاب کی صورتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ایک قانون استدراج کا بھی ہے اور وہ یہ کہ کافروں کو ڈھیل دے دی جاتی ہے وہ نعمتوں میں پڑ کر اور زیادہ بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ پھر اچانک پکڑ لئے جاتے ہیں۔ اور موت کے بعد جو مؤاخذہ اور عذاب ہے وہ اس کے علاوہ ہے جو کافروں کے لئے دائمی ہے۔

اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں: اس کے بعد آنحضرتؐ سرور عالم ﷺ کے زمانے کے کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پرانی قوموں پر عذاب بھیجا ان پر بھی عذاب آ سکتا ہے۔ کیا یہ لوگ اس بات سے نڈر ہیں کہ انکے پاس ہمارا عذاب رات کے وقت آ جائے جب کہ یہ سوتے ہوں یا اس بات سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب دن کے شروع حصہ میں آ جائے جبکہ یہ لوگ کھیل رہے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں۔ پہلی امتوں سے عبرت حاصل کریں اور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب سے باز آئیں۔ پھر فرمایا اَفَاَوْتُوا مَكْرًا لِّلّٰہِ (کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے نڈر بنے ہوئے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ نڈر نہ بنیں اللہ کا عذاب آنے سے ڈریں اور ایمان قبول کریں فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (کیونکہ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہو جاتے ہیں جن کو تباہ ہی ہونا ہے) عذاب کی تاخیر سے یہ نہ سمجھیں کہ عذاب نہیں آئے گا جب عذاب آئے گا تو دیکھتے ہی رہ جائیں گے اور عذاب سے بچ نہ سکیں گے۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۱۸۴ ج ۲) فرماتے ہیں۔ ومسکر اللہ استدراجہ ایہا ہم بما انعم علیہم فی دنیاہم یعنی مکر اللہ (اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر) سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا فرماتا ہے اور عذاب بھیجنے میں اسکی طرف سے تاخیر ہوتی ہے اس ڈھیل سے لوگ دھوکہ میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور زیادہ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اٰہْلِہَا اَنْ لَّوْشَآءُ اَصْبٰہُمْ

جو لوگ زمین کے وارث ہوتے ہیں کیا انہیں مذکورہ اقوام کے واقعات نے یہ نہیں بتایا کہ ہم چاہیں تو انکے

يَذُوبُهُمْ وَتُطْبَعُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۚ تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ

گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیں اور اُن کے دلوں پر ہم مہر لگائے ہوئے ہیں سو وہ نہیں سنتے۔ یہ بستیاں ہیں انکی بعض

عَلَيْكَ مِنْ أَنْبِيَآئِهَا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا

خبریں ہم آپ کو سناتے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے تو جس چیز کو وہ پہلے

بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۚ وَمَا وَجَدْنَا

جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ تھے اللہ ایسے ہی مہر لگا دیتا ہے کافروں کے دلوں پر اور ہم نے ان میں سے

لَا أَكْثَرَهُمْ مِنْ عَهْدٍ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَسِيقِينَ ۚ

اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا اور ہم نے اُن میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا

زمین کے وارث ہونے والے

سابقہ امتوں سے عبرت حاصل کریں

تفسیر: ہلاک ہونے والی چند امتوں کے جو واقعات گذشتہ چند رکوع میں بیان کئے گئے ان سے عبرت دلانے کے

لئے ارشاد فرمایا کہ جو امتیں ہلاک کی گئیں ان کی جگہ جو لوگ زمین پر آباد ہوئے کیا ان بعد میں آنے والوں کو ان واقعات

سے عبرت حاصل نہ ہوئی اور کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر

دیں۔ اور بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ لہذا وہ سنتے ہی نہیں۔ کاتوں سے سن لیتے ہیں لیکن قبول

کرنے کی نیت سے نہیں سنتے۔ لہذا سنا بے سنا برابر ہو جاتا ہے۔ اور یہ مہر لگانا ایسا ہی ہے جیسا کہ سورہ نساء میں فرمایا۔

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ كُفْرِهِمْ (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر لگا دی ہے) اور اسی کو سورہ صف میں

فرمایا فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ (سو جب وہ ٹیڑھے رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا) جب انسان کفر کو اختیار

کر لیتا ہے اور اسی پر جمار ہوتا ہے اور دلائل واضح کے ہوتے ہوئے حق قبول نہیں کرتا تو اللہ کی طرف سے یہ سزا بھی دی جاتی

ہے کہ دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جس کی وجہ سے حق قبول کرنے کا موقع ختم ہو جاتا ہے۔ تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبِيَآئِهَا

(یہ بستیاں ہیں جن کے قصے ہم آپ کو سناتے ہیں) وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ (اور اُن کے پاس ان کے پیغمبر واضح

معجزات لے کر آئے) فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ (اور وہ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کو انہوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا اس پر

ایمان لے آتے) ان کے پاس حق آیا تو اسکی تکذیب جو پہلے کر دی تھی اسی تکذیب پر بچے رہے لہذا ایمان نہ لائے۔

كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ (ایسے ہی اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے) اس مہر لگانے کا سبب اوپر بیان

ہوا ہے۔ اس مہر کے سبب اپنے کفر پر اڑے رہتے ہیں۔

کافر اقوام کا یہی طریقہ ہے کہ جب پہلی بار منکر ہو گئے تو ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کے باعث حق کو ہرگز قبول نہیں کرتے۔ اگرچہ دلائل عقلیہ سب سے آیت تکویدیہ کھل کر سامنے آ جائیں۔

پھر فرمایا: **وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ سَعِيَةً** (اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا) انسان کا یہ عجیب مزاج ہے کہ جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اور بہت پکا شرک بھی اپنے باطل معبودوں کو بھول جاتا ہے۔ اور یہ وعدے کرنے لگتا ہے کہ یہ مصیبت دور ہوگئی تو ایمان قبول کر لوں گا اور شرک سے پرہیز کروں گا لیکن مصیبت دور کرنے کے بعد وہ اپنے عہد کو بھول جاتا ہے اور پھر شرک اور کفر پر ہی جما رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی پاسداری نہیں پائی۔

پھر فرمایا: **وَرَأَوْا وَعْدًا أَكْثَرُهُمْ لَا يَسْقِينَ** (اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر کو فاسق پایا) جو اطاعت و فرمانبرداری سے دور ہی رہے۔ لفظ ”اکثر“ سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے عہد کو پورا کیا۔

عہد کو پورا نہ کرنا اور بار بار توڑ دینا اس کا کچھ میان فرعون اور اسکی قوم کی بدعہدیوں کے ذیل میں دور رکوع کے بعد مذکور ہے۔ **وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى لَئِنْ كَشَفْتُ عَنْآلِ الْبَحْرِ عَنَّا الْبَحْرَ جَزَأَ إِلَى قَوْلِهِ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ**۔

جو لوگ مصیبتوں کو اللہ کی طرف سے سمجھتے ہی نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسا ہی ہوتا رہتا ہے ہمارے باپ دادا بھی تکلیفوں میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کا بیان اس رکوع سے پہلے رکوع میں تھا۔ یہ لوگ اللہ کی طرف سے مصائب کو سمجھتے تو وعدے کرتے اس رکوع میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مصائب کے وقت وعدے کرتے ہیں پھر مصیبت ٹل جانے کے بعد وعدہ فراموش ہو جاتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَنَلَائِهِ فَظَلَمُوا بِهَا فَانظُرْ

پھر ہم نے ان کے بعد اپنی آیات کے ساتھ موسیٰ کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا جو انہوں نے ان آیات کے ساتھ ظلم والا معاملہ کیا سو تو دیکھ لے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝۶۰ وَقَالَ مُوسَىٰ لِفِرْعَوْنَ إِنِّي رَسُولٌ مِّنْ رَبِّ

فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا؟ اور کہا موسیٰ نے کہ اے فرعون بیشک میں رب

الْعَالَمِينَ ۝۶۱ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ

العالمین کی طرف سے رسول ہوں میرے لئے یہی شایان شان ہے کہ سچ کے علاوہ اللہ کی طرف کسی بات کو منسوب نہ کروں میں تمہارے پاس

رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۝۶۲ قَالَ إِن كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا

تمہارے رب کی طرف سے دلیل لایا ہوں سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ فرعون کہنے لگا کہ اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اسے پیش کر دے

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶﴾ وَنَزَعْنَا

اگر تو سچا ہے۔ موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو اچانک وہ بالکل واضح طور پر ایک اڑدھا بن گئی اور اپنا ہاتھ

يَدَهُ فَاِذَا هِيَ بَيْضٌ اَخْوِلٌّ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

نکالا تو یکا یک وہ دیکھنے والوں کو سفید نظر آ رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس تشریف لے جانا اور اسکو معجزے دکھانا

تفسیر: سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کو معجزات دے کر فرعون اور اسکی قوم کی طرف بھیجا جن میں اُس کی قوم کے سردار بھی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کو تو حید کی دعوت دی اور فرعون سے یہ بھی فرمایا تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے تکی جاہلانہ باتیں کیں اور مختلف قسم کے سوالات کئے اس مکالمہ کا ذکر سورہ طہ ۲۷ اور سورہ شعراء ۲۷ میں ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے خطاب کیا اور اپنا نبی ہونا ظاہر کیا تو فرمایا: يٰۤاٰمُرُؤُا۟ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اے فرعون بیشک میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں) حَقِیْقٌ عَلٰی اَنَّ لَاۤ اَقُوْلُ عَلٰی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقُّ (میرے لئے یہی شایان شان ہے کہ سچ کے علاوہ کسی چیز کی نسبت اللہ کی طرف نہ کروں) قَدْ جِئْتُكَ بِبَیِّنٰتٍ مِّنْ رَّبِّكَ (میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں)۔ اس دلیل یعنی معجزہ کو سمجھ لو دیکھ لو میری نبوت کا اقرار کرو۔ فَاٰیْسِلْ مَعِیْٓ بَنِیْۤ اِسْرَٔءِیْلَ (اے فرعون بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے) تاکہ یہ قوم قبط کے مظالم سے چھوٹ جائیں اور اپنے وطن سابق میں جا کر آباد ہو جائیں قَالَ اِنْ كُنْتَ حَسِبْتَ اَنَّیْٓ اَمَّاۤ اَنْتَ بِهَآ اَنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (فرعون نے کہا اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو اس کو پیش کر دے اگر تو سچا ہے) فَاَلْقٰی عَصَاۤہُ فَاِذَا هِیْ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ (سوانہوں نے اپنی لاٹھی ڈال دی سو وہ اچانک بالکل واضح طور پر اڑدھا بن گئی) یہ ایک معجزہ ہوا۔ وَنَزَعْنَا یَدَہٗ فَاِذَا هِیْ بَیْضٌ اَخْوِلٌّ لِلنّٰظِرِیْنَ (اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو یکا یک دیکھنے والوں کو سفید نظر آ رہا ہے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ پہلے گریبان میں ڈالا پھر گریبان سے نکالا تو خوب روشن اور چمکدار ہو کر نکلا۔

روح المعانی (ص ۲۱ ج ۹) میں لکھا ہے: اٰی بَیْضٌ یَّابِضٌ نُّوْرَانِیٌّ..... غلب شعاعہ شعاع الشمس کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرعون کو اپنا ہاتھ دکھایا وہ اس وقت اتنا زیادہ روشن ہو گیا تھا کہ اسکی شعاعیں سورج کی شعاعوں پر غالب آ گئیں۔ دونوں معجزے دیکھ کر فرعون اور اسکی قوم کے سردار ایمان نہ لائے اور سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر بتانے لگے اور جادو گروں کو بلا کر مقابلہ کرایا جس کے نتیجہ میں جادوگر ہار مان گئے اور مسلمان ہو گئے۔ جس کا تذکرہ ابھی آئندہ آیات میں آ رہا ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلِيمٌ ۝ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ

سرदारوں نے کہا جو فرعون کی قوم میں سے تھے کہ بلاشبہ یہ ایک جادوگر ہے جو بڑا ماہر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہاری سرزمین سے تمہیں نکال دے

أَرْضَكُمْ فَمَاذَا تُأْمُرُونَ ۝ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۝

سو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ کہتے گئے کہ اس کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دیدے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دے

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ۝ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَمُنُّ

جو تیرے پاس ہر تاہر جادوگر کو لے آئیں اور جادوگر فرعون کے پاس آئے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب ہوئے تو کیا ہم کو

الْغَلَبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ قَالُوا يَمُوسَى إِمَّا أَنْ تُلْقَى وَامَّا

کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں اور بیشک تم لوگ مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔ ان جادوگروں نے کہا کہ اے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا

أَنْ تَكُونَ مَحْنُ الْمُلْقِينَ ۝ قَالَ الْقُوتُوا فَلَمَّا الْقُوا السَّحَرَةُ أَعْيُنُ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ

ہم ڈالنے والے ہو جائیں۔ موسیٰ نے کہا کہ تمہی ڈالو سو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کر دی

وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَظِيمٍ ۝ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ

اور بڑا جادو لے کر آئے اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی لاشی ڈالو سو وہ اچانک

مَا يَأْفِكُونَ ۝ فَوَقَّعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَغَلِبُوا هَٰذَاكَ وَانْقَلَبُوا

ان کی بنائی ہوئی جھوٹی چیزوں کو ٹھکے گئی۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور وہ باطل ہو گیا جو انہوں نے بنایا تھا سو وہ اس جگہ

طَغْرِينَ ۝ وَالْقَى السَّحَرَةُ سِحْرَ مُوسَى وَهُرُونَ ۝ قَالُوا امْكُتِبَ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَى وَهُرُونَ ۝

مغلوب ہو گئے۔ اور جادوگر سجدہ میں ڈال دیئے گئے کہتے گئے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ کا اور ہارون کا رب ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ امْنُتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ أَذِنَ لَكُمْ إِنَّ هَٰذَا الْمَكْرُ مَكْرٌ شُوهُ فِي

فرعون نے کہا کیا تم اس سے پہلے اس پر ایمان لے آئے کہ میں تمہیں اجازت دوں بلاشبہ یہ ایک بڑا مکر ہے جو تم سب نے ملکر اس شہر میں کیا ہے

الْمَدِينَةِ لَتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ لَأَقْطَعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ

تاکہ تم اس کے ذریعہ شہر والوں کو نکال دو سو تم قریب تم جان لو گے ضرور بالضرر میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دوں

مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۝ وَمَا

گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں

تَنْقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ اٰمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَجَاءِ ثُمَّ اٰتَيْنَاكَ الْفُرْقَانَ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ﴿١٧﴾

اولاً جو ہم سے استفادہ کر رہا ہے اس کا سبب اس کے ہوا کی فکری ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لائے۔ جب دھماکہ ہوا اس کی فکری گئی اسے اے رب ہم پر ضرور ڈال دے گا۔ جس میں اس حال میں موت دے کہ ہم اس پر ایمان نہ لے سکیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا جادوگر بتانا اور مقابلہ کے لئے جادوگروں کو بلانا، اور جادوگروں کا ہار مان کر اسلام قبول کر لینا

تفسیر: جب فرعون اور اسکی جماعت نے ید بیضا دیکھا اور لالچی کو دیکھا کہ وہ اثر دہا بن گئی تو انہوں نے ان دونوں

معجزوں کو جادو پر محمول کیا، سورۃ الذاریات میں فرمایا ہے۔

(اسی طرح سے ان سے (یعنی امت محمدیہ) پہلے جو بھی کوئی رسول آیا لوگوں نے کہا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے) حضرات

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کے معجزات کو دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے یہ کہہ کر ٹال

دیتے تھے کہ یہ شخص جاوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ ابھی تو یہاں شاہی دربار میں یہ دونوں

باتیں سامنے آئی ہیں کہ یکا یک ان کا ایک ہاتھ بہت زیادہ روشن اور چمکدار ہو گیا اور ان کی لاشیں اڑدھابن گئی اگر انہوں

نے اسی طرح کا کوئی مظاہرہ عوام کے سامنے کر دیا تو لوگ ایسی کے معتقد ہو جا میں گئے اور ہماری ساری حکومت جانی

رہے گی اور اس سرزمین میں انہیں دونوں بھائیوں (موسیٰ اور ہارون) کا راج ہو جائے گا۔ (فرعون کا دعویٰ تو خدا کی کا بھی

تھا۔ لیکن دنیاوی حکومت ہی کے بانی رہنے کے لالے پڑ گئے خدا کی تو بہت دور کی چیز ہے) لہذا اس سے پہلے کہ عوام پر ان

کا کوئی اثر ہوا ان کا علاج کر دینا چاہئے۔ لہذا آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ فرعون کے درباریوں نے کہا کہ

جادو کا کاٹ جادو سے ہوگا۔ یہ بڑا ماہر جادو کر ہے۔ اپنی حدود مملکت سے تمام ماہر جادوہروں کو بیخ کر کے مقابلہ کرادیا

جائے۔ جب لوگوں نے یہ رائے دی تو یہ بات فرعون کی سمجھ میں آئی کہ ہاں یہ بڑا ماہر جادوگر ہے جیسا کہ سورہ سحر میں آتا ہے۔

ہے۔ قَالَ لِمَ اِذَا هُوَ عَلِيمٌ۔ درباریوں نے کہا کہ اے نبی اس شخص کو اور اس کے بھائی کو نہایت دیدی

جائے اور جادو کروں نے حرام کر کے کا احترام کیا جائے۔ چونکہ حضرت کنویں علیہ السلام سے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام

جی وہاں موجود تھے اور انہوں نے جنت دہلی کی سی اور سرکوں کی سرک وہ کی جنت کے پیتھیا نہ سوزہ تھ میں ہے

اِذْ هَبْنَا لِي وَرَعًا يَذْعُ بِنَا فِي سُبُوْرِهِمْ اَنْ يَكُوْنُوْنَ اِلَٰهًا مِمَّا يُشْرِكُوْنَ

اور کو معاہدہ دولت سر کر لیا گیا۔ اس کا ذکر مورخہ میں ہے۔ سرگت جیو میا صاحب

وَبَيْنَمَا مَوْعِدٌ لَّاهُفِّفَةً سَنَ وَارِثَاتٍ مَعَهُ سَوِيًّا - سَبَّحْتَ رَبَّكَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْمَجِيدِ (موسیٰ علیہ السلام)

السلام نے فرمایا تمہارے لئے میلہ کا دن مقرر ہے اور یہ بات بھی کہ حاشت کے وقت لوگ جمع کئے جائیں (مقابلہ کے

لئے دن اور وقت مقرر ہو گیا اور فرعون کے درباریوں نے فرعون سے کہا کہ اسے المکاروں کو شہروں میں بھیج دے جو بڑے

.....

بڑے ماہر جادوگروں کو لے کر آئیں سورہ شعراء میں ہے۔ فَجِئِیۡہُ السَّحَرَةُ لِبِیۡقَاتِ یَوْمٍ مَّعۡلُوۡمٍ وَقَالَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجۡتَمِعُوۡنَ لَعَلَّکُمْ اَنْتَیۡہُ السَّحَرَةُ اِنْ کَانُوۡاھُمُ الْغٰلِبِیۡنَ (سو جمع کئے گئے جادوگر مقررہ دن میں جو معلوم تھا۔ اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہو گے تاکہ ہم جادوگروں کا اتباع کریں اگر وہ غالب ہو جائیں) چنانچہ شہروں میں اہل کار بھیجے گئے اور فرعون کی قلم رو سے جادوگر جمع کئے گئے اہل دنیا دنیا ہی کے لئے سوچا کرتے ہیں ان کو اپنی حکومت کی فکر پڑ گئی۔ اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی دعوت توحید اور اس کی محنت کو حکومت چھیننے اور خود اپنی حکومت قائم کرنے پر محمول کیا۔ (کما فی سورۃ یونس وَتَکُوۡنُ لَکُمَا النِّکْبَرِیَّۃُ فِی الْاَرْضِ) جادوگروں نے بھی (جو اس وقت دنیا کے طالب تھے) اپنی دنیا بنانے کی بات سوچی اور فرعون سے کہا کہ ہم غالب ہو گئے تو کیا ہمیں کوئی بڑا انعام دیا جائے گا اور کیا ہمارے عمل پر کوئی صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور صرف انعام ہی نہیں ملے گا بلکہ تم میرے مقربین میں ہو جاؤ گے!

مقابلہ کے لئے جادوگر میدان میں آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں یا پہلے آپ ڈالیں گے (کما فی سورۃ طہ قَالَ اَلَمْ یُوۡسَیۡ اِذَا اَنْ تُلَاقِیۡہٗ وَاِذَا اَنْ تَکُوۡنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْفِی) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَلْقُوۡا اَلْقُوۡا (پہلے تم ہی ڈالو) چنانچہ ان لوگوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم ضرور غالب ہوں گے (کما فی سورۃ الشعراء) ان کی لاٹھیاں اور رسیاں لوگوں کی نظروں کے سامنے سانپ بن کر دوڑنے لگیں یہ رسیاں کثیر تعداد میں تھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی ڈالو انہوں نے لاٹھی ڈالی تو اڑ دھا بن گئی۔ ان لوگوں نے نظر بندی کی تھی جس کی وجہ سے ان کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اڑ دھا ان سب کو لگنے لگا۔ اور ساحروں نے جو کھیل بنایا تھا جس کے ذریعہ لوگوں کو خوف زدہ کر دیا تھا وہ سب کھیل ہٹا بنایا ختم ہو گیا۔ اسی کو فرمایا فَاِذَا هِیۡ تَلۡقُفُۡ نَایۡا فِیۡکُوۡنَ فَوْقَہُ الْحَقُّ وَیَظَلُّ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (سو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے سب باطل ہو گیا) فَعَلِبُوۡا هٰذَا لَکَ وَاَنْتَکُمۡ اَصۡغَرٰتِیۡنَ (سو وہ لوگ وہاں پر مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو گئے)۔

اب آگے ہوا یہ کہ جادوگروں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے جس سے مقابلہ کیا یہ جادوگر نہیں ہے یہ واقعی اللہ کا رسول ہے اور اس کے ساتھ واقعی اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ جب حق واضح ہو گیا تو ان سے نہ ہا گیا اور فوراً سجدہ میں گر گئے اور یہ اعلان کر دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے چونکہ ایمانیات کا تفصیلی علم نہ تھا اس لئے انہوں نے اجمالی ایمان کا اعلان کر دیا۔ قرآن مجید میں لفظ سجدوا یا خسروا سجدوا کے بجائے وَالۡقِیۡ السَّحَرَةُ فرمایا جس میں یہ بتا دیا کہ انکے دل میں حق نے اس قدر گھر کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر کے فرعون سے انعام لینے کے متمنی تھے اور ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غلامی کے گن گانے لگے۔ قَالَ فِرۡعَوۡنُ اَمۡنَئۡتُمۡ بِہٖ قَبۡلَ اَنْ اَذۡنَ لَکُمۡ۔ (فرعون نے کہا تم میری اجازت سے پہلے ایمان لے آئے) بادشاہوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ عوام کے قلوب پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں اور پختہ وفاداری اسی کو سمجھتے ہیں کہ عوام اسی دین پر رہیں جو شاہان مملکت ان کے لئے تجویز کریں۔ اسی بنیاد پر فرعون نے یہ کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم کیسے مسلمان ہو گئے۔

جب فرعون نے دیکھا کہ عوام کو اپنی خدائی اور حکومت کا وفادار رکھنے اور موسیٰ سے دور رکھنے کے لئے جو جادوگروں

سے مقابلہ کا مظاہرہ کرایا تھا اس کا نتیجہ برعکس نکلا۔ اور جادوگر ہی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اب تو لینے کے دینے پڑ گئے اور عوام کو اپنی طرف کرنے کے لئے اس نے جادوگروں کو خطاب کیا کہ تم میری اجازت سے پہلے اس شخص پر ایمان لے آئے إِنَّ هَذَا الْمَكْرُ مُكْرٌ مِّنْهُ فِي الْمَدِينَةِ (بلاشبہ یہ ایک مکر ہے جو تم سب نے ملکر اس شہر میں کیا ہے) اور میری سمجھ میں آ گیا کہ یہی شخص ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا۔ استاد اور شاگردوں کی ملی جلتی ہے إِنَّمَا جَعَلُوا إِلَٰهًا تَاكُم مِّنْ أَسْوَاقِ الْبَهَائِمِ (تا کہ تم اس شہر سے اسکے رہنے والوں کو نکال دو) فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ (سو تم سب عنقریب جان لو گے) پھر انکی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرعون نے کہا لَا تَقْطَعْنَ أَيِّ دِفْعَةٍ وَأَرْجُلُكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصْلَبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ (میں ضرور ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا) ظالموں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب دلیل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ماروں گا اور قتل کر ڈالوں گا۔ كَأَلَوْاْ إِلَٰهَآ إِلَىٰ رَبِّنَا مُمْتَلِكُونَ (جادوگروں نے جواب دیا کہ بلاشبہ ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) مطلب یہ تھا کہ ہمیں تیری دھمکی کی کوئی پروا نہیں۔ قتل کر یا کچھ کراب تو ہم اپنے رب کے ہو گئے اگر تو قتل کر دے گا تو ہمارا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ہمارا رب ہمیں ایمان لانے پر جو انعامات عطا فرمائے گا ان کے مقابلہ میں یہ دنیا کی ذرا سی زندگی اور تیری رضامندی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب دلوں میں ایمان جگہ کر لیتا ہے تو دنیا کی ہر مصیبت بیچ ہو جاتی ہے اور ظالموں سے مقابلہ کرنا اور دلیری کے ساتھ جواب دینا آسان ہو جاتا ہے۔ سورۃ طہ میں جادوگروں کا ایک اور جواب بھی ذکر فرمایا ہے۔ كَأَلَوْآ نَ نُؤْتِيكَ عَلَىٰ سَاكِنَةٍ مِّنَ الْجِنِّ وَالَّذِي فَطَرَكَ أَفْضَىٰ مَّا أَنتَ بِكَافٍ (اے فرعون! اگر میں تجھے ایک گھریلو جانور سے ملے گا تو وہ بھی تم سے زیادہ اچھا ہے) (وہ کہنے لگے کہ ہم ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہمارے پاس پہنچ گئے اور اس ذات کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا تھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے سو تو فیصلہ کر دے جو بھی تجھے فیصلہ کرنا ہے۔ تو اسی دنیا والی زندگی ہی میں تو فیصلہ کرے گا بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمادے اور جو کچھ تو نے جادو کر دینے کے بارے میں ہم پر زبردستی کی وہ بھی ہمیں معاف فرمادے اور اللہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔)

جادوگروں نے فرعون سے مزید کہا وَمَا نَعْبُدُ إِلَّا إِلَٰهَآ مَلَكًا بَنَیْنَا مِن طِینٍ لَّکَآ جَاہِلٌ مِّنَّا کہ یہ جو تو ہم سے ناراض ہو رہا ہے اور ہم سے انتقام لینے کا اعلان کر رہا ہے اس کا سبب کچھ نہیں ہے نہ ہم نے چوری کی نہ ڈاکہ ڈالا نہ کسی کو قتل کیا بس یہی بات تو ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی دلیلیں آ گئیں تو ہم ایمان لے آئے۔ یہ بات نہ کوئی عیب کی ہے نہ جرم کی ہے۔ نہ اس پر ہم سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرعون کی طرف سے اعراض کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور دعائیں عرض کیا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ (کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے) اگر یہ واقعی اپنے قول کے مطابق عمل کرنے لگے تو ہمیں صبر عطا فرما دیجئے اور اتنا زیادہ صبر دیجئے جیسا کہ کوئی چیز انڈیل دی جاتی ہے اور ہمیں اس حال میں وفات دیجئے کہ ہم مسلمان ہوں۔ خدا نخواستہ ایسا نہ ہو کہ فرعون کی طرف سے قتل کے فیصلہ پر عمل ہونے لگے تو ہم اپنے ایمان والے فیصلہ میں ڈھیلے پڑ جائیں (والعیاذ باللہ من ذلک)۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ فرعون نے جو قتل وغیرہ کی دھمکی دی تھی یہ اُس نے کر دیا اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اس پر قادر نہیں ہو سکا۔ تفسیر درمنثور (ص ۷۰ ج ۳) میں

حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ذکر لسانہم کانوا اول النهار سحرۃ و آخرہ شہداء (کہ جادو گردن کے اول حصہ میں جادوگر تھے اور آخر حصہ میں شہید تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان کو شہید کر دیا تھا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اتُّدْرُ مَوْسٰی وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَ

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رہے گا تا کہ وہ زمین میں فساد کریں اور تجھے اور

يَذَرُكَ وَالْهَتَكَ قَالَ سَنُقْبِلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۳۵﴾

تیرے معبودوں کو چھوڑے ہیں۔ اُس نے کہا کہ ابھی ہم ایسا کریں گے ان کے بیٹوں کو لڑائیں گے اور انکی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم ان پر پوری طرح غلبہ حاصل ہے

قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون کو بھڑکایا کہ تو موسیٰ

اور انکی قوم کو کب تک یوں ہی چھوڑے رہے گا

تفسیر: فرعون نے جو جادو گروں کو دھمکی دی تھی اس کا علم تو درباریوں کو ہو ہی گیا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے بطور خوشامد اور چالپوسی کے فرعون کو ابھارا اور اس سے کہا کیا تو موسیٰ اور اسکی قوم کو (جو اس کے ماننے والے ہیں خواہ بنی اسرائیل میں سے ہوں خواہ جادوگر ہوں خواہ وہ لوگ ہوں جو قوم فرعون میں سے مسلمان ہو گئے تھے) اسی طرح چھوڑے رکھے گا کہ وہ زمین میں فساد کرتے رہیں اور تجھ سے اور تیرے تجویز کئے ہوئے معبودوں سے علیحدہ رہیں؟ مطلب ان لوگوں کا یہ تھا کہ اس کا کچھ انتظام کرنا چاہئے۔ ان لوگوں کے سامھی بڑھتے رہیں گے اور انکی جماعت زور پکڑ جائے گی جب سر سے پانی اونچا ہو جائے گا بغاوت کو دبانا دشوار ہو جائے گا لہذا ابھی سے کچھ کرنا چاہئے۔ فرعون کی سمجھ میں اور تو کچھ نہ آیا اس نے وہی قتل کی سزا تجویز کرتے ہوئے کہا کہ ہم سردست یہ کریں گے کہ انکے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور انکی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے تاکہ ہماری خدمت میں لگی رہیں اور انکے زندہ رہنے سے کچھ بغاوت کا کوئی ڈر نہیں۔ بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ جب جادوگر مسلمان ہو گئے تو انہیں دیکھ کر قوم قبط سے بھی چھ لاکھ آدمی مسلمان ہو گئے تھے جو فرعون کی قوم تھی۔ اس سے فرعون کو اور اس کے درباریوں کو فرعون کی حکومت کے بالکل ختم ہو جانے کا پورا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس لئے آپس میں مذکورہ بالا سوال جواب ہوا۔ اخیر میں فرعون کی یہ جوابات ذکر فرمائی۔ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ان لوگوں کی کچھ بات آگے بڑھی ہے لیکن ابھی ہم کو طاقت اور قوت کی برتری حاصل ہے ہم نے جو ان کے بیٹوں کے قتل کا فیصلہ کیا ہے واقعی ہم اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ فرعون کے درباریوں نے جواب کہا: وَيَذَرُكَ وَالْهَتَكَ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے اگرچہ اناریکم الا علی کا دعویٰ کیا تھا اور لوگوں سے اس نے یہ کہا تھا کہ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ آلَاءٍ غَيْرِي (کما فی سورة القصص) لیکن خود اُس نے اپنے لئے معبود تجویز کر رکھے تھے جنکی عبادت کرتا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اسکا یہ اعتقاد تھا کہ ستارے عالم سفلٰی کے مربی ہیں اور وہ خود نوع انسانی کا رب ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کے لئے بت تجویز کئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ ان بتوں کی عبادت کرو ممکن ہے کہ یہ اس کی اپنی ہی مورتیاں ہوں۔ رُوح المعانی میں ہے کہ اس نے ستاروں کی ان مورتیوں کو الْهَتَكَ سے تعبیر کیا کیونکہ یہ اس کے تجویز کردہ معبود تھے۔

قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۴﴾

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو بلاشبہ یہ اللہ کی زمین ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے

یَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۴﴾

چاہے اس کا وارث بنائے اور عاقبت متقیوں کے لئے ہی ہوتی ہے وہ کہنے لگے کہ ہم کو آپ کے آنے سے پہلے تکفین دی جاتی رہی ہیں

وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَلَىٰ رُبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوُّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ

اور آپ کے آنے کے بعد بھی انہوں نے جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں

فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرْ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۳۵﴾

زمین میں خلیفہ بنا دے پھر وہ دیکھے گا کیسے عمل کرتے ہو؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نصیحت فرمانا اور صبر و دعاء کی تلقین کرنا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر جا کر بس گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد مصریوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے اور پرانے کا معاملہ شروع کر دیا بنی اسرائیل غیر ملکی تھے ان کو فرعون کی قوم نے خوب دبا کر رکھا ان کو خوب ستاتے تھے بیگاریں لیتے تھے اور طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔ ان کے مجبور و مقہور ہونے کا یہ عالم تھا کہ مصری لوگ ان کے بچوں کو قتل کر دیتے تھے اور یہ آف نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام مبعوث ہوئے تو قوم فرعون کی دشمنی اور زیادہ بڑھ گئی خصوصاً جب فرعون کے ٹلائے ہوئے جادو گروں سے مقابلہ ہوا اور جادو گر مسلمان ہو گئے تو فرعون کیوں کی طرف سے ظلم و ستم کا مظاہرہ اور بڑھ چڑھ کر ہونے لگا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم تو مصیبت ہی مصیبت میں ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے بھی ڈکھ ہی ڈکھ میں مبتلا تھے اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی تکلیف ہی تکلیف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ صبر کرو اور اللہ سے مدد مانگو صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے مظالم سے کوئی چھٹکارا دینے والا نہیں صبر کے ساتھ دعائیں بھی کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتے رہو۔ یہ نہ سوچو کہ فرعون کی اتنی بڑی حکومت ہے اور اس کا مضبوط تسلط ہے ہم اس کے چنگل سے کہاں چھوٹ سکتے ہیں بظاہر تم تو عاجز ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے۔ وہ زمین کا مالک ہے۔ اسے اختیار و قدرت ہے وہ جس سے چاہے اپنی زمین کو چھین لے اور جسے چاہے اس پر تسلط عطا فرما دے۔ دنیا میں حق و باطل کی جنگ رہتی ہے اور جو لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں اچھا انجام انہیں کا ہوتا ہے۔ تم اللہ سے ڈرتے رہو تقویٰ اختیار کرو تا کہ حسن عاقبت کے انعام سے نوازے جاؤ۔ تم اپنے رب سے دعا مانگتے رہو۔ اسی سے لو

لگاؤ، عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک فرمادے گا اور تمہیں زمین کی خلافت عطا فرمادے گا۔ لیکن خلافت ملنے کے بعد تم دوسرے امتحان میں پڑ جاؤ گے۔ اب تو صبر کا امتحان ہے۔ اُس وقت شکر کا امتحان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ زمین پر تسلط ہو جانے کے بعد تم کیا طریقہ اختیار کرتے ہو اور کیسے اعمال میں لگتے ہو۔ اس خلافت ارضی کو شکر کا ذریعہ بناتے ہو یا گناہوں میں پڑ کر ناشکری میں مبتلا ہوتے ہو۔ طاعت اور فرمانبرداری کی ترغیب دینے کیلئے اور گناہوں سے بچنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو پیشی آگاہ فرمادیا کہ دیکھو تمہیں ابھی اقتدار نہیں ملا جب اقتدار ملے گا تو زمین میں فساد نہ کرنا اور اللہ کے نیک بندے بن کر رہنا سورۃ یونس میں ہے: **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْبَصِيرُ** (اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے لوگوں کے لئے مصر میں گھر پر قرار رکھو اور تم سب اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو اور نماز قائم رکھو اور اہل ایمان کو بشارت دو) چونکہ بنی اسرائیل بہت زیادہ مقہور تھے۔ کھلے طور پر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اس لئے حکم فرمایا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھتے رہو۔ اس کے بعد سورۃ یونس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مذکور ہے جو فرعون اور فرعونوں کے حق میں بد دعا تھی اور ان کی اذیت قبول ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس سے تمام اہل ایمان کو سبق مل گیا کہ اگر کسی جگہ کافروں کے ماحول میں ہوں اور مظلومیت کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوں اور دشمن کے سامنے عبادت کرنے میں مشکلات ہوں تو اپنے گھروں میں عبادت کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿۳۵﴾

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی کے ذریعہ اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ پکڑ لیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحُسْنَىٰ قَالُوا لَنَا هَذِهِ ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطْفَرُّوا ﴿۳۶﴾

پھر جب آجاتی ان کے پاس خوشحالی تو کہتے تھے کہ یہ تو ہمارے لئے ہوئی ہی چاہئے اور اگر انہیں کوئی بد حالی پہنچ جاتی تو

يُمُوسِي وَمَنْ مَّعَهُ إِلَّا أَمَّا ظِرُّهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾

موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے تھے۔ خبردار ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں بہت سے لوگ نہیں جانتے

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَخْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾

اور وہ کہنے لگے کہ تو جب بھی کوئی نشانی ہمارے سامنے لائے گا تاکہ تو اس کے ذریعہ ہم پر جادو کرے سو ہم تیری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

قوم فرعون کی قحط سالی وغیرہ کے ذریعہ

گرفت ہونا اور ان کا اُلٹی چال چلنا

تفسیر: مصر میں فرعونوں کی حکومت تھی خوب عیش و عشرت اور تنعم میں تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے انہیں ایمان کی دعوت دی تو انہوں نے ایمان قبول نہ کیا اور ساتھ ہی بنی اسرائیل پر مزید ظلم و ستم ڈھانے کا فیصلہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی بھرپور نعمتیں ہوتے ہوئے شکر ادا کرنے کے بجائے کفر ہی پر جے رہے۔ لہذا بطور تنبیہ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان پر قسط سالی بھیج دی۔ اہل مصر کو دریائے نیل کے پانی پر بھروسہ رہا ہے وہ سمجھتے رہے ہیں کہ ہمارے کھیتوں کی آب پاشی کے لئے یہ بیٹھا اور عمدہ پانی خوب زیادہ کافی اور وافی ہے۔ لیکن وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ پیداوار پانی سے نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے سارے کام کر لئے جائیں زمین کو پہنچ دیا جائے اس میں بیج ڈال دیا جائے اور خوب آب پاشی کر دی جائے لیکن ضروری نہیں کہ کھیتی اُگ جائے اور اگر اُگ جائے تو ضروری نہیں کہ آفات سے محفوظ رہے اور دانے پیدا ہونے تک قائم رہے۔ اور پھر اگر محفوظ ہو جائے اور غلہ بھی پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ غلہ ضائع ہونے سے محفوظ رہ جائے اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اس غلہ کو کیرے کھڑوں کے ذریعہ ختم فرما دے اور کاشت کرنے والے دیکھتے ہی رہ جائیں۔

سورۃ واقعہ میں فرمایا: **أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْنُوْنَ بِأَنْتُمْ تُزْعِمُوْنَ أَنَّ الْزَّاعِمِيْنَ لَوْ تَشَاءُ لَجْعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ إِنْ كُنَّا مُعْرِضُونَ بَلْ لَنْ تَحْنُوْهُمُومُونَ** (بتاؤ تم جو کچھ بولتے ہو کیا تم اس کو اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے چور اچور بنا دیں۔ پھر تم تعجب کرتے ہوئے رہ جاؤ کہ بلاشبہ ہم پر تاوان پڑ گیا، بلکہ ہم محروم رہ گئے) کیا دھراسب ضائع ہوا جو بیج ڈالنا تھا وہ بھی گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لیست السنة بان لا تمطروا ولكن السنة ان تمطروا ولا تنبت الارض شيئا۔ (قحط یہ نہیں ہے کہ بارش نہ ہو لیکن قحط یہ ہے کہ بارش خوب ہو اور زمین کچھ بھی نہ اُگائے) (رواہ مسلم ص ۳۹۳ ج ۲)

اللہ جل شانہ نے مصریوں پر قحط بھیج دیا جو کھیتیاں نہ اُگنے کی صورت میں ظاہر ہوا اور پھلوں میں بھی کمی فرمادی جسے **وَنَقْصُ مِنَ الثَّمَرَاتِ** سے تعبیر فرمایا۔ ان کی کھیتوں کی پیداوار بھی گئی اور بانگوں میں جو پھل پیدا ہوتے تھے ان میں بھی خوب کمی آگئی۔ ان کو اس میں اس لئے مبتلا فرمایا کہ نصیحت حاصل کر لیں اور عبرت لیں۔ سختی کی بجائے قلب نرم ہونے چاہئیں۔ انہیں کفر سے توبہ کرنا اور ایمان قبول کرنا تھا لیکن وہ الٹی ہی چال چلے اور وہ یہ کہ جب خوشحالی ہوتی تو کہتے تھے کہ ہم تو اسی کے مستحق ہیں۔ ہم اس لائق ہیں کہ ہمارا یہی حال ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام سمجھ کر شکر گزار ہونے کے بجائے اپنا ہی کمال سمجھتے تھے اور جب کسی طرح کوئی مصیبت پہنچتی جیسے قحط میں مبتلا ہو گئے یا اور کسی طرح کی آفات و بلیات سے دوچار ہوئے تو کہتے تھے کہ ہم تو خوشحالی کے اور آرام و راحت کے مستحق ہیں اور اسی کے لائق ہیں۔ اب یہ جو مصیبت آئی ہے یہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ ان کی نحوست کی وجہ سے ہم بھی مصیبت میں پھنس گئے اپنے کفر اور ناشکری کو مصیبتوں کا سبب سمجھنے کے بجائے صالحین اور شاکرین اور ذاکرین کے وجود کو اور ان کی دعوت کو حید کو اور ان کے اعمال صالحہ کو مصیبت آنے کا سبب بتاتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا: **إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ** (خبردار ان کی نحوست کا سبب اللہ کے علم میں ہے) یعنی اللہ کی طرف سے ہے۔ اسے اسباب اور مسببات کا علم ہے اور جو کچھ مخلوق کو پیش آتا ہے۔ اللہ کی قضاء و قدر سے ہے اور اسی کی طرف سے ہے اسباب کے اعتبار سے یہ نحوست ان کو اس لئے درپیش ہوئی کہ وہ کفر پر جے ہوئے ہیں **وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** (لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ قوم فرعون کے بعض افراد سمجھتے تو تھے کہ یہ مصیبت کفر کی وجہ سے ہے لیکن اکثریت سے مغلوب تھے۔ نہ حق بات کہہ سکتے تھے اور نہ حق قبول کرتے تھے۔

قوم فرعون کا یہ طریقہ تھا کہ نہ صرف آیات اور معجزات کو دیکھ کر ایمان قبول نہیں کرتے تھے بلکہ جو بھی کوئی معجزہ سامنے آتا تھا موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ یہ تمہارا دھندہ جادو ہے تمہارے جادو کے ذریعہ ایسی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ تم کچھ بھی کرلو ہم تمہاری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد مزید عذابوں کا تذکرہ فرمایا جن کے ذریعہ قوم فرعون کی گرفت ہوئی۔

فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالْدَّمَائِثَ

سو ہم نے ان پر طوفان بھیج دیا اور مڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون یہ نشانیاں بھیجیں

مُفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا فَجُورِينَ ﴿۲۸﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ

کھلی ہوئی۔ سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ اور ان پر جو عذاب واقع ہوتا

قَالُوا يَسُوْسٰی ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ

تو کہتے تھے کہاے موسیٰ اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تو نے ہم سے عذاب کو ہٹا دیا

لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَءِیْلَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ

تو ہم ضرور تیری تصدیق کریں گے اور تیرے ساتھ ضرور بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے پھر جب ہم ان سے

الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِالْغَوَةِ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۳۰﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ

عذاب کو ایک مدت تک ہٹا دیتے جس مدت تک ان کو پہنچتا تھا تو وہ اس وقت عہد شکنی کر دیتے تھے۔ پھر ہم نے ان سے انتقام لے لیا

فِي الْيَوْمِ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿۳۱﴾ وَأَوْثَرْنَا الْقَوْمَ

سوان کو اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا سمندر میں غرق کر دیا اور وہ ان سے غافل تھے۔ اور ہم نے

الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا

ان لوگوں کو زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جو ضعیف شمار کئے جاتے تھے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِیْلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَرْنَا

اور آپ کے رب کی نیک بات بنی اسرائیل پر پوری ہو گئی۔ اس سبب سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور ہم نے برباد کر دیا

مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿۳۲﴾

ان کا رواج انہوں کو جو فرعون اور اس کی قوم کے لوگ کیا کرتے تھے۔ اور جو کچھ وہ اونچی عمارتیں بنایا کرتے تھے

قوم فرعون پر طرح طرح کے عذاب آنا اور ایمان کے وعدے کر کے پھر جانا

تفسیر: فرعون اور قوم فرعون جب برابر بغاوت اور سرکشی پر تھے بلکہ عناد اور طغیانی میں ترقی کرتے چلے گئے اور ان پر قحط بھیج کر جو تنبیہ کے لئے اور سرکشی کی سزا کے طور پر ایسی چیزیں بھیج دیں جو ان کے لئے وبال جان بن گئیں۔ الطُّوفَانُ اور الْجَرَادُ اور الْقُمَّلُ اور الضَّفَادِعُ اور الدَّمَ فرما کر ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا، لفظ الطُّوفَانُ طوفان کے وزن پر ہے اور یہ عام طور سے پانی کے سیلاب کے لئے مستعمل ہوتا ہے اگر یہی معنی لئے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ قوم فرعون کی کھیتوں اور رہنے کی جگہوں میں سیلاب بھیجے جس کی وجہ سے وہ لوگ سخت عذاب میں مبتلا ہو گئے۔

طوفان سے کیا مراد ہے؟ صاحب روح المعانی (ص ۳۳ ج ۸) لکھتے ہیں کہ لفظ طوفان پانی کے طوفان کے لئے مشہور ہے اور جس طوفان کا یہاں ذکر ہے اس کی تفسیر متعدد روایات میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہیں پانی کے طوفان ہی سے کی گئی ہے اور حضرت عطا اور مجاہد نے فرمایا کہ اس سے موت مراد ہے، مفسر ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مرفوعاً اسکی روایات کی ہے۔ اگر یہی روایت لی جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ان لوگوں میں وباء کے طور پر موت کی کثرت ہو گئی۔ وھب بن منہ سے منقول ہے کہ اہل یمن کی لغت میں طوفان بمعنی طاعون آتا ہے۔ اور حضرت ابو قتیبہ نے فرمایا کہ اس سے چچک مراد ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ چچک کا عذاب سب سے پہلے انہی لوگوں پر آیا تھا یہ دونوں قول بھی کثرت موت ہی کی طرف راجع ہیں جسے حضرت عطا اور مجاہد نے اختیار فرمایا۔

ٹڈی اللہ کا شکر ہے: والجَرَادُ یہ جمادات کی جمع ہے جو عربی زبان میں ٹڈی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ٹڈی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اکثروا جنود اللہ تعالیٰ لا اكله ولا احرمه یعنی یہ اللہ کے لشکروں میں تعداد کے اعتبار سے سب سے زیادہ ہے میں نہ اسے کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں! اخراجہ ابو داؤد فی کتاب الاطعمہ (باب فی اکل الجراد) و ابن ماجہ فی کتاب الصيد (باب صید الحيتان والجراد) مطلب یہ ہے کہ (اللہ کے لشکروں) میں تعداد کے اعتبار سے زیادہ ٹڈی والا لشکر ہے میں اسے نہ کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں۔ اس کے کھانے سے چونکہ لشکر میں کمی آتی ہے اس لئے خود کھانا پسند نہیں کرتا دوسروں کو منع نہیں کرتا۔ واقعی ٹڈی بہت بڑا لشکر ہے۔ بظاہر زمین پر نظر نہیں آتا اور جب اللہ تعالیٰ اپنے اس لشکر کو بھیج دیتا ہے تو میلوں تک یہ لشکر کھیتوں کو صاف کر دیتا ہے۔ اور کسی فوج اور لشکر کے قابو میں نہیں آتا۔ بھگانے سے بھاگتا نہیں اور ختم کرنے سے ختم ہوتا نہیں، سرکوں اور گھروں میں پہنچ جائے تو سب کے لئے آفت جان بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس لشکر کے ذریعہ فرعونوں کی سرکوبی فرمائی۔ اور انکو بہت بڑی مصیبت میں مبتلا فرمایا۔

قمل کی تفسیر: والقُمَّلُ یہ لفظ عام طور سے جوؤں کے معنی میں معروف ہے (کما ذکرنا المنجد فی القاموس) لیکن

صاحب روح المعانی نے مفسرین سے اس کے مصداق میں چند قول لکھے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے چھوٹی چھوٹی ٹڈی مراد ہے جس کے ابھی پر نہ آئے ہوں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مراد ہیں جو اونٹ اور دیگر جانوروں کے جسم میں ہو جاتے ہیں۔ یہ کیڑے فرعونوں کے جسموں میں ہو گئے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے چھوٹی چھوٹی چونٹیاں مراد ہیں اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ اس سے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مراد ہیں جو گیہوں کے دانوں میں پڑ جاتے ہیں۔ (اور ترجمہ میں جو گھن کا کیڑا مذکور ہے یہ ترجمہ اس قول کے موافق ہے)۔

مِیْنَدُکُوں کا عذاب: وَالضَّفَادِعُ۔ یہ ضفادع کی جمع ہے۔ عربی میں ضفادع مینڈک کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی سزا کے لئے کثیر تعداد میں مینڈک بھیج دیئے تھے۔ ان کے برتنوں میں اور گھروں کے سامانوں میں اور گھر کے باہر میدانوں میں مینڈک بھر گئے۔ جو بھی برتن کھولتے اس میں مینڈک پاتے۔ انکی ہانڈیوں میں بھی مینڈک بھر گئے تھے۔ جب بھی کھانا کھانے لگتے تو مینڈک موجود ہو جاتے۔ آنا گوند صنہ بیٹھتے تو اس میں مینڈک بھر جاتے۔

خون کا عذاب: وَالسَّمُ۔ دم عربی زبان میں خون کو کہا جاتا ہے قوم فرعون پر خون کا عذاب بھی آیا تھا۔ نیل خون سے بھرا ہوا دریا ہو گیا۔ اور ان کے پینے کھانے پکانے کے جو پانی تھے وہ بھی سب خون ہی خون ہو گئے۔ جب کسی برتن سے فرعونی قوم کا آدی پانی لیتا تو خون نکلتا اور اسی برتن سے اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا کوئی فرد پانی لیتا تو پانی ہی نکلتا۔

آیات مُفَصَّلَاتٍ (یہ کھلی کھلی نشانیاں تھیں) جن سے صاف ظاہر تھا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے جادو نہیں ہے۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ یہ نو نشانیاں تھیں جو نو سال میں ظاہر ہوئیں ہر سال میں ایک نشانی ظاہر ہوتی تھی (آیت مذکورہ بالا میں پانچ عذاب مذکور ہیں) بعض روایات میں ہے کہ جادو گروں کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم فرعون کے پاس ۲۰ سال رہے اور برابر اس قسم کی چیزیں پیش آتی رہتی تھیں جو قوم فرعون کے لئے عذاب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے معجزہ ہوتی تھیں۔

فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ (سو ان لوگوں نے تکبر کی راہ اختیار کی اور ایمان قبول نہ کیا) ایمان قبول کرنے میں اپنی خفت محسوس کی اور کفر پر جبرے رہے۔ یہ لوگ مجرمن تھے۔ ان کو ایمان قبول کرنا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد فرمایا **وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا لَوْ أَنَّا دَعَيْنَا رَبَّكَ بِمَا عَاهَدْتَ عَلَيْنَا لَكُنَّا مِنَ الْغَاثِ** (الایہ)۔ اور جب ان پر عذاب واقع ہوا تو کہنے لگے کہ اے موسیٰ اپنے رب سے اس بات کی دعا کرو جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کیا ہے اور وہ یہ کہ جب آپ دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور مصیبت کو دور فرمائے گا۔

لَئِنْ كُنْتُمْ عَلَيَّ الْيَتِيمَ لَأَتَّخِذَنَّ لَكُمْ وَلِئِنْ كُنْتُمْ عَلَيَّ الْيَتِيمَ لَأَتَّخِذَنَّ لَكُمْ (اگر تو نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم تیری تصدیق کریں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے)۔

صاحب روح المعانی نے حضرت حسن قتادہ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس میں انہی عذابوں کا تذکرہ ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا عذابوں میں سے جو بھی عذاب ان پر آتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے کہتے تھے کہ تم اپنے رب سے دعا کر کے اسے ہٹا دو اگر تم نے ایسا کر دیا تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دیں گے لیکن جب ایک عذاب ہٹ جاتا اور مطمئن ہو جاتے تو کہتے ہم تو ایمان نہیں لاتے اور ہر عذاب کو جادو بتا دیتے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ الوجز سے مستقل عذاب مراد ہے جو طاعون کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ بہر حال قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس شرط پر اسلام لانے کا وعدہ کیا کہ عذاب رفع ہو جائے لیکن رفع ہو جانے کے بعد ایمان نہ لائے۔ قال تعالیٰ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِالْغُفْوَةِ إِذْ هُمْ يَكْتُمُونَ۔ (پھر جب ہم نے عذاب کو اس مدت تک ہٹا دیا جس مدت تک وہ پہنچنے والے تھے تو اچانک وہ عہد کو توڑ رہے ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ السی اجلی سے انکے غرق کرنے کا وقت مراد ہے جو اللہ کے علم میں متعین تھا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے موت کا وقت مراد ہے۔ قوم فرعون نے کسی عہد کو پورا نہ کیا اور کفر پر جبر ہے۔

فَالْتَقَيْنَاهُم بِالْمَاءِ فَآفَرُّهُمْ فِي الدِّغْرِ۔ (پھر ہم نے ان سے انتقام لیا سو ہم نے ان کو سمندر میں ڈبو دیا)۔ بَانَهُمْ كَذِبُوا بِآيَاتِنَا (اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا) وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ (اور وہ لوگ ان سے غافل تھے) یعنی جو نشانیاں ان کے پاس آتی تھیں ان سے غفلت برتتے تھے اور ان کے ساتھ بے پرواہی کا معاملہ کرتے تھے نہ فکر مند ہوتے نہ نصیحت حاصل کرتے۔ بنی اسرائیل کے نجات پانے اور قوم فرعون کے غرق ہونے کا تذکرہ (سورہ بقرہ رکوع ۶) میں گزر چکا ہے نیز سورہ شعراء (رکوع ۴) اور سورہ قصص (رکوع ۱) اور سورہ دخان (رکوع ۱) میں بھی مذکور ہے اور سورہ شعراء میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہونا: قوم فرعون کی ہلاکت کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: وَكَانُوا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يَسْتَعْصِمُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَيْنَ أَمْرِئَيْنِ۔ کہ جن لوگوں کے ساتھ ضعف اور کمزوریوں کا معاملہ کیا جاتا تھا (یعنی بنی اسرائیل جنہیں قوم فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور وہ اس حد تک مقہور تھے کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جاتا تھا) ان کو اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جن میں ہم نے برکت دی۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے شام کی سرزمین مراد ہے۔ فرعون کی گرفت سے نجات پا کر سمندر پار کرنے کے بعد وہ ملک شام آ گئے اگرچہ میدان تیرہ میں چالیس سال گم گشتہ راہ ہو کر پھرتے رہے۔ لیکن پھر چالیس سال کے بعد انہیں اس سرزمین میں تمکین اور اقتدار حاصل ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اللہ پاک نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَذُوْكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ۔ وہ پورا فرمادیا۔ وَتَدَّتْ كُلُّمَتْ رِبَاكَ الْحُسْنَىٰ (اور تیرے رب کی نیک بات پوری ہو گئی) یعنی جو انکی نصرت کا وعدہ تھا وہ پورا ہو گیا جس میں تمکین فی الارض بھی داخل ہے جس کا ذکر سورہ قصص کے پہلے رکوع میں ہے۔ وَنُفِذَ أَنْ نُنْقِصَ عَلَى الَّذِينَ اسْتَفْضَوْا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَيْمَةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ مزید فرمایا بِمَا صَبَرُوا یعنی بنی اسرائیل کو جو سرزمین عطا کی گئی اور نصرت اور تمکین کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا ہوا یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے مصیبتوں پر صبر کیا اور تکلیفوں کو جھیلایا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بے صبری کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے اللہ

تعالیٰ اسے بے صبری ہی کی طرف سپرد فرمادیتا ہے اور جو شخص صبر کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے اللہ تعالیٰ اُسے چھٹکارہ دینے کا ضامن بن جاتا ہے۔)

یَعْرِشُونَ کی تفسیر: وَكَفَرْنَا مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ۔ (اور ہم نے برباد کر دیا ان کا رروائیں کو جو فرعون اور اس کی قوم کیا کرتے تھے اور جو اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے) مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ اور وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ سے عمارت اور محلات و قصور مراد ہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ سے فرعون اور اس کی قوم کے اعمال بد مراد ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو رک دینے کے لئے اختیار کرتے تھے اور وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ سے بلند عمارت مراد ہوں۔ بلند عمارت میں وہ قصر بھی شامل ہے جس کے بنانے کا فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کا پیہ چلاؤں گا۔ (کما ذکر تعالیٰ شانہ من قول فرعون)

يَهَاطُنُ ابْنِ بَنِي صَوْحَا لَعْنَى ابْنَةِ الْكِتَابِ الْاَيَةِ (سورۃ عافر)

فائدہ: اَلَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا۔ سرزمین شام کے لئے فرمایا اس سرزمین کو برکتوں سے نوازنے کا تذکرہ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں مسجد اقصیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اَلَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ۔ اور سورۃ الانبیاء میں فرمایا۔ وَجَعَلْنَاهُ وَلُوطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا الْعَالَمِينَ۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا سو وہ ایک ایسی قوم پر آئے جو اپنے بتوں پر دھرنا دیتے ہوئے تھے۔

قَالُوا يَمُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ^{۱۵}

کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے معبود جو یہ کر دیجئے جیسا کہ ان کے معبود ہیں۔ انہوں نے کہا بیشک تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت کی باتیں کرتے ہو

إِنَّ هَؤُلَاءِ مُتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ فِيهِمْ وَبِطْلٌ تَاكَاثُرُوا يَعْبُدُونَ^{۱۶} قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ

بلاشبہ یہ لوگ جس فتنل میں ہیں وہ تباہ ہونے والا ہے۔ اور یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ باطل ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا اللہ کے سوا تمہارے لئے کسی کو

إِلَهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ^{۱۷} وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ

معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں جہانوں پر فضیلت دی اور جب ہم نے تمہیں نجات دی آل فرعون سے

يَسُوءُكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُقْتَلُونَ أَبْنَاءُكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي

جو تمہیں بری تکلیفیں دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں

ذِكْرٌ بَلَاءٍ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٍ^{۱۸}

تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش ہے

سمندر سے پار ہو کر بنی اسرائیل کا بُت پرست بننے کی خواہش کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کو جھڑکنا

تفسیر: گزشتہ آیات میں فرعونوں کے دنیاوی عذابوں اور انکی ضد و عناد اور بالآخر ان کے غرق ہونے کا تذکرہ تھا۔ ان آیات میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور کج روی کا اور اس مظلومیت کا ذکر ہے جس میں یہ لوگ مصر کے زمانہ قیام میں مبتلا تھے۔ جب یہ لوگ سمندر پار ہو گئے اور فرعون اور اس کے لشکروں کو اپنی نظر سے ڈوبتا ہوا دیکھ لیا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور زیادہ پختگی کے ساتھ جتنے اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت میں مشغول رہتے اور توحید کی دعوت جو بر سہا برس سے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ کانوں میں پڑ رہی تھی اس کو دل میں جماتے اور پورے رسوم کے ساتھ موحد بننے۔ لیکن انہوں نے عجیب رویہ اختیار کیا۔ جب سمندر سے پار ہو کر آگے بڑھے تو دیکھا کہ کچھ لوگ بتوں کی پرستش میں مشغول ہیں۔ اور وہیں دھرنا دیئے ہوئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود تجویز کر دو جو ہمارے سامنے مجسمہ کی صورت میں ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ تم لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہو ان کے یہ معبود باطل ہیں ان کا شغل تباہ ہونے والا ہے اور جو عمل کر رہے ہیں وہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ شرک ہے شرک کو تو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشے گا۔ مشرکوں کی کیوں ریس کرتے ہو تم توحید پر جبر ہو تمہیں معبود حقیقی کی عبادت کی تلقین کی گئی ہے جو مجسم ہو کر سامنے نہیں آ سکتا۔ کیا اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود تجویز کر دوں جس نے تمہیں تمہارے زمانہ کے جہانوں پر فضیلت دی؟ تم حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نبی بھیجا جس کے ذریعہ تم نے فرعون سے نجات پائی۔ اب تم ایسی بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو کہ اسی رب العالمین جل مجدہ کے ساتھ پتھروں کو شریک بنانے کو تیار ہو۔

فرعون سے نجات دینا بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے: **وَإِذْ أَخْبَرْنَاكَ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ أَنَّهُمْ مُنَافِقُونَ** سُوۡرَةُ الْحٰكَاۡمِ يَفْتٰلُوْنَ اٰیٰتٰہِ كٰذِبُوۡنَ نَسَاۡ كٰذِبُوۡنَ فِیْ ذٰلِكَ بَلٰۤءٌ مِّنْ رَّبِّكَ عَظِيۡمٌ۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کو خطاب فرما کر ان بدترین تکلیفوں کو یاد دہانی فرمائی جو فرعونوں کی طرف سے بنی اسرائیل کو پہنچا کرتی تھیں۔ یہ آیت تھوڑے سے اختلاف الفاظ کے ساتھ سورہ بقرہ (کو ۷) میں گزر چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۱) وہاں اسکی تفصیل اور تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔ وہاں **يَذٰہِبُوۡنَ** فرمایا اور یہاں **يَفْتٰلُوۡنَ** فرمایا ہے یہ لفظ کثرت قتل پر دلالت کرتا ہے اسی لئے ترجمہ یوں لکھا ہے کہ تمہارے بیٹوں کو کثرت کے ساتھ قتل کرتے تھے۔

وَوَعَدْنَا مُوسٰی ثَلٰثِيۡنَ لَيْلَةًۭ وَآتٰمٰہَاۡ بِعَشْرِ فِتۡمٰتٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ اَرْبَعِيۡنَ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتوں کے ذریعہ ان کی تکمیل

لَیْلَةًۭ وَقَالَ مُوسٰی لِاَخِیۡہِ هٰرُوۡنَ اَخْلَفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيۡلَ

کردی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میرے بعد میری قوم میں میرے خلیفہ بن کر رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور

المُفْسِدِينَ

مفسدین کی راہ کا اتباع نہ کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا اور وہاں چالیس راتیں گزارنا

تفسیر: مصر میں بنی اسرائیل بہت ہی زیادہ مقہور اور مجبور تھے وہاں انکو حکم تھا کہ ایمان لائیں اور گھروں میں نماز پڑھ لیا کریں۔ جب فرعونیوں سے نجات پا گئے تو اب عمل کرنے اور احکام خداوندیہ کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے شریعت کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف دینے کے لئے طور پہاڑ پر بلایا اور وہاں تیس دن اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا لیکن تیس راتیں گزارنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے منواک کر لی جس سے وہ خاص قسم کی مہک جاتی رہی جو روزہ دار کے منہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے مزید دس راتیں وہیں گزارنے کا حکم دیا۔ جب چالیس راتیں پوری ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں توریت شریف عطا فرمادی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر جانے کے لئے روانہ ہونے لگے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے پیچھے بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کرنا اور انکی اصلاح کرتے رہنا اور ان میں جو مفسد ہیں ان کا اتباع نہ کرنا یعنی انکی رائے پر مت چلنا۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھی نبی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ خود بھی اپنی پیغمبرانہ ذمہ داری کو پورا کرنے والے تھے لیکن قوم کے مزاج اور طبیعت کی کجروی کو دیکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مزید تاکید فرمائی۔ جب دریا پار ہوئے تھے تو بنی اسرائیل نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایسا معبود بنا دو۔ اب خطرہ تھا کہ اس طرح کی کوئی اور حرکت نہ کر بیٹھیں اس لئے انکی نگرانی کے لئے تاکید فرمائی۔ آخر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ ان میں ایک شخص سامری تھا اس نے زیورات کا ایک چھڑا بنایا اور بنی اسرائیل نے اُسے معبود بنا لیا جیسا کہ چند آیات کے بعد یہاں سورۃ اعراف میں آ رہا ہے۔ اور سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ (انوار البیان ج ۱) نیز سورہ طہ میں بھی مذکور ہے۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِبِيعَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ ارْنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰنِيْ

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے رب مجھ کو دکھا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھوں فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے

وَلٰكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرٰنِيْ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ

لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو سو اگر پہاڑ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے پھر جب ان کے رب نے

لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا قَلْتَا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَنَكَ ثُبْتُ إِلَيْكَ

پہاڑ پر چلی فرمائی تو پہاڑ کو چورا کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہنے لگے آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔

وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ يُوسَىٰ إِنَّيٰ اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي

اور میں ایمان لانے والوں میں پہلا شخص ہوں۔ فرمایا اے موسیٰ بلاشبہ میں نے اپنی پیغمبری اور اپنی ہمسکائی کے ساتھ لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں چن لیا

وَبِكَلَامِي ۖ فَعُذْ مَا اتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ وَكُتِبَ لَهُ فِي الْأَوَّلِ

سو میں نے تمہیں جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔ اور ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۖ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا

اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی سو آپ قوت کے ساتھ اسے پکڑیں اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کے

بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ۝ سَاحِرِفٌ عَنْ آيَتِي الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي

اچھے اچھے اعمال کو پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا۔ میں عنقریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو

الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا كَلَّٰمَ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوهَا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ

زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھ لیں تو اُن پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ

الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ

دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا طریقہ بنا لیں۔ یہ

بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ

اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان سے غافل تھے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور

الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُعْجِزُونَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔ ان کو انہیں اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الہی کے لئے

درخواست کرنا اور پہاڑ کا چورا چورا ہو جانا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے طور پر جانے کا جو وقت مقرر ہوا تھا وہ اس کے مطابق وہاں پہنچے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ان راتوں کی ابتداء ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے تھی پھر مزید دس راتیں ماہ ذی الحجہ کے شروع

کی بڑھادی گئیں اور دس ذی الحجہ کو تورات شریف عطا کی گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر پہنچے تو اللہ رب العزت جل مجدہ سے ہمکلامی ہوئی اور اس کے بعد ان کو اشتیاق ہوا کہ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں، لہذا درخواست پیش کر دی کہ اے رب مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے، میں آپ کی ذات پر یقین بھی رکھتا ہوں اور ہمکلام بھی ہوا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ دیدار بھی کر لوں اللہ تعالیٰ شانہ کو اہل جنت دیکھیں گے۔ جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے اور انکی امتیں بھی ہوں گی۔ لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ جنت میں جو قوت اور طاقت برداشت دی جائے گی۔ وہ دنیا میں نہیں دی گئی۔ اسی لئے سورۃ انعام میں فرمایا لَا تَذَرُکَ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یَذَرُکَ الْاَبْصَارُ۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن پانچ باتیں بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔

۱- بیشک اللہ نہیں سوتا اور اسکی شایان شان نہیں کہ وہ سوئے۔

۲- وہ ترازو کو بلند کرتا ہے اور پست کرتا ہے (یعنی اعمال کا وزن فرماتا ہے۔ جن کا وزن کمال اور نقص اور اخلاص کے اعتبار سے کم و بیش ہوتا ہے)

۳- اس کی طرف دن کے اعمال سے پہلے رات کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔

۴- اور رات کے اعمال سے پہلے دن کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔

۵- اس کا حجاب نور ہے اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اسکی ذات گرامی کے انوار اس سب کو جلادیں۔ جہاں تک مخلوق پر اسکی نظر پہنچتی ہے (یعنی ساری مخلوق جل کر ختم ہو جائے) (رواہ مسلم ص ۹۹ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے چھپنے چھپانے کے لئے مادی پردے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا پردہ نہیں اس کا پردہ عزت و جلال کا پردہ ہے اگر اسکی ذات عالی کی تجلی ہو جائے تو ساری مخلوق جل کر رہ جائے (قال النووی والتقدیر لو ازال المانع من رؤیتہ وهو الحجاب المسمی نوراً و اناراً و تجلی لخلقہ لا حرق جلال ذاته جمیع مخلوقاته و اللہ تعالیٰ اعلم۔ اھ) (علامہ نوویؒ فرماتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے رکاوٹ سٹ جائے اور وہ پردہ ہے جیسے نور یا نار کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر تجلی فرمائے تو اس کی ذات کا جلال تمام مخلوقات کو جلادے)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن تم ایسا کرو کہ پہاڑ کی طرف دیکھو اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تم مجھے دیکھ سکو گے انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا۔ جب پہاڑ پر اللہ جل شانہ کی تجلی ہوئی جو اسکی شایان شان تھی تو پہاڑ چور چور ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا (بیہوشی میں کتنا وقت گزرا اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے) تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ حیرتی ذات پاک ہے واقعی تو اس دنیا میں دیکھے جانے سے منزہ اور برتر و بالا ہے۔ میں نے جو دیدار کی درخواست کی تھی اس سے توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے اس بات کا یقین کرنے والا ہوں کہ واقعی آپ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں کے مقابلہ میں پیغمبری اور ہمکلامی کے ساتھ چن لیا (یعنی جو لوگ تمہارے زمانہ میں موجود ہیں ان کے مقابلہ میں تمہیں یہ شرف عطا فرمایا) لہذا جو کچھ میں نے تمہیں عطا کیا اس کو لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتیں گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا فرمائی جو تختیوں میں لکھی ہوئی تھی اس میں احکام شرعیہ تفصیل سے لکھے ہوئے تھے اور ہر طرح کی نصیحتیں بھی تھیں۔ حلال و حرام کو واضح طریقہ پر بیان فرمادیا تھا۔ اور محاسن و مساوی (اچھے برے کاموں) کو تفصیل سے بتادیا تھا۔ اسی کو فرمایا: وَكُنْتُمْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ اور وَكُنْتُمْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔
 ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَأْمُرْ قَوْمَكَ بِأَخْذِهَا بِحُسْنِهَا کہ اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ اس کے احکام کو پکڑے رہیں جو اچھے اچھے کام ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ۵۹ ج ۹) ومعنی احسنيتها اشتما لها على الاحسن فانه احسن كالصبر بالاضافة الى الانتصار۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں احکام کے احسن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی پر مشتمل ہوں پھر وہ اپنے کرنے والے کے انتصار کی بناء پر احسن بنتے ہیں)

سَارِ يَكْمُ دَارِ الْفَاسِقِينَ (میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھا دوں گا) نافرمانوں کے گھر سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مصر مراد ہے جہاں بنی اسرائیل کو (ایک قول کی بناء پر) فرعونوں کی ہلاکت کے بعد جانا نصیب ہوا تھا۔ اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے جبائرہ عمالقہ کی سرزمین مراد ہے جس کے بارے میں سورۃ مائدہ میں فرمایا: يَقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ (الایہ)

حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل عمالقہ کی سرزمین میں داخل ہو گئے اور وہاں انہیں اقتدار حاصل ہوا۔ یہ علاقہ فلسطین کا تھا جو شام میں ہے۔ صاحب روح المعانی نے دار الفاسقین کی تفسیر میں ایک تیسرا قول بھی لکھا ہے اور وہ یہ کہ اس سے عاد و ثمود کے منازل اور ان قوموں کے مساکن مراد ہیں جو ان سے پہلے ہلاک ہو چکے تھے۔ اور چوتھا قول حضرت حسن اور حضرت عطا سے یوں نقل کیا ہے کہ دار الفاسقین سے جہنم مراد ہے۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ توریت کے احکام پر عمل کرو۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)
 جب توریت شریف تختیوں پر لکھی ہوئی یکجا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مل گئی تو آپ ان تختیوں کو لے کر اپنی قوم میں تشریف لائے۔ قوم کا مزاج عجیب تھا۔ اطاعت اور فرمانبرداری سے دور تھے اس لئے سَارِ يَكْمُ دَارِ الْفَاسِقِينَ کے بعد مزید یوں فرمایا کہ سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (کہ میں اپنی آیات سے ایسے لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو دنیا میں شرعی احکام پر عمل کرنے سے تکبر کرتے ہیں اور ان کا یہ تکبر ناحق ہے)۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیات سے برگشتہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی جائے گی وہ آیات میں تفکر نہ کریں گے اور تکبر و تجبر کی وجہ سے کوئی عبرت حاصل نہ کریں گے ان کے برگشتہ ہونے اور برگشتہ رہنے کا سبب ان کا تکبر ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے آیات الہیہ سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ وھذا کقولہ تعالیٰ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ۔ اسکے بعد متکبرین کی مزید بد حالی بیان فرمائی۔ وَأَنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا (اور اگر ہر نشانی کو دیکھ لیں خواہ انبیاء کے معجزات ہوں یا آیات تکوینیہ ہوں۔ وہ ایمان نہیں لاتے)

وَأَنْ يَرَوْا سَيِّئَاتِ النَّاسِ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ سَيِّئَاتُهُمْ۔ (اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھتے ہیں تو اس راستے کو اختیار نہیں کرتے)
وَأَنْ يَرَوْا سَيِّئَاتِ النَّاسِ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ سَيِّئَاتُهُمْ اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھتے ہیں تو اسے اختیار کر لیتے ہیں اور اسی پر چلتے ہیں۔

اس میں متکبرین کو نصیحت ہے کہ وہ تکبر پر رہتے ہوئے آیاتِ الہیہ سے متنبہ نہ ہو سکیں گے اور ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی میں لگے رہیں گے۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ يَآئِهْمُ كَذُّبُ الْيَتِيمٰتِ وَكَانُوا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (کہ ان لوگوں کا تکبر کرنا اور آیات پر ایمان نہ لانا اور راہِ ہدایت سے اعراض کرنا اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان آیات کی طرف سے غافل رہے) لا پرواہی اختیار کی اور ان آیات میں تفکر نہ کیا اور تہہ بر سے کام نہ لیا۔

آخر میں فرمایا وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا يَلْتَبِتُوْا لِقَاءَ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ (جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کے دن کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یعنی آخرت پر ایمان نہ لائے ان کے اعمال اکارت ہو گئے)۔

دنیا میں جو کام کئے آخرت میں بالکل کام نہ آئیں گے اگرچہ بظاہر نیک کام تھے۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی دنیا بنانے اور دنیاوی ترقی کرنے کے لئے جو کچھ کیا وہ سب برباد ہو گیا کیونکہ آخرت میں یہ چیزیں بالکل کام نہ آئیں گی۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ان کو انکے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا) کفر پر جوڑے رہے اس کا بدلہ دائمی عذاب کی صورت میں مل جائے گا۔

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهٖمْ عِجْلًا جَسَدًا ۗ اَلْهٰٓؤُلَآءِ الْمُرِیْرُوْنَ

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں سے ایک ٹھوڑے کو معبود بنالیا جو ایک ایسا جسم تھا کہ اس میں سے گائے کی آواز آ رہی تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا

اَنَّهُ لَا یُکَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهُمْ سَبِيْلًا ۚ اتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۵ وَلٰتَا

کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا اور نہ انہیں کوئی راستہ بتلاتا ہے۔ انہوں نے اس کو معبود بنالیا اور وہ ظلم کرنے والے تھے۔ اور جب

سُقِطَ فِیْ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۗ قَالُوْا لَیْنِ لِّمٰی رَحْمٰنٰ رَبُّنَا وَیَغْفِرُ لَنَا

وہ پھٹتے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ بلاشبہ وہ گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہمیں بخش نہ دے

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۱۶ وَلٰتَارْجِعْ مُوسٰى اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۗ قَالَ

تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف اس حال میں واپس ہوئے کہ وہ غصہ میں اور رنج میں تھے تو انہوں نے کہا

یٰۤاَسْمَا خَلْفَتُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِیْ ۗ اَعْمَلْتُمْ اَمْرًا رِّبِّکُمْ وَاَلْقٰی الْاَلْوَاحَ ۚ وَ اَخَذَ

کہ تم لوگوں نے میرے بعد میری جگہ پر کیا ہے؟ کیا اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے تم نے جلدی کر لی؟ اور موسیٰ نے تختیوں کو ڈال دیا اور بھائی کے

یٰۤاِسٰی اَخِیْہٖ یَجْزٰہُ الْبَیْرُ ۗ قَالَ اِبْنُ اَمْرِ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّوْا فُوْیْ وَ کَاذُوْا یَقْتُلُوْنَ نِیْ ۝۱۷

سر کو پکڑ لیا جسے اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے میرے ماں جائے بلاشبہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں

فَلَا تُشْمِتْ بَنِی الْاَعْدَآءِ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظَّٰلِمِیْنَ ۝۱۸ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِّیْ

لہذا مجھ پر دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کرو۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے

وَلَا يَخِزُّوْا اَدْخَلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ ﴿۳۸﴾

اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور آپ ارحم الراحمین ہیں

بنی اسرائیل کا زیوروں سے بچھرا بنا کر اسکی عبادت کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضبناک ہونا

تفسیر: بنی اسرائیل مصر میں بت پرستی اور گاو پرستی دیکھتے آئے تھے اسی لئے جب سمندر پار کر کے مصر کے علاوہ دوسرے علاقہ میں آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی اسی طرح کا معبود بنادیتے جو مجسم ہو صورت و شکل ہمارے سامنے ہو۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لئے طور تشریف لے گئے تو ان کے پیچھے گنو سالہ پرستی شروع کر دی جس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے والے تھے اس وقت انہوں نے قبطی قوم سے (جو مصر کے اصلی باشندہ تھے) زیور مانگ لئے تھے۔ یہ زیورات ان لوگوں کے پاس تھے۔ ان میں ایک آدمی سامری تھا جو سنار کا کام کرتا تھا۔ اس نے ان زیوروں کو جمع کر کے ٹھہڑے کی شکل بنائی اور اس کے منہ میں مٹی ڈال دی (یہ مٹی وہ مٹی تھی جو اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھورے کے پاؤں کے نیچے سے نکالی تھی) اللہ تعالیٰ نے اس مٹی میں ایسا اثر ڈالا کہ اس مجسمہ سے گائے کے بچے کی آواز آنے لگی۔ یہ لوگ شرک سے مانوس تو تھے ہی۔ کہنے لگے هَذَا إِلَهُ مُوسَىٰ قَنَسِي (کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے جو طور پر معبود سے ہم کلام ہونے کے لئے گئے ہیں) حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام خلیفہ بنا کر تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے ان کو سمجھایا کہ تم فتنے میں پڑ گئے ہو تمہارا رب رحمن ہے تم میرا اتباع کرو اور میرا حکم مانو۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم برابر اس ٹھہڑے کے آگے پیچھے لگے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل سے اور سامری سے سوال و جواب فرمانا سورہ طہ رکوع ۴، ۵ میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ جل شانہ سے پہلے ہی مطلع فرما دیا تھا۔ تمہاری قوم تمہارے بعد گمراہی میں پڑ گئی ہے اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے اور گاؤں سالہ پرستی کا منظر دیکھا تو بہت سخت غضبناک اور رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: بِسْمِ مَا خَلَقْتُمُوْنِي مِنْ بُعْدِي (کہ میرے بعد تم نے میری بُدی نیابت کی) اَعَجَلْتُمْ اَمْرًا دِيْكُم کیا تم نے اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے جلد بازی کی۔

وَالْقٰی اَلْاَلْوَاخَ وَاَخَذَ بِرَاسِ اَخِيْهِ يَجْرُوْهُ اِلَيْهِ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی مواخذہ فرمایا تو حید کے خلاف جو منظر دیکھا تو غیرت دینی کے جوش میں توریت شریف کی تختیاں ایک طرف کو ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لئے۔ انہیں یہ گمان ہوا کہ ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی تعلیم میں کوتاہی کی، سورہ طہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑنے کا بھی ذکر ہے۔ توریت شریف کی تختیوں

کاڈالنا اور بھائی کے سر کے بالوں کو پکڑنا شدت غضب کی وجہ سے پیش آیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جائے آپ میرے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو نہ پکڑیں۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ لہذا آپ مجھ پر سختی کر کے دشمنوں کو ہٹانے کا موقع نہ دیں اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کریں۔ (میں انکے کام میں انکے ساتھ نہیں ہوں، لہذا میرے ساتھ برتاؤ بھی وہ نہ ہونا چاہئے جو ظالموں کے ساتھ کیا جاتا ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ واقعی مجھ سے خطا ہوئی (اگرچہ خطا اجتہادی تھی) لہذا بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب میری مغفرت فرمادے اور میرے بھائی کی بھی اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمادے اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسالہ پرستی دیکھ کر دینی حمیت کے جوش میں اور غضب و تاسف میں تھے اس لئے اپنے بھائی سے وارد گیر کرتے ہوئے انکی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے تھے پھر جب احساس ہوا تو اپنے لئے اور بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے۔

ظلم اور زیادتی کی معافی مانگنا: اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی پر زیادتی ہو جائے تو جہاں اس کی تلافی کا یہ طریقہ ہے کہ اس سے معافی مانگ لی جائے۔ یہ طریقہ بھی ہے کہ اُس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ لیکن ہر حال میں اس کو راضی کرنا ضروری ہے، بعض مرتبہ اس سے معافی مانگنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ پہلے ہی دل سے معاف کر چکا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ تعلقات کی وجہ سے ناگواری ہوتی ہی نہیں، لیکن جس کی طرف سے زیادتی ہو گئی ہو اُسے پھر بھی اپنے لئے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کر دینی چاہئے۔

لیس الخبر کا لمعاينة: امام احمد نے اپنی مسند میں (ص ۱۷۱ ج ۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے (دیکھنے سے انسان جتنا متاثر ہوتا ہے خبر سے اتنا متاثر نہیں ہوتا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو (پہلے ہی) خبر دے دی تھی کہ تمہارے قوم نے چھڑے کو معبود بنا لیا ہے۔ اس وقت تو توریت کی تختیوں کو نہ پھینکا پھر جب اپنی آنکھ سے انکی حرکت کو دیکھا تو تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے ٹوٹ گئیں۔

القاء الواح پر سوال و جواب: یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا بھی احترام کرنا چاہئے تھا۔ توریت شریف کی تختیوں کو ڈال دینا ایک طرح کی سوء ادبی ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام نے دو باتیں لکھیں ہیں۔

اول: یہ کہ ان تختیوں کو جلدی میں اس طرح سے رکھ دیا تھا کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو ڈال دے۔

دوم: یہ کہ دینی حمیت اور شدت غضب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے بے اختیار ہوئے کہ وہ تختیاں انکے ہاتھ سے گر پڑیں۔ اگرچہ گری تھیں بلا اختیار لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے اس کو القاء اختیار کا درجہ دے دیا گیا۔ اس لئے القی الاواح سے تعبیر فرمایا۔ فان حسنات الابوار سیئات المقربین۔ (کیونکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لئے برائیاں ہیں) (من روح المعانی ص ۶۷ ج ۹)

بنی اسرائیل کا نام ہونا اور توبہ کرنا: وَلَتَأْسُقُطَ فِي أَيْدِيهِمْ ذُرَاؤُا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا (الایۃ) جن لوگوں نے گنو سالہ پرستی کر لی تھی انہیں اپنی گمراہی کا احساس ہوا اور توبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں سب سے بڑا دخل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دارو گیر اور سختی کا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کو انکے تشریف لانے سے ہی اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا ہو۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری بخشش نہ فرمائے تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی توبہ کی قبولیت کے لئے اللہ پاک کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ اپنی جانوں کو قتل کریں۔ جیسا کہ سورہ بقرہ (رکوع ۶) کی آیت وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَأَنْتُمْ ظَلِمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ - کے ذیل میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے (انوار البیان جلد ۱) ان کی توبہ کی صورت یہ تجویز ہوئی تھی کہ جنہوں نے پچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی وہ ان کو قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت کی تھی چنانچہ ایسا کیا گیا۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذَلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

بلاشبہ جن لوگوں نے پچھڑے کو معبود بنالیا انہیں ان کے رب کی طرف سے ضرور غصہ پہنچے گا اور ذلت پہنچے گی دنیا والی زندگی میں

وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ۝ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنۢ بَعْدِهَا

اور اسی طرح ہم افتراء کرنے والوں کو سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے گناہ کئے پھر ان کے بعد توبہ کر لی

وَأٰمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَهَا سَكَّتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ

اور ایمان لے آئے تو بلاشبہ آپ کا رب اس توبہ کے بعد ضرور بخش دینے والا ہے۔ مہربان ہے۔ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا

أَخَذَ الْأَوَاخِرَ وَفِي نُسُخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ۝

تو انہوں نے ان نختیوں کو اٹھالیا اور ان نختیوں میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں

پچھڑے کی پرستش کرنے والوں پر

اللہ تعالیٰ کا غصہ اور دنیا میں ان لوگوں کی ذلت

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا اور بارگاہ الہی سے اپنے اور اپنے بھائی کے لئے مغفرت کا سوال پیش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا جنہوں نے پچھڑے کی عبادت کی تھی کہ انہیں عنقریب ان کے رب کی طرف سے غصہ پہنچے گا اور دنیا والی زندگی میں ذلت پہنچے گی اس غضب اور ذلت سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ غضب سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جس میں قبولیت توبہ کے لئے ان لوگوں کے قتل کا حکم ہوا اور ذلت سے مراد ہے ان لوگوں کا یہ اقرار کر لینا کہ واقعی ہم نے گمراہی کا کام کیا اور پھر اپنی جانوں کو قتل کے لئے پیش کرد یا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ذلت سے وہ

حالت اور کیفیت مراد ہے جو ان لوگوں کو اس وقت پیش آئی جبکہ اس پھڑے کو جلایا گیا اور سمندر میں پھینک دیا گیا جس کی وجہ سے انہوں نے عبادت کی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ ذلت سے وہ مسکنت مراد ہے جو انہیں اور انکی اولاد کو دنیا میں پیش آتی رہی اور بحالت سفر برسوں زمین میں گھومتے رہے۔

اور عطیہ عوفی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو یہودی تھے اور آیت کریمہ میں ان کا ذکر ہے۔ غضب اور ذلت سے بنی نصیر کا جلا وطن کر دینا اور بنی قریظہ کا قتل کیا جانا یہودیوں پر جزیہ مقرر کرنا مراد ہے اور یہ بات اس بنیاد پر کہی جاسکتی ہے کہ عہد رسالت میں جو یہودی تھے وہ اپنے آباء و اجداد کے اعمال سے بیزاری ظاہر نہیں کرتے تھے وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ (اور ہم اسی طرح افتراء کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں)

اس سے افتراء علی اللہ مراد ہے۔ سامری اور اس کے ساتھیوں نے پھڑے کے بارے میں جو یہ کہا تھا کہ هَذَا إِلَهُكُمْ وَاللَّهُ مُؤَسَى (یہ ہمارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے) یہ بہت بڑا افتراء ہے اس کی سزا سامری کو بھی دی گئی اور ان لوگوں کو بھی دی گئی جو اس کے ساتھی تھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ ہر صاحب بدعت ذلیل ہے۔ یہ فرما کر انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مطلب یہ ہے کہ دین خداوندی میں جو شخص بدعت نکالے گا وہ دیر سویر ذلیل ہوگا۔ دنیا میں اس کا ظہور نہ ہوا تو آخرت میں ضرور ہی ذلیل ہوگا)۔

اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے: وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ (الایہ) (اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے) (جن میں گنو سالہ پرستی بھی ہے) پھر ان گناہوں کے بعد توبہ کر لی اور کفر کو چھوڑ کر ایمان لے آئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد ان کو معاف فرمانے والا اور ان پر رحم فرمانے والا ہے)

واقعی پختہ توبہ کرنے کے بعد ان کی مغفرت ہوگئی۔ کفر و شرک کے بعد اسلام قبول کرنے سے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ ان الاسلام یهدم ما کان قبلہ (بے شک اسلام لانا پہلے کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے) (رواہ مسلم عن عمرو بن العاصؓ) اُدپر سے گو بنی اسرائیل کا ذکر ہو رہا ہے۔ لیکن آیت کے عمومی الفاظ میں ہمیشہ کے لئے توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا اور یہ بتا دیا کہ اللہ غفور اور رحیم ہے۔

توریت شریف ہدایت اور رحمت تھی: پھر فرمایا: وَابْتَاسَكْتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبَ أَخَذَ الْاَلْوَاہُ (جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہو گیا تو انہوں نے توریت شریف کی تختیوں کو لے لیا) جنہیں غصہ میں ڈال دیا تھا۔ کیوں کہ مقصود تو انہیں پر عمل کرنا اور عمل کرنا تھا درمیان میں مشرکین کی حالت دیکھ کر جو غصہ آ گیا تھا اس کی وجہ سے تختیوں کو ڈال دیا تھا پھر ان کو اٹھا لیا تاکہ تعلیم و تبلیغ کا کام شروع کیا جائے۔

وَفِي سُنَّتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ (اور اس توریت میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں)

اور ڈرنے والے وہی ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ وذلک مثل قوله تعالیٰ فی التنزیل العزیز هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (الایہ)

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا رَّاسِيَةً فَلَمَّا اخَذْتَهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ

اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وقت معین کے لئے چن لئے پھر جب ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب

لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِنِّي أَتُحِلِّكُمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا إِن هِيَ إِلَّا

اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ہی ان کو اہر مجھے ہلاک فرما دیجئے۔ کیا آپ ہمارے چند بیوقوفوں کی حرکت کے سبب ہمیں ہلاک فرماتے ہیں۔ یہ محض

فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

آپ کی طرف سے آزمائش ہے آپ اس کو ذریعہ جس کو چاہیں گمراہی میں ڈالیں اور جس کو چاہیں ہدایت پر رکھیں۔ تو ہی ہمارا ولی ہے لہذا ہماری مغفرت فرما

وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ۝ وَكُتِبَ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ

اور ہم پر رحم فرما اور بیش دینے والوں میں تو سب سے بہتر ہے اور کھ دیجئے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی

إِنَّا هُذِنَا إِلَيْكَ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَن أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ

بیشک ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب ہے میں اسے پہنچاتا ہوں جسے چاہوں اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔

فَسَاكِبْهَا الَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝

سو میں اس کو ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر افراد کو اپنے ہمراہ لے جانا اور وہاں ان لوگوں کی موت کا واقع ہو جانا

تفسیر: بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ بے نیکی باتیں کیا کرتے تھے اور شبہات نکالتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو ریت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔ جو عمل کرنے کے لئے نازل فرمائے ہیں۔ تم ان پر عمل کرو تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہم کیسے یقین کریں کہ اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے فرمادے کہ یہ میری کتاب ہے اور میرے احکام ہیں تو ہم مان لیں گے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی منتخب فرمائے تاکہ ان کو ہمراہ لے جائیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام سنوانیں۔ جب یہ لوگ حاضر ہوئے اور کلام الہی کو سنا تو کہنے لگے ہمیں کیا معلوم کون بول رہا ہے ہم تو جب یقین کریں گے جبکہ بالکل اپنے سامنے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ یہ ان کی گستاخی کی بات تھی۔ ان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہیں دھرے رہ گئے۔ جب ان لوگوں کا یہ حال ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی بیہودگی کا اور بدگمانی کا خیال آیا کہ یہ لوگ پہلے ہی سے بدگمان ہیں اب تو اور زیادہ بری بدگمانی کریں گے اور یوں کہیں گے کہ ہمارے آدمیوں کو لے جا کر وہیں ہلاک کر دیا۔ لہذا بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب

اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک فرما دیتے جب آپ نے ایسا نہیں کیا (اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اس وقت ہلاک کرنا آپ کو منظور نہیں کیونکہ اس میں میری بدنامی ہے) تو آپ ان کو دوبارہ زندگی عطا فرمائیں تاکہ میں بنی اسرائیل میں مطعون اور بدنام نہ ہو جاؤں۔

”اَكْثَلَكُمْ فَعَلَ الشُّعْطَاءُ وَنَا“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں معروض پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ کیا آپ چند بیوقوفوں کی حرکت سے جو ہم ہی میں سے ہیں ہمیں ہلاک فرما دیں گے۔ یعنی اُمید ہے کہ آپ ایسا نہ کریں گے۔ مزید عرض کیا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ کہ یہ جو واقعہ پیش آیا کہ ان لوگوں کو ربھہ یعنی زلزلہ نے اور صاعقہ یعنی بجلی کی کڑک نے (کافی سورۃ البقرۃ) پکڑ لیا۔ یہ آپ کی طرف سے ایک امتحان ہی ہے۔ فَضِّلْ بَهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِنِي مَنْ تَشَاءُ آپ اس کے ذریعہ گمراہی میں ڈالیں جسے چاہیں اور جس کو چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر وہ لوگ صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ يَعْنِيكَ فَرْنَ بَعْدَ مَوْتِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ شانہ سے مزید مغفرت اور رحمت طلب کرتے ہوئے عرض کیا اَنْتَ وَلِيْنَا فَاغْفِرْ لَنَا (اے رب آپ ہمارے ولی ہیں لہذا ہماری مغفرت فرما دیجئے) وَانْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ اور ہم پر رحم فرمائیے وَانْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ اور آپ معاف کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں وَالْكَذِبُ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ (اور ہمارے لئے اس دنیا میں نیک حالت پر ہونا) لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔ اِنَّا هُنَا اِلَيْكَ (بلاشبہ ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں) قَالَ عَذَابِيْ اَوْصِيْبُ بِهِ مَنْ اَشَاءُ۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میرا عذاب ہے جسے چاہوں پہنچا دوں۔ وَدُخْمِيْ وَبِعَفْءٍ كُلَّ نَفْسٍ اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔

فَاَكْثَرُهَا لِكُلِّ مَنْ يَكْفُرُ وَيُؤْمِنُ بِالْكَوْفَةِ۔ سو عنقریب میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں اللہ کی رحمت اگرچہ ہر چیز کو شامل ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب پر رحمت فرما سکتے ہیں اور رحمت فرماتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑی رحمت جو آخرت کی نجات ہے اور عذاب دائمی سے بچا دینا ہے وہ ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی کفر و شرک اور ہر قسم کے گناہ سے بچتے ہیں (اس میں قلب اور جوارح کے سب اعمال داخل ہیں) اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (اس میں احکام متعلقہ اموال داخل ہو گئے)

صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ ادائے زکوٰۃ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے فرمایا کہ بنی اسرائیل پر زکوٰۃ کی ادائیگی بہت شاق تھی یہ لوگ حب دنیا میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے اس لئے مال خرچ کرنا ان کے نفوس کے لئے بہت دشوار تھا۔

آخر میں فرمایا وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ۔ اس میں یہ بتا دیا کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں اور رحمت دائرہ اہل ایمان ہی کے لئے مخصوص ہے اور اس میں بنی اسرائیل پر تفریض بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور جانتے پہچانتے ہوئے آخر الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے

منکر ہوئے۔ اس لئے مصداق ہے وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہودی جو اپنے کو مومن سمجھتے ہیں اور بنی امیہ علیہ السلام کا اتباع نہیں کرتے وہ اللہ کے نزدیک مومن نہیں ہیں اور رحمت دائمہ کے مستحق نہیں جو آخرت میں مومنین کو نصیب ہوگی۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا کلام سنوانے کے لئے ساتھ لے گئے۔ یہ کتنی مرتبہ ہوا؟ علمائے تفسیر نے اس کے بارے میں تین مرتبہ جانا لکھا ہے۔

اول یہ کہ جب توریت شریف لینے کے لئے طور پر جا رہے تھے اس وقت ایک جماعت کو ہمراہ لے گئے تھے اور اس کا ثبوت سورہ طہ کی آیت وَمَا آتٰكَ عَنْ قَوْلِكَ يُؤْمِنُونَ سے ہوتا ہے **دوسرے** جب بنی اسرائیل نے ان کے پیچھے پھڑے کی عبادت کر لی تو اس وقت بارگاہ الہی میں معذرت پیش کرنے اور قبولیت توبہ کی درخواست کرنے کے لئے ایک جماعت کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ **تیسرے** جب ان پر توریت شریف پیش کی تو انہوں نے کہا کہ ہم کیسے مانیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ اللہ ہم سے خود فرمائیں کہ یہ میری کتاب ہے تو ہم تسلیم کر لیں گے۔ لہذا ان کو تسلیم کرانے کے لئے اپنی قوم کے منتخب افراد کو ساتھ لے گئے۔ صاحب روح المعانی ص ۲۷۹ ج ۹ نے اس میں لمبی بحث کی ہے اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے سورہ بقرہ کی آیت فَآخِذْ بِالْعِصْمَةِ وَأَنْتُمْ نَظَرُونَ اور سورہ اعراف کی یہ آیت فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ كَامِلٌ ایک ہی قرار دیا ہے۔ یعنی دونوں جگہ اسی واقعہ کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ ہم اس کتاب کو اللہ کی کتاب اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ کو نہ دیکھ لیں۔ ہم نے بھی انہیں کی اقتداء میں تفسیر لکھ دی ہے والعلم عند اللہ الکریم۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے: آیت بالا میں اللہ کی رحمت کے وسیع ہونے کا ذکر ہے اسکی رحمت سب کو شامل ہے۔ دنیا میں جو مخلوق ایک دوسرے پر رحم کھاتی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ شانہ کی عطا فرمودہ رحمت کا اثر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کی رحمت سوچھے ہے۔ اس میں سے ایک رحمت دنیا میں اتاری ہے جو جن و انس اور چوپایوں میں اور زہریلے جانوروں میں تقسیم فرمادی۔ اسی کے ذریعے آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں اور اللہ نے ننانوے رحمتوں کو قیامت کے دن کے لئے مؤخر فرمادیا ہے۔ اس دن وہ اپنی ان رحمتوں کے ذریعہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (رواہ البخاری و مسلم کافی بحکلاء ص ۲۰۷)

اللہ کی رحمت بڑی ہے دنیا میں ہر نیک و بد کو شامل ہے یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ مومن اور کافر نیک اور بد بلکہ خدائے تعالیٰ کے منکر اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہیں آرام کی زندگی گزارتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور پہنتے ہیں اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے رحم کرے اور جس کو چاہے عذاب دے یہ اسکی مشیت سے متعلق ہے۔ وہ کسی پر رحم کرنے یا کسی کو عذاب دینے پر مجبور نہیں ہے یعنی اسکی رحمت ماں باپ کی مانتا کی طرح نہیں ہے کہ وہ طبعی طور پر اولاد پر رحم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

صاحب روح المعانی (ص ۶۷۹ ج ۹) لکھتے ہیں ای شانہا انہا واسعة کل شیء ما من مسلم ولا کافر ولا مطیع ولا عاص الا وهو منقلب فی الدنیا بنعمتی والمشیة معتبرة فی جانب الرحمة ایضا و

عدم التصريح بها قيل تعظيما لامر الرحمة وقيل للاشعار بغاية الظهور. اهـ (یعنی رحمت الہی کی شان یہ ہے کہ وہ ہر ایک کو شامل ہے خواہ کوئی مسلمان ہو یا کافر فرمانبردار ہو یا نافرمان البتہ دنیا میں رحمت نعمتوں کی شکل میں ہے اور رحمت کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اعتبار ہے اور یہاں پر اس بات کی تصریح نہ کرنا رحمت الہی کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے، بعض نے کہا رحمت الہی کے بے انتہاء ظہور کی وجہ سے رحمت نہیں کی)

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي

جو لوگ رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے پاس

التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْعُرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ

توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بُرائیوں سے روکتے ہیں اور ان کے لئے

الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ

پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں۔ اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں، اور وہ طوق ہٹاتے ہیں جو ان پر تھے

نبی امی ﷺ کا ذکر یہود و نصاریٰ توریت و انجیل میں پاتے ہیں

تفسیر: یہ آیت سابقہ کے آخری جملہ وَالَّذِينَ هُمْ بِالْبَيِّنَاتِ يُوقِنُونَ سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دائمی رحمت کے مستحق تھے اور اہل ایمان ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں جو اہل ایمان تھے اور اب جو اہل ایمان ہیں ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ رحمت دائم لکھ دے گا، اب اہل ایمان وہ لوگ ہیں جو نبی امی آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو لوگ اُن کی رسالت اور نبوت کے منکر ہیں وہ کیسا ہی ایمان کا دعویٰ کریں اللہ کے نزدیک ان کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور نبی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ آپ امی ہیں۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول بھی ہیں اور اللہ کے نبی بھی ہیں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ رسول وہ ہے جو اللہ کی طرف سے مستقل کتاب اور شریعت لے کر آیا ہو۔ اور نبی کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے ہر پیغمبر پر ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ مستقل کتاب یا شریعت نہ ہو۔

جس نبی کے ساتھ مستقل کتاب اور مستقل شریعت نہ تھی وہ اپنے سے سابق رسول کی کتاب اور شریعت کی تبلیغ کرتا تھا۔ یہ فرق اگر تسلیم کر لیا جائے تو بعض انبیاء کے تذکرہ میں جو رسول اور نبی ایک ساتھ فرمایا ہے اور مشہور ہے کہ وہ مستقل کتاب اور مستقل شریعت والے نہیں تھے (جیسا حضرت اسماعیل علیہ السلام) تو اس میں رسول کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہوگا۔ الامی اور الرسول اور النبی سے آیت بالا میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ آپ کو الامی سے ملقب فرمایا۔ عرب کے محاورہ میں امی اسے کہتے ہیں جس نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا (نہ سیکھا ہو اور آپ ﷺ نے بھی

کسی سے لکھنا پڑھنا) نہیں سیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و قدرت سے آپ کو وہ علوم عطا فرمائے جو کسی کو نہیں دیئے۔ مخلوق میں آپ سے بڑھ کر کوئی بھی صاحب علم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علوم دیئے تھے ان ہی میں سے وہ سب خبریں ہیں جو آپ نے عالم کی ابتدا آفرینش سے لے کر جنت میں سب سے آخر تک داخل ہونے والے شخص کے داخلہ تک بتا دیں اور اہل دوزخ کے احوال بتا دیئے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے احوال اور واقعات بیان کئے جن میں سے کسی ایک کی بھی یہودی تکذیب نہ کر سکے ایسے اُمی پر کروڑوں اہل علم قربان اس کو فرمایا ہے۔

پتھے کہ ناکردہ قرآن درست کتنی چاند ملت بشت
اس سب تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اُمی ہونا آپ کی ذات گرامی کے لئے عیب کی بات نہیں بلکہ سراپا مدح اور خیر و خوبی کی چیز ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی مزید صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اَلَّذِي يَهُودُ وَنَكَرُ مَكْنُوءًا عَنْكَ هُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ۔ (نبی اُمی ﷺ کو وہ لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خاص کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کی بعثت کی دینا یہود و نصاریٰ میں معروف و مشہور تھا۔ سورۃ صف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: يٰبَنِي اِسْرَآئِيْلَ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيِّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِي مِنْ بَعْدِي اِسْمُهُ اَحْمَدُ۔ (اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں میرے سامنے جو توریت ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے) احمد محمد دونوں رسول اللہ ﷺ کے اسماء گرامی ہیں۔

توریت شریف میں آپ ﷺ کی صفات: حضرت عطا بن یسار تابعی نے بیان فرمایا کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو میں نے کہا کہ توریت میں جو رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کی گئی ہے وہ مجھے بتائیے انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو آپ کی صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صفات توریت شریف میں بھی ہیں۔ یعنی یہ کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور امتین (یعنی عرب) کی حفاظت کرنیوالا بنا کر بھیجا تو میرا بندہ ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا جو درشت خور و سخت مزاج نہیں ہے اور بازاروں میں شور مچانے والا نہیں اور جو بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتا۔ لیکن معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے اور اللہ اسے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ اس کے ذریعے کئی والی ملت کو سیدھا نہ کر دے۔ اس طرح سے کہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہیں گے اور اس کے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھول دے گا اور بہرے کانوں کو اور غلاف چڑھے ہوئے قلوب کو کھول دے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا یہ بیان صحیح بخاری سے مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۲ میں نقل کیا ہے سنن داری ص ۱۲۴ میں بھی یہ مضمون ہے۔ اس میں یوں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ سے مذکورہ بالا مضمون کی روایت کی۔

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کی حق شناسی: حضرت عبد اللہ بن سلام پہلے یہودی تھے اور ان کے علماء میں سے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہی انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا اور آپ کی نبوت کی وہ علامات دیکھ کر جو

انہیں پہلے سے معلوم تھیں آپ کو پہچان لیا اور اسلام قبول کر لیا۔ ان کے علاوہ عموماً یہودیوں نے آپ کو پہچان کر اور آپ کی نبوت کو حق جان کر ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی اور چند افراد کے علاوہ وہ لوگ مسلمان نہ ہوئے۔ انکی جہالت و ضلالت نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا ساتھ نہ دیا۔ یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کے ذریعہ کئی والی ملت کو سیدھا فرمائے گا۔ اس سے ملت ابراہیمی مراد ہے جسے مشرکین عرب نے بگاڑ دیا تھا۔

یہودیوں نے آپ کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائیں گے اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر مشرکین سے جنگ کریں گے۔ لیکن جب آپ تشریف لے آئے اور آپ کو پہچان بھی لیا کہ واقعی یہ وہی نبی ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے تو اس کے باوجود منکر ہو گئے۔ اسی کو فرمایا: فَلَمَّا جَاءَهُمْ كَاغَرُوا كَغَرُوا عَلَيْهِمْ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔

نصاری بھی انجیل شریف میں آنحضرت ﷺ کی علامات پڑھتے چلے آ رہے تھے انہوں نے آپ کو پہچان لیا۔ لیکن عام طور سے وہ بھی منکر ہو گئے۔ نصاریٰ نجران کے ساتھ جو مکالمہ ہوا اور آپ نے جو انہیں مباہلہ کی دعوت دی اور وہ مباہلہ سے منحرف ہوئے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں ایمان نہ لائے۔

قیصر روم کا اقرار: ہرقل (قیصر روم) نے بھی یہ مان لیا کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اس کا ذکر صحیح بخاری (ص ۴ ج ۱) باب بد الوحی میں موجود ہے۔ جانتے پہچانتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار یہود و نصاریٰ دونوں قوموں نے کیا۔ دورِ حاضر کے نصاریٰ کی ذہنائی دیکھو کہ موجودہ بائبل میں (جو پہلے سے بھی محرف ہے) بھی انہوں نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی پالی تو اسکی تحریف پر اتر آئے۔

توریت شریف کی پیشین گوئی اور اس میں بائبل شائع کرنے والوں کی تحریف

کتاب استثناء باب ۳۳ میں اس طرح پیشین گوئی موجود ہے۔ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکارا ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ اور اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیری باتوں کو مانیں گے۔

چونکہ اس پیشین گوئی میں لفظ فاران موجود ہے جو مکہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران پر جلوہ گر ہونے کا تذکرہ ہے اور یہ دس ہزار وہ صحابہؓ تھے جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے فتح مکہ کے موقع پر گئے تھے۔ لہذا تحریف کے بحر میں کو یہ دونوں باتیں بھاری پڑیں۔ اس لئے انہوں نے سابقہ تحریفات میں اضافہ کر دیا (جب تحریف پر ہی دین اور دیانت کی بنیاد رکھ لی تو اب آگے تحریف کرنے میں خوف خدا لاحق نہ ہوا تو اس میں تعجب کی کیا

۱۔ خداوند تعالیٰ کے سینا سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا فرمائی اور کوہ شعیر سے طلوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی (شعیر شام میں ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے) اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ (فاران مکہ معظمہ کے پہاڑ کا نام ہے)

بات ہے) اول تو فاران کا مصداق بدلنے کی کوشش کی اور یہ کہہ دیا کہ یہ بیت المقدس کا نام ہے۔ حالانکہ قدیم و جدید جغرافیہ نویسوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ بیت المقدس کا نام فاران ہے۔ خود توریت سامری کے عربی ترجمہ میں لفظ فاران کے سامنے بریکٹ میں لفظ الحجاز موجود ہے (یہ ترجمہ آرکوشٹن نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا تھا) دوسری تحریف ان مجرموں نے یہ کی کہ دس ہزار کی جگہ کسی ترجمہ میں ہزاروں لکھ دیا اور کسی میں لاکھوں لکھ دیا اور بعض ترجموں میں پورا جملہ ہی ختم کر دیا۔ بائبل کا انگریزی ترجمہ جو کنگ جیمس ورجن نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا تھا اس میں بھی دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنے کا ذکر ہے۔ لیکن بعد میں تحریف کے دلیروں نے اس کو بدل کر رکھ دیا۔ تفصیلات کے لئے اظہار الحق عربی اور اس کے تراجم اور سیرت النبی (ﷺ) از سید سلیمان ندوی کا مطالعہ کیا جائے۔ یہود و نصاریٰ کا عجیب طرز فکر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ تحریف کر کے جو لفظ اور معنی ہم اپنی طرف سے مقرر کر دیں گے۔ وہی روز قیامت ہمارے لئے حجت بن جائے گا اور نبی آخر الزماں (ﷺ) کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے کے لئے جو تدبیریں سوچی جائیں گی وہ بارگاہِ خداوندی میں کام دے دیں گی اور دوزخ سے بچا دیں گے۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ مسئلہ مسلمانوں کو جواب دینے کا نہیں ہے۔ آخرت میں نجات پانے کا ہے۔ یہود نے یقین کر لیا تھا کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقعی اللہ تعالیٰ کی رسول ہیں۔

توریت شریف میں آپ کا تذکرہ پڑھتے تھے۔ آپس میں اس کا ذکر بھی کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے اقراری ہو جاتا تو اسے بُرا کہتے اور یوں کہتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَلَّمَکُمْ لُغَاتِکُمْ بِہٖ عِزٌّ رَّکِبْتُمْ (کیا تم اس سے وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دیں تاکہ یہ لوگ تمہارے رب کے پاس تم پر حجت قائم کر لیں)

ایک یہودی کا اپنے لڑکے کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دینا: صحیح بخاری ص ۱۸۱ ج ۱ میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو آپ اسکی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اُس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا (جو وہیں موجود تھا اس کا مقصد مشورہ لینا تھا) اس کے باپ نے کہا کہ ابوالقاسم (ﷺ) کی بات مان لو لہذا اُس نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ (ﷺ) یوں فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ الحمد للہ الذی انقلذہ من النار (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اُسے آتش دوزخ سے بچالیا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۷)

جو یہودی عہد نبوت میں مسلمان ہو گئے تھے اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے وہ تو توریت شریف سے آنحضرت (ﷺ) کی علامات اور صفات بیان کیا ہی کرتے تھے ان کے بعد علماء یہود میں سے جو لوگ مسلمان ہوئے جن کو تابعیت کا شرف نصیب ہوا وہ بھی توریت سے آنحضرت سرورِ عالم (ﷺ) کی علامات اور صفات بیان کیا کرتے تھے۔

کعب احبار کا بیان: کعب احبار پہلے یہودی تھے۔ پھر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں اسلام قبول کیا وہ بیان کرتے تھے کہ ہم توریت میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں میرے برگزیدہ بندے ہیں نہ درشت خو ہیں نہ سخت مزاج ہیں وہ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف کرتے

ہیں اور بخش دیتے ہیں ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور انکی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ منورہ) ہے۔ اور ان کا ملک شام میں ہوگا (ملک شام اولین وہ سرزمین ہوگی جہاں ان کے اصحاب کی حکومت ہوگی) اور انکی امت کے لوگ خوب زیادہ حمد بیان کرنے والے ہوں گے یہ لوگ اللہ کی حمد بیان کریں گے خوشحالی میں بھی اور سختی میں بھی۔ وہ ہر منزل میں اللہ کی تعریف کریں گے۔ اور ہر بلندی پر اللہ کی بڑائی بیان کریں گے۔ یہ لوگ آفتاب کی نگرانی کریں گے۔ جب نماز کا وقت ہو جائے گا نماز ادا کریں گے آدمی پنڈلیوں پر تہبند باندھیں گے۔ وہ وضو میں اپنے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں دھوئیں گے۔

ان کا مؤذن فضاء آسمانی میں اذان دے گا اور ان کی ایک صف قتال میں اور ایک صف نماز میں ہوگی۔ دونوں صفیں (اخلاص اور عزیمت میں) برابر ہوں گی۔ رات کو ان (کے ذکر) کی آواز ایسی ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی جھنجھناہٹ ہوتی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت بحوالہ مصابیح النفل کی ہے پھر لکھا ہے کہ داری نے بھی تھوڑی سی تعبیر کے ساتھ روایت کی ہے۔

مصباح میں یہ روایت ص ۷۰ پر اور سنن داری میں (ص ۱۵ ج ۱) پر موجود ہے اس کے بعد صاحب مصابیح نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ توریت میں محمد اور عیسیٰ علیہما السلام کی صفت بیان کی ہے۔ (اس میں یہ بھی ہے) کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان سنن ترمذی میں بھی ہے۔

بعض یہود کا اقرار کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں لیکن قتل کے ڈر سے اسلام نہیں لاتے

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہود حاضر ہوتے رہتے تھے اور بہت سی باتیں پوچھا کرتے تھے (جن کے بارے میں جانتے تھے کہ یہ نبی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا) اس میں اپنے سوالوں کا صحیح جواب پاتے اور بار بار ان کے یقین میں چٹکی آتی جاتی تھی اور آپ ﷺ کا ہر جواب ان کو چیلنج کرتا تھا لیکن حق جانتے ہوئے ماننے نہیں تھے اور قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دو یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آیات بیانات کے بارے میں سوال کیا آپ نے جواب دے دیا تو انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں میرا اتباع کرنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ کہنے لگے کہ ہمیں خوف ہے کہ اگر آپ کا اتباع کر لیں تو ہمیں یہودی قتل کر دیں گے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۱) (یہ جان اور مال کا خوف انہیں اسلام قبول کرنے سے باز رکھتا تھا) جن یہودیوں نے آپ کو آزمایا اور آپ کی نشانیوں کو دیکھا اور نبوی مفاد کو ٹھوکر ماری انہوں نے اسلام قبول کر لیا لیکن یہ محدودے چند ہی تھے۔

ایک یہودی کا آپ ﷺ کو آزمانا پھر مسلمان ہونا: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم کے چند دینار آنحضرت ﷺ پر قرض تھے وہ تقاضے کے لئے آیا آپ نے فرمایا کہ اے یہودی میرے پاس اس وقت انتظام نہیں ہے جو تیرا قرض ادا کروں اس پر اس یہودی نے کہا کہ اے محمد میں آپ ﷺ سے جدا نہ ہوں گا جب تک آپ میرا قرضہ ادا نہ کریں آپ ﷺ نے فرمایا تو میں بھی تیرے ساتھ بیٹھا رہوں گا۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ بیٹھے رہے اور اسی دوران آپ ﷺ نے ظہر سے لے کر سب نمازیں ادا کر لیں۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اسے دھکی دیتے

تھے اور ڈراتے تھے آپ نے اس کو محسوس فرمایا اور استفہام انکاری کے طریقہ پر فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) ایک یہودی نے آپ (ﷺ) کو روک رکھا ہے (جو ہم سے نہیں دیکھا جاتا) آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی معاہدہ (ذمی یا مستامن) پر ظلم کروں۔ دوسرے دن جب دن چڑھ گیا تو اس یہودی نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہوں اور میں نے یہ جو کچھ کیا اسی لئے کیا کہ میں آپ (ﷺ) کو ان اوصاف کے موافق دیکھ لوں جو توریت میں بیان کئے گئے ہیں۔ توریت میں ہے کہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور انکی ہجرت کی جگہ طیبہ ہے اور ان کا ملک شام میں ہوگا۔ وہ درشت خوا اور سخت مزاج نہیں ہوں گے اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے وہ فحش کلامی اختیار نہ کریں گے اور بُرے الفاظ سے بھی بچیں گے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بیشک آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ یہ میرا مال ہے آپ (ﷺ) اس میں جس طرح چاہیں حکم فرمائیں۔

(رواہ البیہقی فی دلائل النبوة لکافی مشکوٰۃ ص ۵۲۰)

حضرت سلمان فارسیؓ کے اسلام قبول کرنے کا عجیب واقعہ: حضرت سلمان فارسیؓ بھی جانچ پڑتال کے بعد مسلمان ہوئے یہ فارس کے رہنے والے تھے ان کا گھرانہ مشرک کا تھا ان کا باپ انہیں کھیت کیاری دیکھنے کے لئے بھیجا کرتا تھا۔ مشغلہ کاشت کاری اور زمینداری تھا۔ اس کا نام بودخشان بن مورسلان تھا اور اپنے گاؤں کا چودھری تھا۔ حضرت سلمانؓ اس کو سب سے زیادہ پیارے تھے حتیٰ کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر میں رکھتا تھا اور قدم باہر نہ نکالنے دیتا تھا۔ حضرت سلمانؓ کی پیدائش ہوئی تو ان کا نام مابہ رکھا اور ہوش سنبھالنے پر ان کو بھی آتش پرستی میں لگا دیا۔ یہاں تک کہ حضرت سلمانؓ آتش کدہ کی خدمت میں اس انہماک سے لگے کہ ہر وقت آگ روشن رکھتے تھے اور آتش کدہ کے پجاری اور مندر کے گھراں بن گئے تھے۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے تھے کہ ایک روز میرا باپ مکان بنوانے میں مشغول ہو گیا اور فرصت نہ ہونے کی وجہ سے مجھے کاشت کی خبر لینے کے لئے بھیج دیا اور ساتھ ہی جلد آنے کی بھی وصیت کر دی اور یہ بھی کہا کہ اگر تو نے واپس ہونے میں دیر کی تو تیرے جدائی کی فکر میرے لئے سارے فکروں سے بڑھ جائے گی۔ والد کے کہنے پر میں گھر سے نکلا راستہ میں عیسائیوں کے گر جا پر میرا گزر ہوا اور اس کو دیکھنے کے لئے اندر چلا گیا۔ وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کی نماز پسند آگئی اور دل میں کہا کہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے میں نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے دین کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ملک شام میں ہے میں شام تک وہیں رہا اور سورج چھپنے پر گھر واپس آیا تو باپ نے سوال کیا اب تک کہاں تھا؟ میں نے باپ کو اپنا پورا حال سنا دیا۔ اور یہ بتا دیا کہ مجھے نصاریٰ کا دین پسند ہے اور ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ نے کہا بیٹا! یہ تم نے غلط سمجھا ان کا دین ٹھیک نہیں ہے۔ سچا دین وہی ہے حوتیر اور تیرے باپ دادوں کا دین ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔

جب باپ نے میری گفتگو سنی تو اسے کھٹکا ہوا اور اس ڈر سے کہ کہیں میں اُن سے نہ جا ملوں مجھے گھر میں بند کر دیا اور پاؤں میں بیڑی ڈال دی۔ میں نے اس قید و بند کی حالت میں عیسائیوں کو خبر پہنچ دی کہ جب شام سے سودا گرا آئیں تو مجھے خبر کر دینا میں ان کے ساتھ تمہارے دین کے مرکز میں پہنچ جاؤں گا چنانچہ کچھ دن کے بعد کچھ شامی تاجر آ گئے انہوں نے مجھے خبر کر دی جب وہ تاجر واپس جانے لگے تو میں نے بیڑیاں کاٹ ڈالیں اور ان کے ساتھ ہو گیا۔ جب میں ان کے ساتھ شام پہنچ گیا تو وہاں کے لوگوں سے کہا کہ بناؤ تمہارے یہاں عیسائیوں میں سب سے افضل کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ گر جا میں جاؤ وہاں کا جو پاپائے اعظم ہے وہی سب سے افضل ہے۔ میں گر جا میں جا پہنچا اور اس سے کہا کہ میں تمہارے دین کو پسند کر چکا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تمہاری خدمت میں رہوں اور تعلیم حاصل کروں۔ اُس نے کہا بہتر ہے رہنے لگو۔ میں اس کے ساتھ رہنے لگا اور رہتے رہتے اس کے کچے چٹھے سے خوب واقف ہو گیا۔ یوں تو بڑا بزرگ بنا ہوا تھا۔ مگر تھرا بڑا خراب آدمی لوگوں کو صدقہ خیرات کا حکم دیتا اور جب اس کے کہنے سے لوگ صدقات و خیرات لے کر آتے تو ان سب کو اپنے پاس جمع کر لیتا اور مسکینوں کو کچھ بھی نہ دیتا جب وہ مر گیا تو اس کے معتقد فن کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ میں نے ان سے کہا کہ (اسے فن نہ کرو) یہ تو بڑا خراب آدمی تھا تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا تھا اور جب تم اس کے پاس صدقات و خیرات کی رقم جمع کر دیتے تھے تو کسی فقیر کو دیتا تھا نہ کسی مسکین کو بلکہ اپنے ہی خزانہ میں بھر دیتا تھا۔ لوگوں نے کہا تمہیں کیا پتہ؟ میں نے کہا آؤ تمہیں اس کا خزانہ بتا دوں! یہ سن کر وہ میرے ساتھ ہو لئے، میں نے ان کو اس کا خزانہ دکھایا تو انہوں نے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے سات مٹکے رکھے ہوئے دیکھے۔ مٹکے دیکھ کر ان کو میری بات کا یقین آ گیا تو بڑے برہم ہوئے اور ان کے دلوں میں اس پادری کی ذرا بھی وقعت نہ رہی اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم ہم اسے ہرگز دفن نہ کریں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس کی نش کو سولی پر چڑھا کر پتھر مارتے مارتے چور ا بنا دیا۔

اس کے بعد وہ لوگ اس کی جگہ دوسرے شخص کو لائے جسے انہوں نے گر جا کا پادری بنا دیا یہ دوسرا شخص اس پہلے شخص سے بہت افضل تھا اور دنیا سے بہت بے رغبت تھا مجھے اس سے محبت ہو گئی اور ایک عرصہ تک اس کے ساتھ گر جا میں رہا۔ جب اسکی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے کہا کہ اب آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں اور کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے علم میں تو اب کوئی شخص اصل دین مسیحی پر نہیں ہے سوائے فلاں صاحب کے جو شہر موصل میں رہتے ہیں تم ان ہی کے پاس چلے جاؤ چنانچہ میں موصل پہنچا اور اس شخص کو تلاش کیا جس کا نام اور پتہ مجھے بتایا گیا تھا جب اس سے ملاقات ہو گئی تو میں نے اس کو اپنا قصہ سنایا اور ساتھ رکھ لینے کی درخواست کی اس نے درخواست منظور کر لی اور میں اس کے ساتھ رہنے لگا۔ یہ بھی اچھا آدمی تھا۔ جب اسکی موت آ پہنچی تو میں نے کہا کہ آپ کا میرے متعلق کیا ارشاد ہے؟ بتائیے اب کس کے پاس جاؤں؟ اس نے کہا کہ شہر نصیبین میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ، میں نے نصیبین کا سفر کیا اور اس شخص کو ڈھونڈ لیا جس کے پاس بھیجا گیا تھا اس کو میں نے اپنا قصہ سنایا اور ساتھ رکھ لینے کی درخواست کی اس نے مجھے ساتھ رکھ لیا۔ یہ بھی اچھا آدمی تھا مگر دنیا والی زندگی ہمیشہ کے لئے کسی کو بھی نہیں ملی۔ وہ شخص بھی مرنے لگا تو میں نے کہا اب میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ بتائیے اب کہاں جاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ اب تم غمور یا

میں فلاں شخص کے پاس جاؤ چنانچہ میں اس کے پاس پہنچا اور ساتھ رہنے کی درخواست کی اس نے مجھے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ یہ بھی اچھا شخص تھا۔ غمور یا کے دوران قیام میں نے کمانے کا دھندہ کر لیا اور میرے پاس گائے اور بکریاں بھی جمع ہو گئیں۔ جب اس غمور یا والے پادری کو موت نے آگھیرا تو میں نے اس سے کہا کہ بتائیے میں اب کہاں جاؤں؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ اے بیٹا! اللہ کی قسم اب تو میرے علم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ہمارے دین پر پوری طرح پابند ہو اب تمہیں کس کے پاس بھیجوں؟ بس اب تو تم نبی آخر الزماں (ﷺ) کا انتظار کرو ان کے تشریف لانے کا زمانہ قریب ہے۔ وہ دین ابراہیمؑ لے کر آئیں گے۔ عرب سے ظاہر ہوں گے وہ ایسے شہر کو ہجرت کریں گے جس کے دونوں طرف کنکریلی زمین ہوگی اور جہاں کھجوروں کے باغ ہوں گے۔ ان کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہدیہ کھائیں گے اور صدقہ نہ کھائیں گے اور یہ نشانی بھی ہے کہ ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی اب اگر تم سے ہو سکے تو عرب چلے جاؤ یہ کہہ کر یہ پادری بھی دنیا سے سدھارا۔ میں عرب پہنچنے کی تدبیر سوچنے میں لگا رہا۔ حتیٰ کہ قبیلہ بنی کلب کے کچھ لوگ غمور یا پہنچ گئے جو عرب سے تجارت کے لئے آئے تھے ان سے میں نے کہا کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلو اور اس احسان کے بدلہ میں میری یہ بکریاں اور گائیں لے لو اس بات کو انہوں نے منظور کیا اور مجھے ساتھ لے کر چل دیئے۔ میں نے اپنی بکریاں اور گائیں ان کو دے دیں وہ مجھے وادی القرئی لے گئے (جو عرب ہی کا علاقہ ہے) مگر انہوں نے میرے ساتھ غداری کی اور مجھے اپنا غلام ظاہر کر کے فروخت کر دیا جس شخص کے ہاتھ مجھے بیچا تھا اس نے مجھے مدینہ کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا جو قبیلہ بنی قریظہ میں سے تھا وہ مجھے مدینہ لے گیا مدینہ کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ بس یہی وہ شہر ہے جہاں میری مراد حاصل ہوگی۔ کیونکہ یہاں کھجوروں کے باغ بھی ہیں۔ اور شہر کے دونوں طرف کنکریلی زمین بھی ہے۔

میں مدینہ میں اپنے آقا کے کام میں لگا رہا اور اسی اثناء میں سید عالم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ ایک روز میں ایک درخت پر اپنے آقا کے باغ میں کام کر رہا تھا کہ اس کا چچا زاد بھائی آیا اور کہنے لگا کہ خدایا بنی قریظہ کو غارت کرے (بنی قریظہ سے انصار مراد ہیں) ابھی ابھی میں ان کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ ایک شخص کے ارد گرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور اپنے کو نبی بتاتا ہے۔ یہ سنتے ہی مجھ پر عجب کیفیت طاری ہو گئی اور بے ہوشی کا سا عالم ہو گیا۔ حتیٰ کہ میں درخت سے گرنے کے قریب ہو گیا۔ بڑی غلٹ کے ساتھ میں درخت سے اتر کر اپنے آقا کے پاس جا کر کھڑا ہوا اور اس سے پوچھا کیا معاملہ ہے اس نے میرے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہنے لگا چل تو اپنا کام کر تجھے ان باتوں سے کیا غرض؟ چنانچہ میں واپس ہوا اور اپنے کام میں لگ گیا۔ میرے دل میں بے چینی اور بے قراری تھی جس نے مجھے مجبور کر دیا کہ صبح جو بات سنی تھی اس کی حقیقت معلوم کروں اور جس شخص کو میرے آقا کے چچا زاد بھائی نے مدعی نبوت بتایا ہے اس کو چل کر دیکھوں اور اس کی نبوت کو ان نشانیوں کے ذریعہ جانچوں جو غمور یا والے پادری نے بتائی تھیں چنانچہ جب شام ہو گئی اور مجھے کام سے فرصت ملی تو میں ایک خوان میں تازہ کھجوریں لے کر سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ قبائلی تشریف رکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یہ صدقہ ہے جو آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے لایا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا میرے سامنے سے اٹھا لو کیونکہ ہم (یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) صدقہ نہیں کھاتے۔ یہ فرما کر آپ

نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: (جن کے لئے صدقہ حلال تھا) کہ تم کھاؤ۔ چنانچہ صحابہؓ نے کھالیا اور آپ ہاتھ روکے ہوئے بیٹھے رہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک نشانی تو میں نے دیکھ لی اس کے بعد میں چلا گیا اور پھر موقعہ پا کر کچھ کھجوریں جمع کر کے لایا اس وقت آپ قبا سے روانہ ہو کر مدینہ شہر میں تشریف لے جا چکے تھے میں نے عرض کیا یہ ہدیہ ہے جو آپ کی خدمت پیش کرتا ہوں یہ سن کر آپ نے اس میں سے کھالیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری نشانی ہے۔ اب میں نے خاتم النبۃ کے دیکھنے کا ارادہ کیا تو تیسری بار پھر حاضر خدمت ہوا اس وقت آپ یثرب میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے ساتھ صحابہؓ بھی تھے میں نے آپ کو سلام کیا۔ اور خاتم النبۃ دیکھنے کے لئے گھوم کر آپ کے پیچھے پہنچ گیا۔ جب آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا ہوا دیکھا تو میرا مقصد سمجھ لیا اور خود بخود اپنی مبارک چادر اٹھا کر مجھے خاتم النبۃ دکھلا دی میں اس پر جھک گیا اور اسے چومنا شروع کر دیا اور (چونکہ تینوں نشانیاں دیکھ کر آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور اپنی مراد پائی تو فرط خوشی میں) رونے لگا۔ آپ نے فرمایا سامنے آؤ میں سامنے آیا اور اپنا پورا قصہ سنایا تو آپ کو ایسا عجیب معلوم ہوا کہ صحابہؓ کو بھی سنوایا۔

اس کے بعد میں غلامی کے مشغلوں میں پھنسا رہا۔ حتیٰ کہ جنگ بدر میں بھی شریک نہ ہوسکا۔ (اس دوران میں بارگاہ رسالت میں آجاتا رہا) ایک روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے آقا سے کتابت کرلو (یعنی اس سے اپنی جان کو خرید لو) چنانچہ میں نے اس کی کوشش شروع کر دی اور اپنے آقا سے یہ معاملہ کر لیا کہ جب میں کھجور کے ۳۰۰ درخت لگا دوں اور انکی پرورش کر دوں حتیٰ کہ ان میں کھجوریں آجائیں جو کھانے کے قابل ہو جائیں اور اس کے ساتھ چالیس اوقیہ نقد سونا بھی ادا کر دوں تو میں آزاد ہو جاؤں گا۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا) معاملہ کر کے سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ چنانچہ صحابہؓ نے ۳۰۰ پودے چندہ کر کے میرے لئے جمع کر دیئے جب پورے جمع ہو گئے تو سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے درخت ہم لگا دیں گے تم ایک پودا بھی مت لگانا۔ لہذا میں نے ۳۰۰ کیاریاں بنادیں اور آپ میرے ساتھ اس یہودی کے باغ میں تشریف لے گئے اور ان کیاریوں میں وہ پودے لگا دیئے۔ ہم آپ کو پودے دیتے جاتے تھے اور آپ اپنے دست مبارک سے کیاریوں میں رکھ رکھ کر مٹی بھرتے جاتے تھے۔ آپ نے جتنے بھی درخت لگائے تھے (جو کہ ۲۹۹ تھے) ان میں سے ایک بھی خراب نہ ہوا اور مزید برآں آپ کا یہ معجزہ دیکھنے میں آیا کہ اسی سال سب درخت پھل لے آئے مگر ایک درخت نہ پھلا جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لگا دیا تھا۔ آپ نے اُسے اکھاڑ کر دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگا دیا۔ آپ کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ وہ درخت بھی اسی سال پھل لے آیا۔

یہ تو درختوں کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد سونے کی ادائیگی کی مشکل اس طرح حل ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک کان میں سے تھوڑا سا سونا لایا گیا۔ جو مرغی کے اٹھنے کے برابر تھا۔ اسے لے کر آپ نے فرمایا کہ وہ فارسی غلام کہاں ہے جس نے اپنے آقا سے کتابت کی ہے؟ بلاؤ اُسے۔ چنانچہ میں بلایا گیا جب میں حاضر خدمت ہوا تو آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جتنا سونا مجھ پر واجب ہے اس کے سامنے اس ڈلی کی کیا حقیقت ہے۔ اس میں اتنا وزن کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا یقین رکھو۔ اللہ اسی سے تمہیں سبکدوش کر دے گا چنانچہ میں اسے لے کر اپنے آقا کے

پاس پہنچا اور اس ڈلی کو ٹکرایا تو اسی سے چالیس اوقیہ سونا ادا ہو گیا اور مجھے آزادی مل گئی اب میں آزاد ہو گیا تو اسلام کے کاموں میں حصہ لینے لگا۔ اور آزادی کے بعد سب سے پہلے جو معرکہ پیش آیا یعنی غزوہ خندق اس میں شریک ہوا اور اس کے بعد رسول خدا ﷺ کے ساتھ برابر ہر غزوہ میں شریک رہا۔ غزوہ خندق میں خندق بھی انہیں کے مشورہ سے کھودی گئی تھی۔ (از جمع الفوائد و شمائل الترمذی و طبقات ابن سعد ۱۲)

اللہ رب العزت جس کو ہدایت سے نوازتے ہیں تو ہر حال اور فضا میں نواز دیتے ہیں خدا کی شان حضرت سلمانؓ کیا تو آگ کے بجاری تھے اور کیا پکے موحداور نبی آخر الزماں ﷺ کے اونچے درجہ کے صحابی بن گئے۔ ٹھوکریں تو بہت کھائیں مگر اللہ کے پیارے بن گئے۔ اور صحابہ میں ان کو ممتاز درجہ نصیب ہوا۔ آج تک ان کو اُمت کی طرف سے کروڑوں مرتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعائیں پہنچ چکی ہیں اور خدا ہی جانے کہ قیامت تک اور کتنی پہنچیں گی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ غلامی کے زمانہ میں دس سے کچھ اوپر آقاؤں کے مملوک بن کر رہے اور ہدایت کی طلب اور تلاش میں یہ سب مصیبت اور تکلیف برداشت کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کی ظل عاطفت میں پہنچا ہی دیا۔

مجموعی طور پر ان سب واقعات و حالات سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ دونوں قومیں نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کی منتظر تھیں اور آپ کی علامات اور نشانیاں ان لوگوں میں معروف و مشہور تھیں۔

موجودہ انجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشین گوئی: بہت سی تحریفات و تغیرات کے باوجود اب بھی انجیل یوحنا میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں بعض بشارتیں موجود ہیں۔ باب نمبر ۱۳ میں ہے کہ ”میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ کر تم سے کہیں لیکن وہ مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔“

پھر باب نمبر ۱۶ میں ہے۔ ”لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (پھر چند سطر کے بعد ہے)

”لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔“ پھر چند سطر کے بعد ان کے رفع الی السماء کی پیشین گوئی ہے۔ اور اس میں یہ الفاظ ہیں ”اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے دیکھ لو گے اور یہ اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں۔“

(یہ بَلَّیٰ لَقَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْہِ کی طرف اشارہ ہے)

پھر چند سطر کے بعد دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ”میں نے تم سے یہ باتیں اس لئے کہیں کہ تم مجھ میں اطمینان پاؤ دنیا میں مصیبتیں اٹھاتے ہو لیکن خاطر جمع رکھو میں دنیا پر غالب آیا ہوں۔ ۱

۱۔ ہم نے یہ حوالے لے کر انہوں ہی کی مرتب کردہ اور شائع کردہ انجیل سے نقل کئے ہیں جو ”عہد نامہ جدید“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا پبلشر بائبلس فورڈی ورلڈ ۱۴۱۵ھ یونیورسٹی ٹن (امریکہ) ہے یہ ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں شائع کیا گیا ہے

چونکہ عہد قدیم اور عہد جدید سب انہیں لوگوں کے مرتب کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے تحریف کرتے رہتے ہیں اور ترجموں میں بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ اور اصل کتاب پاس نہیں جس سے میلان کیا جائے۔ اس لئے تحریف کرنے میں آزاد ہیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جو یہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا باپ کہہ کر پکارا اور اسی عنوان سے ذکر کیا۔ یہ سب باتیں ان کی اپنی تراشیدہ عقیدہ تثلیث اور تکفیر کا نتیجہ ہیں۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں۔ تم مجھے دوسرا معبود مانو (العیاذ باللہ) انہوں نے تو یہ فرمایا تھا۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ۔ (بلاشبہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) ہم نے جو بائبل سے عبارتیں نقل کی ہیں ان پر حجت قائم کرنے کے لئے لکھ دی ہیں کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ہم نے انکی تحریف کردہ کتاب کی تصدیق کر دی۔ ہاں ہم انکی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو کتاب ہے۔ تحریفات سے پر ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ ﷺ کے اوصاف میں سے ہیں

نبی امی ﷺ کی دوسری صفت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَا مُؤْمِنُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (وہ اچھائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں) رسول اللہ ﷺ نے اس فریضہ کو بھی پوری طرح انجام دیا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء علماء، صلحاء، مبلغ، دواعی حضرات نے تحریر و تقریر سے اور بڑی بڑی محنتیں کر کے اسفار کی مشقتیں اٹھا کر اس فریضہ کی ادائیگی میں آپ کی نیابت کی ذمہ داری کو پورا کیا۔ احادیث شریفہ کا مطالعہ کیا جائے تو معروف اور منکر کی تفصیلات پوری طرح معلوم ہو جائیں گی معروفات پر عمل کرنے کے فضائل اور اجر و ثواب اور منکرات کی وعیدیں اور برے کاموں کی سزاؤں کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

منکرات کی تفصیل کسی قدر ہم نے آیت کریمہ لَنْ تَجْعَلُوا الْكِبْرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ کے ذیل میں لکھ دی ہے۔

(انوار البیان ج ۲)

رسول اللہ ﷺ محلل طہیات اور محرم خباثت ہیں: آنحضرت ﷺ کی تیسری صفت یوں بیان فرمائی وَمِنْ لَّهْمُ الظَّالِمَاتِ وَيَنْهَوْنَ عَنْهَا النَّبِيُّ۔ (کہ نبی امی ﷺ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں) اس میں اجمالی طور پر حلال و حرام چیزوں کو بیان فرما دیا پاکیزہ چیزیں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حلال ہیں اور خبیث و گندی چیزیں حرام ان کی تفصیلات بہت ہیں۔ جس شخص کا ذوق صحیح ہو وہ طبعی طور پر ان چیزوں کو پاکیزہ سمجھتا ہے جو حلال قرار دی گئی ہیں اور ان چیزوں کو گندی اور خبیث سمجھتا ہے جو شریعت اسلامیہ میں حرام قرار دی گئی ہیں۔ لہٰذا ہم کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف راجع ہے۔ اس میں یہ بتایا کہ بعض پاکیزہ چیزیں جو ان کی شریعت میں حرام تھیں جن کا بیان سورہ مائدہ کی آیت فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ الَّذِينَ هَٰذَا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ اور سورہ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِينَ هَٰذَا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ میں فرما دیا ہے انکے لئے حلال ہو جائیں گی اسلام قبول کر لیں گے تو

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ اختیار کرنے کی وجہ سے ان پاکیزہ چیزوں کو بھی استعمال کر لیں گے جو انکی شریعت میں حرام قرار دے دی گئی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ کا اتباع کرنے سے جہاں راہ ہدایت پر آنا نصیب ہو گا وہاں پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ شریعت اسلامیہ میں جن جانوروں کا کھانا حلال بتلایا ہے سب جانتے ہیں کہ وہ پاکیزہ چیزیں ہیں پھر ان میں بھی یہ شرط لگا دی ہے کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کئے گئے ہوں۔ خون نکل گیا ہو جانور اپنی موت نہ مرا ہو۔ یہ سب شرطیں اسی لئے لگائی گئی ہیں کہ پاکیزہ چیز کھائیں۔ خنزیر، مردہ جانور، خون، شراب اور ان جانوروں کو حرام قرار دیا گیا جو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کئے گئے ہوں کیونکہ یہ سب خبیث اور ناپاک ہیں نیز وہ جانور جو درندے ہیں ان کے کھانے سے بھی منع فرمایا جیسے شیر۔ چیتا۔ کتا۔ بلی۔ شکرہ۔ بھیڑیا کیوں کہ ان کے کھانے سے انسانوں میں درندگی کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

یاد رہے کہ یہاں اُن کا ذکر نہیں جن کی طبیعتیں اصل انسانی فطری طبائع کو چھوڑ چکی ہیں۔ اور وہ الّا بلا ہر چیز کھاتے ہیں اور کوئی بھی چیز ان کے نزدیک خبیث نہیں ہے۔ جیسے چائے کے لوگ کہ وہ کسی بھی چیز کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ منکرین حدیث کی تردید: دورِ حاضر میں انکارِ حدیث کا فتنہ بھی اُٹھا ہوا ہے یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی وہ حیثیت ماننے کو تیار نہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی ہے اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو حلال قرار دینے والا اور حرام قرار دینے والا بتایا ہے اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو یہ عہدہ دیا کہ آپ کی زبان مبارک سے جس چیز کی حلت کا اعلان ہو گیا وہ حلال اور جس کو آپ نے حرام فرمایا وہ حرام ہے لیکن منکرین حدیث کو یہ گوارا نہیں۔ ان کو خداوند قدوس پر یہ اعتراض ہے کہ رسول کو صرف چٹھی رساں (ڈاکیا) کا عہدہ کیوں نہیں دیا؟ اس سے بڑھ کر اسکی حیثیت کیوں بڑھائی؟ آپ کے ذمہ قرآن کی تفہیم و تشریح کیوں کی؟ آپ کو تحریم و تحلیل کا اختیار کیوں دیا گیا؟ یہ ہیں اپنے خیال میں قرآن کے ماننے اور جاننے والے اللہ تعالیٰ ان لحدوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ کے دین میں وہ احکام نہیں جو بوجھ ہوں

سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی چوتھی صفت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ کہ وہ ان سے یعنی اہل کتاب سے وہ احکام ہٹاتے ہیں جو ان کے لئے بوجھ تھے اور طوق بنے ہوئے تھے چونکہ آپ آخر الانبیاء ہیں (ﷺ) اس لئے سابقہ تمام شریعتیں آپ کے تشریف لانے پر منسوخ ہو گئیں۔ جو بھی کوئی شخص آپ کے دین کو قبول کرے گا وہ ان سب سہولتوں اور آسانوں سے مستفیع ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری شریعت میں اپنے آخری نبی کے ذریعہ آخرالام کے لئے بھیجی ہیں اور اس امت کو تلقین فرمائی ہے کہ یوں دعا کریں۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے دعا قبول فرمائی اور آسان شریعت عطا فرمادی، یہودیوں کے لئے جو سخت احکام مقرر فرمائے گئے تھے وہ اس شریعت میں نہیں ہیں اور نصاریٰ نے رہبانیت اختیار کر لی تھی جنگلوں میں رہتے تھے اپنے نفسوں کو تکلیف دیتے

تھے۔ کھانے پینے میں عمدہ چیزوں سے بچتے تھے۔ وہ سب ہماری شریعت میں نہیں ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نفسوں پر سختی نہ کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی فرمائے گا۔ کیونکہ کچھ لوگوں نے اپنے نفسوں پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُن پر سختی فرمائی۔ یہ ان لوگوں کی بقایا ہیں جو نصاریٰ کے گرجا گھروں میں اور یہودیوں کے عبادت خانوں میں باقی رہ گئے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱ از ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا ہوں۔ لیکن میں ایسا دین دے کر بھیجا گیا ہوں جو گمراہی سے ہٹا ہوا ہے اور اس پر عمل کرنا آسان ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳ ج ۱۲ بخاری)

اور ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ اَلَّذِیْنُ یُسْرِ (کہ دین آسان ہے) اس کے احکام پر ہر شخص چل سکتا ہے اور اس میں معذوروں کی رعایت رکھی گئی ہے اور کوئی حکم ایسا نہیں جو طاقت سے باہر ہو اسی آسانی کی وجہ سے عبادت میں مشقت اٹھانا جو برداشت نہ ہو مثلاً راتوں رات عبادت کرنا یا روزانہ روزہ رکھنا اس سے منع فرمایا۔

تین صحابیوں کا ایک واقعہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے پاس حاضر ہوئے یہ لوگ آنحضرت سرورِ عالم ﷺ کی عبادت کا خاگی حال دریافت کر رہے تھے جب انہیں بتا دیا گیا تو انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہنے لگے کہ ہم کہاں اور رسول اللہ ﷺ کہاں؟ آپ کو تو اللہ نے سب کچھ بخش دیا (ہمیں تو زیادہ محنت کی ضرورت ہے)

لہذا ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ راتوں رات نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں روزانہ روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا خبردار! اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے بڑھ کر پرہیزگار ہوں۔ لیکن میں (فطری) روزے رکھتا ہوں اور بے روزہ بھی رہتا ہوں اور (رات کو) نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں سو جس شخص نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں نصی ہونے کی اجازت دے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی کو نصی کرے یا خود نصی ہو میری امت کا نصی ہونا (یعنی نکاح نہ کر سکنے کی مجبوری میں شہوت کو دبانا) یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔ عرض کیا ہمیں سیر و سیاحت کی اجازت دیجئے۔ فرمایا میری امت کی سیاحت فی سبیل اللہ جہاد کرنا ہے۔ عرض کیا ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے رہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹)

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوا النَّوْرَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی نگریم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ اتارا گیا یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

نبی اکرم ﷺ کی توقیر اور اتباع کر نیوالے کامیاب ہیں

تفسیر: پہلے تو نبی امی ﷺ کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور منکرات سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور پہلے لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں اس کے بعد یہ فرمایا کہ جو لوگ نبی عربی ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی تکریم کی اور انکی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا یہ لوگ پوری طرح فلاح پانچوالے ہیں۔ جب شرائع سابقہ منسوخ ہو گئیں اور سیدنا محمد رسول ﷺ پر نبوت و رسالت ختم کر دی گئی تو اب فلاح اور نجات اور ہر طرف کی کامیابی کا واسطہ آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے کوئی شخص کیسا ہی عبادت گزار ہو یا ضت کرتا ہو تارک دنیا ہو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگا رہتا ہو بارگاہ الہی میں مقبول بندہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضرت خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ خاتم النبیین ﷺ کا دامن تھامے بغیر اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بن جائے اور آخرت کی نعمتیں مل جائیں تو اس کا یہ خیال باطل ہے۔ ایسا شخص دوزخی ہوگا۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ (رواہ احمد فی مسندہ ص ۱۴۵ ج ۵) (کہ میں ہر گورے اور ہر کالے کی طرف بھیجا گیا ہوں) پس جب خالق کائنات جل مجدہ نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا دیا اور آپ پر ایمان لانے کو نجات کی شرط قرار دے دیا تو تمام انسانوں پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائیں۔ جب کوئی شخص آپ پر ایمان لے آئے آپ کو اللہ کا رسول مان لے تو عقلاً و نقلاً اس کے ذمہ یہ بات فرض ہو گئی کہ آپ کی تعظیم و تکریم بھی کرے اور آپ کی مدد بھی کرے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب یعنی قرآن مجید کا اتباع بھی کرے۔ جو شخص ان اوصاف سے متصف ہو گا وہ پوری طرح کامیاب ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم و تکریم کے مظاہرے

عقلی اور طبعی طور پر آنحضرت سرور عالم ﷺ سے بھرپور محبت کرنا آپ کا اسم گرامی ادب سے لینا آپ کے احکام کو خوش دلی سے قبول کر کے عمل پیرا ہونا اور آپ کے ساتھ بات کرنے میں ادب کے ساتھ پیش آنا یہ سب تعزیر و توقیر اور تعظیم و تکریم میں داخل ہے۔ بہت سے لوگ یہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی محبت ہمارے دل میں ہے لیکن انہیں آپ کی صورت مبارک اور آپ کے لباس سے عملاً نفرت ہے۔ نصرائیوں کی صورت اور ان کا لباس اختیار کرتے ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور محبت والے ہیں ان لوگوں کا دعویٰ سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَتُحِبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اسکی اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں)

(رواہ البخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ بَعْدَ لَمَّا جُنْتُ بِهِ (تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ اسکی خواہش اس کے مطابق نہ ہو جائے جس کو میں نے لے کر آیا ہوں) (رواہ فی شرح السنۃ) جب رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف رکھتے تھے اس وقت مجلس میں بیٹھنے اور بات کرنے میں بھی حاضرین کو ادب اور تعظیم کا لحاظ رکھنا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (کہ اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَلَا تَهْزُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَحْبِبُكَ اللَّهُ وَآلَهُمْ بُرْهَانٌ بِأَنَّهُمْ خَبَرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (اور آپ سے بات کرنے میں اونچی آواز نہ نکالو جیسا کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے بات کرتے ہو اُپسانہ ہو کہ تمہارے اعمال جہل ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ ہو)۔

آیت بالا سورہ حجرات میں ہے۔ اور سورہ نور میں ارشاد فرمایا: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ آبَاءٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ (تم اپنے درمیان رسول کا بلا نا اس طرح نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت سرور عالم ﷺ کا بہت زیادہ اکرام کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح بیٹھتے تھے کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے نہیں بولتے تھے اور آپ سے کچھ دریافت کرتے تو ادب کے ساتھ معلوم کرتے تھے۔ آپ وضو فرماتے تھے تو صحابہ کرام پانی نیچے نہیں گرنے دیتے تھے جلدی سے جھپٹ کر اپنے اعضاء پر لے لیتے تھے اور بہت زیادہ ادب سے پیش آتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریش نے عروہ بن مسعود کو بطور نمائندہ گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تو اس نے قریش کو واپس جا کر بتایا کہ دیکھو میں شاہ فارس کسریٰ کے پاس بھی گیا ہوں اور شاہ روم قیصر کے پاس بھی گیا ہوں اور شاہ حبشہ نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں قسم بخدا میں نے کسی بھی بادشاہ کو اپنے لوگوں میں ایسا معظم و مکرم نہیں دیکھا جیسا کہ محمد ﷺ کو اپنے اصحاب میں معظم و مکرم دیکھا ہے۔ اگر جنگ کا موقع آ گیا تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۱۲) دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد: آنحضرت سرور عالم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی تعظیم و تکریم کا برتاؤ واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کی حدیث کو ادب سے سنے، آپ کے طریقہ کا اتباع کرے آپ کا اسم گرامی ادب سے لے آپ کا ذکر خود کرے یا دوسرے سے سنے تو درود پڑھے۔ آپ کے اہل بیت اولاد و ازواج اور حضرات صحابہ کی عزت کرے ان کے نام ادب سے لے اور انہیں رضی اللہ عنہ کی دعا سے یاد کرے۔ آپ ﷺ نے جو احکام دیئے ہیں ان پر رضا و رغبت کے ساتھ عمل پیرا ہو۔

نَصْرُوهُ كَامَطْلَب: آیت شریفہ میں وَعَزَّوْهُ كَبَعْد وَنَصْرُوهُ فرمایا جس میں اہل ایمان کی ایک یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں اور آپ کے دین کو تقویت پہنچاتے ہیں اور اپنی کوششوں سے ابقاء دین و احیاء دین میں لگے رہتے ہیں۔ یہ صفت بھی صفات ایمانیہ میں سے ہے جو بھی کوئی مومن ہو جہاں کہیں بھی ہو وہ دین اسلام کو بڑھانے اور پھیلانے اور زندہ رکھنے کے لئے فکر مند رہے اور عملی طور پر اس کام میں لگے۔

آپ ﷺ کے ساتھ جو نور نازل ہوا اس کا اتباع کرنا لازم ہے

پھر فرمایا: **وَلَتَصَوَّرُوهُ وَابْتِغُوا الشُّرَكَاءَ لِلَّذِي أَتٰنَزَلَ مَعَهُ** (اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ اتارا گیا) اس نور سے قرآن مجید مراد ہے جس کا نور ہونا سب پر عیاں ہے۔ پہلے تو **يَكْفُرُونَ بِالرَّسُولِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ** فرمایا پھر **يَا مَرْفُوعُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَهْمُهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَجِيلٌ لَهُمُ الْفَالِغَاتُ وَيَجْعَلُونَ عَلَيْهِمُ الشُّبُهَاتِ** فرما کر آپ کا مرتبہ بیان فرمایا۔ پھر اہل ایمان کی صفات میں **وَاتَّبِعُوا السُّورَ الَّذِي أَتٰنَزَلَ مَعَهُ** فرما کر قرآن حکیم پر عمل کرنے کا حکم فرمایا۔

حدیث نبوی ﷺ حجت شرعیہ ہے: آیت شریفہ کے پورے مضمون کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ دونوں کا اتباع لازم ہے اور جس طرح قرآن کریم حجت شرعیہ ہے حدیث نبوی بھی حجت شرعیہ ہے۔ مستشرقین یہود و نصاریٰ سے متاثر ہو کر بعض پڑھے لکھے جاہل بھی یوں کہنے لگے ہیں کہ حدیث حجت نہیں ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول باطل ہے۔

اگر حدیث کو نہ مانیں تو دین اسلام پر نہیں چل سکتے: اگر حدیث نبوی ﷺ کو حجت نہ مانیں تو نماز پڑھنے اور وضو کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہ ہوگا قرآن مجید میں نہ نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا ہے نہ بالصریح شیخ و قریب اوقات بتائے ہیں نہ رکعات کی تعداد بتائی ہے نہ یہ بتایا ہے کہ زکوٰۃ میں کتنا مال دینا فرض ہے نہ یہ بتایا ہے کہ مال پر کتنا وقت گزر جانے سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قول و عمل حجت شرعی نہیں وہ کفریہ بات کہتے ہیں۔ دعویٰ ان کا قرآن دانی کا ہے لیکن اگر واقعی قرآن کو جاننے اور سمجھنے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ پہچان لیتے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کے لئے بادشاہت ہے آسمانوں کی

وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مُخِي وَيُمِيتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الَّذِي

اور زمین کی۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے۔

يُوْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهِ وَابْتِغُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات پر اور اس کا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم اور آپ کی بعثت عامہ کا اعلان

تفسیر: اس آیت کریمہ میں نبی امی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ تمام انسانوں کو خطاب کر کے فرمادیں کہ بلاشبہ مجھے اللہ نے تم سب کی طرف بھیجا ہے۔ میں اللہ کا رسول ہوں اللہ وہ ہے

جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے ان میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہے تم سب بھی اللہ کی مخلوق و مملوک ہو۔ اس کے مُلک سے اور اسکی ملکیت سے خارج نہیں ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی لہذا اس پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تصدیق کرو۔ یہ رسول اللہ کا نبی ہے جو امی ہے یعنی اس نے کسی انسان سے نہیں پڑھا وہ خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے کلمات پر یعنی اس کے احکام کی تصدیق کرتا ہے لہذا تم اس کا اتباع کرو تا کہ ہدایت پا جاؤ۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا دیگر مواضع میں بھی قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا ہے سورۃ سبا میں فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَيِّنَاتٍ مِّنْ بَيْنِ أُولَئِكَ لَئِن كُنَّا لَنَافِعُونَ (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے)

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ شانہ نے خصوصی امتیازات اور فضائل عطا فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت عام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

۱- رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مجھ سے ڈرتے ہیں۔

۲- پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنا دی گئی (کہ مسجد کے علاوہ بھی ہر پاک جگہ نماز ہو جاتی ہے۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے حدیث اصغر اور حدیث اکبر دور ہو جاتے ہیں) سو میری امت کے جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے۔

۳- میرے لئے غنیمت کے مال حلال کر دیئے گئے اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کئے گئے۔

۴- اور مجھے شفاعت عطا کی گئی (یعنی شفاعت کبریٰ جو قیامت کے دن ساری مخلوق کے لئے ہوگی)۔

۵- اور مجھ سے پہلے نبی خاص کراپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ اور میں عامۃ تمام انسانوں کی طرف سے مبعوث

ہوا ہوں۔ (رواہ البخاری ص ۳۸ ج ۱)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع ہی احد من هذه الامۃ یہودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار۔ (رواہ مسلم فی کتاب الایمان)

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں جس کسی کو بھی میری بعثت کا علم ہوا خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی پھر وہ اس حالت میں مر جائے کہ میں جو دین لے کر بھیجا گیا ہوں اس کو نہ مانا وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا)

چونکہ آپ کی بعثت عامہ ہے اس لئے ہر فرد و بشر کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔ آپ کا دامن پکڑے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کر سکتا۔ خواہ کتنی ہی عبادت کرتا ہو اس کو ”وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ“ میں

بیان فرمایا۔ (اس نبی کا اتباع کرو انکا اتباع کرو گے تو ہدایت پر رہو گے) جو ہدایت اللہ کے یہاں معتبر ہے وہ خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ والجان کے اتباع میں مرکوز ہے اور منحصر ہے۔ اس سے وحدت ادیان کے نظریہ کی بھی تردید ہو گئی۔ جو لوگ

اپنی جہالت سے یوں کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اور کسی بھی طریقہ اور دین کے مطابق اللہ کی عبادت کر لے اسکی نجات ہو جائے گی (العیاذ باللہ) یہ ان لوگوں کی گمراہی کی بات ہے۔ شیطان انسان کو خدا کا مکر رکھنا چاہتا ہے اور

اگر کوئی شخص اللہ کو مان لے اور اللہ کے دین پر آنا چاہے تو اسے ایسی باتیں سمجھاتا ہے جن کی وجہ سے وہ اس دین پر نہ آ سکے جو اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ وہ اپنے خیال میں دھری بھی رہے اور مذہبی بھی رہے اور پھر بھی آخرت میں نجات نہ پائے اور جہنم میں جائے یہ شیطان کی خواہش رہتی ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ۝ وَقَطَعْنَا لَهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ

اور موسیٰ کی قوم میں ایک ایسی جماعت ہے جو حق کی ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں اور ہم نے ان کو بارہ

اسباطاً امماً وَاَوْحَيْنَا اِلٰی مُوسٰی اِذَا اسْتَقْبَلَتْهُ قَوْمُهُ اَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۝

خاندانوں میں تقسیم کر کے الگ الگ جماعتیں بنادیں اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جب ان کی قوم نے پانی مانگا کراہی لاکھی کو پتھر میں مارو

فَاَنْجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ

سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر قبیلہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی۔ اور ہم نے ان پر

الْغَمَامَ ۖ وَانْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّٰۤیۡنَ ۖ وَاسْلَوٰیۡ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۖ وَمَا

بادلوں کا سایہ کیا اور ان پر من اور سلویٰ اتارا کھاؤ پاکیزہ چیزیں اس رزق میں سے جو ہم نے تمہیں دیا اور

ظَلُمُوْا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَاذْقِیْلَ لَهُمْ سَكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ وَكُلُوْا

انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اور جب اُن سے کہا گیا کہ سکونت کرو اس بستی میں اور کھاؤ

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوْا حِطَّةٌ ۚ وَادْخُلُوْا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِیْئَتَكُمْ ۖ سَيَزِیْدُ

اس میں سے جہاں سے چاہو اور کہو کہ ہمارے گناہ معاف ہوں۔ اور دروازہ میں جھکے ہوئے داخل ہو جاؤ ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو ہم غفر کر دے گا

الْمُحْسِنِیْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیۡ قِیْلَ لَهُمْ ۖ فَارْسَلْنَا عَلَیْهِمُ

اچھے کام کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے سو ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا اس قول کو بدل دیا۔ اس قول کے علاوہ جو ان سے کہا گیا۔ سو ہم نے ان پر

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ۝

عذاب بھیج دیا اس سبب سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔

بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی تھے ان پر اللہ تعالیٰ

نے بادلوں کا سایہ کیا اور من و سلویٰ نازل فرمایا

تفسیر: اوپر چار آیات کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی قوم میں اچھے لوگ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اُس زمانے میں توریت اور انجیل پر عمل کیا جب ان کتابوں پر عمل کرنے کا حکم تھا اور منسوخ نہیں کی گئی تھیں۔ پھر جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ کو انہوں نے توریت و انجیل میں بیان فرمودہ علامات سے پہچان لیا تو آپ پر ایمان لے آئے اور عامل بالقرآن ہو گئے۔ پھر دوسروں کو بھی اسکی دعوت دیتے رہے اور اسی کے موافق فیصلے کرتے رہے۔ کج بخشی اور کج روی اختیار نہ کی۔ قرآن مجید میں بعض دیگر مواقع میں بھی ان لوگوں کی تعریف وارد ہوئی ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا ہے۔

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَالُوا هَلْ يَسْمَعُونَ (اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر۔ وہ اللہ کی آیتوں کو رات کے وقت پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں)۔ سورۃ قصص میں فرمایا وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَيْهِ قَالُوا السَّامِيَةُ إِنَّهُ الْمُسْمَىٰ مِنْ زُرْعَتِ إِسْرَءِيلَ مَنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ (اور جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے رب کا بھیجا ہوا، ہم اس سے پہلے حکم بردار ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی قوم میں مسلم اور کافر سب ہوں تو اہل ایمان کے ایمان اور صلاح و نیکی کا معترف ہونا چاہئے اور یکسر کسی قوم کو یوں کہہ دینا کہ سب کافر ہیں فاسق ہیں جبکہ ان میں ایمان والے اور صالحین موجود ہوں۔ اس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ مومن بندے اعتدال پر قائم رہیں۔

دوسری آیت میں بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد بتائی اور فرمایا کہ ہم نے ان کے بارہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ قبیلے بنادیئے تھے۔ اسباط۔ سبط کی جمع ہے۔ سبط لڑکے کو کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے۔ ہر ہر لڑکے کی اولاد ایک ایک قبیلہ تھی اس کے بعد ان انعامات کا ذکر فرمایا جو بنی اسرائیل پر میدان تیبہ میں ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ مصر سے نکلے اور سمندر پار کیا تو انہیں اپنے وطن فلسطین پہنچنا تھا لیکن اپنی شرارتوں اور احکام کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے چالیس سال تک میدان تیبہ میں ہی گھومتے رہے اس صحرا انوردی اور گردش کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ جب کوئی تکلیف آتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ اس مصیبت کو رفع کیجئے اسی میدان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ پانی کی ضرورت ہوئی۔ پیاسے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمیں پانی چاہئے۔ اللہ جل شانہ کا حکم ہوا کہ اے موسیٰ پتھر میں اپنی لاٹھی مارو۔ انہوں نے لاٹھی ماری تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر ہر قبیلہ نے اپنے اپنے پینے کی جگہ کو پہچان لیا اور پانی لے لیا ضرورتیں پوری کر لیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ خاص قسم کا پتھر تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے تھیلے میں رکھتے تھے۔ جب پانی کی ضرورت ہوتی تھی اس میں لاٹھی مارتے تھے جس میں سے پانی نکلنے لگتا تھا۔

انہی انعامات میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک یہ انعام عطا فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے گرمی سے محفوظ ہونے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل بھیج دیئے۔ اسی کو فرمایا: وَوَضَعْنَا عَالِيَهُمُ الْعِمَامَ اور تیسرا انعام یہ ہوا کہ ان کے کھانے کے لئے مین اور سلوٹی (بیروں جیسے جانور) بڑی تعداد میں بھیج دیئے یہ لوگ ان میں سے کھاتے تھے۔ اس کو وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ السَّمْنَ وَالسَّلْوَىٰ میں بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ اور عمدہ چیزیں کھاؤ انہوں نے حکم عدولی اور نعمتوں کی ناشکری کی۔ حکم تھا کہ آئندہ وقت کے لئے اٹھا کر نہ رکھیں۔ لیکن نہ مانے اور خلاف ورزی کی اور ناشکری یوں کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ایک ہی کھانے پر ہم سے صبر نہیں ہوتا۔ ہمیں

سبزیاں کھیرے پیاز، لہسن اور دال چاہئے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کیا تم اچھی چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیز لینا چاہتے ہو۔ تفصیل کے ساتھ یہ واقعات سورۃ بقرہ (رکوع چھ اور سات) میں بیان ہو چکے ہیں (انوار البیان ج ۱) ان لوگوں نے جو جو کرتیں کیں ان کی سزایابی۔ اسی کو فرمایا وَمَا ظَلَمُونَا (اور ان لوگوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا) یعنی ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔ وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے) یعنی ان کی حرکتوں سے ان کا اپنا ہی نقصان ہوتا تھا۔

ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کی نافرمانی: تیسری اور چوتھی آیت میں ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک بستی میں رہنے کا حکم فرمایا تھا ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس بستی میں خشوع کے ساتھ جھکے ہوئے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا۔ ان ظالموں نے تو لا وعلاً دونوں طرح سے نافرمانی کی اور اس بات کو بدل دیا جس کا حکم فرمایا گیا تھا۔ عملاً تو یہ کیا کہ بجائے جھکے ہوئے داخل ہونے کے بچوں کی طرح گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے جس میں ایک طرح کا استہزاء ہے اور معافی مانگنے کا جو حکم ہوا تھا اسکی خلاف ورزی یوں کی حِطَّة کی جگہ حَبَّة فِیْ شَعِیرَةٍ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس بستی سے بیت المقدس مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اریحا مراد ہے۔ مفسر ابن کثیر نے کہا ہے کہ پہلا قول ہی صحیح ہے کیونکہ یہ لوگ مصر سے آ کر اپنے علاقہ ارض مقدس میں جا رہے تھے۔ اور اریحا ان کے راستہ میں نہیں پڑتا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا نہیں ہے بلکہ چالیس سال میدان تیرہ میں حیران و سرگردان پھرنے کے بعد جب حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں بیت المقدس جانا نصیب ہوا اس وقت کی بات ہے جب ان لوگوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو اللہ جل شانہ نے ان پر عذاب بھیج دیا جسے رَجَزًا مِنَ السَّمَاءِ سے تعبیر فرمایا۔ سورہ بقرہ میں مَا كَانُوا يَظْلِمُونَ فرمایا اور سورہ اعراف میں مَا كَانُوا يَظْلِمُونَ فرمایا یعنی یہ عذاب انکی نافرمانیوں اور انکے ظلم کی وجہ سے بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نتیجہ کے اعتبار سے اپنی جانوں پر ظلم ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے گرفت ہو جاتی ہے۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے ان لوگوں پر جو عذاب بھیجا گیا تھا طاعون تھا۔ مفسر ابن کثیر نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ الطاعون رَجَزٌ عَذَابٌ عَذَبَ بِهِ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ (یعنی طاعون رجز ہے جو عذاب ہے اس کے ذریعے تم سے پہلی امتوں کو عذاب دیا گیا)

من وسلویٰ اترنے اور پتھر سے چشمے پھونٹنے اور ایک بستی میں جھکے ہوئے داخل ہونے اور معافی مانگنے کا حکم پھر بنی اسرائیل کی تو لا وعلاً خلاف ورزی پر عذاب نازل ہونا سورہ بقرہ (رکوع ۷، ۸) میں گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے کچھ زیادہ تفصیل لکھ دی ہے اسکی مراجعت کر لی جائے۔ (انوار البیان ج ۱)

وَسَأَلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً الْبَحْرِ اذْ يَعْذُونَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَأْتِيهِمْ

اور آپ اس بستی کے بارے میں اس سے پوچھ لیں جو دریا کے قریب آباد تھی جبکہ وہ لوگ سبت کے دن میں زیادتی کرتے تھے جبکہ ان کے پاس انکی چھلیاں سبت کے

حِينَئِذٍ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَعًا وَيَوْمَ لَا يَسْتَوُونَ لَا لَاتِيَهُمْ كَذَلِكَ بَلْ يَوْمَهُم بِمَا كَانُوا

دن اور کوٹا پر ہو کر آتی تھیں اور جس دن سچے کا دن نہ ہوتا اس دن ان کے پاس نہ آتی تھیں۔ اسی طرح ہم انہیں آزماتے تھے اس سبب سے کہ وہ

يَفْسُقُونَ ۝ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اِنَّ اللّٰهَ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ

نافرمانی کرتے تھے اور جب ان میں سے ایک بے اعت نے کہا کہ ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک فرمائے والا ہے یا انہیں عذاب دینے والا ہے

عَذَابًا شَدِيدًا ۝ اَقَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوْا بِهِ اُنْجَبْنَا

سخت عذاب انہوں نے کہا کہ تہا سب کے حضور معذرت پیش کرنے کے لئے لو اس لئے کہ شاید یہ لوگ گناہ سے بچا جائیں۔ سو جب وہ لوگ بھول گئے اس بات کو جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی تو ہم نے

الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ ۝ وَاَخَذْنَا مِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوْا بَعْدَ اٰيٰتِنَا مَا كَانَ يَفْسُقُوْنَ ۝

ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے روکتے تھے اور ہم نے سخت عذاب کے ذریعہ ان لوگوں کو پکڑ لیا جنہوں نے ظلم کیا اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوْا قِرْدَةً خَاسِيْنَ ۝ وَاِذْ تَاَذَنَ رَبُّكَ

پھر جب اس کام کے بارے میں وہ حد سے نکل گئے جس سے منع کئے گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ تم ہو جاؤ بندر ذلیل اور آپ کے رب نے یہ بات بتادی

لِيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مِّنْ يُّسُوْهُمُ سُوْءُ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعٌ

کہ وہ قیامت کے دن تک ضرور ان پر ایسے اشخاص کو بھیجتا رہے گا جو انہیں برا عذاب پکھائیں گے بے شک تیرا رب جلد

الْعِقَابِ ۝ وَرَاٰهُ لُغْفُوْرٌ سَرِيْعٌ

سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے

سینچر کے دن یہودیوں کا زیادتی کرنا اور بندر بنایا جانا

تفسیر: بنی اسرائیل کی حرکتیں بھی بہت ہی بُری تھیں ان کا نافرمانی کا مزاج تھا۔ ان پر آزمائش بھی طرح طرح سے آتی رہتی تھی، حکم تھا کہ سینچر کے دن کی تعظیم کریں اس دن سے متعلق جو احکام تھے ان میں یہ بھی تھا کہ اس دن مچھلیاں نہ پکڑیں۔ لیکن یہ لوگ باز نہ آئے سینچر کے دن ان کی آزمائش اس طرح ہوتی تھی کہ مچھلیاں خوب ابھرا بھر کر سامنے آ جاتی تھیں اور دوسرے دنوں میں اس طرح نہیں آتی تھیں۔ ان لوگوں نے مچھلیوں کے پکڑنے کے حیلے نکالے اور یہ کیا کہ سینچر کا دن آنے سے پہلے جال اور مچھلی کے کانٹے پہلے سے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ مچھلیاں ان میں پھنسنے لگیں اور جاتی تھیں۔ جب سینچر کا دن گزر جاتا تھا تو ان کو پکڑ لیتے تھے اور اپنے نفوس کو سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے سینچر کے دن ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی، وہ تو خود بخود جالوں میں اور کانٹوں میں آ گئیں اور جال اور کانٹے تو ہم نے جمعہ کے دن ڈالے تھے۔ لہذا ہم سینچر کے دن پکڑنے والوں کی فہرست میں نہیں آتے، اسی طرح کا ایک حیلہ انہوں نے مردار کی چربی کے ساتھ بھی کیا حضرت

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں پر اللہ لعنت کرے جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی حرام قرار دیدی تو اس کو انہوں نے اچھی شکل دے دی (مثلاً اس کو پگھلا کر اس میں کچھ خوشبود وغیرہ ملا کر کیمیکل کے طور پر کچھ اور بنادیا) پھر اس کو بیچ دیا اور اسکی قیمت کھا گئے (رواہ البخاری ص ۲۹۸ ج ۱)

ان لوگوں میں تین جماعتیں تھیں کچھ لوگ سیخ کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے اور ایک جماعت ایسی تھی جو خاموش تھی جو لوگ خاموش تھے انہوں نے ان لوگوں سے کہا جو منع کرتے تھے کہ آپ لوگ ان کو کیوں نصیحت کرتے ہیں ان کا بات ماننے کا ارادہ نہیں ہے۔ نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گرفت ہونے والی ہے یا تو اللہ تعالیٰ انکو بالکل ہی ہلاک فرمادے گا یا سخت عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ جو لوگ منع کیا کرتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی کے وقت ہم معذرت پیش کر سکیں کہ ہم نے نبی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تھا ان لوگوں نے نہ مانا، اور ممکن ہے کہ یہ لوگ مان ہی جائیں اپنے رب سے ڈرنے لگیں اور اپنے گناہوں سے بچنے لگیں، لیکن ان لوگوں نے نہ مانا بالآخر اللہ تعالیٰ نے انکی گرفت فرمائی۔ ان پر اس طرح عذاب آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر بنادیا جو لوگ سیخ کے دن میں زیادتی کرتے تھے وہ تو بندر بنادے گئے اور جو لوگ انہیں منع کیا کرتے تھے انہیں نجات دے دی گئی جن کو اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ عَيْنَ الشُّؤْرِ میں بیان فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ خاموش تھے ان کا کیا ہوا؟ ان کے شاگرد حضرت عکرمہ نے عرض کیا میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ وہ بھی عذاب سے بچائے گئے۔ کیونکہ انہیں بھی شکار کرنے والوں کا عمل ناگوار تھا اور اسی ناگواری کو انہوں نے اپنے ان الفاظ میں یوں ظاہر کیا تھا۔ لِمَ تَعْطُونَ قَوْمًا اَللّٰهُ مُهِلَّ لَهُمْ اَوْ مَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دینے کا تذکرہ نہیں فرمایا اور ہلاک کرنے کا ذکر بھی نہیں فرمایا، عکرمہ کی یہ بات حضرت ابن عباس کو بہت پسند آئی اور بہت خوش ہوئے اور انہیں دو چادریں انعام میں عطا کیں۔ (معالم التنزیل ص ۲۰۹ ج ۲)

سیخ کے دن زیادتی کرنے والوں کو بندر بنادیا گیا تھا جس کا ذکر یہاں سورۃ اعراف میں بھی ہے اور سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ (انوار البیان ج ۱)

جس بستی کے رہنے والے حیلہ باز یہودیوں کا قصہ اوپر مذکور ہوا ہے اس کے بارے میں علماء تفسیر نے کئی قول نقل کئے ہیں ۱۔ ایلہ ۲۔ طبریہ ۳۔ مدین ۴۔ سقیا، متعین طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ عبرت حاصل کرنے کے لئے تعین کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل پر دنیا میں عذاب آتا رہے گا: بنی اسرائیل اپنی حرکتوں کی وجہ سے بندر بنادے گئے یہ تو اس وقت ہوا اور اس کے بعد ان پر برابر ایسے لوگوں کا تسلط رہا جو ان کو تکلیفیں دیتے رہے اور یہودی بُری بُری تکلیفوں میں مبتلا ہوتے رہے اس کو وَاِذْ تَاَذَنَ رَبُّكَ لِيَّبْعَثَنَّ عَلَيْنَهُمُ (الآیۃ) میں بیان فرمایا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے پھر بخت نصر کے ذریعہ جو ان کی بربادی ہوئی ہے۔ اور پھر نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور پھر فاروق اعظم حضرت عمر فاروق بن الخطابؓ کے ہاتھوں جو انکی ذلت ہوئی تاریخ دان اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد بھی دنیا میں مقہور ہی رہے ذلت اور خواری کے ساتھ ادھر ادھر دنیا میں کبھی آباد اور کبھی برباد ہوتے رہے۔ پچاس سال پہلے نازیوں نے جو ان کا قتل عام کیا

تھا تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس سے واقف ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بھی یہودی مارے جائیں گے۔ وہ دجال کو قتل کریں گے اور اس وقت دجال کے ساتھیوں کی بربادی ہوگی۔ دنیا کی قومیں ظاہری اقتدار دیکھ کر دجال کے ساتھ ہو جائیں گی جن میں یہودی بھی ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصفہان کے یہودیوں میں سے ستر ہزار یہودی دجال کا اتباع کریں گے جو چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ (صحیح مسلم ص ۲۷۳۰۵)

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرزمین شام میں دجال کو قتل کریں گے اور اس کے ساتھیوں سے وہیں معرکہ ہوگا اس لئے تکوینی طور پر دنیا بھر سے اپنے رہنے کے علاقے چھوڑ چھوڑ کر یہودی شام کے علاقے میں جمع ہو رہے ہیں اور انکی جھوٹی حکومت جو نصاریٰ کے مل بوتے پر قائم ہے وہ ان کے ایک جگہ جمع ہونے کا سبب بن گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان یہودیوں سے قتال نہ کر لیں مسلمان ان کو قتل کریں گے یہاں تک کہ کوئی یہودی کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپ جائے گا تو درخت یا پتھر کہے گا کہ اے مسلم اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اسے قتل کر دے البتہ غرقہ کا درخت ایسا نہ کرے گا کیونکہ وہ یہودیوں کے درختوں میں سے ہے۔ (رواہ مسلم ص ۲۷۳۹۶)

وَقَطَعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِنْهُمْ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ وَبَلَوْنَاهُمْ

اور ہم نے زمین میں ان کی متفرق جماعتیں کر دیں۔ ان میں نیک لوگ تھے اور ان میں دوسری طرح کے بھی تھے۔ اور ہم نے ان کو

بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ

خوشالیوں اور بدحالوں کے ذریعہ آزمایا تاکہ باز آجائیں پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آ گئے جو کتاب کے وارث بنے

يَاخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِن يَأْتِهِمْ عَرَضٌ

جو اس گھٹیا چیز کے سامان کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غفریب ہماری مغفرت کر دی جائے گی اور اگر ان کے پاس ایسی جیسا اور سامان آ جائے

مِثْلَهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَن لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ

تو اسے لے لیتے ہیں کیا ان سے کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف

إِلَّا الْحَقُّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۸﴾

حق کے سوا کبھی بات کی نسبت نہ کرو اور انہوں نے اس کو پڑھ لیا جو کتاب میں ہے اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ڈرتے ہیں کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟

وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نَضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۹﴾

اور جو لوگ مضبوطی سے کتاب کو پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں بیشک اصلاح کرنے والوں کا ثواب اللہ ضائع نہیں فرماتا

وَاذْنَتُنَا الْجِبَلِ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا

اور جب ہم نے ان پر اکھاڑ دیا پہاڑ گویا کہ وہ سائبان ہے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے جو ہم نے

اٰتٰیْكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۷۷﴾

تمہیں دیا مضبوطی کے ساتھ پڑھ لو اور اس میں جو کچھ ہے یاد کرو تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

بنی اسرائیل کی آزمائش اور ان کی حُب دنیا کا حال

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہودیوں کے اس حال کا تذکرہ فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں منتشر فرمادیا۔

دنیا کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے کچھ یہاں کچھ وہاں سکونت اختیار کرتے گئے۔ انکی جمعیت اور جماعت منتشر رہی۔ اجتماعیت جو اللہ کا انعام ہے اس سے محروم رہے۔ پھر فرمایا مِنْهُمْ الصَّالِحُونَ (ان میں کچھ لوگ نیک تھے) وَمِنْهُمْ ذُنُوبٌ ذٰلِكَ (اور کچھ لوگ دوسری طرح کے یعنی بُرے لوگ تھے) اچھے لوگ توریت اور انجیل پر قائم رہے اور پھر اللہ کے آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب پر ایمان لائے اور برے لوگ شر پسند کفر پر جمے رہے اور اپنے اس شر پسندی کے مزاج کی وجہ سے آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان نہ لائے۔

وَبَكَوْهُمْ بِالْعِصْنَةِ وَالنَّيَاسِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (اور ہم نے انکی آزمائش کی انہیں خوشحالیوں میں بھی رکھا اور بدحالیوں میں بھی تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشحالی کے ذریعے بھی امتحان ہوتا ہے اور بدحالی کے ذریعے بھی سمجھدار لوگ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہر حال میں رجوع کرتے ہیں۔ اور آزمائش میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لیکن یہودیوں نے کچھ اثر نہ لیا ہر طرح کے امتحان میں فیل ہوئے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (الآیۃ) پھر ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو ناخلف تھے۔ ان لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اللہ کی کتاب کے وارث تو بن گئے یعنی جو لوگ ان سے پہلے تھے اُن سے کتاب تو پڑھ لی لیکن اس کتاب کو انہوں نے حقیر دنیا کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا اور وہ بھی اس طرح سے کہ اللہ کی کتاب میں اَدُل بدل کرتے تھے اور سوال کرنے والے کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیتے تھے۔ اس طرح سے اس سے کچھ مال مل جاتا تھا۔ جب دل میں کچھ احساس ہوتا اور اس بات کی ٹیس ہوتی کہ حرام طریقہ پر دنیا حاصل کر لی تو یوں کہہ کر اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیتے تھے کہ

سَيَغْفِرُ لَنَا (اللہ ہماری مغفرت فرمادے گا) اور چونکہ یہ واقعی اور اصلی توبہ نہیں ہوتی تھی اس لئے اپنی حرکت سے باز نہیں آتے تھے سَيَغْفِرُ لَنَا بھی کہہ دیا جس میں گناہ کا اقرار ہے اور اس کے بعد پھر اس جیسا مال آ گیا تو اُسے بھی لے لیا۔ جن لوگوں کا نافرمانی کا مزاج ہوتا ہے وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور یوں کہتے رہتے

ہیں کہ اللہ معاف فرمانے والا ہے۔

سو بوتلیں چڑھا کر بھی ہوشیار ہی رہا

جاہل کی توبہ توبہ رہی گھونٹ گھونٹ پر

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں بھی ایسے افراد کثیر تعداد میں ہیں جو برابر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ خاص کر وہ لوگ جنہیں حرام کمانے اور حرام کھانے کی عادت ہے۔ کبھی ذرا سا گناہ کا خیال آتا ہے تو بخشش کا سہارا لے کر برابر گناہ میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں۔ اہل ایمان تو اللہ کے حضور میں سچے دل سے توبہ کرتے ہیں اور گناہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر توبہ نہ کے بعد پھر گناہ ہو جائے تو پھر سچی توبہ کر لیتے ہیں۔ توبہ کا بڑا عظمیٰ یہ ہے کہ آئندہ نہ کرنے کا پختہ عہد ہو۔ جب یہ نہیں تو توبہ بھی نہیں مومن کا طریقہ یہ ہے کہ ڈرتا بھی رہے اور اُمید بھی رکھے۔ خالی اُمید ہو خوف و خشیت نہ ہو۔ گناہوں کی بہتات ہو یہ طریقہ صحیح نہیں۔ اسی کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے کہ جیسے کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے۔ اور اس بات سے ڈر رہا ہے کہ اس کے اوپر نہ گر پڑے اور فاجر آدمی اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے اسکی ناک پر کبھی بیٹھی ہو اور اس نے اُسے ہاتھ کے اشارہ سے دفع کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۶)

اَلَّذِي يُؤْخَذُ عَلَيْهِمْ فِي النَّارِ الْكِتَابِ (الآیۃ)

کیا ان سے توریت شریف میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب نہ کریں گے جو حق نہ ہو؟ انہیں اس عہد کا علم بھی ہے اور توریت شریف کو پڑھتے بھی رہے ہیں۔ جانتے بوجھے اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور حقیر دنیا لینے کے لئے اپنی طرف سے مسئلہ بتا کر یوں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْكِرُوا بِهِ نَسْنَأْ قَلِيلًا۔ (پھر کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں) وَالَّذِينَ يَكْفُرُونَ (اور آخرت کا گھران لوگوں کے لئے بہتر ہے جو عقائد باطلہ اور اعمال قبیحہ سے پرہیز کرتے ہیں) پتہ انہیں اس بات کا بھی ہے لیکن نا سمجھوں والے کام کرتے ہیں۔ ایمان قبول نہیں کرتے اور گناہوں کو نہیں چھوڑتے۔

مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا: پھر فرمایا وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ بِالْكِتَابِ وَآقَامُوا الصَّلَاةَ اِنَّآ لَنُؤْتِيَنَّاهُمْ أَجْرًا مُّصْلِحِينَ (اور جب لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں بے شک ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے)۔ اس آیت میں عام قانون بیان فرمادیا کہ جو شخص اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے گا یعنی اس پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا۔ البتہ طرز بیان ایسا اختیار فرمایا ہے جس میں أَجْرُهُمْ کے بجائے أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ فرمایا جس سے یہ واضح ہو گیا کہ کتاب اللہ کا مضبوطی سے پکڑنا جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ایمان کی بھی اصلاح ہو یعنی ایمان خالص ہو نفاق سے بری ہو اور وہ ایمان ہو جو اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے۔ اگر بعض انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہو اور بعض پر نہ ہو تو وہ ایمان اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے اور ایسا شخص مصلح بھی نہیں لہذا مستحق اجر بھی نہیں کتاب کو مضبوط پکڑنے کے ساتھ نماز کو قائم کرنے کا بھی تذکرہ فرمایا کیونکہ نماز ایمان کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے۔ معلوم ہوا کہ تمسک بالکتاب کے ساتھ بالخصوص نماز کو قائم کرنے کا اہتمام بھی لازم ہے۔ نماز کو شرائط اور آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے پابندی سے پڑھیں۔ اگر نماز کی اصلاح ہوگی تو زندگی کے دوسرے اعمال کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ کما قال تعالیٰ: اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۃِ وَالْمُنْكَرِ۔

بنی اسرائیل کے اوپر پہاڑ کا ٹھہر جانا اور ان کا یہ سمجھنا کہ یہ گرنے والا ہے

اس کے بعد بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اسے قبول کرو اور اس پر عمل کرو یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو احکام بھاری ہیں ان پر عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو اسکی جگہ سے اٹھا کر ان لوگوں پر معلق کر دیا اور فرمایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو انہوں نے پہاڑ کو دیکھا کہ سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق ہے اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ہم پر گرنے والا ہے یہ منظر دیکھ کر اس بات کا عہد کر لیا کہ ہم توریت کے احکام کی پابندی کریں گے لیکن بعد میں پھر روگردانی کی اور اپنے عہد سے منحرف ہو گئے۔ سورہ بقرہ (رکوع ۸) میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ وہاں واقعہ ذکر فرمانے کے بعد فرمایا۔ **ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ** (پھر تم نے اس کے بعد روگردانی کی) یعنی اس وقت جو پہاڑ گرنے کے ڈر سے عہد کر لیا تھا اس سے پھر گئے اور پھر وہی حرکتیں کرنے لگے جو نافرمانوں اور گناہ گاروں کی ہوتی ہیں نیز یہ واقعہ سورہ بقرہ کے رکوع گیارہ میں بھی ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں: **خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاتَّقُوا** (جو کچھ ہم نے تم کو دیا قوت کے ساتھ لے لو اور سن لو) اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ **سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا** (ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں) تینوں جگہ قرآن مجید کے الفاظ کو ملا کر معلوم ہوا کہ انہوں نے پہاڑ گرنے کی وجہ سے اس وقت تو عمل کرنے کا عہد کر لیا تھا لیکن بعد میں قول و قرار سے پھر گئے اور نافرمانی پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ سن تو لیا ہے لیکن عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں ہے۔ کوہ طور کو سائبان کی طرح معلق کر کے عہد لینے اور **لَا أَكْرَهَ فِي الدِّينِ** میں جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے ہم نے اس کو سورہ بقرہ رکوع آٹھ (دیکھو انوار البیان ج ۱) میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے رفع کر دیا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور انہیں ان کی جانوں پر گواہ بنایا

أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ ۖ شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں آپ ہمارے رب ہیں ہم نے اقرار کر لیا، کبھی تم قیامت کے دن کہنے لگو کہ بیشک ہم

هَٰذَا غَفْلِينَ ۚ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ

اس سے غافل تھے یا یوں کہو کہ پہلے سے ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا اور ہم ان کے بعد میں آنے والی اولاد تھے

بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَفْصِلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ

کیا آپ ہم کو باطل عمل والوں کے فعل کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں اور ہم ایسے ہی واضح طور پر آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ

يَرْجِعُونَ ۝

رجوع ہو جائیں

عہد اَلْسْتُ بِرَبِّكُمْ کا تذکرہ

تفسیر: احادیث شریفہ میں اسکی تفصیل یوں وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وادی نعمان میں (جو عرفات کے قریب

ہے) حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا جو چھوٹی چھوٹی چوٹیوں کی صورتوں میں تھے۔ اور پشت در پشت انکی نسل سے جو بھی مخلوق پیدا ہونے والی تھی سب کو پیدا فرمایا اور ان کی وہی صورتیں بنادیں جو بعد میں عالم ظہور میں پیدا ہونے والی تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بولنے کی قوت دی اس کے بعد اس سے عہد لیا اور انہیں انکے نفسوں پر گواہ بنایا۔

ان سے فرمایا اَلْسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) ان سب نے کہا ”بلی“ ہم گواہی دیتے ہیں کہ واقعی

آپ ہمارے رب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سے یہ عہد اس لئے لیا گیا کہ قیامت کے دن یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس

توحید سے بے خبر تھے یا یوں کہنے لگو کہ اصل شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا اور ہم ان کے بعد انکی نسل میں تھے ان

کے تابع ہو کر ہم نے بھی انکے اعمال اختیار کر لئے۔ سو کیا ان گراہوں کے فعل پر آپ ہمیں ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ چونکہ

اللہ تعالیٰ شانہ نے تمام بنی آدم سے اس بات کا اقرار لے لیا کہ واقعی اللہ ہی ہمارا رب ہے انہوں نے اقرار کر لیا اور اپنی

جانوں پر گواہ بن گئے اس لئے قیامت کے دن کسی کے لئے کوئی عذر نہیں رہا اور اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ کوئی

فحش توحید سے منہ موڑ کر اور شرک کے اعمال اختیار کر کے یوں کہنے لگے کہ مجھے تو کوئی پتہ نہ تھا، مسند احمد میں ہے کہ جب

سب نے ”بلی“ کہہ کر اقرار کر لیا تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ میں تمہارے اوپر ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو

گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو تم پر گواہ بناتا ہوں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم یوں کہنے لگو کہ ہمیں اس کا پتہ نہ تھا تم

جان لو کہ بیشک میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا میں تمہاری طرف

رسولوں کو بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور تمہارے اوپر کتابیں نازل کروں گا۔ اس پر سب نے کہا کہ

بیشک ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں اور ہمارے معبود ہیں آپ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ

کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں اس موقع پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی عہد لیا گیا (جو سورہ احزاب کی آیت

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَبَيْنَهُمْ وَمُوسَىٰ وَإِبْرَاهِيمُ وَإِسْحٰقُ ابْنُ مَرْيَمَ میں مذکور ہے)

مذکورہ بالا حدیث مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴ ج ۱ میں مسند احمد سے نقل کی ہے اس سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ جو عہد کیا تھا وہ

ہمیں یاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب عہد لیا تھا اس وقت فرمادیا تھا کہ میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا

عہد و میثاق یاد دلائیں گے۔ اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔

جب سے انسان دنیا میں آیا ہے سلسلہ نبوت بھی اس وقت سے جاری ہے سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام

سب سے پہلے پیغمبر بھی تھے۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہے

جب ایک نبی جاتا تو دوسرا نبی آ جاتا تھا۔

سورہ فاطر میں فرمایا: وَلَٰكِنْ قَدْ أَفْلَحَ الْاٰخِلَآءُ اِنْ هَآؤُنَآذِیْنِ۔ (اور کوئی جماعت ایسی نہیں جن میں کوئی نذیر نہ گزرا ہو)

آخر میں سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت ہوئی آپ کی بعثت سارے انسانوں کے لئے سارے

زمانوں کے لئے اور سارے جہانوں کے لئے ہے۔

آپ کی دعوت ہر شخص کو پہنچی ہوئی ہے۔ آپ کے دین کی خدمت کرنے والے علماء مبلغ اور داعی سارے عالم میں تحریر و تقریر اور دیگر ذرائع سے توحید کی دعوت دے چکے ہیں اور دیتے رہتے ہیں اور عہد اَلْسُن کی تذکیر پوری طرح ہوتی رہی ہے۔ اگر بالفرض کوئی شخص دور دراز پہاڑوں کے غاروں میں رہتا ہو اور اسے دعوت نہ پہنچی ہو تب بھی عقل و فہم خالق و مالک نے اس کو عطا فرمائی ہے اس کا تقاضا ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کو وَحْدَهُ لَا شَرِیکَ مانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

عقل و فہم بھی ہے اور اَلْسُن بِسَرِّکُمْ کے جواب میں بے نی بھی کہا تھا اس واقعہ کی کیفیت یاد ہو یا نہ ہو اس کا اثر یہ ضرور ہے کہ ہر انسان یہ ضرور سمجھتا ہے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے مجھے اسکی عبادت ضرور کرنی چاہئے اسی وجہ سے فطری طور پر انسان عبادت کے لئے کسی ایسی ذات کو تلاش کرتا ہے جس کی وہ عبادت کرے۔ شیطان کے ورغلانے سے بہت سے لوگوں نے شرک اختیار کر لیا اور اصحاب توحید جب انہیں ملامت کرتے ہیں اور شرک کی قباحت ظاہر کرتے ہیں تو وہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ غیر اللہ کی عبادت بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے ہے یہ جواب وہ اس لئے دیتے ہیں کہ وہ خود بھی شرک کو برا سمجھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ عقیدہ ہے کہ ہمیں اپنے خالق کی عبادت کرنی چاہئے۔ اسکی عبادت میں کسی کو شریک کرنے کو برا جانا یا اسی عہد اَلْسُن کا نتیجہ ہے۔ جس کا آیت کریمہ میں اور احادیث شریفہ میں ذکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے وہ فطرت (اسلامیہ) پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں جیسے تم چوپائے کو دیکھتے ہو کہ اس کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم اس میں کوئی عضو کٹا ہوا پاتے ہو؟ نہیں اس کا کوئی عضو ناقص نہیں ہوتا۔ لیکن جب لوگوں کے قبضہ میں ہوتا ہے وہ اس کا کان یا اور کوئی عضو کاٹ دیتے ہیں۔ اسی طرح فطرت اسلامیہ پر پیدا ہونے والے بچہ کو اس کے ماں باپ یہودی نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں (مسلکۃ الصالح ص ۱۲۱ از بخاری و مسلم ۱۲) وَكَذَلِكَ نَفْضِلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (اور ہم اسی طرح اپنے آیات واضح طور پر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ رجوع ہو جائیں)

فائدہ: انسانوں کو ترتیب و اراکے باپوں کی پشتوں سے نکال کر چیونٹیوں کے جگہ میں جو ظاہر فرمایا تھا آج کل جدید آلات اور ایٹمی توانائی کے ذریعہ جو چیزیں ذرات کی صورت میں بن رہی ہیں اور کمپیوٹر میں بڑی ہو کر سامنے آ رہی ہیں۔ انہوں نے بتا دیا ہے کہ بڑی سے بڑی چیز کو ایک چھوٹے نقطہ کی شکل دی جاسکتی ہے اور اس میں اس کے سب اعضا موجود ہو سکتے ہیں۔

وَإِتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ الْآيَاتِ فَاسْتَكْبَرَ مِنْهَا فَأَنبَعَثُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ

اور آپ ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دیں جسے ہم نے اپنی آیات دیں پھر وہ اُن سے نکل گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ

الْعُوفِينَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۝

گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اس کو بلند کر دیتے لیکن وہ بالکل ہی زمین کی طرف اکل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْبِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مَثَلُ

سوا کی ایسی حالت ہے جیسے کتے کی حالت ہوتی ہے۔ اگر تو اس پر بوجھ لادے تب بھی ہانپے اور اگر اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ مثال ہے

الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصْ الْقِصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ سَاءَ

ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ قصوں کو بیان کیجئے تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔ بُری

مَثَلًا الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسُهُمْ كَانُوا بِظُلْمٍ ۝

مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے

ایک ایسے شخص کا تذکرہ جو اتباعِ ہویٰ کی

وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھوڑ کر بیٹھا

تفسیر: جس شخص کا ان آیات میں ذکر ہے یہ کون شخص تھا اس کے بارے میں تفسیر درمنثور (ص ۱۳۵ ج ۳) میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی ہیں اور ان کے علاوہ تابعین میں سے سعید بن مسیب اور مجاہد اور قتادہ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ حضرت قتادہ نے تو یہ فرمایا کہ جس شخص پر ہدایت پیش کی جائے اور وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کر دے اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ ایک واقعہ بھی ہے۔ واقعہ بیان فرما کر عبرت حاصل کرنے کے لئے فَاقْصُصْ الْقِصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ جو فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شخص کا واقعی قصہ ہے محض مثال ہی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس شخص کا اس آیت کریمہ میں واقعہ بیان فرمایا ہے اس کا نام بلعم بن باعوراء ہے۔ یہ شخص جبارین یعنی عمالقاہ میں سے تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور ان کے شہروں میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا تو بلعم کے چچا کے بیٹے اور قوم کے دوسرے افراد اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ موسیٰ قوت و شوکت والے آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں وہ لشکروں کے ذریعہ ہم پر غلبہ پانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہذا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ کو اور اس کے ساتھیوں کو ہم سے دفع کر دے۔ بلعم نے جواب دیا کہ میں تو ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر میں اللہ سے یہ دعا کروں کہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو تم سے ہٹا دے تو میری دنیا و آخرت دونوں ہی برباد ہو جائیں گی۔ لیکن وہ لوگ برابر اصرار کرتے رہے۔ لہذا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے بددعا کر دی اس طرح اللہ کی آیات سے نکل گیا۔ آیات الہیہ کے جاننے پر جو اسکی ذمہ داری تھی اس کو

پس پشت ڈال دیا اور ان آیات سے بے تعلق ہو گیا اور شیطان اس کے پیچھے لگ گیا جس کی وجہ سے وہ بالکل ہی گمراہ ہو گیا اور بعض روایات میں یہ ہے کہ جب بلعم نے بددعا کرنے سے انکار کر دیا اور لوگ برابر اصرار کرتے ہی رہے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددعا کرنی شروع کی لیکن زبان سے اپنی قوم کے لئے بددعا نکل رہی تھی۔ اسکی قوم نے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگا میں کیا کروں میری زبان سے تمہارے ہی لئے بددعا نکلتی ہے اور اگر میں موسیٰ اور اس کی قوم کے لئے بددعا کروں تو وہ قبول نہیں ہوگی بلعم اپنی قوم سے ہدیہ کے عنوان سے رشوت لے چکا تھا۔ اب اس نے اپنی قوم کو یہ رائے دی کہ تم اپنی عورتوں کو سنگھار کے ساتھ بنی اسرائیل میں بھیج دو۔ وہ لوگ ان سے زنا کریں گے تو ان پر اللہ کی طرف سے عذاب آجائے گا چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ بنی اسرائیل زنا میں مبتلا ہو گئے۔ لہذا اللہ نے ان پر طاعون بھیج دیا جس میں ستر ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۴ ج ۳)

اس روایت میں یہ اشکال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں تو بنی اسرائیل نے عمالقہ پر حملہ کرنے اور ان کے شہر میں داخل ہونے کا ارادہ ہی نہیں کیا پھر یہ واقعہ کیسے پیش آیا؟ عمالقہ پر حملہ کرنے کا واقعہ تو حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت یوں بھی ہے کہ بلعم اہل یمن سے تھا۔ اللہ نے اس کو اپنی آیات عطا فرمائیں اور اس نے ان کو چھوڑ دیا اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا بہر حال یہ سب باتیں اسرائیلیات ہیں کوئی بھی پائے ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جو حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اُمیہ بن ابی الصلت کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور اسے يَسْمَعُ اللّٰهُ التَّوْحِيْدَ الَّذِيْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ الْقُرْآنَ الَّذِيْ كُوْنُ پڑھ کر سنایا تو اس کا ارادہ ہوا کہ اسلام قبول کرے۔ لیکن جب اسے بدر کے واقعات کی خبر ملی تو اسلام کا ارادہ چھوڑ دیا اور طائف میں جا کر مر گیا۔

یہ روایت درمنثور (ص ۱۴۶ ج ۳) میں نسائی، ابن جریر، ابن المذہب اور طبرانی وغیرہم کے حوالہ سے نقل کی ہے نیز صاحب درمنثور نے مجاہد سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بلعم کو نبوت عطا کی گئی تھی اس نے اپنی قوم سے رشوت لے لی اور ان لوگوں نے یہ شرط کر کے رشوت دی کہ وہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور خاموش رہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

یہ بات تو بالکل ہی غلط ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام سے اس قسم کے امور کا صادر ہونا شرعی اصول کے مطابق ناممکن ہے۔ بہر حال صاحب قصہ جو بھی ہو۔ اس کی تعیین پر آیت کی تفسیر موقوف نہیں ہے جس شخص کا یہ واقعہ ہے وہ اللہ پاک کی طرف سے آزمائش میں ڈالا گیا اور وہ ناکام ہوا اس نے دنیاوی زندگی ہی کو ترجیح دی اور اللہ کی آیات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کے پیچھے پڑ گیا لہذا گمراہ ہوا اسی کو فرمایا: وَلَوْ شِئْنَا لَکَفَعْنَاهُ لَهَا وَلَکِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ۔

صاحب جلالین لکھتے ہیں کہ جب بلعم بن باعوراء نے رشوت لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے بددعا کر دی تو اسکی زبان باہر نکل کر سینے پر آگئی اور اس کا حال ایسا ہو گیا جیسے کتے کا حال ہے کتے پر حملہ کر دے تو وہ زبان کو نکال کر ہلاتا ہے اور اس کو چھوڑے رہے یعنی حملہ نہ کر و جب بھی وہ اپنی زبان کو ہلاتا رہتا ہے۔ بلعم کا بھی ایسا ہی حال ہو گیا۔ زبان نکلنے کی وجہ سے کتے کی طرح زبان ہلاتا رہتا تھا۔ اور بعض مفسرین نے بلعم کی زبان باہر نکلنے کا ذکر نہیں کیا بلکہ یوں فرمایا ہے کہ آیت شریفہ میں اُسے کتے کی ذلت سے تشبیہ دی ہے۔

کتے کو جھڑکنا رو بھگاؤ۔ تب بھی زبان نکالے ہوئے ہلاتا رہتا ہے اور اگر اس سے کچھ نہ کہو تب بھی اسکی زبان باہر ہے اور بل رہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ خواہش کا اتباع اور طلب دنیا کی وجہ سے شخص مذکور جس کا آیت میں ذکر ہے کتے کی طرح سے ہو گیا کہ ہر حال میں ذلیل ہی ذلیل ہے خست اور ذلت میں کتے کی مثال دی گئی ہے۔

آیت شریفہ میں ہر اس شخص کی مذمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی آیات عطا فرمائے اور انہیں چھوڑ کر دنیا کا طلب گار ہو جائے اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ جائے اور کفر کو اختیار کرے اسی لئے فرمایا: **ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا** یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ پھر فرمایا۔

فَاَقْصُصْ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (کہ قصہ بیان کیجئے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں)

مذکورہ واقعات میں عبرت اور مواعظت تو سب ہی کے لئے ہے لیکن خاص کر یہودیوں کے لئے اس اعتبار سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کا موقع زیادہ ہے کہ انہیں بنی اسرائیل کے پرانے واقعات معلوم تھے اور آنحضرت سرورِ عالم ﷺ کو یہ واقعات کسی انسان نے نہیں بتائے تھے وہ واقعات آپ نے بتادیئے تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کو وحی کے ذریعہ بتائے گئے ہیں۔ یہودیوں کو یہ بات سوچنا چاہئے اگر واقعی سوچیں اور ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں تو ان کا ضمیر انہیں ایمان لانے پر مجبور کر دے گا۔

مَنْ يُّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِىْ وَمَنْ يُضِلِلْ فَلَا وَلِيَّكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۰ وَلَقَدْ

جسے اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور وہ جسے گمراہ کرے تو یہ لوگ ہیں نقصان میں پڑنے والے اور خستین

ذَرٰ اَنْ اَجْهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ

ہم نے پیدا کیا جہنم کے لئے بہت سے جنات کو اور بہت سے انسانوں کو ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی

اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَذَانٌ لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ

آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ

اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۱

ان سے بڑھ کر بے راہ ہیں ایسے لوگ غفلت والے ہی ہیں

انسانوں اور جنوں میں ایسے لوگ ہیں جو چوپایوں سے زیادہ گمراہ ہیں

تفسیر: اس سے پہلی آیات میں ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جسے اللہ نے اپنی آیات دی تھیں اس نے عالم ہوتے ہوئے

دنیا کی محبت میں ان آیات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گیا اس آیت میں عمومی طور پر ہدایت اور گمراہی کے بارے میں حقیقت واضح فرمادی (دیگر آیات میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا ہے) اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے ہدایت اور گمراہی اور ہر خیر و شر کا خالق وہی ہے۔ اس نے بندوں کو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ ہدایت اور ضلالت

دونوں کے راستے واضح فرمادیئے ہیں اور بندوں کو اختیار بھی دیدیا ہے اپنے اس اختیار کو خیر میں بھی لگا سکتے ہیں اور شر میں بھی جو اپنے اختیار کو غلط استعمال کرتے ہیں اور مگر اہی کے راستے پر چل دیتے ہیں ان کے لئے آخرت میں عذاب شدید ہے جو لوگ اپنے اختیار کا غلط استعمال کرتے ہیں ان کو جتنا بھی سمجھایا جائے بات سمجھنے کا ارادہ نہیں کرتے اس لئے ہدایت کی بات کو سمجھتے ہی نہیں اور جو ہدایت کی باتیں کان میں پڑتی ہیں ان کو سننے کے طریقے پر نہیں سنتے اگر ہدایت اور رشد و حق کی کوئی بات کان میں پڑ جائے تو ساری سنی اُن سنی کر دیتے ہیں اور ہدایت قبول کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے سننے کی قوت تو برباد کر ہی دی دیکھنے کی قوت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ جب دلائل تکوینیہ سامنے آتے ہیں اور معجزات کو نظروں سے دیکھتے ہیں تو قصدِ ارادۃً اندھے بن جاتے ہیں اور ہدایت سے دور بھاگتے ہیں۔ گو خالق ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن بندے اپنے اختیار سے خیر و شر اور ہدایت و ضلالت والے بنتے ہیں۔

اولَیْكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنی بصیرت و بصارت اور فہم و ادراک سے کام نہیں لیتے، ہدایت سامنے ہوتے ہوئے قبول نہیں کرتے اسی لئے یہ لوگ چوپایوں کی طرح سے ہیں، بلکہ گمراہی میں چوپایوں سے بھی بڑھ کر ہیں، جانور اپنی ضرورت کو تو سمجھتا ہے کھانے اور پینے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے لئے آوازیں نکالتا ہے اور اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے۔ جانوروں کی حاجت اتنی ہی سی ہے۔ ان کے لئے جنت اور دوزخ نہیں ہے اگر جانوروں نے جنت میں جانے اور دوزخ سے بچنے کی فکر نہ کی تو اُن سے کوئی ملامت نہیں، لیکن انسان اور جنات جن کے سامنے اصلی اور واقعی ضرورت درپیش ہے۔ یعنی انہیں دوزخ کے دائمی عذاب سے بچنے اور جنت کی دائمی نعمتوں میں رہنے کی حاجت ہے اپنی اس ضرورت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ پیدا کرنے والے نے نبی بھیجے کتابیں نازل فرمائیں، جنات اور انسانوں کو ان کی واقعی اور اصلی ضرورت بتائی، اور یہ بھی بتایا کہ تمہاری حاجت روائی اور کامیابی ایمان میں اور اعمال صالحہ میں ہے اور بربادی اور ناکامی کفر اور معصیت میں ہے۔ اس سب کو جانتے ہوئے بھی دھیان نہ دینا اور کفر پر جیسے رہنا بہت بڑی گمراہی ہے ایسے لوگ گمراہی میں جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ آخر میں فرمایا: اولَیْكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (یہ لوگ غفلت والے ہی ہیں) آخرت سے بھی غافل ہیں اور آخرت کی ضرورتوں سے بھی۔

وَاللَّهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا سَوَدَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ

اور اللہ کے لئے اچھے نام ہیں سو تم اُسے ان ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں گج ردی اختیار کرتے ہیں۔

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾

عنقریب اُن کو اُن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں انکے ذریعہ اس کو پکارو

تفسیر: علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں (ص ۳۲۵ ج ۷) آیت بالا کا سبب نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں

میں سے ایک شخص نماز میں یَا رَحْمَنُ یَا رَحِیمُ کہہ رہا تھا۔ مکہ مکرمہ کے ایک مشرک نے من لیا تو کہنے لگا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی یوں کہتے ہیں کہ ہم ایک ہی رب کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ شخص ایسے الفاظ کہہ رہا ہے جن سے دور رب کا پکارنا سمجھ میں آ رہا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں ان کے ذریعہ اسے پکارو پکارو لفظ فَاذْعُوْهُ کا ترجمہ ہے اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اللہ کو ان ناموں سے موسوم کرو۔ دونوں طرح ترجمہ کرنا درست ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں۔ یہ مضمون سورۃ بنی اسرائیل کے ختم پر اور سورۃ حشر کے ختم پر بھی مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ پکارنا۔ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور ان اسماء کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا یہ سب فَاذْعُوْهُ بھسا کے عموم میں آ جاتا ہے۔ صحیح بخاری (ص ۹۳۹ ج ۲) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: لِلّٰہِ تِسْعَةُ وَتِسْعُونَ اِسْمًا مَّا نَاہُ اِلَّا وَاحِدًا لَا یَحْفَظُهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ (یعنی اللہ کے ایک کم سو یعنی ننانوے نام ہیں جو شخص انہیں یاد کرے گا ضرور جنت میں داخل ہوگا)۔ اور صحیح مسلم (ص ۳۴۲ ج ۲) میں ہے۔ مَنْ اَخْصَاَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (یعنی جس نے ان ناموں کو شمار کر لیا وہ جنت میں داخل ہوگا)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَنْ اَحْصَاہَا مَنْ حَفَظُہَا کے معنی میں ہے۔ سنن ترمذی میں ننانوے نام مذکور ہیں اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہیں لیکن ان میں بعض اسماء وہ ہیں جو ترمذی کی روایت میں نہیں ہیں اور دیگر کتب حدیث میں بھی بعض اسماء مذکور ہیں جو ترمذی کی روایت کے علاوہ ہیں۔ اسی لئے حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ حدیث کا مقصود یہ نہیں کہ اللہ کے صرف ننانوے نام ہیں بلکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص کوئی سے بھی ننانوے اسمائے حسنیٰ کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فی فتح الباری فالمراد الاخبار ان دخول الجنة باحصاءها لا الاخبار بحصر الاسماء۔ (حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ جنت کا داخلہ اسمائے مبارکہ کے یاد کرنے پر ہے یہ مطلب نہیں کہ صرف شمار کر لینے سے جنت میں داخلہ کی فضیلت ہے) حضرات محدثین کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ اسمائے حسنیٰ جو کتب حدیث میں یکجا ہیں خود حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں یا بعض رواقہ حدیث کے ساتھ ملا کر روایت کر دیا ہے اگر ایسا ہے تو ان اسماء عالیہ کا ذکر حدیث میں مدرج ہوگا لیکن چونکہ ان اسماء میں اکثر ایسے ہیں جو قرآن اور حدیث میں بالتصریح موجود ہیں اور بعض ایسے ہیں جو آیات اور احادیث کے مضامین سے مستفاد ہوتے ہیں اس لئے ان کو یاد کرنا اور دعاء سے پہلے حمد و ثناء کے طور پر ان کو پڑھ لینا قبولیت دعاء کا وسیلہ ضرور ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں بحوالہ حلیۃ الاولیاء حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے۔ اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَةً وَتِسْعِیْنَ اِسْمًا مَّا نَاہُ غَیْرِ وَاحِدَةٍ اِنَّہٗ وَتَرِیْحُ الْجِبِّ الْوُتْرُ وَمَا مِنْ عَبْدٍ یَّدْعُوْہَا اِلَّا وَجِبَتْ لَہٗ الْجَنَّةُ اس میں بھی يدعوہا کا ایک مطلب تو وہی ہے کہ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگے یعنی ان اسماء کو پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے۔

علامہ جزرئی نے الحسن الحسین میں اس طرح کی احادیث نقل کی ہیں جن سے اسماء الہیہ کا ذکر کرنے کے بعد دُعا کی

جائے تو دعا قبول ہونے کا وعدہ ہے بحوالہ سنن ترمذی علامہ جزری نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کہتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا کہ تیری دعا قبول ہوگی تو سوال کر لے پھر بحوالہ مستدرک حاکم نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک شخص پر گزر ہوا جو یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کہ سوال کر اللہ تعالیٰ شانہ نے تیری طرف (رحمت کی) نظر فرمائی اور ایک شخص یہ پڑھ رہا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِاَنَّکَ اَنْتَ اللّٰهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ آپ ﷺ نے اس کے یہ الفاظ سن کر فرمایا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا کی ہے اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا فرمادیتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے تو قبول فرمالیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۹۹ از ترمذی)

درمنثور ص ۱۳۹ ج ۳ میں امام بیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرنے لگیں تو انہوں نے یوں کہا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِجَمِیْعِ اَسْمَاءِ کَ الْحُسْنٰی کُلِّہَا مَا عَلِمْنَا مِنْہَا وَمَا لَمْ نَعْلَمْ وَاسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الْعَظِیْمِ الْاَعْظَمِ الْکَبِیْرِ الْاَکْبَرِ الَّذِیْ مِنْ دَعَاکَ بِہٖ اَجَبْتَهُ وَمَنْ سَاَلَکَ بِہٖ اَعْطِیْتَهُ۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے ٹھیک طریقہ اختیار کیا دو بار ایسا ہی فرمایا۔ علامہ قرطبی نے فادعویہ بھا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ای اطلبوا منہ باسمائہ فیطلب بكل اسم ما یلیق بہ تقول یا رحیم یا رحمن یا حکیم یا حکم بی یا رازق یا رزقی یا ہادی یا ہادی یا فتاح لی یا تواب تب علی ہکذا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کے ناموں کے وسیلہ سے مانگو اور ہر نام کے مطابق طلب کیا جائے مثلاً کھو اے رحیم مجھ پر رحم فرما اے حکیم میرے لئے حکمت کا فیصلہ فرما اے رازق مجھے رزق دے اے ہادی مجھے ہدایت دے اے فتاح میرے لئے فتوحات کے دروازے کھول اے توبہ قبول کرنے والے میری توبہ قبول فرما)

اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ اللہ کو یاد کرنے اور اللہ سے مانگنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا وَذُرُوا الدِّیْنَ یُلْجِدُوْنَ فِیْ اَسْمَائِہٖ سُبُحْزُوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ان کاموں کا بدلہ پالیں گے جو وہ کیا کرتے تھے)

اسماء الہیہ میں کج روی اختیار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بارے میں تفسیر قرطبی اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے ناموں سے شتق کر کے اپنے بتوں کے نام رکھ دیئے تھے مثلاً لفظ اللہ سے المات نکالا اور لفظ العزیز سے العزلی نکالا اور المئتان سے منات نکالا اور ان ناموں سے اپنے بتوں کو موسوم کر دیا اور درمنثور میں حضرت اعمش سے اسکی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ یُدْخَلُوْنَ فِیْہَا مَا لِیْسَ مِنْہَا یعنی اللہ کے ناموں میں ان ناموں کا اضافہ کر دیتے ہیں جو اس کے نام نہیں ہیں علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔ قرآن وحدیث میں جو اسماء وارد ہوئے ہیں ان کے سوا دوسرے ناموں سے اللہ کو موصوف نہ کیا جائے بہت سے لوگ اللہ کے نام مخلوق کے لئے استعمال کر دیتے ہیں اور وہ اس طرح سے لفظ عبد کو چھوڑ کر مُشٰی کا نام لیتے ہیں مثلاً عبد الرحمن کو رحمن صاحب اور عبد الغفار کو غفار صاحب اور عبد الغفور کو غفور صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں ایک جماعت لکھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ان کو اس طرح ڈھیل دیں گے

مَنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأَمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۝

کہ ان کو خبر بھی نہ ہو اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا

مَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ جَنَّةٍ إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ

کہ ان کے صاحب کو کوئی جنوں نہیں ہے۔ وہ تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور دوسری چیزوں میں غور نہیں کیا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں اور اس بات میں کہ ان کی اجل قریب

أَجَلُهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ۝ مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ

آپجی ہو سو اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔ اللہ جسے گمراہ کرے سو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ

فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

انہیں گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے

مکذبین کو ڈھیل دی جاتی ہے اللہ جسے گمراہ
کرے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ بیان فرمایا کہ ہم نے جن لوگوں کو پیدا کیا ہے ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق

کی ہدایت دینے والی ہے۔ یہ لوگ حق کی راہ بتاتے ہیں اور حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ الفاظ کا عموم جنوں اور

انسانوں سب کو شامل ہے۔ ان میں بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں دوزخ کے لئے پیدا فرمایا ان کا ذکر قریب ہی گزر چکا ہے

اور یہاں بالخصوص یہ بیان فرمایا کہ ان میں حق کی راہ بتانے والے اور حق کے موافق انصاف کرنے والے بھی ہیں۔

پھر آیات کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کی جو فوری پکڑ نہیں ہوتی اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ

اللہ کے محبوب بندے ہیں اور مسلمان بھی ان کے ظاہری حال دیکھ کر ان پر رشک نہ کریں۔ دنیا میں اچھے حال میں ہونا عند

اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں اللہ تعالیٰ شانہ کا ایک تکوینی قانون استدراج بھی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے کفر اور بد

اعمال میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں اور اُسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا

ہے۔ یہ ڈھیل اُس کے لئے مزید سرکشی کا باعث بنتی ہے اور پھر کبھی دنیا میں بھی گرفت ہو جاتی ہے اور آخرت میں تو اہل کفر

کی سخت گرفت ہے ہی جس میں کوئی شک نہیں۔ اسلام کے دعویداروں میں جو معاصی میں غرق ہیں ان کے ساتھ بھی استدراج ہو جاتا ہے۔ وہ اس ڈھیل سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو برفائدہ ہے۔ کیوں کہ اس کے پیچھے سخت گرفت آنے والی ہوتی ہے۔ اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں یہ گرفت فرمانے کے لئے ایک تدبیر ہے۔ اسی کو فرمایا: **وَأَعْلَىٰ لَهُمْ إِنَّ كَيْدَ بَنِي مَعِينٍ** (اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری تدبیر مضبوط ہے)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو یہ دیکھے کہ اللہ کسی بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا میں سے اس کی محبوب چیزیں دے رہا ہے تو وہ استدراج ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے (سورۃ انعام کی آیت) **فَلَمَّا سَأَلْنَا مَآذِلَهُمْ قَالُوا لَا ظِلْمَ عَلَيْنَا مَعَ الْبُيُوتِ** (آخربیک) تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۳) لفظ استدراج کا مادہ درج ہے (جو اوپر چڑھنے کے معنی میں آتا ہے) نافرمان آدمی کو نعمتیں ملتی رہتی ہیں تو وہ خوف خدا اور فکر آخرت سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اچانک پکڑ لیا جاتا ہے چونکہ ڈھیل ملتی رہتی ہے۔ اور درجہ بدرجہ معصیتوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو استدراج سے تعبیر فرمایا اس کے بعد فرمایا **أَوْ لَوْ يَنْظُرُونَ إِلَّا صَاحِبَهُمْ** **فَمِنْ حَقِّهِ** کہ دعوت تو حید دینے والے شخص جو ان کے اندر موجود ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کیا اس کے بارے میں ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ یہ جو محنت اور مجاہدہ کرتے ہیں لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت یاد دلاتے ہیں اور اس عمل پر لوگوں کی طرف سے تکلیفیں پہنچتی ہیں اور اس محنت پر انہیں دنیا کا کچھ نفع حاصل نہیں یہ غور کرنے کی بات ہے جسے اس کی محنت کا دُنیا میں کچھ پھل نہیں ملتا اور اُن لوگوں کا معتبوب بھی رہتا ہے اُسے کیا ضرورت ہے کہ ایسی محنت کرے وہ کوئی دیوانہ نہیں اس کی سب باتیں حکمت کی ہیں اس کے افعال و اعمال سب درست ہیں اس کے اخلاق و آداب کی خوبی کے سب معترف ہیں پھر اس کی دعوت کو کیوں قبول نہیں کرتے، بعض لوگ ضد میں آ کر دیوانہ بھی کہہ دیتے تھے ارشاد فرمایا کہ غور تو کرو کیا یہ شخص دیوانہ ہو سکتا ہے؟ چونکہ آپ ان ہی میں سے تھے ان کے ساتھ رہتے تھے اس لئے آپ کے بارے میں صاحبہم (ان کا ساتھی) فرمایا۔

إِنْ هُوَ إِلَّا كَذِبٌ مُّزْمِنٌ (بس وہ تو واضح طور پر ڈرانے والا ہے) حق کی دعوت دیتا ہے اور آخرت کی یاد دہانی کراتا ہے۔ یہ باتیں مشرکوں کو ناگوار ہیں حق کو ماننے نہیں اور داعی حق کو دیوانہ کہتے ہیں یہ اُن کی اپنی دیوانگی ہے۔ داعی حق دیوانہ نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا: **أَوْ لَوْ يَنْظُرُونَ إِلَّا مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** (کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں غور نہیں کیا) **وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ** (اور آسمان و زمین کے علاوہ دوسری چیزیں جو پیدا فرمائیں ہیں ان میں غور نہیں کیا) **وَأَنْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ إِلَهُمْ** (اور کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ممکن ہے اجل قریب ہی آ پہنچی ہو) اگر زمین کے بارے میں غور کرتے اور اللہ کی بادشاہت کے مظاہرے دیکھتے اور دوسری مصنوعات و مخلوقات میں تدبر اور تفکر کرتے تو سمجھ لیتے کہ ان چیزوں کا خالق و مالک وحدۃ لا شریک ہے حکیم ہے اور مدبر اور اگر یہ غور کرتے کہ ممکن ہے ہماری موت کا وقت قریب ہو تو موت کے بعد کے حالات کے لئے فکر مند ہوتے اور مابعد الموت کی زندگی کے لئے عمل کرتے لیکن بے فکری نے انہیں تو حید کے ماننے سے غافل رکھنا اقراری ہوئے اور نہ اس کے لئے فکر مند ہوئے۔ آخر میں فرمایا: **فَإِنِّي حَدِيثٌ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ**

ان کو قرآن صاف صاف باتیں بتاتا ہے حق کا اعلان کرتا ہے اس کی دعوت میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے اسکی فصاحت و بلاغت مسلم ہے اس سب کے باوجود جو لوگ اسے نہیں مانتے آگے انہیں کیا انتظار ہے۔ اب اس کے بعد کون سی ایسی بات ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے۔ اگر ماننا چاہتے تو ہٹ دھرمی نہ کرتے اور اب تک مان گئے ہوتے چونکہ ماننے کا ارادہ نہیں ہے اس لئے برابر حق سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ (جسے اللہ گمراہ کرے سو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں) وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ (اور اللہ نے انہیں چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی گمراہی میں بھٹک رہے ہیں) گمراہی میں پڑے ہیں اگر اسی پر مرمیں گے تو دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا

وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا واقع ہونا کب ہے؟ آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر

إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ

وہی ظاہر فرمائے گا وہ آسمانوں میں اور زمین میں بھاری پڑ جائیگی تمہارے پاس چاکلی آجائے گی وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر چکے ہیں

عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۱﴾

آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے

قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ کے
سوا کسی کو معلوم نہیں ہے وہ اچانک آجائیگی

تفسیر: چونکہ نبی اکرم ﷺ تو حید کی دعوت کے ساتھ قیامت کے بارے میں بھی خبر دیتے تھے اور اس کے احوال و احوال بتاتے تھے اس لئے مشرکین قیامت کے بارے میں بھی طرح طرح کی باتیں نکالتے تھے وہ کہتے تھے کہ جب گل سڑ کر ہماری ہڈیوں کا چورا چورا ہو جائے گا تو کیا ہم دوبارہ زندہ ہوں گے؟ اور اس کی تکذیب کے لئے یوں بھی کہتے تھے: مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (کہ قیامت آنے کا جو وعدہ ہے کب پورا ہوگا) اس کا مطلب وقت کا پوچھنا نہ تھا۔ بلکہ وقوع کا انکار کرنا تھا۔ امتدادِ اجل سے عدم وقوع اور عدم امکان پر استدلال کرتے تھے یہ ان کی حماقت تھی کسی چیز کا دیر میں آنا عدم امکان اور عدم وقوع کی دلیل نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ بتائیے قیامت کب واقع ہوگی؟ اور اس طرح سوال کرتے تھے کہ جیسے آپ کو اس کے بارے میں پورا علم ہے ان کے جواب میں فرمایا إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ (کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے)

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم صرف اپنے ہی لئے رکھا ہے کسی نبی یا فرشتہ کو نہیں دیا۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام انسانی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند

سوال کئے جن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا: مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ (جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اُس سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے جس نے سوال کیا) (رواہ البخاری و مسلم)

یعنی اس بارے میں میں اور تم برابر ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سوال کرنے والوں کے سوال کا یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ اگر آپ واقعی رسول ہیں تو متعین طور پر آپ بتادیں کہ قیامت کب آئے گی۔ کیونکہ ان کے خیال میں نبوت کے لوازم میں سے یہ بات بھی تھی کہ رسول کو قیامت کا علم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور بتادیا کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے رسول کا نہ جاننا منصب رسالت کے خلاف نہیں ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ وَبَعْضُهُمْ يَزْعُمُ أَنَّ الْعِلْمَ بِذَلِكَ مِنْ مُقْتَضِيَاتِ الرِّسَالَةِ فَيَتَّخِذُ السُّؤَالَ ذَرْيَعَةً إِلَى الْقَدْحِ فِيهَا (اور بعض کا گمان یہ تھا کہ قیامت کا علم ہونا رسالت کے لوازمات میں سے ہے اس لئے وہ قیام قیامت کے متعلق سوال کر کے رسالت کی صداقت جانچنا چاہتے تھے) (ص ۱۲۳ ج ۹)

یہ جو فرمایا کہ قیامت اچانک آ جائے گی اس کی تفصیل حدیث شریف میں اس طرح وارد ہوئی ہے کہ قیامت اس حال میں آ جائے گی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان میں کپڑا کھول رکھا ہوگا اور ابھی خرید و فروخت کرنے نہ پائیں گے اور کپڑا لپیٹنے نہ پائیں گے کہ قیامت آ جائے گی اور قیامت اس حال میں آ جائے گی کہ کوئی شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر چلے گا اور وہ ابھی پیئے بھی نہ پائے گا کہ قیامت آ جائے گی اور کوئی شخص اپنا حوض لب رہا ہوگا کہ قیامت آ جائے گی اور وہ اس میں (اپنے جانوروں کو پانی بھی) نہ پلانے پائے گا۔ اور کسی شخص نے اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھا رکھا ہوگا وہ اسے کھانے بھی نہ پائے گا کہ قیامت آ جائے گی۔ (صحیح بخاری ص ۹۶۳ ج ۲)

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ

آپ فرمادیجئے کہ میں اپنی جان کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا

لَا سَتَكُنُّ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِيَ السُّوءُ إِنَّ الْآلَ بْنَدِيرٍ وَبَشِيرٍ لِّقَوْمٍ

تو بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز نہ پہنچتی میں تو ان لوگوں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں

يُؤْمِنُونَ

جو ایمان رکھتے ہیں

آپ فرمادیجئے کہ میں اپنے لئے کسی نفع و ضرر کا مالک نہیں ہوں اور نہ غیب جانتا ہوں

تفسیر: اس آیت میں اوّل تو نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں کو بتادیں کہ میں اپنے لئے ذرا بھی کسی نفع یا کسی ضرر کا مالک نہیں ہوں اللہ کی مشیت اور اسکی قضاء و قدر کے موافق ہی مجھے نفع و ضرر پہنچتا ہے۔ مجھے اپنے

نفع اور ضرر کے بارے میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ اعلان کر دیا تاکہ لوگ آپ کو اللہ کا بندہ سمجھیں اور یہ بھی یقین کریں کہ آپ کو جو نفع و نقصان پہنچتا ہے وہ صرف اللہ کی مشیت سے پہنچتا ہے نفع اور نقصان کے بارے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں۔

بندوں کو اللہ تعالیٰ نے جو علم و فہم اور تدبیر و محنت اور کوشش کا اختیار دیا ہے جس کے ذریعہ کچھ فائدہ ہو جاتا ہے یا کسی ضرر سے بچ جاتے ہیں اس طرح کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو بھی تھا ان تدابیر اور اسباب کے اختیار کرنے اور اعضاء و جوارح کو حرکت دینے سے جو کچھ نفع حاصل ہو جاتا ہے یا بعض مرتبہ کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو یہ سب اللہ کی مشیت کے تابع ہے خود مختار نہیں ہے لفظ **إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ** کی یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ استثناء متصل ہو۔ **قَالَ فِي الرُّوحِ أَيْ أُنُوِّقَتْ مَشِيئَتُهُ سُبْحَانَهُ بِأَنَّهُ يَمَكِّنُنِي مِنْ ذَلِكَ فَإِنِّي حِينِيذٍ أَمْلِكُهُ بِمَشِيئَتِهِ**۔

اور اگر استثناء منقطع لیا جائے تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے بس وہی ہوگا میرا اختیار کچھ بھی نہیں۔ (راجع روح المعانی ص ۱۲۶ ج ۹)

وَلَوْ كُنْتُمْ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَاسْتَكْبَرْتُمْ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ (یعنی آپ یہ بھی فرمادیں کہ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو میں بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز پیش نہ آتی) نفع یا ضرر پہنچنے سے پہلے ہی اگر علم ہو جائے کہ ان میں سے کوئی امر پیش آنے والا ہے تو پہلے ہی سے ایسی صورتیں اختیار کر لی جائیں کہ نفع زیادہ سے زیادہ ہو اور کثرت منافع کے موانع میں رکاوٹ ڈال دی جائے اور آنے والے ضرر کے دفعیہ کے لئے پوری کوشش کام میں لائی جائے لیکن حال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچ جاتی تھیں جس کا پہلے سے علم نہ ہوتا تھا جس کے واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ **إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُبْحًا لِقَوْمٍ يُصْخَرُونَ** (یعنی آپ یہ بھی فرمادیجئے کہ میں تو بس ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں)

انذار و تبشیر کا کام امر شرعی ہے دنیا میں نفع و ضرر پہنچنے سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ اور تشریحی اوامر و نواہی اور تبلیغی احکام کا تعلق منصب نبوت سے ہے جو شخص نبی اور رسول ہو اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے یہ کوئی شرعی یا کنوینی قانون نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب کلی ثابت کرنیوالوں کی تردید

آیات بالا میں واضح طور پر تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا۔ اور قیامت کا علم بھی نہ تھا کہ کب آئے گی اور سورۃ انعام میں بھی اسکی تصریح گزر چکی ہے وہاں فرمایا **قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ** (آپ فرمادیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کو جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں) اس میں شک نہیں کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو علوم غیبیہ عطا فرمائے تھے۔ اور آپ کو ساری مخلوق سے زیادہ علم عطا فرمایا لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ رسول اللہ ﷺ تمام غیبوں کو جانتے تھے اور قیامت کب آئے گی۔ اس کا بھی آپ کو علم تھا یہ دعویٰ باطل ہے اور قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

الموضوعات الکبیر میں حافظ جلال الدین سیوطی سے نقل کرتے ہیں۔

وقد جاهر بالكذب بعض من يدعى في زماننا العلم وهو متشبع بما لم يعط أن رسول الله ﷺ كان يعلم متى تقوم الساعة قيل له فقد قال في حديث جبرئيل ما المسئول عنها بأعلم من السائل فحرفه عن موضعه وقال معناه انا وانت تعلمها وهذا من اعظم الجهل واقبح التحريف (الى ان قال) ثم قوله في الحديث ما المسئول عنها بأعلم من السائل يعلم كل سائل ومسئول عن الساعة هذا شأنهما ولكن هؤلاء الغلاة عنهم أن علم رسول الله ﷺ منطبق على علم الله سواء بسواء فكل ما يعلمه الله يعلم رسول الله تعالى يقول: وممن حولكم من الأعراب منافقون ومن أهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم وهذا في براءة وهي من اواخر ما نزل من القرآن هذا والمنافقون جبرانه في المدينة انتهى بحذف.

ترجمہ: ہمارے زمانہ میں بعض ایسے لوگ جو عالم نہیں ہیں علم کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے ہیں انہوں نے برملا یہ جھوٹی بات کہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قیامت کا وقت معلوم تھا ان سے کہا گیا کہ حدیث میں تو یوں ہے۔ ”ما المسئول عنها بأعلم من السائل“۔ تو اس شخص نے اس کا معنی پلٹ دیا اور یہ مطلب بتا دیا کہ میں اور تو دونوں قیامت کے وقت کو جانتے ہیں۔ یہ بہت بڑا جہل ہے اور بدترین تحریف ہے حدیث ما المسئول عنها بأعلم من السائل ہر سائل اور ہر مسئول کو شامل ہے قیامت کے بارے میں جو بھی کوئی سائل ہو گا یا جس سے سوال کیا جائے گا سب کے بارے میں یہی بات ہے کہ وہ قیامت کے آنے کا وقت نہیں جانتے لیکن یہ غلو کرنے والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا علم پوری طرح اللہ تعالیٰ کے علم پر منطبق ہے انکے نزدیک ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کا رسول بھی جانتا ہے ان لوگوں کی اس بات کی تردید سورۃ براءت کی آیت سے واضح طور پر ظاہر ہو رہی ہے اور سورۃ برأت اُن سورتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئیں وہ آیت یہ ہے۔ وَمَنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ذَٰلِكُمْ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِرَدُّ ذَٰلِكَ عَلَى النَّفَاقِ لَا يَعْلَمُهُمْ أَحَدٌ مِّنْهُمْ۔

یعنی تمہارے گرد و گرد یہاٹیوں میں سے منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں سے وہ لوگ ہیں جو نفاق میں خوب زیادہ آگے بڑھے ہوئے ہیں آپ انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں حالانکہ وہ آپ کے پڑوسی تھے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ آیت کی اس واضح تصریح کے بعد پھر بھی یوں کہنا کہ رسول کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے سراسر قرآن مجید کا انکار ہے اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھتے ہیں: ومن اعتقد تسوية علم الله ورسوله يكفر اجماعا كما لا يخفى یعنی جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا علم برابر ہے تو بالا جماع اسے کافر کہا جائے گا۔

آج کل ایک ایسی جماعت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے صرف عطائی اور غیر عطائی کا فرق ہے یہ اُن لوگوں کی گمراہی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الموضوعات الکبیر میں بعض ایسی آیات و احادیث درج کرنے کے بعد جن سے رسول اللہ ﷺ کے علم کی کئی نفی ہوتی ہے تحریر فرماتے ہیں: ولا ريب ان الحامل

لهؤلاء على هذا الغلو اعتقادهم انه يكفر عنهم سيئاتهم ويدخلهم الجنة وكلما غلوا كانوا اقرب اليه واخص به فهم اعصى الناس لامره واشدهم مخالفة لسنته وهؤلاء فيهم شبه ظاهر من النصارى غلو على المسيح اعظم الغلو وخالفوا شرعه ودينه اعظم المخالفة والمقصود أن هؤلاء يصدقون بالاحاديث المكذوبة الصريحة ويحرفون الاحاديث الصريحة والله ولى دينه فيقيم من يقوم له بحق النصيحة۔

ترجمہ: اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کے اعتقاد میں جو غلو ہے اس کی وجہ سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ غلو ان کے گناہ کو معاف کر دے گا اور انہیں جنت میں داخل کر دے گا اور جتنا بھی زیادہ غلو کریں گے آنحضرت ﷺ سے قریب تر ہونگے اور آپ کے مخصوصین میں شمار ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ سب لوگوں سے بڑھ کر آپ کی نافرمانی کرنے والے ہیں اور آپ کی سنت کی مخالفت میں سب لوگوں سے زیادہ سخت ہیں۔ اور ان لوگوں میں نصاریٰ سے مشابہت ہے جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں بہت زیادہ غلو کیا۔ اور ان کے دین اور شریعت کے بارے میں بہت زیادہ مخالفت کی یہ لوگ صریح جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں کی تصدیق کرتے ہیں اور صحیح احادیث میں تحریف کرتے ہیں۔ اللہ اپنے دین کا ولی ہے وہ ایسے شخص کو مقرر فرماتا ہے جو خیر خواہی کے لئے قائم ہو۔ اھ

بعض جاہل یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ آیات و احادیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر چیز کا علم نہیں دیا گیا ہے لیکن وفات سے تھوڑی دیر پہلے ہر چیز کا علم دے دیا گیا تھا۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ نہ صرف یہ کہ بے دلیل ہے بلکہ احادیث شریفہ کی تصریحات کے خلاف ہے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں پانی پلانے کے لئے پہلے سے حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا جو میرے پاس سے گزرے گا پی لے گا اور جو پی لے گا کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ ضرور ایسا ہوگا کہ کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے جنہیں میں پہنچاتا ہوں گا اور وہ بھی مجھے پہنچاتے ہوں گے پھر میرے اور اُن کے درمیان آڑ لگا دی جائے گی میں کہوں گا کہ یہ میرے لوگ ہیں جواب میں کہا جائے گا کہ بلاشبہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی باتیں نکالی تھیں اس پر میں کہوں گا کہ دور ہوں دور ہوں جنہوں نے میرے بعد اول بدل کر دیا (اس اول بدل کرنے میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر قرار دے دیا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۸ از بخاری و مسلم)

نیز شفاعت کے بیان میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں سجدہ میں پڑ جاؤں گا اور اپنے رب کی وہ ثناء و تحمید بیان کروں گا جو اللہ مجھے سکھادے گا جنہیں میں اس وقت نہیں جانتا (ایضاً)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو اس دنیا میں آپ کے علم میں نہیں لائی گئیں وہ وہاں آخرت میں ظاہر ہوں گی اہل بدعت پر تعجب ہے کہ وہ عقیدت کے غلو میں آیات و احادیث کو نہیں جانتے اور دعویٰ اُن کا یہ ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ محبت ہے بلکہ اپنے بارے میں یوں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے علاوہ کوئی مسلمان ہی نہیں۔ ھداهم اللہ تعالیٰ الى الصراط المستقیم صراط الذین انعم علیہم من النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنا دیا تاکہ وہ اس کے پاس ٹھکانہ پکڑے۔

فَلَمَّا تَغَشَّيْهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَا اللَّهَ رَبَّهُمَا

پھر جب اس نے جوڑے کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہ گیا۔ پھر وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے جو ان کا رب ہے

لَيْنِ اتَّبَعْنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۖ فَلَمَّا أَتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَ لَهُ شُرَكَاءَ

کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم بچہ عطا فرمادیا تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرمادیا تو جو چیز ان کو عطا فرمائی اس میں اللہ کے لئے شریک

فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۹۶﴾

قرار دینے لگے۔ سو اللہ برتر ہے ان کے شریک بنانے سے

بیوی قلبی سکون کے لئے ہے

تفسیر: ان آیات میں اول تو اللہ جل شانہ نے اولاد آدم کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا۔ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر جب انہوں نے تنہائی محسوس کی اور طبی طور پر انس و الفت کی ضرورت محسوس کرنے لگے تو ان کی بائیں پسلی سے اُن کا جوڑا پیدا فرمادیا۔ جس کا نام حوا تھا۔ اس جوڑے کی ضرورت ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا تاکہ وہ اپنے جوڑے کے پاس قرار پکڑے۔ تھکا ماندہ اپنے گھر میں آئے تو اپنے گھر کو آرام کی جگہ پائے۔

سورۃ روم میں فرمایا: وَكَرَّمْنَا إِلَيْهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ بَرَاقًا مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (اور اسکی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے پیدا فرمائے تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا فرمادی۔ بلاشبہ اس میں فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں)

سورہ اعراف میں لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فرمایا۔ اور سورۃ روم میں لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ انسان کی ازدواجی زندگی کا مقصد اصلی یہ ہے کہ ایک دوسرے سے مانوس ہو اور زندگی پر سکون ہو۔ آپس میں محبت اور ہمدردی کے تعلقات ہوں۔ بہت سے مرد عورتوں کے لئے مصیبت بن جاتے ہیں اور بہت عورتیں مرد کے لئے سوہان روح بن جاتی ہیں۔ یہ ازدواجی مقصد کے خلاف ہے۔ جن میاں بیویوں میں تلخی ہو وہاں سکون کہاں اور یہ سکون وہیں ہو سکتا ہے جبکہ خلاف طبع امور میں فریقین تحمل اور برداشت سے کام لیں۔ نکاح کرتے وقت اچھی طرح دیکھ بھال کر نکاح کریں۔ مال اور حسن و جمال ہی کو نہ دیکھیں۔ فریقین کی دین داری اور خوش خلقی کو بھی دیکھیں۔ اور یہ بھی دیکھیں کہ آپس میں جوڑ بیٹھے گا یا نہیں؟ دونوں محبت و الفت کی راہ پر چل سکیں گے یا نہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق کو پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دینا

اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور (لسبا) چوڑا فساد ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت والی ہو جس سے اولاد زیادہ پیدا ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔ (رواہ ابوداؤد) دونوں میاں بیوی محبت کے ساتھ رہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں اور ایک دوسرے کی رعایت کریں ناگواریوں سے درگزر کرتے رہیں۔ یہی اسلم طریقہ ہے اور اس میں سکون ہے۔

میاں بیوی آپس میں کس طرح زندگی گزاریں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن بندہ (اپنی) مومن (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آجائے گی۔ (رواہ مسلم ص ۴۷۵ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی بھی طریقہ پر تیرے لئے سیدھی نہیں ہو سکتی اگر تجھے اس سے نفع حاصل کرنا ہے تو اس صورت میں حاصل کر سکتا ہے کہ اس کا نیڑھا پن باقی رہے۔ اور اگر تو اسے سیدھی کرنے لگے گا تو توڑے گا اور اس کا توڑ دینا طلاق دینا ہے۔ (رواہ مسلم ص ۴۷۵ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل ایمان میں سے سب سے زیادہ کامل لوگ وہ ہیں جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے سب سے بہتر ہیں (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں دے دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔

۱- شکر گزار دل ۲- ذکر کرنے والی زبان ۳- تکلیف پر صبر کرنے والا بدن

۴- اور ایسی بیوی جو اپنی جان میں اور شوہر کے مال میں خیانت کرنا نہ چاہتی ہو۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے (جو شریعت کے خلاف نہ ہو) تو جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۱)

یہ چند احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں ان میں آپس کی محبت اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے اصول بتا دیئے ہیں ان پر عمل کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی سکھ سے رہیں گے اور میاں بیوی بننے کا جو کیف اور سرور ہے اس سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور زندگی بھر محبت کے ساتھ نباہا ہوتا رہے گا۔

میاں بیوی میں جو بھی بداخلاق ہوتا ہے۔ دوسرے کے لئے مصیبت بن جاتا ہے جو مقصد نکاح کے خلاف ہے۔

جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا سے کون مراد ہیں؟ یہ بیان فرمانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے

انسان کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا مشرکین کا حال بیان فرمایا جو اولاد کی وجہ سے شرک کی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں ارشاد فرمایا فَلَمَّا تَخَلَّطُهَا حَمَلُهَا خَفِيَ قَوْمُكَ مِنْهَا۔ جب مرد نے عورت کو ڈھانکا یعنی قربت اور مباشرت کی تو حمل رہ گیا ابتداء یہ حمل خفیف اور ہلکا ہوتا ہے جسے پیٹ میں لے کر عورت آسانی سے چلتی پھرتی ہے۔ فَلَمَّا اتَّخَذَتْ دَعَا إِلَهُ رِبُّهُمَا كَلِمَ تَاتِيهَا صِلَا لَمْ تَكُنْ مِنَ الْكَاذِبِينَ (جب حمل کی وجہ سے عورت بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے دعاء کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے) فَلَمَّا اتَّخَذُوا صِلَا لَمْ يَجْعَلْ لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا إِلَهُمَّا (پھر جب ان کے رب نے انہیں صحیح سالم بھلا چنگا بچہ عطا فرما دیا تو اللہ کی اس بخشی ہوئی چیز میں اللہ کے لئے شریک بنانے لگے) فَتَعَلَّى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (سو اللہ ان کے شرک سے برتر ہے) اس میں کن لوگوں کے شرک کا بیان ہے اس کے بارے میں بعض روایات میں یوں ملتا ہے کہ جیسے شروع آیت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کا ذکر ہے اس طرح فَلَمَّا اتَّخَذُوا صِلَا لَمْ يَجْعَلْ لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا إِلَهُمَّا سے لے کر فَتَعَلَّى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ تک بھی انہیں میاں بیوی کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ شیطان کے بتانے سے حضرت حواء نے اپنے ایک بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا اس سے پہلے بچے زندہ نہیں رہتے تھے۔ ابلیس نے کہا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کا نام عبدالحارث رکھنا۔ اس طرح وہ زندہ رہے گا۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اول تو اس قصہ کو مرفوعاً نقل کیا ہے پھر ابن جریر کے حوالہ سے اس کو حدیث موقوف بتایا ہے۔ اور موقوف ہونے کے بعض شواہد پیش کئے ہیں پھر لکھا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے صحابی کا قول ہے ممکن ہے کہ صحابی (سمہ بن جندب) نے بعض اہل کتاب سے یہ بات حاصل کی ہو جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسے کعب احبار اور وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی کچھ اس طرح منقول ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے اپنے بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ سب اہل کتاب کے آثار سے لیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی بات درست ہے کیونکہ آیت میں تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں میاں بیوی دونوں کا ذکر ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک خفی یا جلی کا صدور نہیں ہو سکتا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کا مطلب کیا ہے اور اس میں کن لوگوں کا حال بیان کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرت حسن (بصری) سے منقول ہے کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد عطا فرمائی تو ان کو یہودی اور نصرانی بنادیا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں: وهو من أحسن التفاسير وأولى ما حملت عليه الآية (کہ یہ سب سے اچھی تفسیر ہے اور آیت کو اس پر محلول کرنا اولیٰ ہے)

تفسیر درمنثور ص ۱۵۴ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات نقل کی ہے کہ شرک کرنے والی بات حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق نہیں ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عباس قال ما اشرک آدم ان اولها شکرو آخرها مثل ضربہ لمن بعده۔ یعنی حضرت آدم نے شرک نہیں کیا ان کے بارے میں آیت کا اول حصہ ہے جس میں شکر کا بیان ہے اور بعد کے حصہ میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا جو ان کے بعد آئے (اور شرک اختیار کیا)

اولاد کو شرک کا ذریعہ بنانے کی تردید: مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں اولاد کی پرورش اور انکے زندہ رہنے کی امید اور انکی موت کے ڈر سے ماں باپ افعال شرکیہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں شرک کی ابتداء بچے کے پیدا ہونے کی امید ہی سے شروع ہو جاتی ہے اس کے صحیح سالم پیدا ہونے کے لئے نذریں ماننے لگتے ہیں۔ یہ نذریں غیر اللہ کے لئے بھی ہوتی ہیں پھر جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو شرکیہ نام رکھتے اور شرکیہ کام کرتے ہیں۔

بعض علاقوں میں اسے چھانچ میں رکھ کر گھینٹتے ہیں اور اس کا نام گھینٹا رکھ دیتے ہیں۔ یا کسی پیر فقیر کے نام پر کان چھید کر بند اڈال دیتے ہیں اور لڑکے کا نام بندو رکھ دیتے ہیں اور بعض لوگ قصداً بچوں کے ایسے نام رکھتے ہیں جو برے معنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے کوڑا کڑوا بھیگا۔

ان لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے برنامہ رکھیں گے تو لڑکا جیتا رہے گا اور یہ شرکیہ افعال شیطان کے سمجھانے سے اور ہندوؤں کے پاس پڑوس اور ماحول میں رہنے کی وجہ سے اختیار کرتے مشرکین عرب شرکیہ نام رکھا کرتے تھے۔ عبد اللات عبد العزیٰ عبد مناف عبد شمس ان جیسے نام ان لوگوں میں رائج تھے۔ نصاریٰ میں اب تک عبد المسیح رکھنے کا رواج ہے۔ یہ سب شرک ہے۔ مسلمانوں کے نام ایسے ہونے چاہئیں جن سے عبدیت کا مظاہرہ ہو اور نام سے یہ شکایت ہو کہ یہ اللہ کا بندہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: تسموا باسماء الانبياء واحب الاسماء الى الله عبد الله و عبد الرحمن واصدقها حارث و همام واقبحها حرب و مرة (رواہ ابوداؤد)

یعنی نبیوں کے ناموں پر اپنے نام رکھو اور ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عبد اللہ و عبد الرحمن ہے اور سب سے زیادہ سچا نام حارث (کسب کرنے والا) اور ہمام (ارادہ کرنے والا) ہے اور سب سے برنامہ حرب (جنگ) اور مرة (کڑوا) ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی سے پہلے لفظ عبد لگا کر اپنے بچوں کے نام رکھیں اور برے ناموں سے پرہیز کریں۔ حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں مسروق بن الاعدع ہوں حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اجدع شیطان کا نام ہے (رواہ ابوداؤد) اور اس کا معنی بھی خراب ہے کیونکہ جس کے ناک کان کئے ہوں عربی میں اس کو اجدع کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم قیامت کے دن اپنے ناموں اور اپنے باپ دادوں کے ناموں سے بلائے جاؤ گے لہذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔ (رواہ ابوداؤد)

اَيُّسِرُكُمْ مَالًا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۖ وَلَا يَسْتَبِيْعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَا

کیا وہ لوگ ان کو شریک بناتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ انکے جاتے ہیں اور وہ انکی مدد پر قدرت نہیں رکھتے اور نہ

اَنْفُسُهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۚ وَاِنْ تَدْعُوهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ

وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں گے تمہارے اعتبار سے برابر ہے

عَلَيْكُمْ اَدْعَوْتُكُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُونَ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو بیشک تم جن کو اللہ کے

عِبَادُ امَّا لَكُمْ فَاَدْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۰۰ اَلْهُمَّ ارْجُلْ

سوا پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو پھر وہ تمہاری پکار کو قبول کر لیں اگر تم سچے ہو؟ کیا انکے پاؤں ہیں

يَمْشُوْنَ بِهَا ۚ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا ۚ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ

جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں

اَمْ لَهُمْ اُذُنٌ يَّمْسَعُوْنَ بِهَا ۚ اَقِلْ اَدْعَاۤءُ شُرَكَآءِكُمْ ثُمَّ كَيْدُوْنَ فَلَا تُنْظَرُوْنَ ۝۱۰۱

یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ فرمادیجئے کہ اپنے شریکوں کو نکالو پھر میرے بارے میں ضرور پہچانے کی جوتجہیر کر سکتے ہو کہ وہ پھر مجھے مہلت نہ دے

اِنَّ وِلٰيَّ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۚ وَهُوَ یَتَوَلّٰی الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰۲ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ

بہیک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے اور جن لوگوں کو

مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرُکُمْ وَلَا اَنْفُسُهُمْ یَنْصُرُوْنَ ۝۱۰۳ وَاِنْ تَدْعُوهُمْ اِلٰی الْهُدٰی

اس کے سوا تم پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں اور اے مخاطب اگر تو ان کو ہدایت کی طرف پکارے

لَا یَسْمَعُوْا وَاَوْ تَرٰهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝۱۰۴

تو وہ نہ سنیں گے اور تو سمجھے گا کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ نہیں دیکھ رہے ہیں

معبودان باطلہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ اپنی مدد
کر سکتے ہیں نہ عبادت گزاروں کی مدد کر سکتے ہیں

تفسیر : اوپر کی آیت میں اولاد کے سلسلہ میں شرک اختیار کرنے کا ذکر تھا ان آیات میں بھی مشرکین کو تنبیہ فرمائی ہے اور شرک اختیار کرنے میں جو انہوں نے حماقت کی ہے اسے بیان فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اسی نے سب کچھ پیدا فرمایا جس نے سب کچھ پیدا فرمایا وہی عبادت کے لائق ہے۔ جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود اپنے خالق جل مجدہ کی مخلوق ہیں وہ کیسے عبادت کے مستحق ہو گئے؟ مشرکین کا یہ طریقہ ہے کہ جب غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ یہ آڑے وقت میں ہماری مدد کریں گے یہ بھی حماقت کی بات ہے جن کو اللہ کا شریک بناتے ہیں وہ ان شرک کرنے والوں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے انکی مدد کرنا تو درکنار وہ تو اپنی ہی مدد کرنے سے عاجز ہیں اگر کوئی شخص انہیں توڑ دے پھوڑ دے تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ انہوں نے جو نور تیاں بنا رکھی ہیں وہ بے جان صورتیں ہیں نہ اپنے پاؤں سے چل سکتے ہیں نہ اپنے ہاتھوں سے پکڑ سکتے ہیں نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے کانوں سے سن سکتے ہیں ان عاجزوں کو اللہ کا شریک بنانا اور ان سے مدد کی امید کرنا سراپا حماقت اور بے عقلی ہے ان کو پکارو تو بات نہ سنیں اور ہدایت کا

راستہ بتاؤ تو اسے اختیار نہ کریں اور حال اُن کا یہ ہے کہ وہ بظاہر اپنی مصنوعی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور حقیقت میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ ان کی آنکھیں اصلی نہیں ہیں جن سے وہ دیکھیں اور کان اصلی نہیں ہیں جن سے وہ سنیں ان بتوں کو خود ہی تراشتے اور خود ہی اُٹھاتے اور رکھتے ہیں اور انہیں پوجتے ہیں۔ یہ بڑی حماقت اور شقاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے معبودوں کا عجز ظاہر فرمایا اور ساتھ ہی اپنے نبی ﷺ سے خطاب فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے معبودوں کو بلا لو اور تم سب مل کر مجھے نقصان پہنچانے کی جو بھی تدبیر کر سکتے ہو کرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو مطلب یہ ہے کہ یہ معبودان باطلہ اور ان کی پرستش کرنے والے آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے مشرکین چونکہ اپنے معبودوں کے شر اور ضرر سے ڈراتے تھے (کما فی سورۃ الزمر وَیَخَوْنَکَ بِاللَّیْلِ مِنْ دُونِهِ) اس لئے نبی اکرم ﷺ سے ان کو چیلنج دلوادیا کہ تم اور تمہارے معبود جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔ ان لوگوں کا عجز ظاہر فرما کر ساتھ ہی معبود حقیقی کا مددگار ہونا بیان فرمایا کہ اللہ میرا ولی ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ اپنے نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کی حفاظت اور حمایت فرماتا ہے۔ جو اُس کا ہو گا دنیا و آخرت میں اسکی حفاظت فرماتا ہے وَهُوَ یَتَوَلَّى الصَّالِحِیْنَ۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَإِنَّمَا یُنْزَغُکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ

معاف کرنے کو اختیار کیجئے اور نیک کاموں کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کیجئے اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے

نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّہٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۲﴾

کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے

اخلاق عالیہ کی تلقین اور شیطان کے وسوسے آنے پر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم

تفسیر: پہلی آیت میں تین باتوں کا حکم دیا اول یہ کہ معاف کیا کیجئے۔ دوسرا یہ کہ بھلائی کا حکم کیجئے اور تیسرا یہ کہ جاہلوں سے اعراض کیجئے۔ اس آیت شریفہ میں مکارم اخلاق بیان فرمائے ہیں۔ صحیح بخاری ص ۲۶۹ ج ۲ میں حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں معافی کا اختیار فرمائیں۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۶۷ ج ۲ میں ہے کہ آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریلؑ سے سوال فرمایا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ حضرت جبریلؑ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ پر جو شخص ظلم کرے اس کو معاف فرمائیں اور جو شخص آپ کو نہ دے اس کو عطا فرمائیں اور جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑے رکھیں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیا پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے فضیلت والے اعمال بتا دیجئے آپ نے فرمایا اے عقبہ جو شخص تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑے رہو اور جو شخص تمہیں نہ دے اس کو دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اُس سے اعراض

کرتے رہو۔ (الترغیب والترہیب ص ۳۳۲ ج ۳)

معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت: چونکہ انسان زنی الطبع ہے یعنی اس کا مزاج میل جول والا ہے اس لئے وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ جب مل جل کر رہے گا تو اپنوں سے اور پرائیوں سے رشتہ داروں سے اور دوسرے لوگوں سے چھوٹوں سے اور بڑوں سے واسطہ پڑے گا۔ جب مخلوق سے تعلق ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی اور مزاج کے خلاف بھی باتیں پیش آئیں گی۔ چھوٹوں سے بھی غلطیاں ہوں گی بڑوں سے بھی کوتاہیاں ہوں گی۔ یہ تکالیف ہیں ان پر صبر کرنا اور درگزر کرنا بہت بڑا عمل ہے اگرچہ بعض حالات میں بدلہ لینا بھی جائز ہے۔ لیکن جتنی تکلیف پہنچی ہو اسی قدر بدلہ لیا جاسکتا ہے۔ اگر زیادتی کر دی تو اب یہ خود ظالم ہو جائے گا۔ سورۃ شوریٰ میں فرمایا:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ.
وَلَمَنْ اتَّصَرَ بِعَدُوِّهِ فَلَا وَلِيَّكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ۖ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ ۖ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ.

(ترجمہ) اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی برائی پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سوائے لوگوں پر کوئی الزام نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں۔ ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے۔ یہ البتہ یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

معاف کر دینے کی فضیلت بہت ہے (اور اگر کسی موقع پر معاف کرنا حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو تو وہ دوسری بات ہے) انسان کے نفس میں جو بدلہ لینے کا جذبہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے معاف کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن جس نے نفس پر قابو پالیا اور معاف کرنے پر آمادہ کر لیا اس کے لئے معاف کرنا آسان ہو جاتا ہے معاف کرنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن اس کا اجر بھی بہت ہے اور مرتبہ بھی بہت بڑا ہے اسی لئے تو فرمایا ہے۔ لَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ اور فرمایا وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ ۖ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ جو شخص بدلہ لینے پر قادر نہ ہو معاف کر دینا اس کے لئے بھی بڑے ثواب کی چیز ہے لیکن جو شخص انتقام لینے کی قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے اس کا مرتبہ بہت زیادہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ بن عمران (رسول بنی اسرائیل) علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟ اللہ تعالیٰ شانہ نے جواب دیا کہ جو شخص قدرت رکھتے ہوئے بخش دے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ص ۳۱۹ ج ۶)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو معاف فرمانا: حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔ بھائیوں نے انہیں کنوئیں میں ڈال دیا پھر چند ملکوں کے عوض انہیں بیچ دیا پھر جب برسوں کے بعد مصر میں ان کے

پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم خطا کار تھے تو انہوں نے جواب میں فرمادیا۔ لَا تُؤْتِبُ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ بِغُفْرَانِ اللَّهِ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (یوسفؑ نے فرمایا کہ تم پر آج کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے)

فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کا اہل مکہ سے برتاؤ: سید الاولین والاخرین ﷺ کے ساتھ مکہ والوں نے کیا کچھ نہ کیا، کیسی کیسی تکلیفیں دیں آپ کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ پھر جب آپ فتح مکہ کے موقع پر صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ کیا خیال کرتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ اہل مکہ نے کہا: اَخْ كَرِيمٌ وَابْنُ اَخْ كَرِيمٍ کہ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے ان کو وہی جواب دیا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو جواب دیا تھا، اور فرمایا: لَا تُؤْتِبُ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔

درحقیقت اخلاق عالیہ ہی سے اہل حق جیتتے ہیں اور انہی کے ذریعہ اسلام کی دعوت عام ہوئی ہے۔ اخلاق عالیہ میں معاف اور درگزر کرنے کا بڑا دخل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جان کے لئے کبھی کسی بارے میں کوئی انتقام نہیں لیا ہاں جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے ان کی بے حرمتی ہوتی تھی تو آپ انتقام لے لیتے تھے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ بحکلف فحش گوئی اختیار کرتے تھے نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے اور برائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے تھے اور درگزر کرتے تھے (رواہ الترمذی) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے آنٹھ سال کی عمر سے لے کر دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، آپ نے مجھے کسی ایسے نقصان کے بارے میں کبھی ملامت نہیں فرمائی جو میرے ہاتھوں ہو گیا ہو، اگر آپ کے گھروالوں میں سے کوئی شخص ملامت کرنے لگتا تو فرماتے تھے اسے چھوڑ دو کیونکہ جو چیز مقدر ہو چکی وہ ہونی ہی تھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم خادم کو کتنی مرتبہ معاف کریں۔ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری بار پھر سوال کیا آپ نے فرمایا روزانہ ستر بار معاف کرو۔ (رواہ ابوداؤد و ترمذی و مشکوٰۃ ص ۲۹۲) **فائدہ:** معاف کرنے کی فضیلت اور ضرورت جو اوپر بیان کی گئی اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ بچوں اور خادموں کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا جائے اور ان کی تربیت نہ کی جائے، بلکہ تربیت بھی کی جائے اور درگزر بھی کیا جائے۔ اگر کوئی سزا دی جائے تو اپنا غصہ اُتارنے اور انتقام کے لئے نہ ہو بلکہ انکی خیر خواہی مقصود ہو۔ سوچ سمجھ کر بقدر ضرورت سزا دی جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ سزا مفید ہوگی یا مضر، اگر بچوں پر قابو نہ کیا جائے تو یہ بھی کوئی نیکی نہیں ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَانْفِقْ عَلٰی عِبَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ اَدْبَا وَ اخْفَهُمْ فِي اللَّهِ (رواہ احمد کما فی مشکوٰۃ ص ۱۸ ج ۱) اور اپنے عیال پر اپنا

اچھا مال خرچ کرو اور ان سے لاشی اٹھا کر مت رکھو جس کی وجہ سے وہ تمہاری گرفت سے مطمئن ہو جائیں اور احکام خداوندی کو فراموش کر دیں اور انہیں اللہ کے احکام و قوانین کے بارے میں ڈراتے رہو۔

امر بالمعروف: آیت بالا میں دوسری نصیحت یوں فرمائی وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ یعنی بھلائیوں کا حکم دیا کرو بھلائیوں کا حکم دینا بھی ہمارا اخلاق اور فضائل اعمال اور محاسن افعال میں سے ہے اور دین اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہت بڑی فضیلت ہے جس کے بارے میں ہم تفصیل سے سورۃ آل عمران کی آیت: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْعُرْفِ کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔ (انوار البیان ج ۲)

جاہلوں سے اعراض کرنا: تیسری نصیحت یوں فرمائی وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔ (اور جاہلوں سے اعراض کرو) یہ بھی بہت اہم نصیحت ہے اور اس پر عمل کرنے سے مومن بندہ اپنے نفس کے شر سے اور جاہلوں کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ سوال جواب اہل علم تک محدود رہے تو مناسب رہتا ہے۔ اور جاہلوں سے سوال جواب اور بحث کی جائے تو وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور جاہل اپنی جہالت کی وجہ سے صاحب علم کو خاموش کر کے یہ سمجھتا ہے کہ میں جیت گیا۔ صاحب علم کے اخلاق فاضلہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جاہلوں سے نہ اُلجھے اور ان سے دور رہے اور جاہل کی طرف سے کوئی زیادتی ہو تو اسے برداشت کرے اور درگزر کر دے۔ عالم اگر جاہل کے جاہلانہ افعال و اقوال اور اطوار و عادات کا مقابلہ کرے گا تو علم کا کام چھوڑ بیٹھے گا اور جاہلوں ہی سے بھڑتا رہے گا۔ اگر کوئی جاہل شخص شرعی مسئلہ پوچھے تو اسے بتا دے لیکن اس سے بحث نہ کرے نہ اسے بحث کرنے دے۔ جاہل کو منہ لگانے میں اپنی آبرو کا بھی نقصان ہے۔ اور علمی کاموں سے بھی حرمان ہے۔

شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ لینے کا حکم: دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: وَأَمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے بلاشبہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے)

درمنثور ص ۱۵۴ ج ۳ میں بحوالہ ابن جریر نقل کیا ہے کہ جب آیت شریفہ: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا کہ اے رب غصہ کی حالت میں کیا کیا جائے (غصہ انتقام پر اُبھارتا ہے اور معاف کرنے سے روکتا ہے) اس پر اللہ جل شانہ نے آیت وَأَمَّا يَنْزَغَنَّكَ (آخر تک) نازل فرمائی۔ لفظ نزغ کچھ کہ دینے اور اُبھارنے اور وسوسہ ڈالنے اور کسی کام پر آمادہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ شیطان انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ غصہ اور انتقام پر اُبھارتا رہتا ہے اور ایسے دوسوے دل میں ڈالتا ہے کہ انسان معاف کرنے یا درگزر کرنے پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔ شیطان کا شر اور وسوسہ دفع کرنے کا یہ علاج بتایا کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگی جائے اس سے شیطان ذلیل ہوگا اور وسوسہ ڈالنے سے پیچھے ہٹے گا۔

سورۃ مومنون میں فرمایا: وَقُلْ رَبِّ اعْزُذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (اور آپ یوں کہیے کہ اے رب میں آپ کی پناہ لیتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے اور اے رب اس بات سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں) ایمانیات میں وسوسہ آنے پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس شیطان آئے گا چودہ کہے گا کہ یہ کس نے پیدا کیا یہ کس نے پیدا کیا۔ یہاں تک کہ یوں کہے گا کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا۔ سو جب وہ اس سوال پر پہنچ جائے تو یوں کہے۔
 اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔ پھر بائیں طرف تین بار تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے۔ (رواہ ابوداؤد)

غصہ کا علاج: حضرت سلیمان بن صررضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ دو آدمیوں نے آپس میں گالی گلوچ شروع کر دی ان میں سے ایک شخص کا چہرہ غصہ کی وجہ سے سُرخ ہو رہا تھا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اسے کہہ لے تو یہ جو کیفیت اپنے اندر محسوس کر رہا ہے (یعنی غصہ) وہ ختم ہو جائے اور وہ کلمہ یہ ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے)

صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات اس شخص سے کہہ دی تو اس نے کہا کہ بے شک میں دیوانہ ہوں۔ (رواہ البخاری ص ۹۰۳ ج ۲)

(علماء نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ غصہ میں بھرا ہوا تھا جس کی وجہ سے بے ادبی کا کلمہ بول دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ شخص منافق ہو یا دیہات کا رہنے والا اکھڑ آدمی ہو) وسوسہ اور غصہ کے دفعیہ کے لئے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھنا مجرب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ﴿۱۰۵﴾

بلاشبہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی خطرہ پہنچ جاتا ہے تو وہ ذکر میں لگ جاتے ہیں۔ سواچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿۱۰۶﴾

اور جو لوگ شیاطین کے بھائی ہیں شیاطین ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں سو وہ کمی نہیں کرتے

شیطان سے بچنے والوں اور شیطان کے دوستوں کا طریقہ

تفسیر: آیت بالا وَاَمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ میں حکم فرمایا کہ جب شیطان کا وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگئے ان دو آدمیوں میں شیطان سے بچنے والوں اور شیطان سے دوستی کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب شیطان ان کے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے اور بہکانے کی کوشش کرے تو فوراً اللہ کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ اس کے عموم میں مطلقاً اللہ کا ذکر کرنا بھی شامل ہے اور اللہ کے عقاب و ثواب کو ذہن میں لا کر شیطان کے وسوسوں سے بچنا اور ان پر عمل نہ کرنا بھی شامل ہے۔ اللہ کا ذکر شیطان کو دور کرنے کے لئے بہت بڑا اہتیار ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان انسان کے دل پر مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہے۔ سو جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو

شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان دوسو سے ڈالنے لگتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹)
 سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں جو ”مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِي يُّوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْغَيْۃِ وَالنَّاسِ“ فرمایا ہے اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ شیطان دوسو سے ڈالتا ہے اور (اللہ کا ذکر کرنے پر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔
 فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ۔ یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے جب شیطان کا دوسوہ آنے پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس سے استعاذہ کرتے ہیں تو اس سے فوراً چونک جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ شیطان کی شرارت فوراً واضح ہو جاتی ہے اور خطا و صواب کا پتہ چل جاتا ہے۔

متقین کا ذکر فرمانے کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی ان کے ساتھ ان کا خاص تعلق ہے وہ شیطان کے دوسووں سے نہیں بچتے۔ بلکہ ان پر عمل کرتے ہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو شیاطین ان کو گمراہی میں برابر کھینچنے لگتے جاتے ہیں اور ان کو گمراہ کرنے پر گمراہی میں آگے بڑھانے کے بارے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ جس نے شیطان کا تھوڑا سا تھد دیا اسکی بات کو مانا تو وہ اس کو برابر گمراہی کے راستہ پر چلاتا رہتا ہے اور اسے دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ

اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہ لائیں تو کہتے ہیں کہ آپ نے یہ معجزہ کیوں نہ اختیار کیا آپ فرمادیجئے کہ میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے

رَبِّي هَذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۶﴾

رب کی طرف سے میری طرف ہی کی جاتی ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے ہدایت کی باتیں ہیں اور ہدایت ہیں اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں

فرمائی معجزات طلب کرنے والوں کا جواب

تفسیر: آنحضرت سرور عالم ﷺ دلائل واضحہ کے ساتھ دعوت حق دیتے تھے حق پہچاننے کے لئے سب سے بڑی چیز دلائل عقلیہ ہی ہیں اس کے باوجود اللہ جل شانہ کی طرف سے معجزات کا ظہور بھی ہوتا رہتا تھا لیکن معاندین کہتے تھے کہ جو معجزہ ہم چاہیں ایسا معجزہ ظاہر ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں معجزہ ظاہر کرنا نہ تھا۔ اللہ جل شانہ کی جب مشیت ہوتی تھی تو معجزے ظاہر ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ چاہتا تو لوگوں کے فرمائشی معجزے بھی ظاہر فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ لوگوں کے کہنے کے مطابق معجزہ ظاہر فرمائے پھر ان لوگوں کا فرمائشی معجزہ طلب کرنا بھی عناد اور تعنت کے طور پر تھا۔ حق قبول کرنا مقصود نہ تھا اسی لئے معجزات کو جادو بتا دیتے تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ معجزہ ظاہر ہونے میں دیر ہوئی یا ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر نہ ہوا تو بطور عناد اعتراض کرنے لگے۔ آیت کریمہ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا میں معاندین کا شر پسندانہ اعتراض نقل فرمایا ہے کہ آپ نبوت کے دعویدار ہیں۔ آپ نے اپنے پاس سے کوئی معجزہ کیوں ظاہر نہ کر دیا یا یہ مطلب تھا کہ اللہ سے کیوں یہ بات نہ منوالی تاکہ وہ ہمارا فرمائشی معجزہ ظاہر کر دیتا اس کے جواب میں فرمایا۔

قُلْ إِنَّمَا آتَيْنَاهُ مِثْلًا يُوقِنُ (آپ فرمادیجئے کہ میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے) مطلب یہ ہے کہ میرا کام تو بس یہ ہے کہ وحی کا اتباع کروں۔ میرے ہاتھ میں معجزوں کا ظاہر کرنا نہیں ہے اور فرامشی معجزہ ظاہر ہونے پر ایمان قبول کرنے کو موقوف رکھنا حماقت ہے اور ضد و عناد ہے۔ بہت سے معجزات ظاہر ہو چکے ہیں لیکن تم ایمان نہیں لاتے۔

قرآن میں بصیرت کی باتیں ہیں اور رحمت اور ہدایت ہے

جیسے حق قبول کرنا ہو اس کے لئے قرآن کریم ہی بہت بڑا معجزہ ہے۔ لفظی معجزہ بھی ہے اور معنوی بھی جو حقائق اور معارف پر مشتمل ہے۔ اسکے ہوتے ہوئے طالب حق کو اور کسی معجزہ کی ضرورت نہیں اسی کو فرمایا هَذَا بَصَائِرُ مِنْ لَدُنْكَ (یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں) نیز یہ بھی فرمایا کہ۔ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (اور یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں)

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۰۷﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے احکام و آداب

تفسیر: ان آیات میں قرآن مجید سننے کا حکم فرمایا ہے اور بعض احکام و آداب ارشاد فرمائے ہیں۔ پہلے تو یہ فرمایا کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے دھیان سے سنو اور خاموش رہو اول تو قرآن پڑھنے والے کو چاہئے کہ قرآن پڑھنے میں اسکا خیال رکھے کہ جن کانوں میں آواز پہنچ رہی ہے وہ لوگ کام کاج اور نیند میں تو مشغول نہیں ہیں۔ اگر لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہوں یا سو رہے ہوں تو اونچی آواز سے تلاوت نہ کرے کیونکہ کام میں لگے ہوئے لوگ قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ پڑھنے والے پر لازم ہے کہ ایسی صورت حال پیدا نہ کرے کہ حاضرین کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز آ رہی ہو اور کام کاج میں مشغولیت کی وجہ سے قرآن مجید سننے کی طرف توجہ نہ کر سکیں۔ قاری جب یہ دیکھے کہ توجہ سے سننے والے موجود ہیں تو زور کی آواز سے تلاوت کرے جو لوگ مشغول نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ خاموش رہیں اور دھیان لگا کر سنیں اگرچہ سمجھتے بھی نہ ہوں۔ قرآن پڑھا جا رہا ہو اور باتیں کر رہے ہیں یہ قرآن مجید کی بے ادبی ہے یہ حکم کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموش رہو اور دھیان سے سنو نماز اور خارج نماز دونوں کو شامل ہے جو لوگ امام کے پیچھے نماز میں کھڑے ہوں ان کے لئے تو غافل ہونے کا موقع ہی نہیں ہے۔ کاروبار اور دکان چھوڑ کر آتے ہیں مسجد میں موجود ہیں اور جب تک نماز میں ہیں دنیا کا کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ پھر بھی امام کی قرأت کی طرف متوجہ نہ ہوں تو یہ سخت محرومی کی بات ہے۔

امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ یا کوئی سورت پڑھنا ممنوع ہے۔

آیت بالا میں قرآن مجید کی تلاوت کے سننے اور تلاوت کے وقت خاموش رہنے کا جو حکم فرمایا ہے یہ حکم نماز کی مشغولیت کے وقت کو اور خارج نماز کو عام ہے نیز صحیح مسلم ص ۴۷۱ ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا و اذا قرا فانصتوا (کہ جب امام پڑھے تو خاموش رہو) امام مسلم نے نہ صرف اس حدیث کی تخریج کی بلکہ بالصریح یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے الفاظ بھی عام ہیں جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہیں۔

امام کے پیچھے قراءت نہ پڑھنے کے بارے میں حضرات صحابہؓ کے ارشادات

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے آثار و اقوال سے بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حضرت عطاء بن یسار تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام کے ساتھ قرأت پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا۔ لا قراءة مع الإمام فی شئ (صحیح مسلم ص ۴۱۰ ج ۱) یعنی امام کے ساتھ نماز میں کوئی بھی قرأت نہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: من صلی رکعة لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام یعنی جس شخص نے کوئی رکعت پڑھی جس میں ام القرآن (سورۃ فاتحہ) نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو (اگر امام کے پیچھے ہو تو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے (قال احمد وهذا رجل من اصحاب النبی ﷺ تاول قول النبی ﷺ لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب ان هذا اذا كان وحده)۔

شرح معانی الآثار للامام الطحاوی (باب القراءة خلف الامام) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ من قرا خلف الامام فلیس علی الفطرة (کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت پڑھے وہ فطرت پر نہیں ہے) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا انصت للقراءة فان فی الصلوة شغلا فسیکفیک ذلک الامام (قرأت کے لئے خاموش ہو جاؤ کیونکہ نماز میں مشغولیت ہے اور اس بارے میں امام تمہاری طرف سے کافی ہے) نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: لیت الذی یقرأ خلف الامام ملنی فمہ ترابا (کاش اس کے منہ میں مٹی بھر دی جاتی جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے) حضرت ابن عباسؓ سے ابو جمرہ نے دریافت کیا میں امام کے پیچھے پڑھوں؟ تو جواب میں فرمایا کہ نہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے جب ان سے پوچھا گیا کہ امام کے پیچھے پڑھا جائے تو فرمایا: اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبہ قراءة الامام۔ (جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قراءت کافی ہے) یہ سب آثار شرح معانی الآثار میں مروی ہیں۔

امام مالک اور امام احمدؒ کا مذہب: اب دیگر ائمہ کے مذاہب کی طرف رجوع فرمائیے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب بھی یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ یا کوئی اور سورت پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ علیہ کا قول قدیم یہ تھا کہ امام کے پیچھے جہری میں قرأت واجب نہیں ہے اور قرأت سری میں واجب ہے اور ان کا قول جدید یہ ہے کہ سری نماز ہو یا جہری مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب آیت قرآنیہ اور حدیث صحیح اور آثار صحابہ سے مؤید ہے اور حضرت امام مالک اور امام احمد بن حنبل بھی امام کے پیچھے پڑھنے کی فرضیت کے منکر ہیں ان کے نزدیک امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور نہ کوئی دوسری سورت البتہ بعض احوال میں ان کے نزدیک سورۃ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔ (کما ذکر فی کتب منہم)

قال ابن قدامة الحنبلي في المغني ص ٢٠٠ ج ١ والمأموم إذا سمع قراءة الإمام فلا يقرأ بالحمد ولا بغيرها لقول الله تعالى وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون ط ولما روى ابوهريرة رضي الله عنه ان النبي ﷺ قال: مالي أنزع القرآن قال: فأنتهى الناس أن يقرؤا فيما جهر فيه النبي ﷺ. وجملة ذلك ان المأموم إذا كان يسمع قراءة الإمام لم تجب عليه القراءة ولا تستحب عند امامنا والزهرى والثوري ومالك وابن عيينة وابن المبارك واسحاق واحد قولي الشافعي ونحوه عن سعيد بن المسيب وعروة بن الزبير وأبي سلمة بن عبد الرحمن وسعيد بن جبير وجماعة من السلف والقول الآخر للشافعي يقرأ فيما جهر فيه الإمام ونحوه عن الليث والأوزاعي وابن عون ومكحول وأبي ثور لعموم قوله عليه السلام "لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" متفق عليه ولنا قول الله تعالى: وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحموا ط وقال احمد فالناس على أن هذا في الصلوة. وعن سعيد بن المسيب والحسن و ابراهيم ومحمد بن كعب والزهرى أنها نزلت في شأن الصلوة. وقال زيد بن أسلم وابو العالية كانوا يقرأون خلف الإمام فنزلت وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحموا وقال احمد في رواية ابى داود أجمع الناس على أن هذه الآية في الصلوة ولأنه عام فيتناول بعمومه الصلوة وروى ابوهريرة قال: قال رسول الله ﷺ إنما جعل الإمام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا رواه مسلم (الى ان قال) قال أحمد ما سمعنا أحدا من اهل الاسلام يقول إن الإمام إذا جهر بالقراءة لا تجزئ صلوة من خلفه إذا لم يقرأ وقال هذا النبي ﷺ وأصحابه والتابعون وهذا مالك في اهل الحجاز وهذا الثوري في اهل العراق وهذا الاوزاعي في اهل الشام وهذا الليث في اهل مصر ما قالوا لرجلي صلى وقرأ امامه ولم يقرأ هو صلوته باطلة ولأنها قراءة لا تجب على المسبوق فلم تجب على غيره كالسورة فاما حديث عبادة الصحيح فهو محمول على غير المأموم وكذلك حديث أبى هريرة قد جاء مصرحا به رواه الخلال بإسناده عن جابر أن النبي ﷺ قال كل صلوة لا يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج إلا أن تكون وراء الإمام وقد روى ايضا موقوفا عن جابر وقول ابى هريرة إقرأ بها في نفسك من كلامه وقد خالفه جابر وابن الزبير وغيرهما ثم يحتمل انه اراد اقرأ بها في سكتات الإمام أوفي حال اسراره فإنه

یروی أن النبی ﷺ قال: إذا قرأ الإمام فانصتوا، والحديث الآخر وحديث عبادة الآخر فلم يروه غير ابن اسحاق كذلك قاله الامام احمد وقد رواه ابو داود عن مكحول عن نافع بن محمود بن الربيع الانصاري وهو اذنى حالا من ابن اسحاق فإنه غير معروف من اهل الحديث وقياسهم يبطل بالمسبوق (ثم قال بعد سطور) الاستحباب ان يقرأ في سكتات الامام وفي مالا يجهر فيه (الى ان قال) فان لم يفعل فصلواته تامة لان من كان له امام فقراءة الامام له قراءة، وجملة ذلك ان القراءة غير واجبة على المأموم فيما جهر به الامام ولا فيما اسره نص عليه احمد في رواية الجماعة وبذلك قال الزهري والثوري وابن عينية وما لك وابن حنفية واسحاق اهـ (علامہ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں کہا ہے مقتدی جب امام کی قرأت سن رہا ہو تو یہ فاتحہ پڑھے اور نہ کوئی اور سورۃ وغیرہ پڑھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو اور حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت کی وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا..... کیا یہ کہ میرے ساتھ قرآن کریم میں جھگڑا کیا جاتا ہے..... حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اس کے بعد لوگ ان نمازوں میں فاتحہ پڑھنے سے رک گئے جن میں حضور ﷺ جہر سے تلاوت فرماتے تھے۔ اور اسی کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی جب امام کی قراءت سنے تو اس پر قراءت واجب نہیں ہے اور نہ مستحب ہے ہمارے امام کے نزدیک اور زہری، ثوری، مالک، ابن عیینہ، ابن المبارک، الشافعی اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق اسی طرح ہے اور حضرت سعید بن المسیب، عروہ ابن الزبیر، ابوسلمہ، اور سعید بن جبیر اور سلف کی ایک جماعت سے بھی یہی مروی ہے اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ جس نماز میں امام جہر کرے اس میں بھی مقتدی پڑھے اور اسی طرح منقول ہے حدیث اوزاعی، ابن عون، مکحول اور ابو ثور سے حضور ﷺ کے ارشاد لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب (اس آدمی کی نماز نہیں ہے جو فاتحہ نہ پڑھے) کے عام ہونے کی وجہ سے۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَاِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ امام احمد فرماتے ہیں عام اہل علم اسی پر ہیں کہ یہ حکم نماز کے بارے میں ہے۔ حضرت سعید بن المسیب، حسن، ابراہیم، محمد بن کعب، زہری سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور زید بن اسلم اور ابو العالیہ فرماتے ہیں لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ابو داؤد کی روایت کے مطابق سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ آیت عام ہے جو نماز کو بھی شامل ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا امام اسی لئے بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قراءت کرے تو تم خاموش رہو (رواہ مسلم) یہ بھی کہا ہے کہ امام احمد کہتے ہیں ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے یہ نہیں سنا ہے کہ امام جب جہر سے قراءت کرے تو قراءت نہ کرنے والے مقتدی کی نماز نہیں ہوتی اور کہا کہ یہ حضور ﷺ ہیں اور یہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور تابعین ہیں یہ امام مالک ہیں حجاز میں اور اہل عراق میں امام ثوری ہیں اور اہل شام میں اوزاعی ہیں اور اہل مصر میں لیث ہیں کہ انہوں نے امام کی قراءت کے پیچھے قراءت نہ کرنے والے کسی آدمی کو یہ نہیں کہا کہ تیری نماز باطل ہے۔ اور اس لئے بھی مقتدی پر واجب نہیں کہ

مسبق پر واجب نہیں ہے تو سورۃ کی طرح دوسروں پر بھی واجب نہیں ہے۔ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیح و منفرد کیلئے ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو اس کی مراحت ہے خلال نے اپنی سند سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو یہ ہے کہ اسے اپنے دل میں پڑھ یہ ان کا اپنا قول ہے۔ کیونکہ حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ نے اس کی مخالفت کی ہے پھر یہ احتمال ہے کہ آپ کا مقصد یہ ہو کہ امام جب سکتے کرے تو اس میں پڑھ لو یا اس کی خاموشی کے وقت پڑھ لے کیونکہ انہوں نے ہی روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور دوسری حدیث اور حضرت عبادۃ کی دوسری حدیث اسے ابن اسحاق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔ امام احمد نے بھی یہی کہا ہے اور ابوداؤد عن کھول عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری والی جو روایت ہے وہ ابن اسحاق سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ کیونکہ وہ محدثین میں غیر معروف ہے اور ان کا مسبق پر قیاس باطل ہے (کچھ سطروں کے بعد ہے) کہ مستحب یہ ہے کہ امام کے سکتوں میں پڑھے اور غیر جہری میں پڑھے..... اگر ایسا نہ کرے تو بھی نماز تمام ہو جائے گی کیونکہ جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لئے کافی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقتدی پر قراءت واجب نہیں ہے نہ جہری نمازوں میں نہ سری میں ایک پوری جماعت کی روایت کے مطابق امام احمد نے اسی کی صراحت کی ہے اور قول ہے زہریؒ ابن عیینہؒ مالکؒ اور ابو حنیفہؒ اور اسحاقؒ کا۔

حضرت امام شافعیؒ کا قول جدید بعض جماعتوں نے اختیار کر لیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اسکی نماز ہوتی ہی نہیں۔ دیگر مسائل اختلافیہ کی طرح اس مسئلہ میں بھی صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا دونوں طرف دلائل ہیں پھر اس میں اتنا غلو ہونا کہ جو حضرات فاتحہ خلف الامام کی فرضیت کے قائل نہ ہوں (جن میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی ہیں جو جماعت مذکورہ کے نزدیک امام الحدیث اور امام السنہ ہیں) ان کو خطا کار بتانا اور جو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کے بارے میں قسمیں کھا کھا کر یہ کہنا کہ ان کی نماز ہوتی ہی نہیں سراسر تعذبی ہے۔ قیامت کے دن جب نمازوں کا اجر و ثواب ملے گا تو ان سے پوچھا بھی نہ جائے گا کہ بتاؤ جس نے تمہاری رائے کے مطابق نماز نہ پڑھی اسے جنت میں بھیجا جائے یا نہیں؟

فائدہ: جب قرآن مجید پڑھا جائے نماز کے اندر ہو یا نماز سے باہر اس کے بارے میں حاضرین کو حکم دیا کہ قرآن کو سنیں اور خاموش رہیں یہ قرآن کا ادب ہے اور احترام ہے جس طرح سامعین کو حکم ہے کہ قرآن سنیں اور کان دھریں اور خاموش رہیں اس طرح حضرات فقہاء کرام نے قرآن پڑھنے والے کو بھی ہدایت دی ہے جہاں لوگ کام کاج اور کاروبار میں لگے ہوئے ہوں وہاں زور سے قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے یہ جو لوگوں نے طریقہ نکال رکھا ہے کہ ایسے مواقع میں کیسٹ یا ریڈیو کھول دیتے ہیں جہاں لوگ قرآن سننے کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتے یا بیٹوں میں لاؤڈ سپیکر لگا کر محلوں میں بازاروں میں قرآن مجید کی آواز پہنچاتے ہیں اس میں قرآن مجید کے بے ادبی ہے جہاں لوگ سورہ ہوں وہاں بھی زور سے تلاوت نہ کریں۔

آیت کے ختم پر جو لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن کے آداب بحالائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے اس سے بات کا دوسرا رخ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کی بے حرمتی اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کی گرفت کا سبب ہے۔

وَإِذْ كُنَّا فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُؤْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ

اور اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے اپنے رب کو یاد کیجئے جو زور کی بات سے کچھ کم ہو صبح کے وقت

وَالْأَصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ۝۱۹ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ

اور شام کے اوقات میں اور غفلت والوں میں سے مت ہو جانا بے شک جو لوگ آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے

عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝۲۰

اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ اور اس کو سجدہ کرتے ہیں

ذکر اللہ کا حکم اور اس کے آداب

تفسیر: اس سے پہلی آیات میں قرآن مجید کو بصائر اور ہدایت و رحمت بتایا اور قرآن کا ادب سمجھایا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو دھیان سے سنو اور چپ رہو اب یہاں مطلق ذکر کا حکم فرمایا ہے اور اس کے بعض آداب بتائے ہیں۔ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ اسی کی وجہ سے ساری دنیا آباد ہے۔ صحیح مسلم ص ۸۴ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہو گی جب تک زمین پر اللہ کا کہا جاتا رہے گا نماز بھی اللہ کے ذکر کے لئے ہے۔ کما قال تعالیٰ اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا: وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ (اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے) سورہ بقرہ میں فرمایا: فَادْكُرُوا اللَّهَ أَكْثَرَ مَا كُنْتُمْ تَدْكُرُونَ (سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو)

صحیح مسلم ص ۱۲۶ ج ۱ میں ہے۔ کان النبی ﷺ يذکر اللہ علی کل احیائہ (کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے) مومن بندے دل کو بھی اللہ کے ذکر سے معمور رکھیں اور زبان سے بھی اللہ کی یاد میں مشغول رہیں۔ تسبیح تحمید تکبیر تہلیل یہ سب اللہ کا ذکر ہے ان کی فضیلتیں بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ اگر زندگی کے مختلف اوقات میں متعلقہ مسنون دُعائیں پڑھیں اور ان دُعائوں کا اہتمام کریں تو زندگی کے عام حالات میں اور مختلف اوقات میں اللہ کی یاد ہوتی رہے گی سوتے جاگتے کھاتے پیتے وقت گھر سے نکل کر اور گھر میں داخل ہو کر اور کپڑا پہنتے وقت سواری پر سوار ہوتے وقت سفر کے لئے روانہ ہوتے وقت کسی منزل پر اترنے کے بعد جہاد کرتے وقت ابتلاء مصائب کے مواقع میں بازار میں پہنچ کر اور ہر مجلس میں وہ دعائیں پڑھی جائیں جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں۔ اور صبح شام کے اوقات کو خاص طور سے ذکر میں مشغول رکھا جائے۔ ان اوقات کی مسنون دعائیں بھی اہتمام سے پڑھی جائیں علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے حصن حصین میں مختلف احوال و اوقات کی دعائیں لکھ دی ہیں اور راقم الحروف نے بھی اپنی کتاب فضائل دُعاء میں جمع کر دی ہیں۔ تلاوت بھی ذکر ہے اور دعاء بھی، تہلیل تسبیح تحمید تکبیر بھی ذکر ہے اور درود شریف بھی ذکر میں شامل ہے کیونکہ اس میں اللہ

سے سوال کیا جاتا ہے کہ اپنے رسول (ﷺ) پر رحمت بھیجے استغفار بھی ذکر ہے ان سب چیزوں میں مشغول رہنا چاہئے۔

ذکر خفی کی فضیلت: اللہ کا ذکر آہستہ آہستہ کرنا افضل ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ خیر الذکر الخفی (رواہ احمد فی مسندہ ص ۲۷۱ ج ۱ عن سعد بن مالک مرفوعاً) (کہ بہتر ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو) اور صرف دل میں بلا حرکت زیادہ اللہ کی ذات و صفات کا دھیان کرنا جس کو تفکر و مراقبہ کہا جاتا ہے یہ بھی ذکر خفی ہے۔ ذکر پوشیدہ ہو اور تضرع اور زاری کے ساتھ ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ہو اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور زور سے ذکر کرنا بھی درست ہے لیکن ایسا نہ چہچہے کہ جان کو تھکا ڈالے بلکہ آواز بھی ہوتو ہلکی آواز ہو اسی کو فرمایا وَخَوْنُ السَّجْوَ مِنْ الْقَوْلِ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے لوگوں نے زور زور سے اللہ اکبر کہنا شروع کیا آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم ایسے معبود کو نہیں پکار رہے ہو جو بہرا ہو اور غائب ہو تم تو ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سمیع ہے اور بصیر ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ قسم اس ذات کی جسے تم پکار رہے ہو وہ تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنی قریب تمہاری اونٹنی کی گردن ہے یہ بیان فرما کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں آپ کے پیچھے تھا اور دل میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن قیس (یہ ابو موسیٰ کا نام ہے) کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتا دوں؟ پھر فرمایا کہ وہ خزانہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۱ از بخاری و مسلم)

ذکر جہر کرنے میں یہ بھی دھیان رہے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو اور سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر نیک کام اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے جو بھی کوئی کام دکھاوے کے لئے یا مخلوق کو معتقد بنانے کے لئے یا اپنی بزرگی جمانے کے لئے ہو گو بظاہر نیک ہی ہو وہ حقیقت میں نیک نہیں ہوتا اور نہ صرف یہ کہ اس کا ثواب نہیں ملتا بلکہ وبال اور عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص (احکام و آداب کی رعایت کرتے ہوئے) زور سے ذکر کرے لیکن مقصود اللہ کی رضا ہو تو اس کا ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص ذکر خفی کرے اور پھر ترکیب سے لوگوں کو ظاہر کر دے تاکہ لوگ اس کے معتقد ہوں تو ایسا ذکر خفی بھی مقبول نہیں ہوگا اور یہ عمل باعث مؤاخذہ ہوگا ریا کاری کا تعلق اندر کے جذبہ سے ہے لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام ریا نہیں ہے بلکہ لوگوں میں عقیدت جمانے کے جذبہ کا نام ریا ہے۔ آیت شریفہ میں اول تو یہ فرمایا کہ اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اپنے دل میں اور ڈرتے ہوئے یاد کرو پھر یہ فرمایا کہ ایسی آواز سے یاد کرو جو زور کی آواز کی بہ نسبت کم آواز ہو۔

صبح شام اللہ کا ذکر کرنا: پھر فرمایا بِالْخُذُو وَالْأَصَالِ کہ صبح شام اپنے رب کو یاد کرو صاحب روح المعانی (ص ۱۰۰ ج ۹) لکھتے ہیں کہ صبح شام کا خصوصی ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ فراغت کے اوقات ہیں۔ ان اوقات میں دل کی توجہ ذکر کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان اوقات میں فرشتوں کا آنا جانا ہوتا ہے ایک جماعت آتی ہے دوسری جاتی ہے اس لئے ان اوقات کو خاص طور سے ذکر فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دوام ذکر مراد ہے کہ ہر وقت ذکر کرو۔

غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ: پھر فرمایا: وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ (غفلت والوں میں سے نہ ہو جانا) یعنی

اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے رہنا اور اسکی یاد سے غافل نہ ہونا۔

فرشتوں کی تسبیح اور عبادت: اس کے بعد اللہ جل شانہ نے ملائعہ اعلیٰ کے فرشتوں کی تسبیح اور عبادت کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ بلاشبہ جو تیرے رب کے مقرب بندے ہیں وہ اپنے رب کی عبادت سے استکبار نہیں کرتے یعنی اپنی ذات کو بڑی نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے اللہ کی عبادت سے روگردانی کریں وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ جانتے اور مانتے ہیں اور بندگی کے آداب بجالاتے ہیں اور اپنی مملوکیت اور عاجزی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے لئے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اسی کو سورۃ نساء میں یوں بیان فرمایا: لَنْ يَسْتَنكِفَكَ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ يَكُوْنَ عَبْدًا لِلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنكِفَكَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْمِلْ غُرْمًا كَافٍ جَمِيعًا۔ (مسبح نے اور مقرب فرشتوں نے ہرگز اس سے استکفاف نہیں کیا کہ اللہ کے بندے نہیں اور جو شخص اس کی عبادت سے استکفاف کرے گا تو وہ انہیں عنقریب دوزخ میں جمع فرمادے گا) (استکفاف کا معنی یہ ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھے اور کسی کام کو اپنی شان کے خلاف جانے)

سجدہ تلاوت کا بیان: اس آیت پر سورۃ اعراف ختم ہو رہی ہے اور یہ پہلی جگہ ہے جہاں قرآن مجید میں سجدہ تلاوت آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرات ملائکہ علیہم السلام کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے اندر بڑائی نہیں کرتے جسکی وجہ سے اپنے رب کی عبادت سے منہ موڑیں بلکہ وہ اسکی تسبیح بیان کرتے ہیں اور مومن بندوں کے لئے سجدہ تلاوت مشروع فرمایا تاکہ وہ بھی ملائعہ اعلیٰ کے رہنے والوں کی موافقت میں سجدہ ریز ہو جائیں یہ سجدہ تلاوت شیطان کے لئے بہت بڑی مار ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا وہاں سے ہٹ جاتا ہے کہتا ہے کہ ہائے میری بربادی ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر لیا لہذا اس کے لئے جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا اور میں نے انکار کیا لہذا میرے لئے دوزخ ہے۔ (رواہ مسلم کما فی مشکوٰۃ ص ۸۴ ج ۱)

مسئلہ: سجدہ تلاوت کرنے لگے تو اس میں تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھانا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں چلا جائے اور ایک سجدہ کرے تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھائے اس میں تشہد اور سلام نہیں ہے۔

مسئلہ: جیسے آیت سجدہ پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے ایسی ہی سننے والے پر بھی واجب ہوتا ہے اگرچہ اس نے ازادہ کر کے نہ سنا ہو البتہ تلاوت کرنے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ آیت سجدہ حاضرین کے سامنے زور سے نہ پڑھے ہاں اگر حاضرین سننے ہی کے لئے بیٹھے ہیں تو سجدہ تلاوت زور سے پڑھ دے۔

سجدہ تلاوت کی دعاء

سجدہ تلاوت میں اگر **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ** تین مرتبہ کہے تو یہ بھی درست ہے اور اگر دعاء ماثور پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔ دعاء ماثور یہ ہے۔

سَجْدَةٌ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ (رواہ ابوداؤد و الترمذی و التسانی کما فی مشکوٰۃ ص ۹۳) (میرے چہرے نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا فرمایا اور اس میں سے کان اور آنکھ نکال دیئے اپنی قدرت سے)

تم تفسیر سورۃ الاعراف بحمد اللہ تعالیٰ

وحولہ وقوتہ وتوفیقہ وتیسیرہ ولہ الحمد اولاً و آخراً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ وَفِيهَا

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَكِّيَّةٌ وَفِيهَا

سورۃ انفال مدینہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بہت رحم والا ہے﴾ اس میں پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوا ذَاتَ

یہ لوگ آپ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ انفال اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور

بَيِّنْكُمْ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

آپس میں تعلقات کو درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو

انفال یعنی مال غنیمت کا بیان

تفسیر: لفظ انفال نفل کی جمع ہے، نفل لغت میں شے زائد کو کہتے ہیں اسی لئے فرائض کے علاوہ جو نمازیں پڑھی جائیں اور روزے رکھے جائیں انہیں نفل کہا جاتا ہے کیونکہ نوافل اس عمل سے زائد چیز ہے جس کا لازمی طور پر حکم دیا گیا ہے۔ جہاد کے موقع پر جو دشمنوں کے اموال ہاتھ آجائیں جنہیں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ یہاں انفال سے وہ مراد ہیں اور امیر لشکر جو غازی کے لئے اس کے مقررہ حصہ سے زائد دینے کا اعلان کر دے۔ اس کو بھی نفل کہا جاتا ہے، مسلمان کی جنگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہوتی ہے وہ مال کے لئے نہیں لڑتا، اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ جو مال غنیمت سے حصہ مل جائے وہ اللہ تعالیٰ کا مزید انعام ہے (اس لئے اس کو انفال کہا جاتا ہے)۔

گزشتہ اُمتوں میں اموال غنیمت کا حکم: پہلی اُمتوں میں جب کافروں سے جنگ ہوتی تھی اور ان کے مال ہاتھ آتے تھے انہیں آپس میں بانٹنے اور استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ آسمان سے آگ آتی تھی اور اسے جلادیتی تھی اور یہ اس بات کی دلیل ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مجاہدین کا جہاد قبول ہو گیا۔ اگر مال غنیمت جمع کر کے رکھ دیا جاتا اور آگ نازل نہ ہوتی تو سمجھا جاتا تھا کہ اس مال میں سے کسی نے کچھ غلول کیا ہے، یعنی چھپا کر کچھ مال لے لیا۔

ایک نبی کے جہاد کا واقعہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک نبی نے جہاد فرمایا اور فتح کے بعد اموال غنیمت جمع کئے گئے۔ اس کے بعد آگ آئی تاکہ ان کو کھاجائے مگر آگ نے اس کو نہ کھایا یعنی نہیں جلا یا۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تم میں سے کسی نے خیانت کی ہے لہذا ہر قبیلہ کا ایک آدمی مجھ سے بیعت کرے، بیعت کرتے کرتے ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک کر رہ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہی لوگوں میں سے کوئی شخص خیانت کرنے والا ہے۔ اس کے بعد وہ لوگ نیل کے سر کے برابر سونا لے کر آئے اور اس کو مال غنیمت میں ملا کر رکھ دیا تو آگ آئی اور اس نے تمام مال غنیمت کو جلادیا۔ (رواہ البخاری ص ۴۳۰ ج ۱)

اموال غنیمت کا حلال ہونا اُمت محمدیہ کی خصوصیت ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں

کے ذریعہ فضیلت دی گئی۔ ایک یہ کہ مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے (جو الفاظ مختصر ہوں اور بہت سے معانی پر دلالت کرتے ہوں انہیں جوامع الکلم کہا جاتا ہے) دوسرے رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی (کہ دور دور تک دشمن بہت کھاتے ہیں اور مرعوب ہوتے ہیں) تیسرے اموال غنیمت میرے لئے حلال کر دیئے گئے۔ (جو دوسری امتوں کے لئے حلال نہ تھے) چوتھے پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ بنادی گئی اور طہارت کی جگہ بنادی گئی (جہاں وقت ہو جائے نماز پڑھ لیں مسجد کی کوئی قید نہیں اور پانی نہ ملے تو تیمم کر لیں) پانچویں میں ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے چھٹے میرے آنے پر نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی (رواہ مسلم)

اموال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

تفسیر روح المعانی ص ۱۶۰ ج ۹ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بدر میں جو اموال غنیمت حاصل ہوئے تھے اس کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یہ کس طرح تقسیم کئے جائیں؟ ان کے بارے میں مہاجرین کا فیصلہ معتبر ہو گا یا انصار کا یا دونوں جماعتوں کا؟ اس پر آیت بالانازل ہوئی ان حضرات کے سوال کے جواب میں اللہ جل شانہ نے فرمایا **قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ** (آپ فرما دیجئے کہ اموال غنیمت اللہ اور اس کے رسول ہی کے لئے ہیں) جس کا مطلب یہ ہے کہ غنائم کا فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے صادر ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسول اللہ ﷺ تقسیم فرمائیں گے اس بارے میں کسی کی رائے کو کوئی دخل نہیں چنانچہ بعد میں انکی تقسیم کا طریقہ بیان فرمادیا جو آیت کریمہ **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ** میں مذکور ہے۔

اللہ سے ڈرنے اور آپس کے تعلقات درست رکھنے کا حکم

یہ ارشاد فرما کر کہ ”انفال اللہ اور اس کے رسول ہی کے لئے ہیں“۔ تین باتوں کا حکم فرمایا اول یہ کہ اللہ سے ڈرو اور دوم یہ کہ اپنے آپس کے تعلقات کو درست رکھو اور سوم یہ کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یہ تینوں نصیحتیں ایسی ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے آخرت میں بھی کامیابی ہوگی کیونکہ تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں گناہوں سے پرہیز رہے گا اور آپس کی اصلاح کرنے سے حسد اور بغض اور نزاع و جدال سے سلامتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جو حکم فرمایا یہ تعمیم بعد اخصیص ہے جو تمام ادا مروا ہی کو شامل ہے۔ یہ اطاعت ہی تو ایمانیات کی روح ہے۔ اس میں ہر برائی کی کاٹ ہے۔

انفال کے دوسرے معنی: بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں انفال کے دوسرے معنی مراد ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب امیر لشکریوں اعلان کر دے کہ جو شخص کسی کافر کو مار دے تو اس کافر کا سامان قاتل ہی کو دیا جائے گا اور کسی چھوٹے سے فوجی دستہ کو بڑے لشکر سے انتخاب کر کے کسی خاص جانب جہاد کے لئے بھیج دے اور یہ اعلان کر دے کہ وہاں سے جو مال غنیمت ملے گا وہ تم ہی لوگوں کا ہو گا یعنی اس میں سے خمس یعنی ۱/۵ حصہ نکال کے سب تم ہی کو دے دیا جائے گا یہ جو علیحدہ سے مخصوص کرنے کا اعلان ہے۔ یہ تفصیل ہے اور جو مال ان لوگوں کو دینے کا اعلان کر دیا جائے وہ نفل ہے بعض روایات

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے بعض واقعات انفال کے بارے میں پیش آئے تھے اور صحابہ میں اختلاف ہو گیا تھا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی (راجع تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۲) جن حضرات نے اس قول کو اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یَسْتَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ میں لفظ عَنْ زائد ہے اور یَسْتَلُونُ بمعنی یطلبون ہے لیکن عَنْ کو زائد کہنے والی بات دل کو نہیں لگتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ

ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جاتی ہیں

أَيُّهَا زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۚ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

تو ان کے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے

يُنْفِقُونَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ

خرچ کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت ہے

وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

اور رزق کریم ہے

اہل ایمان کے اوصاف کا بیان

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کے چند اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں: **اَوَّل** یہ فرمایا کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں ان کے دلوں پر اللہ کی عظمت ایسی چھائی ہوئی ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ہیبت اور خوف کی وجہ سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں، مومن بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے تو اللہ کی یاد سے اس کے دل کو اطمینان ہوتا ہے اور جب اس کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کی وجہ سے اس کے دل میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ہی خوف تو ہے کہ جب وہ کسی ظلم یا گناہ کا ارادہ کرے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ اللہ سے ڈر تو وہیں ٹھٹھک کر رہ جاتا ہے اور گناہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا، بخلاف اہل کفر اور اہل نفاق کے کہ ان کے دل میں ایمان نہیں، اللہ کی عظمت بھی نہیں، ہیبت بھی نہیں، لہذا وہ بغیر کسی پس و پیش کے گناہ کر لیتے ہیں۔

اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اہل ایمان کا ایمان بڑھ جاتا ہے

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں یعنی ان کو سنائی جاتی ہیں تو ان کے سننے سے ان کا

ایمان بڑھ جاتا ہے یعنی نور ایمان میں ترقی ہو جاتی ہے اور اعمال صالحہ کی طرف اور زیادہ توجہ ہو جاتی ہے اور ایمان ولیقین کی وجہ سے اعمال صالحہ کی طرف طبیعت خود بخود چلنے لگتی ہے اور گناہوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں توکل اہل ایمان کی بہت بڑی صفت ہے اور بہت بڑی منقبت ہے اپنے سب کاموں میں اللہ پر بھروسہ کرنا اور اسباب ظاہرہ اختیار کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنا اور یہ یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے اور قاضی الحاجات ہے اور ہم اس کے ہر فیصلے پر اس کے قضاء و قدر پر راضی ہیں یہ اہل ایمان کی عظیم صفت ہے قرآن مجید میں جگہ جگہ توکل کا حکم دیا ہے اور اصحاب توکل کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (بلاشبہ اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) سورۃ قلم میں فرمایا قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّارٌ بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (آپ فرما دیجئے کہ وہ رحمن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے اس پر توکل کیا سو معتریب جان لو گے کہ کون ہے کھلی گمراہی میں) سورۃ طلاق میں فرمایا وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے سو اللہ اس کے لئے کافی ہے)۔

وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ بدنی عبادات میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ مالی عبادات کا بھی بار بار تذکرہ فرمایا ہے۔ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ نماز کو اچھی طرح ادا کیا جائے جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں بیان کیا گیا ہے۔ اور مآرز فہم کے عموم میں سب کچھ داخل ہے۔ یہ لفظ زکوٰۃ مفروضہ اور صدقات واجبہ اور ناقلہ سب کو شامل ہے۔

مذکورہ صفات والے سچے مؤمن ہیں: آخر میں فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ كَثِيرَةٌ (یہ لوگ سچے مؤمن ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت ہے اور رزق کریم ہے) اس میں اوّل تو یہ فرمایا کہ جن حضرات کا اوپر ذکر ہوا یہ سچے مؤمن ہیں پھر ان کے لئے درجات اور مغفرت اور رزق کریم کی بشارت دی، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ تین انعام مذکورہ بالا تین قسم کے اوصاف کے مقابل ہیں ایمان باللہ اور اللہ کے ذکر کے وقت بہت سے ہم جانا اور اس کی آیات سن کر ایمان کا بڑھ جانا اور اس کی ذات پر بھروسہ کرنا یہ امور قلب یعنی دل سے متعلق ہیں اس کا انعام درجات عالیہ ریفیعہ کی صورت میں ملے گا اور اقامۃ الصلوٰۃ میں تمام بدنی عبادات آگئیں۔ ان کے مقابلہ میں مغفرت کا انعام ہے (عموماً عبادات بدنیہ کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے) اور وجوہ خیر میں مال خرچ کرنے کے مقابلہ میں رزق کا وعدہ فرمایا قال صاحب الروح (ص ۱۶۹ ج ۹) وربما يقال فی وجه ذکر هذه الاشياء الثلاثة على هذا الوجه ان الدرجات في مقابلة الاوصاف الثلاثة اعنى الوجع والاخلاص والتوكل ويستأنس له بالجمع والمغفرة في مقابلة اقامة الصلوة ويستأنس له بما ورد في غير ما خبر ان الصلوة مكفرات لما بينها من الخطايا وانها تنقي الشخص من الذنوب كما ينقي الماء من الدنس، والرزق الكريم بمقابلة الانفاق۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس

ترتیب سے ان تین چیزوں کے ذکر کی وجہ بعض دفعہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جنت کے درجات تو تین اوصاف یعنی خوف، اخلاص اور توکل کے بدلہ میں اور اطمینان و مغفرت نماز قائم کرنے کے بدلے اور لگنی احادیث میں ہے کہ نمازیں ایک دوسرے کے درمیانی وقت کی کوتاہیوں کے لئے کفارہ ہیں اور یہ آدمی کو گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دیتی ہیں جیسے پانی میل کو صاف کر دیتا ہے اور رزق کریم انفاق کے بدلہ میں ملے گا)

درجات جنت کی وسعت: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں سو درجے ہیں اور ان درجات کے درمیان آپس میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے ان میں فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اسی سے جنت کی چاروں نہریں جاری ہیں اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو (رواہ الترمذی کما فی مشکوٰۃ ص ۴۹۶)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں سو درجات ہیں اگر سارے جہان ان میں سے ایک درجہ میں جمع ہو جائیں تو اس ایک درجہ میں سب سما جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۷)

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكُفْرُهُونَ ۝

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو نکالا اور بلاشبہ مؤمنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّهُمْ يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝

وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ ظہور ہو چکا تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں

وَأَذِيعُكُمْ اللَّهُ أَحَدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهُمَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ

اور جب اللہ تم سے وعدہ فرما رہا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے لئے ہے اور تم خواہش کر رہے تھے کہ جو جماعت ثبوت والی نہیں ہے

تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحَقِّقَ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحَقِّقَ

وہ تمہارے لئے ہو جائے اور اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کا حق ہونا ثابت فرمادے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کو

الْحَقُّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝

سچا کر دے اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو

غزوہ بدر کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں غزوہ بدر کا ذکر ہے اور رکوع کے ختم تک بلکہ اس کے بعد بھی متعدد آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر مزید تفصیل اس سورت کے پانچویں اور چھٹے رکوع میں بیان فرمائی ہے غزوہ بدر کا کچھ تذکرہ سورہ آل عمران کے رکوع دوم (انوار البیان ج ۲) میں اور کچھ آل عمران کے رکوع نمبر ۱۲ (انوار البیان ج ۲) میں گزر چکا ہے۔ وہاں فرمایا

ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَكْثَرُ (اور یہ بات واقعی اور حقیقی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقام بدر میں تمہاری مدد فرمائی جب کہ تم کمزور تھے)

آگے بڑھنے سے پہلے پورا واقعہ ذہن نشین کر لینا چاہئے تاکہ آیات کریمہ میں جو اجمال ہے اس کی تشریح سمجھ میں آجائے۔ قریش مکہ ہر سال تجارت کے لئے ملک شام جایا کرتے تھے مکہ معظمہ سے شام کو جائیں تو راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرنا ہوتا ہے۔ شہر مدینہ میں داخل نہ ہوں تو دور سے یا قریب سے اس کی محاذات سے ضرور گزرنا پڑتا ہے اب آگے یہ سمجھیں کہ قریش مکہ کا ایک قافلہ تجارت کے لئے شام گیا ہوا تھا بہت سے لوگوں نے اس تجارت میں شرکت کی تھی اور اپنے اموال لگائے تھے۔ قافلہ کے سردار ابوسفیان تھے جو (اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جب ابوسفیان کا قافلہ شام سے واپس ہو رہا تھا جس میں تیس یا چالیس افراد تھے اور ایک ہزار اونٹ تھے تو سرور عالم ﷺ کو اس قافلہ کے گزرنے کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ قریش کا قافلہ ادھر سے گزر رہا ہے چلو اس قافلہ کو پکڑیں گے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اموال تم کو عطا فرمادے آپ نے تاکید کی حکم نہیں فرمایا تھا اور یہ بھی نہیں فرمایا تھا کہ جنگ کرنے نکل رہے ہیں اس لئے بعض صحابہؓ آپ کے ہمراہ روانہ ہو گئے اور بعض مدینہ منورہ ہی میں رہ گئے ابو سفیان کو خطرہ تھا کہ راہ میں مسلمانوں سے ٹک بھڑنہ ہو جائے اس لئے وہ راستہ میں راہ گیروں سے اس بات کا کھوج لگاتا ہوا جا رہا تھا کہ کہیں مسلمان ہمارے قافلہ کے درپے تو نہیں ہیں۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے سفر فرمایا تو ابوسفیان کو اسکی خبر مل گئی اس نے اپنا راستہ بدل دیا اور ضمضم بن عمرو غفاری کو اہل مکہ تک خبر پہنچانے کے لئے جلدی جلدی آگے روانہ کر دیا اس کو اس کام کا محتانہ دینا بھی طے کر دیا۔ ضمضم جلدی سے مکہ پہنچا اور اس نے خبر دی کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارے قافلے کے درپے ہیں اور مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے ہیں اپنے قافلہ کی حفاظت کر سکتے ہو تو کر لو یہ خبر سننے ہی اہل مکہ میں اہل چل چل مچ گئی اور مقابلہ کے لئے ایک ہزار آدمی جن کا سردار ابو جہل تھا بڑے کزدفر اور اسباب عیش و طرب کے ساتھ اکڑتے اور اترتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہو گئے بدر ایک آبادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے براستہ رالی مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے یہاں سے مدینہ منورہ سو میل سے کچھ کم رہ جاتا ہے بدر نامی ایک شخص تھا جس نے اس بستی کو آباد کیا تھا اس کے نام پر اس بستی کا نام ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مقام بدر میں ایک کنواں تھا اس کا نام بدر تھا اسی کنویں کے نام سے یہ آبادی مشہور تھی قریش مکہ اپنے ساتھ گانے بجانے والی عورتیں لے کر نکلے تھے تاکہ وہ گانا گائیں اور لڑائی کے لئے ابھاریں اس لشکر میں تقریباً تمام سرداران قریش شامل تھے صرف ابولہب نہ جاسکا تھا اس نے اپنی جگہ ابو جہل کے بھائی عاصم بن ہشام کو بھیج دیا تھا ان لوگوں کے ساتھ دیگر سامان حرب کے علاوہ ساٹھ گھوڑے اور چھ سوزر ہیں تھیں اور سواری کے اونٹوں کے علاوہ کثیر تعداد میں ذبح کرنے اور کھانے کھلانے کے لئے بھی اونٹ ساتھ لے کر چلے تھے سب سے پہلے ابو جہل نے مکہ سے باہر آ کر دس اونٹ ذبح کر کے لشکر کو کھلائے پھر مقام عسفان میں امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کئے پھر مقام ثد ید میں سہیل بن عمرو نے سو اونٹ ذبح کئے پھر اگلی منزل میں شبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کئے پھر اس سے اگلی منزل میں (جو مقام جھہ میں تھی) عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کئے۔ اسی طرح ہر منزل میں دس دس اونٹ ذبح کرتے رہے اور کھاتے

کھلاتے رہے اور ابوالختری نے بدر پہنچ کر دس اونٹ ذبح کئے۔

قریش مکہ تو مکہ معظمہ سے چلے اور آنحضرت سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا آپ نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا وہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ آپ کے ساتھ روانہ ہونے والوں میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے انہیں مقام روحاء سے واپس کر دیا اور امیر مدینہ بنا کر بھیج دیا۔ آپ کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور آپ کے ساتھ ستر اونٹ تھے جن پر نمبردار سوار ہوتے تھے۔ ہر تین افراد کو ایک اونٹ دیا گیا تھا۔ خود آپ ﷺ بھی حضرت ابولبابہ اور حضرت علیؓ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک تھے۔ نوبت کے اعتبار سے آپ بھی پیدل چلتے تھے۔ مقام روحاء تک یہی سلسلہ رہا جب روحاء سے حضرت ابولبابہ کو واپس فرما دیا تو آپ حضرت علیؓ اور حضرت مرثدؓ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب آپ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تھی تو حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ برابر سوار ہیں ہم آپ کی طرف سے پیدل چل لیں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا ما انتما باقوی منی ولا انا باغنی عن الاجر منكما (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۰) (تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور ثواب کے اعتبار سے بھی میں تمہاری بہ نسبت بے نیاز نہیں ہوں۔ یعنی جیسے تمہیں ثواب کی ضرورت ہے مجھے بھی ثواب کی ضرورت ہے) جب آنحضرت ﷺ وادی ذفران میں پہنچے تو وہاں قیام فرمایا۔ اب تک تو ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کی نیت سے سفر ہو رہا تھا یہاں پہنچ کر خبر ملی کہ قریش مکہ سے جنگ کرنے کی نوبت آ گئی۔ آپ ﷺ نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کہ قریش ہمارے مقابلہ کے لئے نکل چکے ہیں اب کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھا جواب دیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی اچھا جواب دیا پھر حضرت مقدادؓ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اپنی رائے کے مطابق تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہہ دیا تھا اَذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هَاهُنَا قَاعِلُونَ (تو اور تیرا رب چلے جائیں دونوں قتال کر لیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ قتال کرنے والے ہیں۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد تک ساتھ لے چلیں گے تو ہم ساتھ رہیں گے اور جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا اشیروا علی ایہا الناس (اے لوگو! مشورہ دو) آپ کا مقصد یہ تھا کہ انصاری حضرات اپنی رائے پیش کریں۔ آپ کی بات سن کر حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا (جو انصار میں سے تھے) کہ یا رسول اللہ ﷺ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہم سے جواب لینا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی تصدیق کی ہم نے گواہی دی کہ جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ہم نے آپ سے عہد کیا ہے کہ ہم آپ کی بات مانیں گے اور فرمانبرداری کریں گے آپ اپنے ارادہ کے موافق عمل کریں اور تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر راہ میں سمندر آ گیا اور آپ اس میں داخل ہونے لگیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ داخل ہو جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا ہم جنگ میں

ڈٹ جانے والے ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے والے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو ایسی بات دکھادے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ آپ اللہ کی برکت کے ساتھ چلے۔ حضرت سعد بن معاذ کی بات سن کر آپ کو بہت خوشی ہوئی اور فرمایا کہ چلو خوش خبری قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ دو جماعتوں میں سے تم کو ایک جماعت پر غلبہ عطاء فرمائیں گے (ایک جماعت ابوسفیان کا قافلہ اور دوسری جماعت قریش مکہ کا لشکر) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ جس جماعت سے مقابلہ ہوگا ان کے مقتولین کہاں کہاں پڑے ہیں۔

اس کے بعد آپ اپنے صحابہؓ کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک غلام سے ملاقات ہوئی حضرات صحابہؓ نے اُس سے پوچھا کہ ابوسفیان کا قافلہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اس کا تو مجھے کوئی پتہ نہیں۔ یہ ابو جہل، عقبہ اور امیہ بن خلف آرہے ہیں۔ بعض روایات میں یوں ہے کہ جب ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے تو ایک دن یا دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا تھا کہ ابوسفیان کو پتہ چل گیا کہ ہم اس سے تعرض کرنے نکلے ہیں (وہ قافلہ تو نکل چکا ہے) اب قریش مکہ کے آنے کی خبر سن گئی ہے۔ اُن سے مقابلہ ہونے کی بات بن رہی ہے اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اس پر بعض صحابہؓ نے کہا کہ ہمیں تو قریش کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں آپ تو ابوسفیان کے قافلہ کے لئے نکلے تھے آپ نے پھر وہی سوال فرمایا کہ قریش مکہ سے جنگ کرنے کے بارے میں کیا رائے ہے اس پر حضرت مقدادؓ نے وہ جواب دیا جو عنقریب گزر چکا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ سوال جواب مقام روعاء میں ہوئے، بعض صحابہؓ نے جو یہ کہا تھا کہ ہمیں قریش مکہ سے جنگ کی طاقت نہیں۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تَقْبَلُوا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكُمْ هُؤُلَاءُ لِقَاءُ فِي الْحَقِّ بِمَا يَكُنْ كَاتِبًا يُقُونَ إِلَى السُّورِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ (اور بلاشبہ مومنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد حق ظاہر ہو چکا تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں) جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو لے کر مسلمانوں کی زد سے بچ کر نکل گیا تو اس نے قریش مکہ کے پاس خبر بھیجی کہ تم ہماری حفاظت کے لئے نکلے تھے اب جبکہ ہم بچ کر نکل آئے ہیں تو تمہیں آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لہذا واپس چلے جاؤ اس پر ابو جہل نے کہا اللہ کی قسم ہم واپس نہیں لوٹیں گے جب تک کہ ہم بدر نہ پہنچ جائیں وہاں تین دن قیام کریں گے۔ اونٹ ذبح کریں گے کھانے کھلائیں گے۔ شراہیں پیئیں گے اور گانے والیاں گانے سنائیں گی اور عرب کو پتہ چل جائے گا کہ ہم مقابلہ کے لئے نکلے تھے ہمارے اس عمل سے ایک دھاک بیٹھ جائے گی اور لوگ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ لہذا چلو آگے بڑھو۔

اللہ جل شانہ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرمایا تھا کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پر تمہیں غلبہ دیا جائے گا۔ جب آپ نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ فرمایا تو اُن میں سے بعض صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ ابوسفیان کے قافلے ہی کا پیچھا کرنا چاہئے کیونکہ وہ لوگ تجارت سے واپس ہو رہے ہیں جنگ کرنے کے لئے نہیں نکلے، اُن میں لڑنے کی قوت اور شوکت نہیں ہے لہذا اُن پر غلبہ پانا آسان ہے اور قریش کا جو لشکر مکہ مکرمہ سے چلا ہے وہ لوگ تو لڑنے ہی کے لئے چلے ہیں اور تیاری کر کے نکلے ہیں۔ لہذا اُن سے مقابلہ مشکل ہوگا۔ ان لوگوں کی اس بات کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا: وَتَوَكُّونَ

اِنَّ غَيْرَ ذَاكِ الشَّوَكَهٖ تَكُوْنُ لَكُمْ (اور تم چاہتے تھے کہ وہ جماعت تمہارے قابو میں آجائے جو قوت و طاقت والی نہیں تھی) قریش مکہ نے آنحضرت سید عالم ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بہت تکلیفیں دی تھیں اور مکہ مکرمہ کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حق نہ خود قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ غیر متوقع طور پر بدر میں پہنچے اور معرکہ پیش آنے کی صورت بن گئی۔ اس میں گو بعض اہل ایمان کو طبعاً کراہت تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر سب پر غالب ہے۔ جنگ ہوئی اور اہل مکہ نے زبردست شکست کھائی اور ان کا فخر اور مطراق سب دھرا رہ گیا۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان ہوگی۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَيِّطَ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ (اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کو ثابت فرمادے) وَيَقْطَعُ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ (اور کافروں کی بنیاد کو کاٹ دے) لِيُحَقِّقَ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ (تا کہ اللہ تعالیٰ حق کا حق ہونا ثابت فرمادے اور باطل کا باطل ہونا ثابت فرمادے) وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو)

اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ مشرکین مکہ ذلیل ہوئے، اسلام کا حق ہونا علی العیان ثابت ہوا اور باطل کا باطل ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ دوست اور دشمن سب نے دیکھ لیا۔ اسی لئے یوم بدر کو یوم الفرقان فرمایا۔ جیسا کہ اس سورت کے پانچویں رکوع میں آ رہا ہے۔ (پوری تفصیل کے لئے البدایہ والنہایں ج ۶ ص ۲۵۶ ج ۳) کا مطالعہ فرمائیں)

فائدہ: كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ میں جو کاف تشبیہ ہے اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اختلاف المغانم سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ ما انکم لما اختلفتم فی المغانم انتزعہ اللہ منکم کذلک لما کرہتم الخروج الی الاعداء کان عاقبہ کراہتکم ان قدرہ لکم وجمع بہ بینکم و بین عدوکم علی غیر ميعاد رشدًا وهدیٰ۔ (جیسا کہ تم نے مال غنیمت میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے تم سے چھین لیا اسی طرح جب تم نے دشمن کی طرف نکلنے کو ناپسند کیا تو اس کے دشمنوں سے لڑائی مقدر کر دی اور تمہاری اور دشمن کی مذہبھیر کرادی بغیر کسی وعدہ و میعاد کے) اور بعض حضرات نے اس تشبیہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔ يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ مَجَادِلَةٍ کما جادلوک یوم بدر فقالوا اخر جتنا للعیبر ولم تعلمنا قتالہ فسنعدله ذکرہما (وہ آپ سے مال غنیمت ایسے مانگتے ہیں جیسے وہ آپ سے بدروالے دن جھگڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے آپ نے ہمیں قافلہ کے لئے نکالا تھا لڑائی کی خبر تو نہیں دی تھی کہ ہم اس کی تیاری کرتے) (ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۲) صاحب روح المعانی نے متعدد وجوہ نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حالہم ہذہ فی کراہۃ ما وقع فی امر الانفال کحال اخر اجک من بیتک فی کراہتہم لہ (غنیمت کے معاملہ میں واقع ہونے والی صورتحال میں ان کی ناپسندیدگی ایسی ہے جیسے آپ کا ان کو گھر سے نکالنا انہیں ناپسند تھا) (یعنی یہ لوگ آپ سے اموال غنیمت کے بارے میں ایسے سوال کر رہے ہیں جیسا کہ اس وقت جھگڑ رہے تھے جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے لئے مکہ معظمہ سے نکالا تھا۔ اُس وقت یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہمیں پہلے سے نہیں بتایا تھا کہ جنگ کرنی ہوگی۔ اگر آپ پہلے سے بتادیتے تو ہم اُس کے لئے تیاری کر لیتے) (ہذا راجع الی ما ذکرہ ابن کثیر اولاً) پھر صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ تقدیرہ واصلہوا ذات بینکم کما اخر جک وقد التفت من خطاب جماعۃ الی خطاب واحد (اصل عبارت یہ ہے کہ اور تم آپس میں اصلاح کرو جیسا کہ آپ

کو نکالا ہے۔ اس میں پہلے جماعت کو خطاب ہے پھر روئے سخن ایک کی طرف ہو گیا) پھر لکھا ہے۔ وقیل المراد واطیعوا اللہ والرسول کما اخرجک اخرجاً لا مریۃ فیہ وقیل التقدیر یتوکلون تو کلاً کما اخرجک۔ وفیہ اقوال اخر (بعض نے کہا ہے مراد یہ ہے کہ اور اللہ ورسول کی اطاعت کرو جیسا کہ اس نے تجھے نکالا کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا تقدیر یہ ہے کہ وہ بھروسہ رکھیں جیسا کہ اللہ نے تجھے نکالا) (راجع روح المعانی ص ۱۶۹ ج ۹)

فائدہ نمبر ۲: اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ سے مقابلہ کرنے کا مشورہ کہاں فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک دودن کی مسافت پر پہنچنے کے بعد مشورہ فرمایا اور بعض روایات میں کہ مقام روحاء میں اور بعض روایات میں ہے کہ وادی ذفران میں مشورہ کیا، ممکن ہے تینوں جگہ مشورہ فرمایا ہو اور بار بار انصار سے اُن کی رائے کا اظہار مطلوب ہوتا کہ ان کی رضا اور رغبت کا خوب یقین ہو جائے اور ممکن ہے کہ راویوں سے جگہ کی تعیین میں بھول ہوئی ہو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابْ لَكُمْ اَنِّ مُبِدِّكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْسِدٍ ۝۱۰

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے سو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہارے مددگاروں کا جو مسلسل آتے رہیں گے

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَیِّنَ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اور اللہ نے اس امداد کو نہیں بنایا مگر بشارت اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۱۱

بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے

غزوہ بدر کے موقعہ پر رسول ﷺ کا دُعاء
میں مشغول رہنا اور آپ کی دعا قبول ہونا

تفسیر: قریش مکہ اپنے لشکر اور ساز و سامان اور گانے والی عورتیں لے کر بدر پہنچ گئے۔ یہ لوگ مکہ مکرمہ سے آئے تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر چند دن میں بدر پہنچ گئے۔ راستہ میں متعدد مراحل میں قیام فرمایا اور حضرات صحابہؓ سے مشورہ کیا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۱۷۲ ج ۹ میں بحوالہ مسلم و ابوداؤد و ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ بدر کے دن نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی تو یہ حضرات تین سو دس سے کچھ اوپر تھے (ان حضرات کی مشہور تعداد ۳۱۳ ہے جیسا کہ صحیح بخاری ص ۵۶۳ میں ذکر ہے) اور مشرکین پر نظر ڈالی تو وہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھے آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا پھر ہاتھ پھیلا کر اپنے پروردگار سے خوب زوردار دُعا کرتے رہے دُعاء کے الفاظ یہ ہیں

اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْ لِيْ مَا وَعَدْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ الْعَصَابَةُ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَذْ فِي الْاَرْضِ (اے اللہ آپ نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے پورا فرمائیے اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائے گی)۔

مطلب یہ تھا کہ یہ اہل اسلام کی مختصری جماعت ہے اگر یہ ہلاک ہو گئے تو جو ان کے پیچھے مدینہ منورہ میں رہ گئے ہیں ان میں بھی کمزوری آ جائے گی اور ایمان و اسلام کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا پھر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ آپ نے یہ بات ناز کے انداز میں بارگاہ الہی میں عرض کر دی ورنہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اگر کوئی بھی نہ کرے اور کبھی بھی نہ کرے تو اس بے نیاز وحدۃ لا شریک کو کوئی ضرر یا نقصان نہیں پہنچ سکتا (وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں) آپ قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے برابر اس دعاء میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر بھی آپ ﷺ کے کاندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور آپ کی چادر لے کر آپ کے مونڈھوں پر ڈال دی پھر آپ سے چٹ گئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! بس کیجئے آپ نے جو اپنے رب سے بہت زوردار دعا کی ہے یہ کافی ہوگئی۔ بے شک آپ کا رب اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس پر یہ آیت فَاسْتَجَابَ لَكُمْ نازل ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی اور ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے مدد کرنے کا وعدہ فرمایا جو مسلسل آتے رہیں گے لفظ مردفین کا ایک معنی تو وہی ہے جو ہم نے ابھی لکھا (کہ مسلسل آتے رہیں گے) اور اس لفظ کے دوسرے معانی بھی مفسرین نے بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے ایک ایک فرشتہ ہوگا۔ (وہو قریب من الاول)

فرشتوں کا نازل ہونا اور مؤمنین کے قلوب کو اطمینان ہونا

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جریر بن عبد اللہ علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے داہنی طرف تھے۔ اور اسی جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے بائیں طرف تھے اور میں بھی اسی جانب تھا۔

سورہ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اوّل ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کی پھر تین ہزار فرشتے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار کی تعداد پوری فرمادی۔ پھر فرمایا وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ (فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو امداد فرمائی یہ محض اس لئے ہے کہ تم لوگوں کو بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو اطمینان ہو) فرشتوں کی آمد کی پیشگی خبر ایک بہت بڑی خوشخبری تھی جس سے دلوں کو سکون ہو گیا، طبعی طور پر انسان کو اسباب کے ذریعہ تسلی ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب کے طور پر فرشتوں کو بھیج دیا گیا۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے) وہ جس کی چاہے مدد فرمائے اور جیسے چاہے مدد فرمائے اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے اور حکمت والا ہے) وہ بغیر فرشتوں کے بھی غلبہ دے سکتا ہے لیکن اسکی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ فرشتوں کو بھیجا جائے۔ کسی قوم کو فتح نصرت اور غلبہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کو کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ اپنی حکمت کے مطابق اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے اور پھر اسباب کے ذریعہ جو نفع پہنچانا

مقصود ہو وہ نفع پہنچا دیتا ہے۔ جو فرشتے آئے تھے انہوں نے تھوڑا بہت قتال بھی کیا جس کا بعض احادیث میں ذکر ہے لیکن پوری طرح قتال میں حصہ نہیں لیا۔ اُن کا اصل کام اہل ایمان کو جمانا اور ثابت قدم رکھنا تھا جیسا کہ آئندہ آیت میں فَنَسَبْتُوا إِلَيْهِمُ الْقَتْلَ میں ذکر آ رہا ہے اس سے یہ اشکال بھی رفع ہو گیا کہ ہزار آدمیوں کے لئے ایک فرشتہ بھی کافی تھا۔ ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ الْغُصَاثُ مِنْهُ وَيُنْزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمُ

جب چھین دینے کے لئے اللہ اپنی طرف سے تم پر اُونگھ طاری فرما رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی نازل فرما رہا تھا تاکہ تمہیں

بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمُ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝

پاک کر دے اور تم سے شیطان کے دوسرے کو دور فرما دے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس کے ذریعہ قدموں کو جمادے

بدر میں مسلمانوں پر اُونگھ کا طاری ہونا

تفسیر: اللہ جل شانہ نے مسلمانوں پر یہ بھی انعام فرمایا کہ پریشانی دور فرمانے کے لئے ان پر اُونگھ بھیج دی۔ جیسا کہ غزوہ اُحد کے موقع پر بھی اُونگھ بھیجی تھی۔ جس کا ذکر سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے۔ اس اُونگھ کا نفع یہ ہوا کہ وہ جو تکلیف محسوس کر رہے تھے اس کا احساس ختم ہو گیا کیونکہ نیند ہر چیز سے غافل کر دیتی ہے خوشی سے بھی اور رنج سے بھی۔ ان کی پریشانی جاتی رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم سب پر نیند کا غلبہ ہو گیا تھا مگر رسول اللہ ﷺ صبح تک برابر نماز میں مشغول رہے (کمافی الدر المنثور) نیز اللہ تعالیٰ نے بارش بھی نازل فرمائی۔ اس بارش کے دو فائدے ہوئے ایک تو نہانے دھونے اور پانی پینے کا فائدہ ہوا دوسرے شیطان نے قلوب میں جو ناپاک وسوسے ڈال دیئے تھے یہ بارش ان وسوسوں کے ازالہ کا سبب بن گئی نیز یہ بھی فائدہ ہوا کہ مسلمان جس جگہ قیام پذیر تھے وہاں ریت تھی وہ پانی پڑنے کی وجہ سے جم گئی اور جہاں مشرکین ٹھہرے ہوئے تھے وہاں کچھ ہو گئی (تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۱ ج ۲) میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر تشریف لے گئے اور وہاں آپ اور مشرکین کے درمیان بہت زیادہ ریت تھا۔ اس ریت میں جنگ کرنا بھی مشکل تھا اور ادھر مسلمانوں کو پانی کی بھی ضرورت تھی لہذا شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ اللہ کے دوست ہو اور تمہارے اندر خدا کا رسول ہے۔ اور حال یہ ہے کہ پانی پر مشرکین نے قبضہ کر رکھا ہے اور تم حالت جنابت میں نمازیں پڑھ رہے ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خوب زیادہ بارش برسائی۔ لہذا مسلمانوں نے پانی پیا اور پاکی حاصل کی (جس سے ظاہری نجاست دور ہو گئی) اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کو دور فرما دیا (جس سے باطنی نجاست بھی دور ہو گئی) اور ریت سینٹ کی طرح جام ہو گئی جس پر مسلمانوں کا اور ان کے جانوروں کا چلنا پھرنا اور دشمنوں سے جم کر مقابلہ کرنا آسان ہو گیا اور اس سے دلوں کو اطمینان ہو گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک منظر جنگ سے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنْ مَعَكُمْ فَتَنُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأَلْتَنِي فِي

جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمان والوں کو جماؤ

قُلُوبَ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَأَخِزُّوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا

میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ سو تم گردنوں پر مارو اور

مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲۷﴾

ان کے ہر پورے پر مارو۔

فرشتوں کا قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب کو جمانا

تفسیر: اس آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ اس وقت کو یاد کرو۔ جب تمہارے رب نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم مومنین کے قلوب کو جماؤ اور ان کو معرکہ میں ثابت رکھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا مددگار ہوں۔ نیز یہ وعدہ فرمایا کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا۔ مسلمان جم کر لڑے اور کافر مقتول ہوئے اور مغلوب ہوئے اور قیدی بنے۔ فَأَخِزُّوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ (اور مارو گردنوں پر) اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ فرشتوں کو حکم ہے کہ وہ مشرکین کو ماریں۔ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ کی اور بعض کافروں کو مارا جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے فرشتوں کا بڑا کام مسلمانوں کو جمانا تھا اس کے ساتھ انہوں نے کچھ قتال میں بھی حصہ لیا۔ جنگ تو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ ہی سے کروائی لیکن فرشتوں کو بھی مددگار بنادیا۔ اس میں یہ بتادیا گیا کہ ہر شخص کو اپنی محنت اور مجاہدہ پر ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی مدد آئے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ مسلمانوں میں خود اپنے ہی طور پر لڑنے کا اور جم کر مقابلہ کرنے کا جذبہ رہنا چاہئے۔ غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے کے بارے میں متعدد روایات حدیث اور سیر کی کتابوں میں مروی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ انہوں نے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے جن کے شیلے اپنی کمریوں پر ڈال رکھے تھے۔ البتہ حضرت جبرائیلؑ کا عمامہ زرد رنگ کا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ بدر کے علاوہ کسی دوسرے موقعہ پر فرشتوں نے قتال نہیں کیا (البدایہ والنہایہ ص ۲۸۱ ج ۲) حضرت ابن عباسؓ نے غزوہ بدر کا ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اس نے اپنے سامنے کوڑا لگنے کی اور گھوڑے سواری کی آواز سنی جو اپنے گھوڑے کو یوں کہہ رہا تھا اقدم حیزوم کہ اے حیزوم آگے بڑھ (حیزوم اس فرشتہ کے گھوڑے کا نام تھا) اچانک وہ مسلمان کیا دیکھتا ہے کہ وہ مشرک اس کے سامنے چٹ پڑا ہوا ہے اس پر جو نظریں ڈالیں تو دیکھا کہ اسکی ناک پر ضرب کا نشان ہے اور اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے چیر دیا گیا ہے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بیان کی تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ ان فرشتوں کا کام ہے جو تیسرے آسمان سے مدد کے لئے آئے ہیں (صحیح مسلم ص ۹۳ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی بیان فرمایا کہ فرشتوں نے مقتولین کی گردنوں کے اوپر مارا تھا اور ان کی انگلیوں کے پوروں پر ایسا نشان تھا جیسے آگ نے جلا دیا ہو۔ حضرت ابو بردہؓ نے بیان کیا کہ میں بدر کے دن کٹے ہوئے تین سر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے اور عرض کیا کہ ان میں سے دو شخصوں کو تو ہم نے قتل کیا ہے اور تیسرے شخص کو ایک دراز قامت آدمی نے قتل کیا ہے۔ میں اس مقتول کا سر بھی لے آیا ہوں آپ نے فرمایا وہ دراز قد فلاں فرشتہ تھا سائب بن ابی جیش نے بیان کیا جو (بدر کے دن قید کر لئے گئے تھے پھر بعد میں مسلمان ہوئے) کہ مجھے ایک خوب زیادہ بالوں والے دراز قد آدمی نے پکڑ کر باندھ دیا جو سفید گھوڑے پر سوار تھا عبدالرحمن بن عوف نے مجھے بندھا ہوا دیکھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا تجھے کس نے قید کیا؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا یہ بات میں نے اس لئے کہی کہ میں اصل صورت حال بتانا نہیں چاہتا تھا (کہ ایسے ایسے شخص نے مجھے قید کیا) آپ نے فرمایا کہ تجھے ایک فرشتہ نے قید کیا ہے۔ بعض صحابہؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ ہم مشرکین کے سر کی طرف تلوار سے اشارہ کرتے تھے تو اس کا سر تلوار پہنچنے سے پہلے ہی جدا ہو کر گر جاتا تھا (البدایہ والنہایہ ص ۲۸۱ ج ۳)

فَوَقَّ الْأَعْنَاقُ سے سروں میں مارنا مراد ہے اور **كُلُّ بَنَانٍ** سے انگلیوں کے پورے مراد ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے پورا جسم مراد ہے۔ (کمافی روح المعانی)

فَأَضْرَبُوا کا خطاب کس کو ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ فرشتوں کو خطاب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتوں کو اور حضرات صحابہؓ سب کو خطاب ہے۔ اعناق اور بنان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمانے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ سروں کے کٹ جانے سے آدمی ضرور مر جاتا ہے اور انگلیوں کے پوروں پر مارا جائے تو اگرچہ مرنا نہیں مگر ہتھیار اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جنگ کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ

یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے سو اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۷ ذٰلِكُمْ فَذُوقُوْهُ وَاَنْ لِّلْكَافِرِيْنَ عَذَابُ النَّارِ ۝۱۸

سخت سزا دینے والا ہے سو یہ سزا تم چکھو اور بلاشبہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے

مشرکین کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی سزا ملی

تفسیر: ذٰلِكَ کا مشار الیہ ضرب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں کو مارنے کا یہ حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ پھر اس کو بطور قاعدہ کلیہ کا ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا سزا کا مستحق ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ مخالفت کرنے والوں کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ فَذُوقُوْهُ یہ خطاب اہل کفر کو ہے جو بدر میں شریک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اس عذاب کو چکھ لو اور مزید فرمایا

وَإِنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ (بلاشبہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے) دنیا کے عذاب کے بعد آخرت کے عذاب کا بھی تذکرہ فرمادیا اور یہ بتادیا کہ عذاب یہیں ختم نہیں ہو گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا فَلَا تُولُوهُمُ الْآدْبَارَ ۝۱۵

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرو۔

وَمَنْ يُولِهِمْ يُؤَمِّدْ دُبْرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّلْقِتَالِ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ فَقَدْ

اور اس دن بجز اس شخص کے جو لڑائی کے لئے زُخْ بَد لے والا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے والا ہو جو شخص پشت پھیرے گا سو

بَاءٌ يَغْضَبُ مِنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ جَهَنَّمُ وَيَسُ الْمَصِيرُ ۝۱۶

وہ اللہ کے غصہ کو لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

جب کافروں سے مقابلہ ہو تو جو جم کر قتال کرو

تفسیر: اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر لڑیں پشت پھیر نہ بھاگیں۔ کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہایت ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ فرمایا (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا (۲) جادو کرنا (۳) کسی جان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا (۴) اللہ کے ساتھ ہو (۵) سود کھانا (۶) تیمم کا مال کھانا (۷) جنگ کے موقع پر پشت پھیر کر چلا جانا (۸) مومن پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا ہے جن کو برائی کا دھیان تک نہیں ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷) آیت بالا میں فرمایا کہ جو شخص جنگ کے موقع پر پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے وہ اللہ کے غضب میں آگیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اسی لئے علماء کرام نے فرمایا کہ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔

دو صورتیں مستثنیٰ ہیں: البتہ دو صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں پشت پھیر کر چلا جانا جائز ہے ایک تو یہ کہ مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ اُسے بطور ایک تدبیر کے اختیار کر رہا ہو۔ بظاہر جارہا ہو (جس سے دشمن یہ سمجھے کہ یہ شکست کھا گیا) اور حقیقت میں واپس ہو کر حملہ کرنے کی نیت رکھتا ہو جس کو اردو کے محاورہ میں پیٹر ابدلنا کہتے ہیں۔ اس کو مُتَحَرِّفًا لِّلْقِتَالِ سے تعبیر فرمایا یا کہ جس جگہ جنگ کر رہا ہو اُسے چھوڑ کر ایسی جگہ چلا جائے جو قتال کے لئے زیادہ مناسب ہو یا کافروں کی ایک جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت کی طرف چلا جائے آیت کے الفاظ اس سب کو شامل ہیں۔ دوسری صورت جس پر پشت پھیر کر جانے کی اجازت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی جنگ کرنے والا مسلمان مسلمانوں کی کسی جماعت کے پاس چلا جائے تاکہ اُن کو ساتھ ملا لے اور اُن کو ساتھ لے کر جنگ کرے اس کو مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ سے تعبیر فرمایا۔

صحابہ کا ایک واقعہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ کافروں سے لڑنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ہمارا ایک چھوٹا سادستہ بنا کر بھیجا اس موقع پر کافروں نے حملہ کیا اسکی وجہ سے ہم لوگ محاذ چھوڑ آئے اور مدینہ منورہ آ

گئے۔ اور یہ سمجھ کر کہ ہم ہلاک ہو گئے روپوش ہو گئے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم تو راہ فرار اختیار کرنے والوں میں سے ہیں آپ نے فرمایا (نہیں) بلکہ تم لوگ جماعت کی طرف ٹھکانہ پکڑنے والے ہو اور میں تمہاری جماعت ہوں (آپ کا مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید میں جو دو صورتوں میں بھاگنے کی اجازت دی ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی جماعت کی طرف ٹھکانہ پکڑے۔ لہذا تم ان لوگوں میں شمار ہو جو اپنے لشکر اور جماعت کی طرف پناہ لینے کے لئے آئے مدینہ میں آنا میرے پاس آنا ہے اور میرے ساتھ مسلمانوں کی جماعت ہے۔ تم اپنی جماعت کی طرف آئے ہو اپنے کو ہلاک نہ سمجھو) (رواہ الترمذی فی اوخر ابواب الجہاد)

فائدہ: حدیث کی تصریح سے (جس میں سات کبار بیان کئے گئے ہیں) اور آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دو صورتوں کے علاوہ میدان جہاد سے چھوڑ کر بھاگ جانا گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں فَقَدْ بَاءَ يَغْضَبُ مِّنَ اللّٰهِ وَمَا وَدَّ جَهَنَّمَ فرمایا ہے البتہ دیگر معاصی کبیرہ کی طرح توبہ کرنے سے یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوہ حنین کے شرکاء کے بارے میں فرمایا ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ۔

بارہ ہزار کا لشکر بھی مغلوب نہ ہوگا: فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ میدان چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنے کی حرمت اس صورت میں ہے جبکہ کافروں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے کم ہو یا برابر یا دو گنی ہو یا زیادہ تو ہو لیکن دو گنی سے کم ہو۔ اگر کافروں کی تعداد دو گنی سے زیادہ ہو تو راہ فرار اختیار کرنا جائز ہے ان حضرات کا استدلال آیت شریفہ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ حِزْبٌ صَابِرٌ يَغْلِبْ الْغَالِبِينَ سے ہے۔ اور صاحب روح المعانی نے حضرت امام محمد بن الحسن سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار ہو تو میدان چھوڑ کر بھاگنا جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ لَنْ يَغْلِبَ اثْنَا عَشَرَ الْفَأَمِنْ قِلَّةٍ یعنی بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہوگا (رواہ الترمذی) جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے تو بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر ہونے کی صورت میں میدان چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت نہیں ہے خواہ دشمنوں کا لشکر کتنا بھی زیادہ ہو۔ اور یہ بات بارہا آزمائی جا چکی ہے۔ بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگا۔ اخلاص نہ ہونے یا اعجاب نفس کی وجہ سے مغلوبیت ہو جائے یہ دوسری بات ہے (کما وقع فی غزوۃ حنین) غزوہ بدر میں کافروں کی تعداد تین گنا تھی پھر بھی فرار کی اجازت نہ تھی کیونکہ اس وقت تک آیت کریمہ اَلَّذِي خَفِيَ اللّٰهُ عَنْكَ نازل نہیں ہوئی تھی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ رَكِبَ

سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا اور لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا اور جب آپ نے پھینکا آپ نے نہیں پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا

وَلِيُسَبِّلِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَآءًا حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱۰ ذَلِكُمْ وَاَنَّ

اور تاکہ اللہ مؤمنین کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ بات ہے اور بلا شبہ

اللّٰهُ مُؤْمِنٌ كَيِّدُ الْكَافِرِينَ ۝۱۱

اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے

اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے مشرکین مقتول ہوئے

تفسیر: غزوہ بدر میں بظاہر مسلمانوں نے جنگ کی اُن کے ساتھ فرشتوں نے بھی شرکت کی۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہی مؤثر حقیقی ہے اور سب کچھ اسی کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اسی لئے یہ فرمایا کہ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر ایک یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت جبرائیلؑ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مٹی کی ایک مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دیجئے آپ نے ایسا ہی کیا اور وہ مٹی مشرکین میں سے ہر شخص کی آنکھوں میں اور ناک کے نتھوں اور منہ میں پہنچ گئی جس کی وجہ سے وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اب مسلمان ان پر پل پڑے اُن کو قتل بھی کرتے رہے اور قید بھی کرتے رہے۔ آپ نے جب اُن کی طرف مٹی پھینکی تو ان کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا: شاهت الوجوه (دشمنوں کے چہرے بدصورت ہو گئے) اس پر وہ لوگ شکست کھا کر بھاگے اسی کو فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمٰی (اور یہ جو آپ نے مٹی پھینکی آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی) یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کے چہروں تک پہنچادی اور اس کو شکست کا سبب بنا دیا (تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۵ ج ۲) یہ مٹی پھینکنے کا واقعہ غزوہ حنین کے موقعہ پر بھی پیش آیا تھا (کما ذکرہ صاحب الروح وغیرہ)

پھر فرمایا وَلِيُذِلِّيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءٌ حَسَنًا (اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے) لفظ بلا انعام کے معنی میں بھی آتا ہے اور آزمائش کے معنی میں بھی، مفسرین نے یہاں انعام کا معنی لیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو ایسا اچھا انعام عطا فرمائے جس میں تکلیفیں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کافروں کو قتل کیا اور مٹی بھر مٹی ان کی آنکھوں کو پہنچائی اور اُن کو شکست دی جس کی وجہ سے اہل ایمان فتیاب اور ظفریاب ہوئے یہ اللہ کا انعام عظیم ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا دوسرا ترجمہ بھی کیا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ واختار بعضهم تفسیره بالابلاء فی الحرب یعنی بعض حضرات نے آیت کا یہ معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو جنگ میں اچھی طرح سے آزمائے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ (بلاشبہ اللہ سننے والا ہے) جس نے مسلمانوں کی دعائی اور فریادری کی اور مدد فرمائی علیہم (جاننے والا ہے) سب کی نیتوں کو اور ظاہر کو اور باطن کو بھی جانتا ہے اس کے بعد فرمایا ذٰلِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام تو یہ ہے کہ جو ابھی مذکور ہوا اِنَّ اللّٰهَ مُؤْمِنٌ كَذِبٌ الْكُفْرَيْنَ (اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے) یہ دوسرا انعام ہے بدر کے موقعہ پر دشمن بہت زیادہ تھے اُن کے پاس ساز و سامان بھی بہت تھا۔ اپنے خیال خام میں مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے آئے تھے لیکن اُن کی ساری تدبیر دھری رہ گئی اور بھاری تعداد میں مقتول ہوئے اور قیدی بنا لئے گئے۔ سیاق کلام تو غزوہ بدر سے متعلق ہے لیکن جملہ اسمیہ اختیار فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آئندہ بھی کافروں کی تدبیریں کمزور ہوتی رہیں گی۔ جملہ اسمیہ پر حرف اَنْ بھی داخل ہے جو تحقیق کے لئے آتا ہے۔ غزوہ بدر کے بعد آج تک اس کا تجربہ ہوتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے مقابلہ میں بارہا کافروں کی تدبیریں کمزور فرمادیں۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی وہی کام کریں گے

وَلَكِنْ تَغْنِي عَنْكُمْ فِتْنَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كُنْتُمْ وَآقَ اللَّهُ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اور تمہاری جماعت ہرگز تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ اگرچہ کثیر تعداد میں ہو اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا خطاب

تفسیر: مفسرین نے لکھا ہے کہ ابو جہل نے بدر کے دن لڑائی ہونے سے پہلے یوں دعا کی تھی کہ اے اللہ! یہ جو دو جماعتیں ہیں (ایک مومنین دوسرے مشرکین) ان میں سے جو بھی قطع رحمی میں بڑھ کر ہو اور جو ایسی چیز لے کر آیا ہو جسے ہم نہیں جانتے آج کی صبح اُسے شکست دے دینا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مشرکین بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو کعبہ شریف کے پردے پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور یوں کہا کہ اے اللہ دونوں لشکروں میں سے جو لشکر آپ کے نزدیک اعلیٰ اکرم اور بہتر ہو اس کی مدد فرمائیے (ابن کثیر ص ۲۹۶ ج ۲)

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب بدر کے دن دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں تو ابو جہل نے کہا اے اللہ ہمارا دین قدیم ہے اور محمد کا دین نیا ہے۔ دونوں دینوں میں جو دین آپ کو محبوب ہو اور آپ اس سے راضی ہوں اسی دین کے اصحاب کی مدد کیجئے (روح المعانی ص ۱۸۷ ج ۹) مشرکین نے یہ دعا کی تھی جن میں ابو جہل پیش پیش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دعاء قبول فرمائی اور جو دین اللہ کے نزدیک محبوب تھا اسی دین (یعنی اسلام) کے ماننے والوں کی مدد فرمائی اور اُن کو فتح یاب فرمایا آیت بالا میں اسی کا ذکر ہے کہ تم نے جو دعا کی تھی اور حق و باطل کا فیصلہ چاہا تھا وہ فیصلہ تمہارے سامنے آ گیا اہل حق کی اللہ نے مدد فرمائی اب تمہیں اپنی دعاء کے مطابق بھی کفر پر باقی رہنے کا کوئی موقع نہیں رہا۔

وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ (اور اگر تم رسول اللہ ﷺ کی دشمنی سے اور آپ کے مقابلہ میں جنگ کے لئے آمادہ ہونے سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) یہ خطاب اُن کافروں کو ہے جو قید کر لئے گئے تھے اور جو کافر مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے تھے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی ان سے فرمایا وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے جو پہلے کیا تھا یعنی اگر تم نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے منصوبے بنائے اور جنگ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تو پھر ہم وہی کریں گے جو مذکورہ جنگ یعنی غزوہ بدر کے موقع پر کیا یعنی اہل ایمان کی مدد کریں گے اُن کو فتح یابی دیں گے اور پھر تم ذلیل و خوار ہو گے وَلَكِنْ تَغْنِي عَنْكُمْ فِتْنَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كُنْتُمْ وَآقَ اللَّهُ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ (اور اللہ مومنین کے ساتھ ہے) اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مشرکین عرب اور خاص کر مشرکین مکہ کے لئے اس بات کے سوچنے کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف پھر جنگ کرنے کا ارادہ کریں اور ہمیشہ کے لئے مستقل اعلان فرمادیا کہ

وَإِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ لیکن مشرکین کی پھر بھی آنکھیں نہ کھلیں اور غزوہ احزاب میں پھر قبیلوں اور جماعتوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور انکی بہت بڑی بھاری جمیعت تتر بتر ہو کر بھاگ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہوتی تو کفار تھوڑے سے مسلمانوں کو جواب دے اسلام میں تھے۔ بالکل ہی ختم کر دیتے اور دین اسلام بالکل ہی آگے نہ بڑھتا۔ لیکن کافروں کی ہزاروں تدبیریں فیل ہوئیں۔ میدان جہاد میں ان کی بڑی بڑی بھاری جماعتیں مغلوب ہوئیں ان میں سے لاکھوں مقتول ہوئے اور الحمد للہ ایمان ہمیشہ بڑھتا چڑھتا رہا۔ اور آج بھی کافروں کی تدبیریں فیل ہیں ان کے گھروں میں ان کی موجودہ نسلوں میں اسلام داخل ہو رہا ہے۔ یورپ امریکہ میں روزانہ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ (یقیناً اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ مؤمنین کے ساتھ ہے) دنیا میں جو کہیں مسلمانوں کی شکست ہے وہ ان کے فشق کی وجہ سے ہے۔ اسلام کے اعمال پر مستقیم نہیں ہیں۔ اخلاص سے بھی خالی ہیں۔ لہذا دشمنوں کے زرعے میں آ جاتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۝

اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ

اور ان میں سے مت ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور حال یہ ہے کہ وہ نہیں سنتے بیشک زمین پر چلنے پھرنے

عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا

والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بُرے وہ لوگ ہیں جو کونگے ہیں بہرے ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے اور اگر اللہ جانتا کہ ان میں کوئی بھلائی ہے

لَأَسْمِعَهُمْ وَلَوْ أَسْمِعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

تو ان کو ضرور سنا دیتا اور اگر ان کو سنا دے تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے زنی کرتے ہوئے۔ اے ایمان والو!

اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ

تم حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرتی ہے اور جان لو کہ بیشک اللہ حاکم ہو جاتا ہے

بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان اور بیشک تم اللہ ہی کی طرف جمع کئے جاؤ گے

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا اور حکم کی تعمیل کرنے کا اور حکم بجالانے کا حکم فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو یعنی

جب تم بات سن رہے ہو قرآن کا حکم تمہارے سامنے ہے رسول اللہ ﷺ حکم دے رہے ہیں تو عمل نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور کوئی عذر نہیں جو عمل سے روکے مزید فرمایا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے) ان سے کافر اور منافق مراد ہیں۔ ان کے کانوں میں تو بات جاتی ہے لیکن چونکہ دل کے کانوں سے نہیں سنتے اور پہلے ہی سے یہ طے کر رکھا ہے کہ ہمیں ماننا اور سمجھنا نہیں ہے اس لئے کانوں کا سننا نہ سننے کے برابر ہو جاتا ہے اور اس سننے سے بالکل متفق نہیں ہوتے۔ پھر فرمایا: إِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّ (الآیہ) یعنی بیشک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑے وہ لوگ ہیں جو گونگے اور بہرے ہیں سمجھ نہیں رکھتے دو اب جمع ہے دابہ کی عربی لغت کے اعتبار سے دابہ مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ زمین پر چلنے والی مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بڑے وہ لوگ ہیں جو نہ تو حق کو سنتے ہیں اور نہ حق بولتے ہیں اور انکی انتہائی بری حالت یہ ہے کہ سمجھتے بھی نہیں۔ بہر شخص بعض دفعہ کچھ اشارہ سے سمجھ تو لیتا ہے لیکن جس میں عقل ہی نہ ہو وہ تو کسی طرح سمجھتا ہی نہیں۔ یہ کافروں کی بد حالی ہے۔

اور اگر دابہ بمعنی چوپایہ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل کفر چوپایوں کی طرح سے ہیں نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ سورۃ فرقان میں فرمایا: أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوًىٰ ۚ فَأَنَّىٰ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۚ أَمْ يَحْسَبُ أَنَّ الْأَنْدَاطَ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلَّغْنَا لَهُمُ الْحَقَّ لَا سَمِيًّا ۚ (اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں) پھر فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِتْنَهُمْ حَقًّا لَأَنصَبَهُمْ وَلَوْ أَن سَمِعَهُمْ لَتَوَكَّلُوا ۚ وَهُمْ كَافِرُونَ (اور اگر اللہ کے علم میں ہوتا کہ ان میں کوئی خیر ہے یعنی حق کی طلب ہے تو انہیں سنا دیتا) یعنی ایسے سننے کی توفیق دیتا جو سنا اعتقاد کے ساتھ ہو۔ اور یہ سننا ان کے لئے فائدہ مند بن جاتا اور چونکہ ان کو طلب حق نہیں ہے اسلئے اگر اللہ تعالیٰ ان کو سنائے تو روگردانی کریں گے اور دوسری طرف رخ کر کے چل دیں گے۔ بات یہ ہے کہ جب طلب نہیں ہوتی تو کان میں پڑنے والی بات اثر نہیں کرتی اور ساری سنی ان سنی کے برابر ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو بجالاؤ جب اللہ کا رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرتی ہے) اس میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے اور فرمانبرداری کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یوں فرمایا کہ وہ تمہیں ایک ایسی چیز کی طرف بلا تے ہیں جس میں تمہاری زندگی ہے اس سے حقیقی زندگی مراد ہے اور وہ ایمان و اعمال صالحہ والی زندگی ہے جس سے دنیاوی زندگی بھی زندگی بن جاتی ہے اور آخرت میں بھی ابد الابد کی زندگی نصیب ہوگی کفر کے ساتھ زندگی کوئی زندگی نہیں زندگی اپنے آقا و خالق و مالک کی وفاداری کا نام ہے جو اپنے رب سے غافل ہے وہ زندہ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مثل الذى يذکر ربه والذى لا یذکر مثل الحی والمیت (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶ از بخاری) (مثال اس شخص کی جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا مردہ اور زندہ کی سی مثال ہے) جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہے وہ مردہ ہے اور جو اسکی یاد میں لگے ہوئے ہیں وہ زندہ ہیں۔ حیات ابدی کے لئے ایمان ضروری ہے۔ اور اعمال صالحہ سے

ایمان میں نورانیت آ جاتی ہے اور اس میں ترقی ہوتی ہے۔ آخرت میں جو طرح طرح کی ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی اُن میں اعمالِ صالحہ کو دخل ہوگا۔ اہل ایمان کی جنت والی زندگی کے بارے میں سورہ عنکبوت میں فرمایا۔ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ (اور بیشک دارِ آخرت ہی زندگی ہے) اور اہل کفر کے بارے میں فرمایا لَا یَمُوتُ فِیْہَا وَلَا یَحْیٰی کہ وہ اس میں نہ زندہ رہے گا اور نہ مرے گا۔ درحقیقت عذابِ عظیم کے ساتھ جینا کوئی زندگی نہیں ہے۔ پھر فرمایا: وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللہَ یَحْضُرُ بَیْنَ الْمَرءِ وَ قَلْبِہِ (اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ حائل ہو جاتا ہے آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان) صاحب روح المعانی (ص ۱۹۱ ج ۹) نے اس کا ایک معنی یہ بتایا ہے کہ اس سے قرب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب سے بھی زیادہ بندہ سے قریب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آیت شریفہ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیدِ اور یہ آیت دونوں ہم معنی ہیں۔ پھر بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کے قلوب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ اس کے تصرف سے دلوں کے عزائم اور مقاصد بدل جاتے ہیں وہ کسی کو رشد و ہدایت سے نوازتا ہے اور کسی کو صراطِ مستقیم سے ہٹا دیتا ہے۔ کسی کے امن کو خوف سے بدل دیتا ہے اور جو چیزیں یاد ہوں انکو بھلا دیتا ہے۔ اس بارے میں انہوں نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دُعا فرماتے تھے يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّثْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ (اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ) یہ سن کر حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کثرت سے یہ دُعا فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا اے ام سلمہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا دل اللہ کے قبضہ قدرت میں نہ ہو جسے چاہے ہدایت پر قائم رکھے اور جسے چاہے ہٹا دے صاحب روح المعانی نے اس حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔ البتہ مفسر ابن کثیر ص ۲۹۸ ج ۲ نے بحوالہ مسند احمد یہ حدیث نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے ہم معنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے صفحہ ۲۰ ص ۲۰ صحیح مسلم سے نقل کیا ہے۔ آخر میں فرمایا: وَأَنۡتَ إِلَیۡہِ تُحْشَرُونَ اور بلاشبہ تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے اس میں یومِ آخرت کے استحضار کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ آخرت کا استحضار تمام امور دنیویہ اور دُنیویہ کے درست ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور آخرت سے غفلت ہی عموماً گناہوں اور خرابیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَعَلَمُوا أَنَّ اللہَ شَدِيدُ

اور تم ایسے فتنہ سے بچو جو خاص کر انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ سخت

العقاب

عذاب والا ہے

ایسے فتنہ سے بچو جو خاص کر گناہگاروں پر واقع نہ ہوگا

تفسیر: اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جو فتنہ یعنی عذاب اور وبال آتا ہے

وہ صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہتا جنہوں نے گناہ کئے بلکہ دوسرے لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب گناہ گاروں پر عذاب آتا ہے تو وہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان گناہوں کے مرتکب نہیں جن کی وجہ سے عذاب آیا لیکن چونکہ ان لوگوں نے گناہوں سے روکنے کا فریضہ ادا نہیں کیا اور اپنی نیکیوں میں لگے رہے اور گناہ گاروں کو گناہوں سے نہیں روکا اس لئے یہ لوگ بھی مبتلائے عذاب ہوتے ہیں۔ متعدد احادیث میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

نہی عن المنکر چھوڑنے پر وعیدیں: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی قوم میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جو گناہوں کے کام کرتا ہو اور وہ لوگ روکنے پر قدرت رکھتے ہوئے اسے نہ روکتے ہوں تو ان لوگوں کی موت سے پہلے اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گناہوں میں پڑنے والوں اور گناہ ہوتے ہوئے دیکھنے والوں کی ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک کشتی ہے اس میں دو طبقے ہیں قرعہ ڈال کر آپس میں طے کر لیا کہ کون لوگ اوپر کے حصہ میں جگہ لیں اور کون لوگ نیچے والے طبقہ میں بیٹھیں جب اپنے اپنے حصوں میں بیٹھ گئے تو جو لوگ نیچے ہیں وہ پانی لینے کے لئے اوپر جاتے ہیں اور پر والے لوگ ان کے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں (جب نیچے والوں نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ ہمارے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں تو) انہوں نے ایک کلباڑا لیا اور کشتی میں نیچے سوراخ کرنے لگے اوپر والے آئے اور انہوں نے کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور ہم اوپر جاتے ہیں تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے (لہذا ہم یہیں سے پانی لے لیں گے) تو اب اگر اوپر والے لوگ نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں گے (تاکہ سوراخ نہ کریں) تو ان کو بھی پچالیں گے اور اپنی جان کو بھی پچالیں گے۔ اور اگر ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنی جانوں کو بھی ہلاک کر دیں گے (رواہ البخاری ص ۱۷۳۳۹-۱۷۳۴۰ ج ۲)

معلوم ہوا کہ جہاں خود نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے وہاں اس کی بھی ضرورت ہے کہ گناہ کرنے والوں کو گناہ کرنے سے روکتے رہیں اگر ایسا نہ کیا تو عذاب آنے کی صورت میں سبھی مبتلائے عذاب ہوں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو اس کے رہنے والوں سمیت الٹ دو۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب بلاشبہ ان لوگوں میں آپ کا ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے کے برابر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اس کو بھی عذاب میں شامل کر دیا جائے؟) اللہ کا ارشاد ہوا کہ اس شہر کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو کیونکہ میرے بارے میں اس کے چہرہ میں کبھی تغیر نہیں آیا یعنی یہ شخص زبان سے اور ہاتھ سے تو لوگوں کو گناہوں سے کیا روکتا اس کے چہرہ پر گناہوں کو دیکھ کر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب عذاب آتا ہے تو اس وقت دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری

جان ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا پھر اس سے دعا مانگو گے اور وہ قبول نہ فرمائے گا۔ (رواہ الترمذی)

بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں اس فتنہ کا ذکر ہے جو ترک جہاد کی وجہ سے عوام و خواص سب کو اپنی پلیٹ میں لے لے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ دین اور شعائر دین کی حفاظت اور عامۃ المسلمین کی حفاظت جہاد قائم رکھنے میں ہے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ جہاد کرتے ہی رہیں اگرچہ کافر حملہ آور نہ ہوں اور اگر وہ حملہ آور ہو جائیں تو پھر کوئی گنجائش کسی کو جہاد سے پیچھے ہٹنے کی ہے ہی نہیں۔ جہاد کا سلسلہ جاری نہ رکھنے کی ہی وجہ سے دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت ہوتی ہے اور جب دشمن چڑھ آتے ہیں تو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت کے لئے فکر مند ہونا پڑتا ہے۔ لہذا جہاد جاری رکھا جائے اور اس سے پہلو تہی نہ کریں ورنہ عوام و خواص مصیبت میں گھر جائیں گے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی قوم جہاد چھوڑ دے گی اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیج دے گا۔ (مجمع الزوائد ص ۲۸۴ ج ۵ عن الطبرانی فی الاوسط)

آخر میں فرمایا **وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ** (اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے) اس کا مراقبہ کریں اور گناہوں سے بچتے رہیں۔

وَإِذْ كُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ

اور اس وقت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے۔ زمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ

النَّاسُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَالِبُونَ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۶﴾

لوگ تمہیں اچک لیں سو اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت دی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو

مسلمانوں کو ایک بڑے انعام کی یاد دہانی

تفسیر: بدر میں جو اللہ جل شانہ نے اہل ایمان کی مدد فرمائی یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ واقعہ بدر کی وجہ سے مسلمانوں کو شوکت اور عزت مزید حاصل ہو گئی اور پورے عرب پر دھاک بیٹھ گئی اور قریش مکہ (جو تجارت کے لئے ملک شام آیا جایا کرتے تھے) کے واسطے سے قیصر و کسریٰ کو بھی مسلمانوں کی اس فتح یابی کا علم ہوا اور انہیں بھی مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کا پتہ چل گیا۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو جو کامیابی ہوئی اور مشرکین نے جو بُری طرح شکست کھائی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے اس انعام کا احسان جنایا اور انکی سابقہ کمزوری کو یاد دلایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اپنا وہ وقت یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے ضعیف بھی تھے۔ مکہ کی سر زمین میں تمہاری کچھ بھی حیثیت نہیں تھی۔ تمہیں اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں اچک لیں گے اور کفار مکہ تمہیں ختم کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا کہ تمہیں مدینہ منورہ میں ٹھکانہ دیا جہاں رہنے کی جگہ بھی مل گئی اور دشمنوں سے حفاظت بھی ہو گئی۔ پھر جب مقام بدر میں دشمنوں سے ٹھکڑ ہوئی

تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوت دی اور مدد فرمائی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں نصیب فرمائیں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے تمام حلال اور لذیذ چیزیں مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جو اموال بدر میں غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے وہ مراد ہیں۔ آخر میں فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (تاکہ تم شکر گزار بندے بنو)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ وَأَنْتُمْ

اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ کی اور رسول کی اور نہ خیانت کرو اپنی آپس کی امانتوں میں حالانکہ تم

تَعْلَمُونَ ﴿۷۵﴾

جانتے ہو

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور آپس میں بھی خیانت کرنے سے باز رہو

تفسیر: درمنثور (ص ۷۸ ج ۳) میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب ابوسفیان کی مکہ سے روانگی ہوئی تو حضرت جرأیل علیہ السلام نے آپ کو بتادیا کہ ابوسفیان فلاں فلاں جگہ پر ہے لہذا اسکی طرف نکل کھڑے ہوں اور اس بات کو پوشیدہ رکھیں لیکن بعض منافقین نے ابوسفیان کو بذریعہ خط اطلاع دے دی کہ حضرت محمد ﷺ تمہارے قافلے پر حملہ آور ہونے کے لئے ارادہ کر رہے ہیں لہذا تم اپنی حفاظت کی فکر کرو۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور ایک روایت یوں ہے جو حضرت ابن شہاب زہری سے مروی ہے کہ بنو قریظہ (جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا) انہوں نے جب معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا انہوں نے کہا کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں جو بالغ مرد ہیں ان کو قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ ان کے اس فیصلہ کا علم حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہو گیا جو یہودیوں کے حلیف تھے انہوں نے یہودیوں کو اپنے گلے پر ہاتھ کے اشارہ کرتے ہوئے یہ بتادیا کہ تمہارے بارے میں قتل کا فیصلہ ہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ حضرت ابولبابہ کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سمجھ گئے کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے لہذا انہوں نے مسجد نبوی کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا اور کہنے لگے کہ میں نے کچھ چکھوں گا اور نہ پیوں گا حتیٰ کہ مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو فرمایا کہ میرے پاس آ جاتا تو میں اس کے لئے استغفار کر دیتا۔ اب جو اُس نے خود ایسا کر لیا ہے تو میں اس وقت چھوڑ سکتا ہوں جب اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے۔ سات دن تک انہوں نے کچھ نہ کھایا نہ پیا۔ یہاں تک کہ بیہوش ہو کر گر گئے پھر جب اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول فرمائی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور ان کو کھول دیا (روح المعانی ص ۱۹۰ ج ۹)

آیت کا سبب نزول جو بھی ہو اس میں اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور اس کا عموم ہر

طرح کی خیانت کو شامل ہے اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: لَا تَخُونُوا اللَّهَ بترک فرائضہ والرسول بترک سنتہ یعنی فرائض کو چھوڑ کر اللہ کی خیانت نہ کرو اور سنتوں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خیانت نہ کرو (درمنثور ص ۷۸ ج ۳)

معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت ہے اور جن چیزوں کو پوشیدہ رکھنے کا حکم فرمایا ہو ان کو ظاہر کر دینا بھی خیانت میں شمار ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کرنے کی ممانعت کے بعد فرمایا: وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ اور آپس میں اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو چونکہ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور ہر طرح کی امانت میں خیانت کرنے کی ممانعت ہے اس لئے ہر خیانت سے نہایت اہتمام کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔ مالی خیانت کو تو سبھی جانتے ہیں مثلاً کوئی شخص امانت رکھ دے تو اس کو کھا جائے یا استعمال کرے یا کم کر دے یا دوشریک آپس میں خیانت کر لیں جو شخص قرض دے کر یا کسی بھی طرح اپنا مال دے کر بھول جائے اس کا حق رکھ لیں وغیرہ وغیرہ یہ سب خیانتیں ہیں اور ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کس کا حق مارا ہے اور کس کی خیانت کی فکر آخرت اور اللہ کا ڈر ہو تو انسان خیانت سے بچ سکتا ہے ورنہ دنیاوی نفع کو دیکھ کر بڑے بڑے دیانت داری کے دعویدار اس مسئلہ میں کچے پڑ جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں دیانت دار ہے۔ چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤساء اور وزراء امانت دار ہیں۔ انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لئے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں۔ کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی، پڑوسی، میاں بیوی، ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانت دار ہیں۔ جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گتہ گار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا۔ مالیات کے علاوہ دیگر امور میں خیانت ہوتی ہے جن کا ذکر احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا: وَانْتُمْ تَعْلَمُونَ یعنی تم امانتوں میں خیانت نہ کرو جبکہ تم خیانت کا برا انجام جانتے ہو اور تمہیں اس کے معصیت ہونے کا علم ہے۔

امانت اور خیانت کے بارے میں تفصیلی نصائح اور احکام ہم سورۃ نساء کی آیت لَنْ يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتُودُوا الْأَمْوَالَ إِلَىٰ أَهْلِهَا کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں اور ہم نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ

اور تم جان لو کہ بیچک تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور بلا شبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَقْوُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تمہیں فیصلہ والی چیز دے گا اور تمہارے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

اور تمہاری بخشش فرما دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے

اموال اور اولاد فتنہ ہیں

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں۔ پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ امتحان کی چیز کو کہا جاتا ہے۔ مال اور اولاد کا فتنہ ہونا کئی وجوہ سے ہے۔ مال و اولاد کی مشغولیت اور محبوبیت صحیح طریقہ پر کام نہیں کرنے دیتی، جہاد کی شرکت سے باز رکھتی ہے۔ نماز بھی صحیح طریقہ سے پڑھنے نہیں دیتی، پوری زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی نفیس انکار کرتا ہے حج فرض ہو جاتا ہے تو برسوں تاخیر کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ حج فرض ہوتے ہوئے حج کئے بغیر مر جاتے ہیں اور دیگر فرائض و واجبات میں بھی دنیاوی مشاغل رکاوٹیں ڈالتے ہیں اللہ جل شانہ نے تنبیہ فرمائی کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں یہ آزمائش کی چیزیں ہیں آزمائش میں پورے اترو مال اور اولاد تمہارے امتحان میں قیل ہونے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ آیت میں لفظ اموال کو اولاد سے پہلے لایا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مال کا فتنہ اولاد کے فتنہ سے بڑھ کر ہے۔ حضرت کعب بن عیاض نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ان لکل امة فتنۃ و فتنۃ امتی المال (بلاشبہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے) ۱۔

اول تو مال کمانے میں یہ دھیان کرنے کی ضرورت ہے کہ مال حلال ہو، حلال کمائی کے ذریعہ حاصل کیا ہو اور اس کے کمانے میں فرائض و واجبات کو ضائع نہ کیا ہو کمانے کے بعد اس کے خرچ کرنے کا مسئلہ ہے۔ خرچ کرنے کے بارے میں بھی شریعت کے احکام ہیں اور خلاف شرع خرچ کرنے پر مؤاخذہ ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن بندہ کے قدم (حساب کی جگہ سے) نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ ہو جائے۔ ۱- عمر کہاں فنا کی ۲- جوانی کہاں گنوائی ۳- مال کہاں سے کمایا ۴- اور کہاں خرچ کیا ۵- علم پر کیا عمل کیا۔ ۲۔

معلوم ہوا کہ مال کے بارے میں دو ہر سوال ہوگا دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اول تو کمانے ہی میں حلال حرام کا خیال نہیں ہوتا اور پھر خرچ کرنے میں بھی شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کی جاتی، اولاد کی محبت میں اور بیویوں کی فرمائش پوری کرنے کے لئے بہت سے حلال پیسے حرام راستے میں خرچ کر دیتے ہیں پھر زیادہ مال کی طلب تو اور بھی زیادہ ناس کھو دیتی ہے، سود جوئے اور سٹہ بازی کے ذریعہ نیز رشوتیں دے کر اور رشوتیں لے کر اور حرام چیزوں کا کاروبار کر کے اور اپنے شرکاء تجارت کی خیانت کر کے مزدوروں کا حق مار کر نمازیں برباد کر کے، اصحاب حقوق کے حقوق روک کر مال جمع کیا جاتا ہے ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اسے تو دنیا سے چلا جانا ہے یہ مال تو دوسروں کے قبضہ میں آئے گا میں دوسروں کے لئے اپنی آخرت کیوں خراب کروں؟ لیکن بینک بیلنس کی فکر، نوٹوں کی کڈیوں کی محبت اس چیز کو سوچنے نہیں دیتی۔ اولاد بھی فتنہ ہے اولاد کی فرمائش پوری کرنے اور ان پر عمدہ مال خرچ کرنے اور انکی شادیوں میں مال لگانے اور موت کے بعد انکے لئے مال چھوڑنے اور ان کے لئے گھر در بنانے میں بہت سے گناہ ہوتے ہیں اور خلاف شرع بہت سے کام کئے جاتے ہیں۔

جو چیز امتحان کے لئے دی گئی تھی اسکی مشغولیت اور محبوبیت میں بہت سے گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ مومن بندوں کو ہمیشہ

فکر مند رہنا چاہئے کہ کہیں اموال و اولاد کی محبت میں پڑ کر امتحان میں ٹیل نہ ہو جائیں۔ ٹیل ہونے پر جہاں عذاب کی وعیدیں ہیں وہاں امتحان میں کامیاب ہونے پر اجر عظیم کا وعدہ بھی ہے آیت کے اخیر میں اسی کو فرمایا: **وَ اَنَّ اللہَ عِنْدَہٗ اَجْرُ عَظِیْمٌ** (اور بلاشبہ اللہ کے نزدیک بڑا اجر ہے)۔

تقویٰ پر انعام: دوسری آیت میں فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فیصلہ والی چیز عطا فرمادے گا، اور گناہوں کا کفارہ فرمادیگا۔ اور تمہاری بخشش فرمادے گا۔ ”فیصلہ والی چیز“ سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے ہدایت اور دلوں کا وہ نور مراد ہے جس کے ذریعہ حق اور باطل کے درمیان فرق کر سکیں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ شانہ کی مدد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی ایسی مدد فرمائے گا جس کی وجہ سے مومنین کو عزت دے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا۔ اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا غلبہ عطا فرمائے گا جس سے تمہارے دین کی شہرت ہوگی اور دنیا میں تمہاری کامیابی کے تذکرے ہوں گے (راجع روح المعانی ص ۱۹۶ ج ۹) پھر کفارہ سینات اور مغفرت ذنوب کا وعدہ فرمایا اور اخیر میں فرمایا: **وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ** (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیَمْکُتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ

اور جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں اور وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور

اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ

اللہ بھی تدبیر فرما رہا تھا۔ اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

آپ ﷺ کے سفر ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ کے مشورے

تفسیر: اس آیت میں سفر ہجرت کا سبب اور ابتدائی واقعہ مذکور ہے معاملہ التنزیل (ص ۲۴۳ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں حضرات انصار نے اسلام قبول کر لیا تو قریش مکہ خائف ہوئے اور مشورے کے لئے دار الندوہ (پنچائیت گھر) میں جمع ہوئے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں غور کریں کہ اب آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اس موقع پر ابلیس ملعون بھی ایک برٹے میاں کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ تو کون ہے کہنے لگا کہ میں شیخ نجدی ہوں۔ مجھے آپ لوگوں کے جمع ہونے کا پتہ چلا تو میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں۔ اور اپنی خیر خواہانہ رائے سے تم لوگوں کو محروم نہ کروں ان لوگوں نے اسے اپنے مشورے میں شریک کر لیا۔ مکہ والوں میں سے جو لوگ حاضر تھے ان میں سے ایک شخص ابوالختری ابن ہشام بھی تھا۔ اس نے اپنی رائے ظاہر کی اور کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد ﷺ کو کسی گھر میں مجبوس کر کے دروازہ بند کر دو صرف تھوڑا سا روشن دان کھلا رہے جس میں سے دانہ پانی ڈالتے رہو اور اسکی موت کا انتظار کرو جیسے اس سے پہلے دوسرے شعراء ہلاک ہو

گئے یہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ نجدی ابلیس چیخ اٹھا اور اس نے کہا یہ تو بُری رائے ہے۔ اگر اس پر عمل کرو گے تو اس کے ماننے والے میدان میں آ جائیں گے اور تم سے جنگ کر کے تمہارے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے۔ یہ سن کر سب کہنے لگے شیخ نجدی نے صحیح کہا یہ رائے مصلحت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ہشام بن عمرو نے رائے دی اور کہنے لگا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس شخص کو کسی اونٹ پر بٹھا کر اپنے درمیان سے نکال دو آگے کہاں جائے کیا بنے تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ جب تمہارے یہاں سے چلا گیا تو تمہیں تو آرام مل ہی جائے گا یہ سن کر ابلیس ملعون بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں تم اس شخص کو جانتے ہو تمہیں پتہ ہے کہ اس شخص کی گفتگو کتنی شیریں ہے اور زبان میں کتنی مٹھاس ہے۔ یہ بھی جانتے ہو کہ اسکی باتیں سن کر لوگ گردیدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو باہر جا کر بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حملہ آور ہوگا اور تمہیں وطن سے نکال دے گا۔ یہ سن کر اہل مجلس کہنے لگے کہ شیخ نجدی نے ٹھیک کہا۔

ابو جہل کا مشورہ اور شیطان کی تائید: اس کے بعد ابو جہل بولا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں ایک ایسی رائے دوں گا کہ اس کے علاوہ کوئی رائے ہے ہی نہیں۔ میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ قریش کے جتنے قبیلے ہیں ہر قبیلے میں سے ایک ایک خوب بکڑا نو جوان لیا جائے اور ہر ایک کو تلوار دیدی جائے۔ پھر یہ نو جوانوں کی جماعت یکبارگی ملکر حملہ کر کے قتل کر دے۔ ایسا کرنے سے تمام قبیلوں پر ان کے خون کی ذمہ داری آ جائے گی۔ اور میرے خیال میں بنی ہاشم قصاص لینے کے لئے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ لہذا دیت قبول کر لیں گے اور سارے قریش ملکر دیت ادا کر دیں گے۔ یہ سن کر ابلیس بولا اس جوان آدمی نے صحیح رائے دی ہے اور یہ شخص تم میں سب سے اچھی رائے رکھنے والا ہے۔ اس نے جو رائے دی ہے میرے خیال میں بھی اس کے علاوہ کوئی دوسری رائے درست نہیں ہے۔ سب نے اسی پر اتفاق کر لیا اور مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد اور آپ کا صحیح سالم سفر ہجرت کے لئے روانہ ہو جانا

ادھر تو یہ لوگ متفرق ہوئے اور ادھر حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے مشورہ سے باخبر کر دیا اور عرض کیا کہ آپ جس گھر میں رات گزارا کرتے ہیں اس میں اس رات کو نہ رہیں ساتھ ہی انہوں نے مشرکین کے مشوروں سے آپ کو باخبر کر دیا۔ آپ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ رات گزارنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد آپ سفر ہجرت کے لئے روانہ ہو گئے اور ایک مٹھی میں مٹی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دی جو ان کے سروں میں بھر گئی اور آپ إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ پڑھتے ہوئے روانہ ہو گئے آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ دونوں حضرات راتوں رات غار ثور میں پہنچ گئے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ چھوڑ دیا تھا تا کہ وہ امانتیں ادا کر دیں جو آپ کے پاس رکھی رہتی تھیں (سچائی اور امانتداری ایسی ہی چیز ہے جو سچے اور امانتدار شخص کا لوہا خود منوادیتی ہے اہل مکہ آپ سے دشمنی بھی کرتے تھے، لیکن ساتھ ہی اپنی امانتیں رکھنے کے لئے آپ ہی کو منتخب کر رکھا تھا)۔

مشرکین کی ناکامی: جب آپ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے، تو مشرکین مکہ اس خیال

سے کہ صبح اٹھ کر باہر تشریف لائیں گے صبح ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے ارادہ تھا کہ حملہ کریں لیکن جب دیکھا کہ جسے قتل کرنا تھا وہ موجود نہیں۔ لہذا اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ حضرت علیؑ سے پوچھا کہ تمہارے دوست کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے پتہ نہیں۔ لہذا قدموں کے نشانوں پر چلتے رہے یہاں تک کہ غارِ ثور تک پہنچ گئے وہاں دیکھا کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالافن رکھا ہے یہ دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے اور کہنے لگے کہ اگر اس کے اندر گئے ہوتے تو مکڑی کا جال غار کے دروازہ پر کیسے ہوتا؟ آپ اس غار میں تین دن تک تشریف فرما رہے اس کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے آیت بالا میں جو **وَإِذْ يَنْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا** فرمایا ہے اس میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔ دشمن اپنی تدبیر میں قفل ہوئے اور اللہ کی تدبیر غالب آئی۔ (الہدایہ والتہایہ از ص ۵۷ تا ص ۱۸۱)

وَإِذْ أَتَىٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُتِلْنَا وَمِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

اور جب ان پر ہماری آیات عطا کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں۔ یہ کچھ بھی

فَأَمْطَرَ عَلَيْهِمْ جَارًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ وَإِذْ يَنْتَهِبُ عَذَابَ آلِ يَمُوتٍ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

نہیں ہے مگر وہ باتیں ہیں جو اگلے دنوں کے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اللہ اگر چاہے آپ کی طرف سے واقعی جہنم پر

وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝

آسمان سے پھر برسا دیتے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دیتے۔ اور اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے گا

وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝

جبکہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں اس حال میں عذاب نہیں دے گا کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔

مشرکین کا عناد اور جھوٹا دعویٰ کہ ہم بھی قرآن جیسا کلام کہہ سکتے ہیں

تفسیر: قبیلہ بنی عبدالدار میں سے ایک شخص نضر بن الحارث تھا یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا تھا۔ مشرکین مکہ قرآن مجید سنتے تھے اور اس کے مقابلہ میں کوئی ایک آیت لانے سے بھی عاجز تھے۔ اس کی فصاحت بلاغت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جب ان کو چیلنج دیا گیا کہ اس کے مقابلہ میں ایک سورت بنا کر لاؤ تو عاجز رہ گئے۔ لیکن نضر بن الحارث نے ”کھسانی بلی کھبا نوچے“ کے طریقہ پر خفت مٹانے کے لئے یوں کہا کہ **”لَوْ نَشَاءُ لَقُتِلْنَا وَمِثْلَ هَذَا“** (اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام کہہ دیں) مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہیں کہ ہم عاجز ہیں کہہ تو سکتے ہیں۔ لیکن کہتے نہیں ہمیں کوئی مجبوری نہیں ہے کہ مقابلہ کے لئے ہم اس جیسا کلام بنا کر لائیں اور مزید اُس نے یہ بھی کہا **”إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ“** (کہ یہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو ان کی لکھی ہوئی ملتی ہیں) اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کلام نہیں ہے پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد کر لی ہیں انہیں کو سناتے

رہتے ہیں۔ نضر بن الحارث کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی ایسی بات کہی تھیں۔ جیسا کہ سورۃ انفصال میں فرمایا: **حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُخَالِفُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ**۔ ان لوگوں کی یہ بات شرارت اور عناد کی وجہ سے سنی یہ جانتے تھے کہ محمد ﷺ انہی ہیں نہ پڑھنا جانتے ہیں اور نہ پہلے لوگوں کی کتابیں ان تک پہنچی ہیں۔ پھر بھی ایمان سے دور اور کفر پر جے رہتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں۔

نضر بن حارث کا عذاب کے لئے دعا کرنا: نضر بن حارث نے جب یوں کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں سناتے ہیں تو حضرت عثمان بن مظعونؓ نے اس سے کہا کہ تو اللہ سے ڈر! محمد ﷺ حق فرماتے ہیں اس پر اس نے کہا کہ میں بھی حق کہتا ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ محمد ﷺ تو لا الہ الا اللہ کہتے ہیں وہ کہنے لگا میں بھی لا الہ الا اللہ کہتا ہوں، لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں (العیاذ باللہ) اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ ہم انہیں اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں اس لئے ہم بھی لا الہ الا اللہ کہتے ہیں وہ لا الہ الا اللہ کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ پھر اس نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی کہ: ”اے اللہ اگر یہ دین جس کی دعوت محمد ﷺ دیتے ہیں حق ہے تیری طرف سے ہے تو اسے قبول نہ کرنے کی سزا میں ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا اور کوئی دردناک عذاب بھیج دے“ اپنے خیال میں اُس نے یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہی تھی کہ اگر دین محمد ﷺ حق ہوتا تو ہم پر پتھر برس جاتے اور عذاب نازل ہو جاتا جب یہ بات نہیں ہے تو ہم حق پر ہیں۔ اس طرح کی بات یہود نے بھی کہی تھی۔ سورہ مجادلہ میں ان کا قول نقل فرمایا ہے۔ **لَوْلَا بُعِدَ بَيْنَ اللَّهِ يَمَانُكُمُ** (جو باتیں ہم کرتے ہیں انکی وجہ سے اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا) اور اس زمانہ میں بھی بہت سے فتنہ گر ایسی باتیں کرتے ہیں اہل حق کے مقابلہ میں آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا۔ عذاب آنا نہ آنا حق اور ناحق واضح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ دلائل قرآنیہ اور دلائل عقلیہ سے حق واضح ہوتا ہے اور انہیں میں تفکر اور تدبیر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ جو عذاب بھیج کر فیصلہ فرمائے گو کبھی ایسا ہو بھی جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب مانگنے والوں کی دعا قبول فرمالیتا ہے۔ کبھی جلدی اور کبھی دیر سے عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ **سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِّلْكَافِرِينَ** نضر بن حارث کے سوال پر نازل ہوئی۔ حضرت عطانے فرمایا کہ نضر بن الحارث کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور غزوہ بدر میں اسے قتل کر دیا گیا۔ (کذا فی تفسیر الجلالین وحاشیہ ص ۴۷۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آیت **اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِن عِنْدِكَ** (آیہ) میں جو عذاب آنے کا سوال مذکور ہے یہ سوال ابو جہل نے کیا تھا۔ (چونکہ یہ سوال عمومی عذاب کا تھا اسی لئے عمومی عذاب نہیں آیا) اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اگلی آیت **وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ** نازل فرمائی (صحیح بخاری ص ۶۷۰ ج ۲) جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر آپ کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نیکوینی قانون ہے کہ جس بستی میں اللہ کا کوئی نبی موجود ہو اس پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں فرماتا جب تک مجرموں کے درمیان سے اپنے نبی کو نہ نکال لے۔ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں پر جب ہی عذاب آیا جبکہ یہ حضرات بستیوں سے باہر جا چکے تھے۔ خاتم

الانبیاء جو رحمۃ للعالمین ﷺ تھے۔ آپ کسی ہستی میں موجود ہوں اور وہاں عذاب آجائے یہ نہیں ہو سکتا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کا موجود ہونا عذاب آنے سے مانع تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اس کے دوسرے سال غزوہ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے جن میں ابو جہل بھی تھا اور نصر بن الحارث بھی۔

حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد کہ استغفار سبب امان ہے: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اہل مکہ کے لئے دو چیزیں امان کی تھیں۔ ایک نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور دوسرے استغفار۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے تشریف لے آئے تو ان کے پاس امان کی صرف ایک چیز رہ گئی۔ یعنی استغفار لہذا اہل مکہ پر عمومی عذاب نہ آیا اور فتح مکہ کے دن چند افراد قتل کر دیئے گئے۔ جو بہت زیادہ شری تھے اور چند افراد کے علاوہ سب نے اسلام قبول کر لیا اور آئندہ کے لئے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دو امانیں رکھی ہیں جب تک یہ دونوں ان کے درمیان میں رہیں گے (دونوں یا ایک) تو عذاب نہیں آئے گا۔ ایک امان تو اللہ تعالیٰ نے اٹھالی یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور دوسری امان ان کے اندر موجود ہے یعنی استغفار کرتے رہنا۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب تک اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (معلوم ہوا کہ مختلف علاقوں میں جو عذاب آتے رہتے ہیں۔ وہاں استغفار نہ کرنے کو بھی دخل ہے) آیت بالا کی تفسیر میں جو ہم نے لکھا ہے تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۳ تا ۳۰۵ ج ۲ سے ماخوذ ہے۔

وَمَا لَهُمْ آلَا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ

اور ان کا کیا استحقاق ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس کے اولیاء نہیں ہیں

إِنْ أَوْلِيَاءُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ

اس کے اولیاء صرف متقی لوگ ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز

الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءٌ وَتَصْدِيَةٌ فَذُقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

بس یہی تھی کہ سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ سو عذاب کچھ لو اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے

مشرکین کی عبادت یہ تھی کہ بیت اللہ کے قریب سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے

تفسیر: گزشتہ آیت میں یہ بتایا تھا کہ نبی کریم ﷺ کے تشریف فرما ہوتے ہوئے اور اہل مکہ کے استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔ اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب کیوں نہ دے حالانکہ ان کی حرکتیں ایسی

ہیں جو سزا کی مقتضی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور وہاں عبادت و طواف کرنے سے روک دیا پھر جب ۶ھ ہجری میں آپ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو مسجد حرام تک نہ پہنچے دیا اور عمرہ نہ کرنے دیا، انکی یہ حرکت اس قابل ہے کہ ان پر عذاب نازل کر دیا جائے کفر اور کافرانہ حرکتوں کی وجہ سے یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں، مکہ معظمہ میں تو عمومی عذاب نہ آیا لیکن بدر میں سرداران قریش مقتول ہوئے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل (ص ۲۳۶ ج ۲) میں بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ سے عمومی عذاب مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سب ہی ایک ایک کر کے ہلاک نہ کئے جائیں گے اور وَمَا لَكُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ میں عذاب بالسیف مراد ہے یعنی انکی حرکتوں کی وجہ سے وہ اہل ایمان کی تلوار کی زد میں آئیں گے اور مقتول ہوں گے اور ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی آیت میں دنیوی عذاب کا ذکر ہے۔ اور دوسری آیت میں آخرت کے عذاب کا ذکر ہے۔ دوسرے قول کے مطابق تفسیر کرنے سے فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ کا ارتباط زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَمَا كَانُوا أَزْلَىٰ يَوْمَئِذٍ کہ یہ لوگ مسجد کے اولیاء یعنی اس کے متولی نہیں ہیں۔ کعبہ شریف داعی توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے کعبہ اور مسجد حرام پر اہل شرک کو تسلط رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے پھر فرمایا: لَا أَوْلِيَاءَ لَهُ کہ مسجد حرام کے متولی وہی ہیں جو اہل تقویٰ ہیں (جو کفر اور شرک سے بچتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ اس کی تولیت کا استحقاق اہل ایمان کو ہے جو بعد میں فتح مکہ کے دن متولی ہو گئے۔ اس دن کافروں کا تسلط ختم ہوا اور مشرکین کچھ مارے گئے اور بہت سے مسلمان ہو گئے وَلَكِنِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ اور لیکن ان میں سے اکثر یہ بات نہیں جانتے کہ انہیں مسجد حرام کے متولی ہونے کا استحقاق نہیں ہے اور بعض جو اس بات کو جانتے ہیں وہ عناد پر ٹٹے ہوئے ہیں۔ (کمافی الروح ص ۲۰۳ ج ۹)

اس کے بعد اہل مکہ کی عبادت کا تذکرہ فرمایا جس کو وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اختیار کئے ہوئے تھے۔ اپنے خیال میں مسجد کے متولی بھی تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ ہم عبادت کر کے تولیت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ اور انکی عبادت یہ تھی کہ مسجد حرام میں سیٹیاں بجاتے تھے اور تالیاں پیٹتے تھے (جتنے بھی شیطانی دھندے ہوتے ہیں ان میں سیٹیاں، تالیاں، ڈھول باجے ضرور ہی ہوتے ہیں) اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے آخرت میں تو ہر کافر کو عذاب ہونا ہی ہے دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ اہل مکہ بھی اسلام قبول نہ کرنے سے عذاب میں مبتلا ہوئے جن میں ایک واقعہ بدر کی شکست اور ہزیمت کا بھی ہے۔ اہل مکہ کو زمانہ شرک میں جو یہ خیال تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی ہیں اور بحق تولیت ہمیں مسجد حرام سے روکنے کا اختیار ہے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اہل کفر مسجد حرام کے متولی نہیں ہو سکتے۔ نیز وہ یوں سمجھتے تھے کہ ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں اس میں عبادت کرتے ہیں اگر مسلمانوں کو اسمیں عبادت کرنے سے روک دیا تو کیا ہوا؟ ہم خود عبادت گزار ہیں۔ انکی اس بات کی بھی تردید فرمادی کہ تمہاری عبادت شیطانی دھندہ ہے۔ تالیں پیٹنا، سیٹیاں بجانا یہ کہاں کی عبادت ہے؟ اس سے تو مسجد حرام کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا

بیشک جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ کی راہ سے روکیں۔ سو یہ لوگ ابھی اپنے مالوں کو خرچ کریں گے

ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ مُخْشَرُونَ ۖ

پھر یہ مال ان کے حق میں حسرت کا سبب بن جائیں گے پھر یہ لوگ مغلوب ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضٌ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكَبُ

تاکہ ناپاک کو اللہ پاک سے جدا کر دے اور ناپاک کو بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے۔ پھر اس کو اکٹھا ڈھیر بنا دے

جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۖ

پھر اس کو دوزخ میں داخل فرما دے۔ یہ لوگ تباہ کار ہیں

اللہ کی راہ سے روکنے والے مغلوب ہوں گے

اور ان کے اخراجات حسرت کا باعث ہوں گے

تفسیر: مفسر ابن کثیر (ص ۳۰۷ ج ۲) تحریر فرماتے ہیں کہ جب قریش کو بدر میں شکست ہوئی اور جو زندہ رہ گئے وہ مکہ مکرمہ واپس پہنچے تو ابوسفیان کے گلے پڑ گئے کہ ہم لوگ تیرے قافلہ کی حفاظت کے لئے نکلے تھے تم لوگ تو صحیح سالم آ گئے اور ہمارے آباء اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی بدر میں مقتول ہو گئے۔ لہذا تم لوگ مال سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم دوبارہ جنگ کریں۔ اور محمد ﷺ سے اپنا بدلہ لے لیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں چندے دیئے اور مال خرچ کئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت بالا انکے اسی مال کے خرچ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئی۔

اور معالم التنزیل (ص ۲۳۷ ج ۲) میں لکھا ہے کہ یہ آیت اُن مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر میں جاتے ہوئے اپنی جماعت پر منزل بہ منزل خرچ کرتے رہے اور اونٹ ذبح کر کے کھلاتے رہے۔ پھر حکم بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی جس نے احد کے موقع پر مشرکین پر چالیس اوقیہ چاندی خرچ کی تھی (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا)

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے مگر مضمون عام ہے۔ جب کبھی بھی اہل کفر حق سے روکنے کے لئے اپنا مال خرچ کریں گے دنیا و آخرت میں ناکام ہوں گے اور ذلیل ہو گئے اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہوگا پھیلے گا پورا ہوگا۔ کافراں کے بجھانے کے لئے مال خرچ کریں گے پھر نادم ہوں گے ان کو حسرت ہوگی کہ ہم نے اپنا مال خرچ کیا لیکن فائدہ مقصودہ حاصل نہ ہوا یہ لوگ دنیا میں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ يَهْمُ الْخٰسِرُونَ سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں اہل کفر کا داخلہ اس لئے

ہوگا کہ پاک اور ناپاک یعنی مؤمن اور کافر میں اللہ تعالیٰ تمیز فرمادیں۔ اہل ایمان اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں اور اہل کفر اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔

وَيَجْعَلُ الْغَنِيَّةَ عَلَى الْبَغِيِّ ذِكْرًا جَبِينًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ (تاکہ اللہ تعالیٰ غیث کو بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے اور اس کو اکٹھا کر کے دوزخ میں داخل فرمادے) دنیا میں تمام اہل کفر آپس میں ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ اسلام کے خلاف اموال خرچ کرنے میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے تھے آخرت میں بھی سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ دنیا میں جو اسلام کی دشمنی کے لئے سوچتے اور خرچ کرتے تھے۔ اسکی وجہ سے دارالعداب میں اکٹھے ہو کر اسکی سزا بھگتیں گے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا

جن لوگوں نے کفر کیا آپ ان سے فرمادیجئے اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا وہ ان کے لئے معاف کر دیا جائے گا اگر وہ پھر بھی وہی کریں جو کرتے رہے ہیں

فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ۝

تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔

کافروں کو اسلام کی ترغیب اور کفر پر جے رہنے کی وعید

تفسیر: اس آیت میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کافروں سے فرمادیں کہ اب تک جو تم کفر پر جے رہے اور اسلام کی دعوت کو روکنے کے لئے تدبیریں کرتے رہے اور اس بارے میں جنگ کرتے رہے ان سب سے اگر تاب ہو جاؤ یعنی اسلام قبول کر لو تو وہ سب کچھ معاف کر دیا جائے گا جواب تک گزر چکا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اس شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے آپ نے فرمایا اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں اور بلاشبہ ہجرت ان سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو اس سے پہلے تھے اور بلاشبہ حج ان سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھے۔ (رواہ مسلم ص ۶۷ ج ۱)

شرح حدیث نے لکھا ہے کہ ہجرت اور حج سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور حقوق العباد مبرا نہیں ہوتے یہ بات دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ کرم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی دشمن اسلام ہو جب بھی اسلام قبول کرے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ اور اگر کافر اپنے کفر پر جے رہے تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ پہلے لوگوں کو انکار اور عناد کی وجہ سے جو سزائیں ملی ہیں مقتول اور مغلوب ہوئے ہیں وہی سزائیں ان کو بھی ملیں گی اور آخرت کا عذاب دائمی تو ہر کافر کے لئے بہر حال ہے ہی صاحب معالم اعتراف لکھتے ہیں: فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ فِي نَصْرِ اللَّهِ

انبیاء ہ و اولیاء ہ و اہلاک اعداء (ماضی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد اور دشمنوں کو ہلاک کرنے کا اصول واضح ہو چکا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ تکوینی قانون چلا آ رہا ہے کہ اپنے انبیاء و اولیاء کی مدد فرمائی اور اپنے دشمنوں کو ہلاک فرمایا۔ اگر تم کفر سے باز نہ آئے تو اسی تکوینی قانون کے مطابق تمہارا بھی انجام ہوگا۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا

اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ کے لئے ہو جائے سو اگر وہ باز آ جائیں

فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَكُمْ

تو بیشک اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو یقیناً جانو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے۔

نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝

وہ اچھا مولیٰ ہے اور اچھا مددگار ہے۔

کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے۔ پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ کافروں سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ یعنی کفر و شرک باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ یعنی اہل کفر اسلام قبول کر لیں اور موحد ہو جائیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے کفار عرب مراد ہیں۔ چونکہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ کفار عرب سے یہاں تک جنگ کرو کہ جزیۃ العرب میں کفر نہ رہے۔ پورا جزیرہ اسلام کا گہوارہ ہو جائے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ برابر کافروں سے لڑتے رہو وہ جہاں کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ اسلام کا غلبہ ہو جائے۔ غلبہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کر لیں اور دوم یہ کہ جزیہ دینا منظور کر لیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تو برابر جہاد کرتے رہے۔ ان کے بعد بھی بہت سے امراء اور ملوک نے جہاد جاری رکھا۔ دورِ حاضر کے مسلمانوں نے جہاد شرعی چھوڑ دیا تو اب خود مقہور اور مغلوب ہو رہے ہیں آیت کے ختم پر فرمایا **فَإِنْ انْتَهَوْا** **فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ** (اگر کافر لوگ اپنے کفر سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں) تمہیں شک میں پڑنے کی ضرورت نہیں یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے انہوں نے دھوکہ دینے کے لئے اسلام قبول کیا ہو پھر بھی قتل کرتے چلے جاؤ ایسا نہ کرنا تم ظاہر کے مکلف ہو قلوب کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر وہ دھوکہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ شائد ان سے تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنی جہینہ کی طرف ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ جنگ کے موقع پر جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کافروں میں سے ایک آدمی کو قتل کرنے لگے تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ اس کے باوجود انہوں نے اسے قتل کر دیا جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا اقتلته وقد شهد ان لا الہ الا اللہ کیا تو نے

اس کے باوجود اسے قتل کر دیا کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا انما فعل ذلک تعوذاً کہ اس نے جان بچانے کے لئے ایسا کیا۔ آپ نے فرمایا: فہلّا شققت عن قلبہ سو تو نے اس کے دل کو چیر کر کیوں نہ دیکھا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب کسی نے اسلام کا کلمہ پڑھ لیا تو ہمیں اُسے مسلمان مان لینا چاہئے۔ ہم دلوں کا حال نہیں جانتے۔ دلوں کو چیر کر نہیں دیکھ سکتے پھر کسی کو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے سچے دل سے کلمہ نہیں پڑھا۔ ہمارا کام ظاہر سے متعلق ہے دلوں کا حال اللہ جانتا ہے۔ اگر کافر لوگ دھوکہ دے کر کوئی شر یا ضرر پہنچانا چاہیں گے تو ان سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے گا۔ وہ تو ظاہر اور باطن سب ہی کو جانتا ہے (قال ابن کثیر ص ۲۳۰۹ ج ۲) قوله فان انتھوا بقتالکم عما هم فیہ من الکفر فکفوا عنہم فان لم تعلموا بوطنہم فان اللہ بما يعملون بصیر ثم ذکر قصۃ اسامۃ بن زید الذی ذکرناہا فی ہذہ الصفحۃ وہی مرویۃ فی الصحیحین وغیرہما (علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فان انتھوا کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے کافر ہونے کے باوجود تم سے قتال کرنے سے رُک جائیں تو تم بھی ان سے قتال سے باز آؤ۔ اگر تم ان کے باطن کو نہیں جانتے پس اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو دیکھ رہے ہیں۔ پھر علامہ ابن کثیر نے حضرت اسامہ بن زید والایہ قصہ ذکر کیا جو ہم نے ابھی اس صفحہ میں بیان کیا ہے اور یہ قصہ صحیحین وغیرہ میں مروی ہے)

دوسری آیت میں فرمایا: وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰی کُمْ کہ کافر اگر روگردانی کریں اسلام قبول نہ کریں اور تمہاری مخالفت اور محاربت پر کمر باندھے رہیں تو ان سے لڑتے رہو اور تُو دل نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے تمہاری مدد فرمائے گا۔ یَعْمَ الْمَوْلٰی وَیَنْعَمُ النَّصِیْر۔ وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔ جب اس کی مدد شامل حال ہوگی تو تمہارے لئے بزدل بننے اور جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہنے کا کوئی موقع نہیں۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ

اور تم جان لو کہ جو کوئی چیز تمہیں مال غنیمت سے ملے سو بلاشبہ اللہ کے لئے اس کا پانچواں حصہ ہے اور رسول کے لئے اور قربت والوں کے لئے

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلْنَا

اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے، اگر تم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو ہم نے نازل کی

عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّفَاقُ الْجَمْعِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز بھڑگئی تھیں دونوں جماعتیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اموال غنیمت کے مستحقین کا بیان

تفسیر: کافروں سے جب جہاد کیا جاتا ہے تو ان کے اموال بھی قبضہ میں آ جاتے ہیں ان اموال کو شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ سابقہ امتوں کے مسلمان جب کافروں سے جہاد کرتے تھے اور ان کے اموال قابو میں آ جاتے تھے تو ان اموال کو آپس میں تقسیم کر لینے کا شرعی قانون نہیں تھا بلکہ آسمان سے آگ نازل ہوتی تھی جو غنیمت کے اموال کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے امت محمدیہ پر کرم فرمایا اور رحم فرمایا کہ انہیں اموال غنیمت آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ قال النبی ﷺ فلم يحل الغنائم لاحد من قبلنا ذلك بان الله راى ضعفنا وعجزنا فطيهالنا۔ (رواہ مسلم ص ۸۵ ج ۲) (حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم سے پہلے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا (ہمارے لئے حلال) اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور ہماری درماندگی کو دیکھا تو ہمارے لئے مال غنیمت حلال کر دیا)

کافروں کا جو مال جنگ میں حاصل کر لیا جائے۔ اس کی تقسیم کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں جو احکام ہیں ان میں سے ایک حکم اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ کل مال غنیمت میں سے اڑھائی پانچواں حصہ علیحدہ کر لیا جائے اور اس کے بعد باقی چار حصے مجاہدوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ یہ پانچواں حصہ کس پر خرچ ہوگا اس کے بارے میں فرمایا۔

فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا ذکر تبرکاً ہے۔ اس خمس کے مستحقین وہ لوگ ہیں جو بعد میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا محتاج نہیں لیکن چونکہ اس کے قانون کے مطابق تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے اسلئے فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ سے شروع فرمایا۔ اس کے بعد اس پانچویں حصہ کے مستحقین بیان فرمائے۔ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔

یعنی مال غنیمت کے اس پانچویں حصہ کا مصرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور آپ کے رشتہ دار اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اب رہے آپ کے ذوی القربیٰ یعنی رشتہ دار تو ان کا حصہ بھی صرف آپ ہی کی موجودگی تک تھا۔

آب آپ کی رشتہ داری کے عنوان سے ان حضرات کا حصہ مستقل نہیں رہا۔ اس لئے آپ کی رشتہ داری کے عنوان سے ان حضرات کو کچھ نہیں ملے گا البتہ بعد میں جو تین مصرف ذکر کئے گئے ہیں یعنی یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل ان کے ذیل میں ان حضرات کو بھی مل جائے گا بلکہ ان کو دوسرے یتامیٰ اور مساکین پر ترجیح دی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اب مال غنیمت سے جو خس نکالا جائے گا وہ امیر المومنین اپنی صوابدید کے مطابق یتامیٰ اور مساکین اور مسافریں پر خرچ کرے گا۔ اغنیاء ذوی القربیٰ کو نہیں دیا جائے گا۔ ان میں جو فقراء یا یتامیٰ یا ابن السبیل ہوں گے ان پر بھی خرچ کیا جائے گا۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر یتیم اور ہر مسکین اور ہر مسافر کو میراث کی طرح حصہ پہنچایا جائے بلکہ امیر المومنین اپنی صوابدید سے ان مصارف میں خرچ کرے۔ ذوی القربیٰ کے بارے میں یہاں جو مسئلہ لکھا گیا یہ فقہاء حنفیہ کی تحقیق کے مطابق ہے۔

خس کے مصارف بیان فرمانے کے بعد فرمایا:

إِن كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّلَافِ الْجَمْعِ. یعنی اگر تمہارا اللہ پر ایمان ہے اور اس پر بھی ایمان ہے کہ فیصلہ کے دن جو تمہاری جیت ہوئی وہ ہماری امداد غیبی کی وجہ سے ہوئی تو بلا تردد اور بلا تامل مال غنیمت کے پانچویں حصہ کو مصارف مذکورہ میں خرچ کرو۔ تمہیں اس پانچویں حصہ کا نکالنا ناگوار نہ ہونا چاہئے۔ یہ ساری غنیمت اللہ کی امداد غیبی سے حاصل ہوئی۔ لہذا خوش دلی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو۔ یہ خس نکالنا نفسوں پر شاق نہ ہونا چاہئے۔

یوم الفرقان: یوم بدر کو یوم الفرقان یعنی فیصلہ کا دن فرمایا اور یہ اس لئے کہ بدر میں اہل ایمان اور اہل کفر کا مقابلہ ہوا تو مومنین کی تعداد کافروں کے مقابلے میں بہت کم ہونے کے باوجود کافروں کو شکست فاش ہوئی اور کھل کر یہ بات سامنے آ گئی کہ دین اسلام حق ہے اور کفر باطل ہے اور یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

بہت سے عرب قبائل اس سے پہلے اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھے۔ اور یہ مشورے کیا کرتے تھے کہ دیکھو مکہ والوں کے ساتھ اہل اسلام کا کیا معاملہ ہوتا ہے اور انجام کار کس کی طرف ہوگا اہل اسلام غالب ہوتے ہیں یا مشرکین مکہ ہی غالب رہتے ہیں۔ غزوہ بدر کی فتح یابی دیکھ کر ایسے لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں اور ان کی سمجھ میں آ گیا کہ واقعی مشرکین کا اعتاد اور کفر و شرک پر جتنا باطل چیز ہے فسبحان من اعلىٰ كلمته ونصر حزبه وهزم الاحزاب وحده۔ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے کلمہ کو بلند کیا اور اپنی جماعت کی مدد کی اور اسی اکیلے نے لشکروں کو شکست دیدی)

آیت کے ختم پر فرمایا: وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ جس میں یہ بتا دیا کہ تمہیں جو کچھ فتح حاصل ہوئی اور مال غنیمت حاصل ہوا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا اگر تمہیں کچھ بھی نہ دیا جاتا تب بھی راضی رہنا تھا اب جبکہ زیادہ تمہیں دے دیا یعنی ۵/۳ حصے تمہیں مل گئے اور ۵/۱ دوسرے مصارف میں خرچ کرنے کا حکم دیا تب تو بطریق اولیٰ نفسوں کی خوشی کے ساتھ راضی ہونا چاہئے۔ پھر یہ مصارف کون ہیں اپنے ہی اندر کے لوگ ہیں۔ یتامیٰ مساکین اور مسافریں تمہاری اپنی جماعت کے ہیں۔ یہ مال اور کہیں نہیں گیا تمہارے اپنوں ہی میں خرچ ہوا اس اعتبار سے بھی یہ اموال تم ہی کو مل گئے۔

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدُوِّ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدُوِّ الْقُصْوَى وَالزَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ

جب کہ تم قریب والے کنارے پر تھے اور وہ لوگ دور والے کنارے پر اور قافلے والے تم سے نیچے کی طرف تھے

وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لِاخْتِكَافٍ فِي الْمَبْعَدِ وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا

اور اگر تم آپس میں وعدہ کر لیتے تو تم میعاد کے بارے میں اختلاف کر لیتے اور لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائے جو ہو جائے والا تھا

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ

تاکہ جو شخص ہلاک ہو جھٹ قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو شخص زندہ رہے وہ جھٹ قائم ہونے کے بعد زندہ رہے اور بلاشبہ اللہ سننے والا

عَلِيمٌ ۝ إِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ فِي مَنَايِكُمْ قَلِيلًا وَلَوَارِكُكُمْ كَثِيرًا الْفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعُكُمْ

جاننے والا ہے جبکہ اللہ ان کو آپ کے خواب میں کم دکھارہا تھا اور اگر وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ہمت ہار جاتے اور

فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ

اس امر میں باہمی تم میں نزاع ہو جاتا لیکن اللہ نے بچالیا۔ بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے اور جبکہ تم باہم مقابل ہوئے

إِذِ التَّقِيْتُمْ فِي آعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي آعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ

وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں کم کر کے دکھارہا تھا اور تمہیں ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھارہا تھا تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے جس کا وجود میں آنا

مَفْعُولًا وَلَوْ إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

مقرر ہو چکا تھا اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

بدر میں محاذ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد

تفسیر: ان آیات میں اول تو غزوہ بدر کے محاذ جنگ کا نقشہ بتایا ہے پھر اپنے انعامات ذکر فرمائے ہیں جو غزوہ بدر کے دن مسلمانوں کے فتح یاب ہونے کا ذریعہ بنے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے مقام بدر میں پہنچ کر ایسی جگہ پر قیام کیا تھا جو مدینہ سے دور ہے اور وہ لوگ ایسی جگہ لے چکے تھے جو بظاہر محاذ جنگ کے لئے زیادہ مناسب تھی جب مسلمان پہنچے تو ان کو نیچے والی جگہ ملی یہ جگہ ریتیلی تھی۔ اور مدینہ سے قریب تھی اور تیسری جماعت یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ وہ اس جگہ سے نیچے کی طرف تھا۔ کیونکہ یہ لوگ ساحل سمندر پر چل رہے تھے جو مقام بدر سے تین میل دور تھا۔ پہلے سے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان آپس میں جنگ کرنے کا نہ خیال تھا اور نہ کوئی اس کا وقت مقرر تھا۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے تھے اور شدہ شدہ بدر تک پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا پہلے سے فیصلہ تھا کہ ایمان اور اہل ایمان بلند ہوں اور فتح یاب ہوں اور کفر اور کافر

نیچا دیکھیں اور شکست کھائیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ دونوں جماعتیں پیشگی بات چیت کے بغیر جمع ہو گئیں اور ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ سرور دو عالم ﷺ نے خواب دیکھا کہ مشرکین کی تعداد کم ہے۔ جب یہ بات حضرات صحابہؓ کے سامنے آئی تو ان کا حوصلہ بلند ہو گیا اور جنگ کرنے کے لئے دل سے آمادہ ہو گئے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو مسلمانوں میں بزدلی آ جاتی اور آپس میں اختلاف کرتے کہ جنگ کے لئے آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند فرمادے اور بزدلی اور کم ہمتی سے بچالیا اور باہمی اختلاف سے محفوظ رکھا۔

اسی کو فرمایا۔ **وَلَوْ أَرٰكُمْ كُفْرًا كَثِيرًا لَّفَتُنَاكُمْ فِي الرِّجْلِ وَلَكِنْ أَلَلَّ اللَّهُ سَلَمَةً**۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: **لَئِنْ أَلَلَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ يَذَّابِ** **الضُّدُورِ** جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے کس کو اللہ سے محبت ہے اور کس کا رخ آخرت کی طرف ہے اور کون دنیا کا طالب ہے اور کون بزدل ہے اور کون دلاور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ جب مقابلہ کا وقت آیا اور بڑبھڑ ہو گئی تو مسلمانوں کی آنکھوں میں کافروں کی آنکھوں کی آنکھوں میں مسلمانوں کو کم تعداد میں دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان شجاعت اور بے جگرگی سے لڑے اور کافر بھی یہ سمجھ کر لڑے کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں ان کو ختم کرنا آسان ہے پھر انجام یہ ہوا کہ کافر مغلوب ہوئے اور شکست کھائی اور مسلمان غالب ہوئے اور فتح پائی اور اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ مقرر اور مقدر تھا اسی کے مطابق ہو کر رہا۔ معالم التنزیل (ص ۲۵۳ ج ۲) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مشرکین کی تعداد ہماری آنکھوں میں اس قدر کم ہو گئی تھی کہ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا جو میرے پہلو میں تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ ستر تو ہوں گے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں سو ہیں۔ اس کے بعد ہم نے مشرکین میں سے ایک شخص کو قید کر لیا اور اس سے پوچھا تمہارے کتنی تعداد ہے تو اس نے کہا کہ ایک ہزار کی نفی ہے۔

یہ جو فرمایا: **لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَلاَ يُخْلِيَ مَنْ خَلَىٰ عَنْ بَيِّنَةٍ**۔ اس میں یہ بیان کیا کہ واقعہ بدر میں دین اسلام کی مکمل اور واضح حقانیت ظاہر ہو گئی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کا خوب واضح طریقہ پر لوگوں کو ظہور ہو گیا۔ اب بھی جو شخص ہلاک ہو گا یعنی کفر پر جمار ہے گا وہ حجت تمام ہونے کے بعد اس کو اختیار کرے گا۔ اور جو شخص ایمان پر چنگلی کے ساتھ جمار ہے گا۔ وہ بھی حجت کے ساتھ دین حق پر رہے گا۔ ہلاکت سے کفر پر باقی رہنا اور حیات سے اسلام پر جمار ہنا اور اسلام قبول کرنا مراد ہے۔ حق واضح ہو جانے کے بعد ہر طرح کی غلط فہمی کا احتمال ختم ہو گیا اب کافر دیکھتی آنکھوں دیکتی آگ میں جائے گا اور خود اپنی ہلاکت کے راستہ کو اختیار کرے گا اور جو شخص اسلام پر ہے گا اور اسی طرح جو کافر اسلام قبول کرے گا وہ بھی دلیل و حجت کے ساتھ دین حق پر مستقیم ہو گا۔

فائدہ: سورۃ آل عمران کے دوسرے رکوع میں بھی غزوہ بدر کا ذکر ہے۔ وہاں **يَوْمَ هَمَّ مَعْشِرُ يُثَارِثُ وَهَمَّ فَطْرُهَا**۔ فرمایا ہے اس کا ترجمہ اور تفسیر وہیں دیکھ لیں۔ (انوار البیان ص ۱۶ ج ۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑانہ کرو ورنہ تم ہزول ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بلاشبہ

اللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ

اللہ صابروں کے ساتھ ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اترتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے

النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝

اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک رہے تھے اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے

دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر مقابلہ کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے کہ جب کبھی کسی جماعت سے تمہارے ہڈ بھڑ ہو جائے یعنی جنگ اور لڑائی کی نوبت آ جائے تو ثابت قدمی کے ساتھ جم کر مقابلہ کرو حضرت عبداللہ بن اونی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن سے ہڈ بھڑ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو پھر جب ہڈ بھڑ ہو جائے تو جم کر لڑو۔ اتنا مضمون صحیح بخاری ص ۲۴۲ ج ۲ میں ہے۔ مسند داری ص ۳۵ ج ۲ میں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی ہے اس میں یوں ہے کہ دشمن سے مقابلہ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو سو جب تمہاری ہڈ بھڑ ہو ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ سو اگر دشمن چھین چلائیں تو تم خاموشی اختیار کرو۔ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ سوال تو عافیت ہی کا کرتے رہیں اور جب دشمنان دین سے لڑنے کا موقع آ جائے تو کمزوری نہ دکھائیں ثابت قدم رہیں جم کر لڑیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کریں۔ اور قتال کے آداب میں سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ خاموشی سے لڑیں۔ شور و شغب سے بچیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین مواقع میں اللہ تعالیٰ کو خاموشی محبوب ہے۔ تلاوت قرآن کے وقت اور قتال کے وقت اور جس وقت جنازہ حاضر ہو۔ (ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیرہ ص ۲۳۱ ج ۲)

خوب مضبوطی اور جماد کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا: وَإِذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا اور اللہ کو خوب زیادہ یاد کرو۔ یوں تو اللہ کا ذکر ہر وقت ہونا چاہئے لیکن خاص کر جنگ کے موقعہ میں اسکی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا، مدد مانگنا، تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنا یہ سب اللہ کا ذکر ہے۔ مومن بندہ لڑتا ہی اللہ کے لئے ہے۔ اس کا مرنا اور جینا اللہ کے لئے ہے۔ پھر جنگ کے وقت اللہ کے ذکر سے غافل ہونے کا تو کوئی موقعہ ہی نہیں۔ اس موقعہ پر ذکر کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ بظاہر جنگ کی طرف پوری مشغولیت ہو اور باطن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اور زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو یہ مومن کی خاص شان ہے۔ حضرت سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ نماز، روزے اور ذکر ان سب کا ثواب فی سبیل اللہ (عزوجل) مال خرچ کرنے کی بہ نسبت سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے (رواہ ابو داؤد ص ۳۸ ج ۱) اور خود فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی یہ فضیلت ہے کہ اس کا ثواب (کم از کم) سات سو گنا ملتا ہے (الترغیب ص ۲۵۳ ج ۲) اور ذکر کا ثواب اس سے بھی سات سو گنا زیادہ ہے۔ نیز سہل بن معاذ اپنے والد سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فی سبیل اللہ ایک ہزار آیات پڑھ لیں اللہ تعالیٰ اسے انبیاء اور صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ لکھ دے گا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد کما فی الترغیب ص ۲۶۷ ج ۲)

پھر فرمایا **لَعَلَّكُمْ تَفْهَمُونَ**۔ جم کر لڑیں گے ثابت قدم رہیں گے۔ اللہ کا ذکر کریں گے تو کامیاب ہوں گے۔ دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب ہوگی۔

آپس میں جھگڑنے سے ہوا خیزی ہو جاتی ہے: پھر فرمایا: **وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ** (اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی) **وَلَا تَنَازَعُوا فَعَلَّامٌ لِّاِثْمِهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ لِّمَا يَعْمَلُونَ** (اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی)

اور آپس میں جھگڑنے کی وجہ سے ساکھ ختم ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور انتشار کو دیکھ کر دشمن بے خوف ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت جاتی رہتی ہے۔ باہمی اختلاف ضعف کا سبب ہے۔ قلوب مجتمع نہ رہیں تو اجسام بھی اتحاد اور اعتماد کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ کافروں کو شکست دینے کی بہت سی تدبیریں ہیں (مثلاً جنگی مشقیں اور اسلحہ کی فراہمی وغیرہ) اُن سب سے بڑھ کر باہمی اتحاد اور اعتماد کی ضرورت ہے۔ ثابت قدمی بھی جب ہی حاصل ہوتی ہے جب آپس میں انتشار نہ ہو۔ آخر میں فرمایا: **وَاصْبِرُوا لَئِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** (اور صبر کرو بلاشبہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے)۔

اہل ایمان کے لئے صبر بہت بڑی چیز ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی خانگی حالات ہوں یا دوسرے معاملات ہر حال میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ناگوار چیزوں کو برداشت کر لینا بڑے اجر و ثواب کا اور دنیاوی حالات میں اور اپنوں اور پرایوں کے معاملات میں کامیابی کیساتھ گزرتے ہوئے چلے جانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے آپس کے نزاع سے بچنے کا حکم دینے کے بعد ساتھ ہی صبر کا حکم دینے میں اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ آپس کا اتحاد صبر اختیار کرنے سے باقی رہ سکتا ہے۔ جب کچھ آدمی آپس میں مل کر رہتے ہوں خواہ ایک ہی گھر کے افراد ہوں۔ آپس میں کچھ نہ کچھ ایک دوسرے کی جانب سے قول یا فعل کے اعتبار سے ناگواری پیش آ جاتی ہے ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے یا نکلنے کا ارادہ کرے تو باہمی مشوروں میں اختلاف رائے ہونے کا امکان رہتا ہے بلکہ اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ طبائع بھی مختلف ہوتی ہیں۔ جب تک برداشت نہ ہو اتحاد قائم نہیں رہ سکتا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشورہ کرنے بیشیں تو اپنی اپنی رائے دے کر فارغ ہو جائیں۔ کوئی شخص اپنی رائے پر اصرار نہ کرے اگر اصرار کرنے لگیں تو وہیں

لڑائی ہو جائے گی اور مشورے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ ایک کی رائے دوسرے کے خلاف ہو تو صبر کرے اور پھر جو امیر کسی کی رائے یا اپنی رائے کو ترجیح دیدے تو اپنی رائے کے مخالف ہونے کی وجہ سے دلگیر نہ ہو بلکہ صبر کرے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کی رائے کے خلاف اختیار کر لینے سے کوئی نقصان پہنچ جائے تب بھی امیر کو طعنہ نہ دے کہ دیکھا ہم نے کیا کہا تھا؟ اتحاد کے لئے بڑے صبر اور ثبات کی ضرورت ہوتی ہے ناگوار یوں کو بشارت کے ساتھ برداشت کیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو انکے عہدہ سے معزول کر دیا انہوں نے بشارت سے قبول کر لیا اور کوئی محاذ آرائی نہیں کی۔ لہذا مسلمانوں کا شیرازہ بندھا رہا اگر وہ چاہتے محاذ بنالیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور حسب سابق جہاد کے کاموں میں مشغول رہے۔

درحقیقت اصل اطاعت وہی ہے جو طبعی ناگواری کے ساتھ ہو۔ اگر ہر شخص یوں چاہے کہ ہمیشہ میری چلے تو کبھی بھی اجتماع نہیں ہو سکتا۔ انتشار رہی رہے گا اور اس سے ہوا خیزی ہوگی۔

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اکڑتے مکڑتے ریاکاری کے لئے نکلے

پھر فرمایا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (یعنی تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے) جو لوگ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان میں اکثر مکر اور اترانے اور فخر کرنے کا مرض ہوتا ہے۔ پھر وہ اسکی وجہ سے نچا دیکھتے ہیں۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ معالم التنزیل ص ۲۵۴ ج ۲ میں لکھتے ہیں: کہ آیت بالا مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو فخر اور تکبر کے انداز میں چلے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! یہ لوگ اپنے تکبر اور فخر کے ساتھ آئے ہیں۔ آپ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ آپ نے جو مدد کا وعدہ فرمایا ہے اس کے مطابق مدد فرمائیے۔ ابوسفیان تو اپنا قافلہ لے کر بیچ نکلا جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے قریش کو رائے دی کہ اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں واپس ہونا چاہئے اس پر ابو جہل نے کہا اللہ کی قسم ہم جب تک بدر نہ پہنچ جائیں واپس نہ ہوں گے وہاں تین دن قیام کریں گے اونٹ ذبح کریں گے کھانے کھلائیں گے۔ شرابیوں پلائیں گے اور گانے والیاں ہمارے پاس گانے گائیں گی اور عرب میں ہماری شہرت ہو جائے گی پھر وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ بات تو بڑی کبھی تھی لیکن قریش کے تکبر اور فخر کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرابیوں کی جگہ موت کے پیالے پئے اور گانے والی عورتوں کی بجائے نوحہ کرنے والی عورتوں نے ان پر نوحہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو منع فرمایا کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا۔ اور مومن کو حکم دیا کہ نیت خالص اللہ کی رضا رکھیں اور دین کی مدد اور نبی اکرم ﷺ کی تائید میں لگے رہیں۔ اھ

اگر لشکر زیادہ ہو تب بھی اترنا اور شہرت کے لئے جنگ کرنا اور اپنی طاقت پر گھمنڈ کرنا لے بیٹھتا ہے اور شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ غزوہ خنین میں ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کو اولاً شکست ہو گئی کیونکہ انہیں اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا تھا۔ کما قال تعالیٰ اِذْ اَعْجَبَ لَكَ نَارٌ كَثُرَتْ كُفْرًا فَلَمْ تُغْنِ عَنْكَ شَيْئًا (الایہ) نماز ہو یا جہاد یا اتفاق مال یا کوئی بھی نیک عمل ہو اس کا ثواب

اُسی وقت ملتا ہے جبکہ اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص اس لئے لڑتا ہے کہ مال غنیمت ملے اور ایک شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اسکی شہرت ہو اور ایک شخص اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اسکی بہادری کا چرچا ہو تو ارشاد فرمائیے ان میں اللہ کی راہ میں کون ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۱ از بخاری و مسلم)

اکڑ مکڑ اپنی ذات اور جماعت پر بھروسہ یہ سب اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ اس سے اخلاص جاتا رہتا ہے جو لوگ اللہ کی رضا چاہتے ہیں اُن میں تو وضع ہوتا ہے اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے اللہ ہی کے لئے لڑتے ہیں اور اسی کے لئے مرتے ہیں عین قتال کے موقع پر کافروں کو اپنی طاقت دکھانے کے لئے ظاہری طور پر اکڑ مکڑ دکھانا بھی اللہ کو محبوب ہے۔ دل میں تو وضع اور اللہ پر بھروسہ اور ظاہر میں کافروں کو جلانے کے لئے اترتے ہوئے کافروں کے مقابلہ میں آنا یہ محبوب و مرغوب ہے۔ فی الحدیث فاما الخلاء التي يحب الله فاختيال الرجل عند القتال واختياله عند الصدقة (کما فی مشکوٰۃ ص ۲۸۷) حدیث میں ہے وہ اترانے والے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ قتال کے وقت کا اترانا ہے اور صدقہ کے وقت کا اترانا (یعنی صدقہ دل کی خوشی سے اور استغفار سے دے)۔

مشرکین کا تذکرہ فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا: وَيُصَلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ کہ وہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں قریش مکہ خود بھی اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے۔ اگر اسلام قبول کر لیتے تو جنگ کا موقع ہی نہ آتا لیکن ان کی شرارت نفس نے ان کو یہاں پہنچایا کہ بدر میں آکر مقتول ہوئے۔

وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (اور اللہ انکے تمام اعمال سے باخبر ہے لہذا وہ ان کو انکی سزا دے گا)

وَإِذْ زَيْنُ لَهْمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالُهُمْ وَقَالَ لَأَغْلِبَنَّ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ

اور جب شیطان نے اُن کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور اُس نے یوں کہا کہ لوگوں میں سے آج تم پر کوئی بھی غلبہ پانے والا نہیں ہے

وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَأَتِ الْفِئَتَيْنِ نَكَصَ عَلَى عَقْبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ

اور میں تمہاری حمایت کرنے والا ہوں پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگ نکلا اور اُس نے کہا کہ بلاشبہ میں تم سے بری ہوں

مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ٥

بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب والا ہے

مشرکین کو شیطان کا جنگ کے لئے پھسلانا

پھر بدر کے میدان کا رزار سے بھاگ جانا

تفسیر: شیطان ملعون ہمیشہ سے انسان کا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ کافر کفر پر جے رہیں اور اہل اسلام سے جنگ کرتے

رہیں اسکی خواہش ہے کہ کفر پھیلے اور اسلام کی اشاعت نہ ہو جیسے وہ قریش مکہ کے اس مشورے میں شیخ نجدی کی صورت بنا کر شریک ہو گیا تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کے قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کے مشورے کر رہے تھے اسی طرح سے وہ غزوہ بدر کے موقعہ پر بھی آ موجود ہوا۔ اول تو وہ مکہ معظمہ ہی میں اس وقت مشرکین کے پاس پہنچا جب وہ بدر کے لئے روانہ ہونے کا مشورہ کر رہے تھے اور ساتھ ہی انہیں بنی بکر کی دشمنی کا بھی خیال ہو رہا تھا کہ ممکن ہے وہ حملہ کر دیں اس لئے روانہ ہونے میں کچھ جھجک رہے تھے۔ اس موقعہ پر ابلیس سراقہ بن مالک بن عثم کی صورت میں پہنچ گیا (یہ سراقہ بنی کنانہ کے سرداروں میں سے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ابلیس نے قریش مکہ سے کہا کہ تم لوگ ہرگز اپنے ارادہ سے باز نہ آؤ بلکہ چلے چلو میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں۔ آج تم پر کوئی غلبہ پانے والا نہیں ہے۔ یہ تو مکہ میں ہوا پھر وہ بدر میں بھی موجود ہو گیا۔ جب مسلمانوں اور کافروں کی صفیں مقابلے کے لئے ترتیب دی گئیں تو یہاں بھی وہ مشرکین کی صف میں اسی سراقہ والی صورت میں موجود تھا اور حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے موجود ہیں تو وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگا حارث نے کہا کہ تو تو جنگ سے پہلے ہی بھاگ رہا ہے۔ اس پر اس نے حارث کے سینہ میں دھپ مارا اور اُلٹے پاؤں چلا گیا اور اس نے یوں کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ یہ تو اس وقت کی بات ہوئی پھر جب قریش شکست کھا کر مکہ معظمہ پہنچے تو یوں کہنا شروع کیا کہ ہمیں سراقہ نے شکست دی۔ سراقہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ تم لوگ میرے بارے میں ایسا کہتے ہو اللہ کی قسم مجھے تو تمہارے جانے ہی کی خبر نہیں ہوئی مجھے تو تمہاری شکست کی خبر پہنچی ہے۔ ان لوگوں نے کہا کیا تو فلاں دن ہمارے پاس نہیں آیا تھا؟ اس نے قسم کھا کر کہا مجھے تو اسکی بالکل خبر نہیں پھر سراقہ اور دوسرے لوگ مسلمان ہو گئے تو پتہ چلا کہ یہ شیطان کی حرکت تھی۔ (معالم التنزیل ص ۲۵۵ ج ۲ روح المعانی ص ۱۵ ج ۱۰)

شیطان نے یہ جو کہا کہ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ (میں اللہ سے ڈرتا ہوں) اس کا مطلب حضرت عطاء نے یہ بتایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دیگر ہلاک ہونے والوں کے ساتھ مجھے ہلاک نہ کر دے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے تمہارے بارے میں ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلاک نہ فرمادے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ سخت عقاب والا ہے۔ تم لوگوں پر عذاب آنے ہی والا ہے۔ میں کیوں تمہارے ساتھ شریک رہوں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ابلیس کا کلام إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ پر ختم ہو گیا اور وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ جملہ مستانفہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لئے یہاں بھی سخت عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ ابلیس اس موقعہ پر جو بھاگ گیا تو وہ اور اس کے ساتھی یہ نہ سمجھیں کہ عذاب سے بچ گئے آخرت کا عذاب تو لازمی ہی ہے جو شدید ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ لَا تَلْمِزْنِ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ غَرْهَوْا لَكُمْ وَيُنْهَوْنَ

جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے گھمنڈ میں ڈال دیا۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۹

اور جو کوئی شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ عزت والا ہے غلبہ والا ہے

منافقین کی بداعتقاد اور بدزبانی

تفسیر: منافقین آستین کا خنجر تھے مسلمانوں میں بھی اپنے کو شمار کراتے تھے اور کافر تو تھے ہی۔ ان کا کام یہ تھا کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں اور مسلمانوں پر طنز کریں۔ ان کی انہیں طنزیہ باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب صحابہؓ تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے اپنے سے تین گنا تعداد سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے تو ان لوگوں نے کہا کہ انہیں اپنے دین پر بڑا غرور ہے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم چونکہ حق پر ہیں اس لئے غالب ہو کر رہیں گے۔ یہ اپنے اس گھمنڈ کی وجہ سے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہم کس سے بھڑ رہے ہیں اور کس سے مقابلہ ہو رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ غالب ہے وہ تو کل کرنے والوں کو ضرور غلبہ دے گا جو اس سے مدد طلب کرے گا خواہ اسکی تعداد تھوڑی ہو وہ اسکی مدد فرمائے گا وہ حکیم بھی ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق مدد اور نصرت فرماتا ہے۔

الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ (جن کے دلوں میں مرض ہے) سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بھی منافقین مراد ہیں اور یہ عطف تفسیری ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو قریش مکہ کے ساتھ آگئے تھے ان کے قلوب میں اسلام کے بارے میں تذبذب تھا اسی تذبذب کو مرض سے تعبیر فرمایا۔

معلومات ضروریہ متعلقہ غزوہ بدر

قرآن مجید میں غزوہ بدر کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس کا بیان آیات کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا گیا ہے۔ البتہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو کچھ معاملہ کیا گیا اس کا ذکر باقی ہے۔ وہ دو درکوع کے بعد آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ بعض چیزیں جو رہ گئیں جن کا حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ذکر ہے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱- سترہ رمضان ۲ھ میں غزوہ بدر ہوا۔

۲- مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں مہاجرین کی تعداد ۶۷ تھی اور باقی انصار میں سے تھے اوس میں سے بھی اور خزرج میں سے بھی۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۶۹ ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۳- قریش مکہ جو بدر میں پہنچے تھے اُن کی تعداد ۹۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ تک کے درمیان تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۹۵۰ آدمی تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے۔

۴- جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا تھا کہ مشرکین میں سے فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا اور فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا پھر ایسا ہی ہوا۔

۵- اس موقع پر ستر مشرکین مقتول ہوئے اور ستر افراد قید کر لئے گئے جن کی مشکیں باندھ کر مدینہ منورہ لے جایا گیا۔

۶- انہیں مقتول ہونے والوں میں ابو جہل بھی تھا جو مشرکین مکہ کو آمادہ کر کے لایا تھا اور جس نے فخر کرتے ہوئے بڑی بڑی باتیں کہی تھیں، اسے انصار کے دولڑکوں نے قتل کر دیا۔ تھوڑی سی رت باقی رہ گئی تھی وہ حضرت ابن مسعودؓ کے سر کاٹ دینے سے ختم ہو گئی۔ اس کا کٹا ہوا سر لے کر حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے الحمد للہ فرمایا۔ انہیں مقتولین میں امیہ بن خلف بھی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو حضرت بلال کو اسلام قبول کرنے پر مارا بیٹا کرتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر انصار کو آواز دی اور کہا کہ یہ کفر کا سر غنہ بچ کر نہ نکل جائے چنانچہ حضرات انصار نے اس کو گھیر لیا اور قتل کر دیا۔

۷- جو مشرکین بدر میں قتل ہوئے تھے انکی نعشوں کو وہیں ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ البتہ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی جب اسے زرہ میں سے نکالنے لگے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لہذا اسے وہیں چھوڑ دیا گیا اور اوپر سے مٹی اور پتھر ڈال دیئے گئے۔

۸- جب ان لوگوں کو کنویں میں ڈال دیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے۔ ہم نے تو اُسے حق پایا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ کیا تم نے بھی وہ وعدہ حق پایا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسے اجسام سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بات میں کہہ رہا ہوں اُن سے بڑھ کر تم زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (یعنی جیسے تم سن رہے ہو ایسے وہ بھی سن رہے ہیں) حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ نے ان کو زندہ فرما دیا تھا تا کہ آپ کی بات ان کو سنائے اور ان کو حسرت اور ندامت ہو۔

۹- بدر کے دن جو مسلمان شہید ہوئے ان میں سے چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے تھے۔

۱۰- فتح یابی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تین دن بدر میں قیام فرمایا اور پہلے سے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو فتح یابی کی خوشخبری دینے کے لئے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے بیان فرمایا کہ ہمیں ایسے وقت میں فتح یابی کی خبر پہنچی جب ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (رقیہ رضی اللہ عنہا) کے دفن سے فارغ ہو رہے تھے۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے اُن کو مریضہ کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا۔

۱۱- غزوہ بدر میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ حلقے سے نکل کر اُن کے رخسار پر آ پڑی لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ دیں آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا مت کاٹو۔ پھر آپ نے ان کو بلایا کہ اپنے دست مبارک سے آنکھ کے حلقے میں رکھ کر دبا دیا اُن کی یہ آنکھ ٹھیک طرح لگ گئی اور اُس کی روشنی دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہو گئی۔

بعض دیگر صحابہ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا تیرا کر لگا تو اُن کی آنکھ جاتی رہی رسول اللہ ﷺ نے اُن کی آنکھ پر اپنا لعاب مبارک ڈال دیا وہ بالکل درست ہو گئی۔ ۱

۱۲- جو حضرات بدر میں شریک ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں ہرگز ایسا شخص داخل نہ ہوگا۔ جو بدر میں یا حدیبیہ میں حاضر ہوا ہو۔ (قال فی النہایہ ص ۳۹ ج ۳) تنفرد بہ احمد وھو علی شرط مسلم۔ (اسے صرف امام احمد ہی نے ذکر کیا ہے لیکن یہ حدیث امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہے) صحیح بخاری ص ۵۶۸ ج ۱ میں ہے کہ حارثہ (بن سراقہ) غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ اُن کی والدہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! حارثہ سے جو مجھے خاص تعلق تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ سوا گروہ جنت میں چلا گیا۔ تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی امید رکھتی ہوں اور اگر دوسری کوئی بات ہے (یعنی دوزخ میں چلا گیا) تو آپ دیکھیں گے میں کیا کرتی ہوں یعنی رؤر و کرڈھیر کر دوں گی۔ (کمافی روایت) آپ نے جواب میں فرمایا۔ افسوس کی بات ہے تم کیا کہہ رہی ہوں۔ وہ کوئی ایک جنت تھوڑی ہی ہے۔ وہ بہت سی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ (صحیح بخاری ص ۵۶۷ ج ۲) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ (ص ۳۲۹ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ یہ حارثہ معرکہ سے دور تھے اور نگرانی کرنے والوں سے دور تھے۔ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آیا جو اُن کی موت کا سبب بن گیا۔ جب اس شخص کو اتنا بڑا درجہ ملا کہ فردوس میں داخل کر دیا گیا (جو جنت کا سب سے بلند درجہ ہے) تو جن لوگوں نے قتال میں حصہ لیا دشمن سے مقابلہ کیا اُن کے درجات کا کیا عالم ہوگا۔

۱۳- جس طرح مہاجرین اور انصار میں سے غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں کو بڑی فضیلت ملی اسی طرح سے جو فرشتے اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔ دوسرے فرشتوں پر اُن کو بھی فضیلت دی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اہل بدر کو آپ حضرات کس درجہ میں شمار فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمارے نزدیک وہ افضل المسلمین میں سے ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا اسی طرح سے ہم بھی بدر میں شریک ہونے والے فرشتوں کو دوسرے فرشتوں سے افضل جانتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۵۶۹ ج ۲)

وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ تَوْفٰی الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَاَذْبَاھُمْ

اور اگر آپ دیکھیں جبکہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہوئے ان کے مونہوں پر اور اُن کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلّٰمٍ

اور یوں کہتے ہیں کہ جتنے کا عذاب چکھ لو۔ یہ اُن اعمال کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے

لِّلْعَبِیْدِ ۝ كَذٰبٌ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِآیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ

والا نہیں ہے۔ جیسا کہ آل فرعون کی حالت تھی اور ان لوگوں کی جو اُن سے پہلے تھے انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا سو

اللّٰهُ یَذْنُبُهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیُّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكَ یَاۤاِنَّ اللّٰهَ لَمُعِیْكَ

اللہ نے اُن کے گناہوں کے سبب اُن کو پکڑ لیا ہے شک اللہ قوی ہے سخت عذاب والا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ اللہ کسی

مُغِيرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ

نعت کا بدلنے والا نہیں جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنے ذاتی اعمال کو نہ بدل دیں اور بلاشبہ اللہ سننے والا

عَلِيمٌ ۝ كَذَابٍ آلِ فِرْعَوْنَ ۝ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

جاننے والا ہے جیسا کہ آل فرعون کی اور اُن لوگوں کی حالت تھی جو اُن سے پہلے تھے انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا۔

فَاهْلَكْنَاهُمْ بِدُنُوْبِهِمْ وَأَعْرَفْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَكُلَّ كَاثِبٍ ۝ إِنَّ

سو ہم نے اُن کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور ہم نے آل فرعون کو ڈبو دیا۔ اور یہ سب ظالم تھے بیشک

شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ ایمان نہ لائیں گے

موت کے وقت کافروں کی پٹائی

تفسیر: ان آیات میں اول تو کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جو انہیں موت کے وقت ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ معرکہ بدر میں جو کفار قریش مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے تھے اور پھر جنگ میں مارے گئے جب وہ مقتول ہو رہے تھے تو فرشتے ان کو ان کے مونہوں پر اور پشتوں پر مار رہے تھے اور موت کے بعد جہنم کے عذاب میں مبتلا ہونے کی خبر انہیں دے رہے تھے۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت مجاہدؒ سے یہی نقل کیا ہے اور دیگر مفسرین نے اس مضمون کو عام بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتوں کا کافروں کے چروں اور پشتوں پر مارنا مقتولین بدر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام کافروں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ سورہ محمد کی آیت میں ارشاد ہے: **فَكَيْفَ إِذَا فُتِنْتُمُوهُمُ اللَّهُ لِيُخَيِّرُوا بَيْنَ دِينِهِمْ وَدِينِهِمْ وَأَذْبَابَهُمْ** (سو کیا حال ہوگا جب فرشتے اُن کی روح قبض کر رہے ہوں گے اور ان کے چروں اور پشتوں پر مار رہے ہوں گے) دوسرا قول رائج معلوم ہوتا ہے اس کے عموم میں مقتولین بدر بھی آ جاتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا **ذَلِكَ بِمَا فَعَلْتُمْ أَفَلَا تَكْمُلُونَ** کہ یہ جو کچھ موت کے وقت اور موت کے بعد سزا ہے تمہارے اپنے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے رہے اور انہیں آگے بھیجتے رہے۔ **وَأَنَّ اللَّهَ لَيَسْـَِٔلُكُمْ بِظُلُومِكُمْ لِلْعِبَادِ** (اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے) کیونکہ جو سر اللہ کی طرف سے کسی کو دی جاتی ہے۔ وہ بندوں کے اعمال کا بدلہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: **كَذَابٍ آلِ فِرْعَوْنَ ۝ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ** ان مجرموں پر جو اللہ کی طرف سے عذاب آیا یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنی آیات بھیجتا ہے۔ یہ آیات آفاقہ بھی ہوتی ہیں اور آیات آنفسیہ بھی ہوتی ہیں اور آیات صحیفہ بھی جو اللہ کی کتابوں اور صحیفوں میں موجود ہوتی ہیں۔ بندے اگر غور و فکر سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کو پہچانیں اور اس کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائیں اور احکام الہیہ کو بجالائیں تو ایمان قبول کرنے کی طرف ذہن چلے مجرمین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اللہ کی آیات کے منکر ہوئے اس کے نبیوں کو جھٹلایا اور

توحید سے انحراف کیا شرک میں مبتلا ہوئے لہذا دنیا میں بھی اپنے گناہوں کی وجہ سے سزایاب ہوئے اور آخرت میں بھی کافروں کے لئے سخت عذاب ہے۔

سابقہ اُمتوں نے آیاتِ الہیہ کو جھٹلایا جس کی وجہ سے ہلاک ہوئیں: پھر بطور مثال کے فرمایا:

كَذَّابِ الْفِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (الآیۃ) (جیسا کہ فرعون اور اُن لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے) اس میں یہ بتایا ہے کہ جیسے آل فرعون اور اُن سے پہلے لوگوں کے ساتھ معاملہ ہوا اسی طرح اس زمانہ کے مجرمین کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ کے دین پر نہ آئیں گے اللہ کے نبیوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلائیں گے تو یہ بھی مستحق عذاب ہوں گے پھر ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا لِّنِعْمَةٍ اَنْعَمَ عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (کسی قوم کو اللہ نے جو نعمت عطا فرمائی اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہ بدلیں) جب لوگ خود بدل جاتے ہیں۔ کفر و شرک اختیار کرتے ہیں تا فرما نیوں پر ٹل جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمت چھین لیتا ہے۔ جب لوگ ایمان کو چھوڑ دیں اچھے اعمال کو ترک کر دیں برے اعمال میں لگ جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت میں بھی تغیر آ جاتا ہے۔ یہ نعمت چھین لی جاتی ہے اور بندے نعمت اور عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے) سب کے اقوال کو سنتا ہے سب کے احوال کو جانتا ہے۔ کسی میں کیسا ہی کوئی تغیر فعلی یا قولی ہو جائے وہ سب سے باخبر ہے۔

اس کے بعد مکرر آل فرعون اور اُن سے پہلے لوگوں کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا لہذا ہم نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا۔

پہلے کَفَرُوا بِالْآيَاتِ اللّٰهِ فرمایا اور دوسری جگہ كَذَّبُوا بِالْآيَاتِ رَبِّهِمْ فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا بھی انہوں نے خیال نہ کیا جس نے پیدا فرمایا پرورش فرمائی پرورش کے سامان پیدا فرمائے۔ حاجات پوری کیں اسکی آیات کو جھٹلانا سر اسرنا شکری اور بے عقلی ہے لہذا اُن کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا گیا۔ پھر آل فرعون کے غرق کئے جانے کی تصریح فرمائی۔ وَاعْرِضْ عَلٰی آلِ فِرْعَوْنَ (اور ہم نے فرعون والوں کو ہلاک کر دیا)

آخر میں فرمایا: وَكُلٌّ كَانُوا ظٰلِمِيْنَ اور یہ سب آل فرعون اور اس سے پہلے تکذیب کرنے والی امتیں تھیں (جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود) یہ سب ظالم تھے انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کفر اختیار کیا اور معاصی میں بڑھتے چلے گئے۔ ان کی حرکتیں اُن کی بربادی کا باعث بنیں۔

اہل کفر جانوروں سے بدتر ہیں: پھر فرمایا: اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآیۃ) (بے شک اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں سب سے زیادہ بُرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا) الدواب، ذابۃ کی جمع ہے ہر وہ چیز جو زمین پر چلے پھلے لغوی اعتبار سے یہ لفظ سب کو شامل ہے۔ لیکن محاورات میں ذابۃ چوپایوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۱۰ ج ۲۱ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شَرُّ النَّاسِ نہیں فرمایا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ گویا یہ لوگ جنس انسانی سے نہیں ہیں جنس دواب میں سے ہیں اور اس جنس کے بدترین افراد میں سے ہیں فُھم

لَا يُؤْمِنُونَ (سویہ لوگ ایمان نہ لائیں گے) ان کی سرکشی بہت آگے بڑھ گئی ہے اور کفر میں راسخ اور مضبوط ہو چکے ہیں لہذا یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہلاک نہ کریں۔ آپ کے کرنے کا جو کام تھا (یعنی دعوت حق اور بلاغ مبین) وہ آپ کر چکے۔

الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرْجَةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿۵۸﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں۔ اور وہ نہیں ڈرتے۔ سو اگر

تَتَّقَهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿۵۹﴾

آپ ان کو جنگ میں پالیں تو ان کے ذریعہ ان لوگوں کو منتشر کر دیجئے جو ان کے پیچھے ہیں تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو اور اگر

تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان سے جو عہد آپ نے کیا ہے وہ ان کی طرف پیٹک دیجئے تاکہ وہ آپ برابر ہو جائیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو

الْخَائِنِينَ ﴿۶۰﴾

دوست نہیں رکھتا

کافر لوگ معاہدہ کے بعد غدر کرتے ہیں انہیں عبرت ناک سزا دو

تفسیر: صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلی آیت الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ میں یہودی قرظ کا تذکرہ ہے ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہ کریں گے۔ پھر انہوں نے ہتھیار دے کر مشرکین کی مدد کی جب ان سے سوال کیا گیا تو کہنے لگے کہ ہم بھول گئے تھے۔ اس کے بعد پھر معاہدہ کیا تو اسے بھی توڑ دیا اور غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے مددگار بن گئے۔ ان کا سردار (کعب بن اشرف) مکہ معظمہ گیا اور اس نے مشرکین مکہ سے معاہدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے۔

اسی کو فرمایا ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرْجَةٍ (پھر ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں) وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ اور وہ اللہ سے نہیں ڈرتے اور عہد شکنی کی بدنامی سے بھی نہیں بچتے۔

پھر فرمایا: فَإِنَّمَا تَتَّقُهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ (سو اگر آپ انہیں جنگ میں پالیں تو ان کے ذریعے ان لوگوں کو منتشر کر دیں جو ان کے پیچھے ہیں) یعنی لڑائی کے موقعہ آپ ان پر ایسا حملہ کریں کہ یہ ناکام ہو جائیں۔ ان کی ناکامی اور آپ کی کامیابی کا جب شہرہ ہوگا تو ان کے پیچھے یعنی ان کے علاوہ جو بہت سے قبائل ہیں وہ بھی منتشر ہو جائیں گے اور آپ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کریں گے لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو اور وہ جان لیں کہ نقص عہد کرنے والوں کا اور کفر سے چٹنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اہل ایمان کو غدر اور خیانت کی اجازت نہیں: اہل ایمان کو کبھی نقض عہد کی ضرورت پیش آ جاتی ہے اور یہ جب ہوتا ہے جب دشمن سے خطرہ ہو کہ وہ اپنا عہد توڑنے والا ہے اگر ہم نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور اچانک غفلت میں انہوں نے حملہ کر دیا تو ہمیں تکلیف پہنچے گی۔ ایسے موقعہ پر طریق کار یہ ہے کہ خود ان پر غفلت میں حملہ نہ کریں۔ ہاں ایسا کریں کہ پہلے اعلان کر دیں اور ان کو بتا دیں کہ ہمارا تمہارا جو معاہدہ تھا ہم اُسے ختم کر رہے ہیں۔ اسی کو فرمایا۔ **وَلَمَّا أَخَذُوكُم مِّنْ قَوْمٍ خِيَانَةٍ فَالْيَوْمَ لَيْسَ لَهُمْ عَلَى سَوَاءٍ۔**

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو جو عہد آپ نے اُن سے کیا ہے وہ انکی طرف پھینک دیجئے تاکہ آپ اور وہ اس بات کے جاننے میں برابر ہو جائیں کہ اب معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اگر معاہدہ کیا اور ان کا معاہدہ واپس نہ کیا اور معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع کے بغیر اُن پر حملہ کر دیا تو یہ غدر ہوگا اور خیانت ہوگی جس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ اسی کو فرمایا **لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يَجُوبُ الْخَائِنِينَ۔** (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) ہو سکتا تھا کہ بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آ جاتی کہ چونکہ دشمن دشمن ہے کچھ بھروسہ نہیں کہ اپنا عہد توڑ دے۔ اس لئے ہم اپنی حفاظت کے لئے پہلے حملہ کر دیں تو ہماری حفاظت ہو جائے گی۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے یہ نصیحت فرمائی کہ گو کافر تمہارے دشمن ہیں لیکن جب معاہدہ ہو گیا تو اب تمہارے لئے معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں اگر اُن سے عہد کی خلاف ورزی کا ڈر ہے تو تم پہلے انہیں بتا دو کہ ہمارا عہد ختم ہے اس کے بعد تمہیں حملہ کرنا جائز ہو گیا۔ سبحان اللہ عہد کی پاسداری کا شریعت اسلامیہ میں کتنا اہتمام ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا۔ اور ان چار میں سے جس میں ایک فحشلت ہوگی تو اس میں نفاق کا ایک حصہ مانا جائے گا۔ جب تک اُسے چھوڑ نہ دے۔

۱- جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

۲- اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۳- اور جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے۔

۴- اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (رواہ البخاری ص ۳۵۱ ج ۱)

ہر مسلمان کو معاہدہ کی پاسداری لازم ہے حکومت سے معاہدہ ہو یا کسی جماعت سے یا کسی فرد سے اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین شخصوں پر میں دعویٰ کرنے والا ہوں ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر اُس نے غدر کیا۔ اور ایک وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اسکی قیمت کھا گیا اور ایک وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے پورا لے لیا اور اسکی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری ص ۳۰۲ ج ۱)

نیز رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے من قتل معاہدا لم یوح رائحة الجنة۔ جس نے کسی عہد والے کو قتل کر دیا جنت کی خوشبو (بھی) نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری ص ۴۳۸ ج ۱)

فائدہ: اگر دوسرا فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کر دے اور پتہ چل جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔ مثلاً وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں یا اور کوئی ایسی خلاف ورزی کر دیں جس سے معاہدہ ٹوٹ جاتا ہو تو پھر اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور جب اپنی طرف سے عہد توڑنا ہو اور اُن کو اس کی اطلاع دینی ہو تو اُن کے ہر ہر فرد کو اطلاع دینا ضروری نہیں جب اُن کے صاحب اقتدار کو نقض عہد کی اطلاع دے دی اور اتنی مدت گزر گئی کہ وہ اس وقت میں اپنے اطراف مملکت میں خبر پہنچا سکتا تھا تو یہ کافی ہے۔ (ذکر صاحب الہدایۃ باب الموادعہ ومن یجوز امانہ)

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبْقُوا اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿۱۶۷﴾ وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ

اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ آگے بڑھ کر بیچ لگے۔ وہ لوگ عاجز نہیں کر سکیں گے اور ان کے مقابلہ کے لئے تیاری کرو

مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ﴿۱۶۸﴾

جو کچھ تم سے ہو سکے قوت سے بھی اور پلے ہوئے گھوڑوں سے بھی اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور اُن لوگوں کو

لَا تَعْلَمُوهُمْ اِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ ﴿۱۶۹﴾

جو ان کے علاوہ ہیں ڈراتے رہو تم ان کو نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے۔ اور جو بھی کوئی چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے

اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ ﴿۱۷۰﴾

وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا

دشمنوں سے مقابلہ کے لئے سامان حرب تیار رکھو اور انہیں ڈراتے رہو

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ یہ کفار جو جنگ کے موقعہ پر بیچ کر نکل گئے مقتول بھی نہ ہوئے اور قید میں بھی نہ آئے یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے اور بیچ لگے تو کامیاب ہو گئے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقتی طور پر بیچ جانا مستقل بچاؤ نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں ہیں وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے وہ چاہے گا تو دنیا میں بھی انہیں عقوبت میں مبتلا فرمائے گا اور آخرت میں تو بہر حال ہر کافر کے لئے سخت سزا ہے جس کا بیان قرآن مجید میں بار بار کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم سے جو بھی کچھ ہو سکے دشمنوں سے لڑنے اور ان کا دفاع کرنے کے لئے ہر طرح کی قوت تیار رکھو۔ لفظ مَا اسْتَطَعْتُمْ بہت عام ہے ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق تیاری کرنے کو شامل ہے اور مِنْ قُوَّةٍ بھی نکرہ ہے یہ بھی عام ہے اور ہر قسم کی قوت جمع کرنے کو اس کا عموم شامل ہے جس طرح کے ہتھیاروں کی جس زمانہ میں ضرورت ہو ان سب کا بنانا فراہم کرنا اور دوسری ہر طرح کی قوتیں اتحاد و اتفاق اور باہمی مشورہ۔ یہ سب لفظ مِنْ قُوَّةٍ میں داخل ہیں۔ نیز مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ فرما کر پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا بھی حکم فرمایا آیت بالا میں جو مِنْ قُوَّةٍ فرمایا

کہ جہاں تک ممکن ہو ہر طرح کی قوت تیار کرو اسکی تفسیر فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِّيَّ.

اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِّيَّ. اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِّيَّ. یعنی قوت تیر پھینکنا ہے۔ تین بار ایسا ہی فرمایا (رواہ مسلم ص ۱۳۲ ج ۱)

اور تیر پھینکنے کی قوت اس لئے فرمایا کہ اس میں دور سے دشمن پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔ دو بدو سامنے آ جائیں تو تلوار ہی سے لڑنا پڑیگا اور دور سے مقابلہ ہو تو دور ہی سے تیر اندازی کر کے دشمن کو پسایا جاسکتا ہے اسی لئے غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ سے فرمایا کہ جب دشمن تمہارے قریب آ جائیں تو تیر مارنا اور اپنے تیروں کو حفاظت سے رکھنا۔ (رواہ البخاری ص ۵۶۷)

مطلب یہ ہے کہ جب دشمن دُور ہے تو اپنے تیروں کو پھینک کر ضائع نہ کرو کیونکہ وہ زمین میں گر جائیں گے۔ جب دشمن اتنا قریب آ جائے کہ ان کو تیر لگ سکے تو اُن پر تیروں کی بوچھاڑ کر دور ہا مسئلہ تلوار سے قتال کرنے کا تو جب بالکل سامنے آ جائیں تو پھر جم کر تلوار کے ذریعہ جنگ کی جائے۔

اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِّيَّ کا عموم دور حاضر کے بموں کو بھی شامل ہے

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے جو اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِّيَّ فرمایا اور لفظ رمی کا مفعول ذکر نہیں کیا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھینکنے کی جب بھی کوئی چیز ایجاد ہو جائے وہ سب قوت کے مفہوم میں داخل ہوگی اور مسلمانوں کو اس کے حاصل کرنے کا اہتمام کرنا بھی لازم ہوگا۔ جدید ہتھیار میزائل، بم سب اسی عموم میں داخل ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ جنگم وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ ہر طرح کے جدید ہتھیار تیار کر لیں اور خود بنائیں۔ ضرورت پڑے تو دوسروں سے بھی خرید سکتے ہیں لیکن صرف خریداری ہی پر موقوف نہ رکھیں آجکل تو جدید اسلحہ بنانے والے اہل کفر ہی ہیں۔ اور کفر ملت واحدہ ہے۔ وہ کافروں کو پہلے دیں گے اور زیادہ دیں گے اور مسلمانوں کو اگر چاہیں گے تو تھوڑے ہتھیار دیں گے اور قیمت بہت زیادہ لیں گے۔ مسلمانوں کی یہ کتنی بڑی غفلت ہے کہ اہل کفر سے ہتھیار خریدتے ہیں اور خود نہیں بناتے اور اہل کفر کو اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے وہ مجبور کرتے ہیں کہ تم کیا بنا رہے ہو ہمیں دکھاؤ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اسلام نے برتر ہو کر زندہ رہنا بتایا ہے۔ کافروں کے سامنے جھکنے اور انہیں اپنا راز دار بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اپنی قوت تیار رکھنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا: تَزَيُّونَہُمْ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ۔ (اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو) جب طاقت ہوگئی اور دشمنوں کو اس کی خبر ہوگی تو وہ تم سے ڈرتے رہیں گے اور حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کریں گے۔

وَآخِرُ بَيِّنَاتٍ لِّمَنْ دُوِّنَہُمْ جُفْرًا فرمایا اس کے بارے میں حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے یہود کا قبیلہ بنو قریظہ مراد ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے منافقین مراد ہیں جو مسلمانوں میں مل جل کر رہتے ہیں اور اندر سے دشمن ہیں ان کو تمہاری طاقت کا پتہ ہوگا تو خود بھی ڈریں گے اور دوسروں کو بھی حملہ کرنے کی دعوت نہ دیں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فارس اور روم کے کافر مراد ہیں۔ جن سے نزول قرآن کے وقت تک مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ بعد میں حضرات صحابہ نے ان کو شکست دی اور اُن کے ممالک فتح کئے۔ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰہُ یَعْلَمُہُمْ میں اس طرف اشارہ ہے

پھر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ۔ (اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ ہوگا) یعنی ایسا نہ ہوگا کہ ثواب ضائع کر دیا جائے۔ چونکہ ہتھیار تیار کرنے میں مال خرچ ہوتا ہے اور گھوڑے پالنے میں بھی خرچہ کرنا پڑتا ہے اور جہاد میں شریک ہونے کے لئے بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو بھی کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس سب کا پورا پورا اجر پاؤ گے۔

وَأِنْ جَنَّحُوا بِالسَّلَاحِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۷﴾

اور اگر وہ لوگ صلح کے لئے مائل ہو جائیں تو آپ بھی اس کے لئے مائل ہو جائیں۔ اور اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے

وَأِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنْ حَسِبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي إِلَيْكَ مَبْصَرُهُ

اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بیشک اللہ آپ کو کافی ہے اللہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ساتھ

وَالْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

اور اہل ایمان کے ساتھ آپ کو قوت دی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا فرمائی۔ اگر آپ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے

مَا آلَفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ آلَفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۹﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ

تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے اور لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا فرمائی بے شک وہ غلبہ والا ہے اے نبی!

حَسِبَكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾

آپ کو اللہ کافی ہے اور وہ مومن بندے جنہوں نے آپ کا اتباع کیا۔

دشمن صلح پر آمادہ ہوں تو صلح کی جاسکتی ہے

تفسیر: اس سے پہلی آیات میں جہاد کے لئے سامان تیار کرنے کا حکم تھا اور نقض عہد کے سلسلہ میں بعض ہدایات دی تھیں۔ ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ دشمن اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیں۔ یہ امر وجوبی نہیں ہے موقع مصلحت سے متعلق ہے۔ اگر اس میں دارالاسلام اور اہل اسلام کی مصلحت ہو تو صلح کی جاسکتی ہے۔ جنگ کرنا مقاصد میں سے نہیں ہے۔ اگر صلح سے کام چلتا ہو تو صلح کر لیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان سے جزیہ لینا قبول کر لیں۔ صلح کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ وہ لوگ اس کی بنیاد پر ملیں جلسیں گے تو آپس میں ایک دوسرے کے ملک میں آنا جانا ہوگا۔ اس سے اہل کفر مسلمانوں کے اخلاق و اعمال سے اذان اور نماز سے متاثر ہوں گے اور اسلام کی طرف راغب ہوں گے۔

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ لفظ وَأِنْ جَنَّحُوا میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان خود سے صلح کی پیش کش نہ کریں۔

اور وہ لوگ پیش کش کریں تو صلح کر لیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

وإذا رأى الأمام أن يصلح أهل الحرب أو فريقاً منه و كان في ذلك مصلحة للمسلمين فلا بأس به لقوله تعالى وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ لِأَنَّ المَوَادَّةَ جِهَادَ مَعْنَى إِذَا كَانَ خَيْرًا لِلْمُسْلِمِينَ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ دَفْعُ الشَّرِّ حَاصِلٌ بِهِ بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ تَكُنْ خَيْرًا لِأَنَّهُ تَرَكَ الْجِهَادَ صُورَةً وَمَعْنَى (ص ۵۶۲ ج ۱)۔ (اور جب امام تو اہل حرب سے یا ان کے کسی فریق سے صلح کرنا مناسب سمجھے اور اس میں مسلمانوں کے حق میں بھلائی ہو تو صلح میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ) (اور اگر کافر صلح پر آمادہ ہوں تو آپ بھی تیار ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں) اور اس لئے بھی کہ لڑائی کا چھوڑنا بھی معنی جہاد ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو کیونکہ مقصود شر کا دفع کرنا ہے جو اس سے حاصل ہے۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ صلح میں مسلمانوں کی بھلائی نہ ہو تو پھر یہ جہاد کو چھوڑنا ہے (صورۃ بھی اور معنی بھی) وان جنحوا سے بعض اکابر نے جو یہ استنباط کیا ہے کہ اپنی طرف سے صلح کی پیش کش نہ ہو اسکی تائید سورۃ محمد کی آیت فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ سے بھی ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی ایسی مجبوری ہو جائے کہ مسلمان کسی جگہ زخمی میں آجائیں اور صلح کے بغیر کوئی صورت چھٹکارے کی نہ ہو تو اپنی طرف سے بھی صلح کی پیش کش کی گنجائش ہے رہی یہ بات کہ ہو سکتا ہے کہ کافر صلح کر کے بد عہدی کر دیں اور حملہ آور ہو جائیں۔ اس کے لئے فرمایا: وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّيِّدُ الْعَلِيمُ۔ (اور آپ اللہ پر بھروسہ کریں بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے) اگر صلح میں مصلحت دیکھیں تو آپ صلح کریں ایسے احتمالات کو بنیاد بنا کر صلح کی پیش کش کو نہ ٹھکرائیں۔

پھر فرمایا: وَلَنْ يَرْيِدُوا أَنْ يُخَدِّعُواكَ إِنْ حَسِبَكَ اللَّهُ۔ اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا ذریعہ بنائیں تو اللہ آپ کی مدد کے لئے کافی ہے ان کا مکر و فریب اور چال بازی سب خاک میں مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ نصیب فرمائے گا۔ پھر فرمایا: هُوَ الَّذِي يُدْخِلُكَ يَدْيِهِ وَبِالْوُفْيَيْنِ اللّٰهُ وَهُوَ جَسْ نَے اپنی مدد کے ذریعہ آپ کو قوت عطا فرمائی۔ (جس میں فرشتوں کا غیبی امداد کرنا بھی شامل ہے) اور اس نے مسلمانوں کے ذریعہ بھی آپ کو قوت دی اور مسلمانوں کا لشکر آپ کے ساتھ رہا جنہوں نے ثابت قدمی کے ساتھ جنگ کی۔

مزید فرمایا: وَالْفَتْحُ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ (اور اللہ نے مومنین کے دلوں میں الفت پیدا فرمائی) یہ آپس کی الفت و محبت ایسی چیز ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں جمنے اور اُن کو زک دینے اور زیر کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ جو لوگ زمانہ کفر میں آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق دی پھر ان کے قلوب میں الفت و محبت پیدا کر دی۔ جس کو آل عمران میں فرمایا: وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ۔ (اور یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو اس نے تم پر فرمایا جبکہ تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی) یہ الفت پیدا فرمانا اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور مشیت سے یہ محبت پیدا ہوئی۔ اسی کو فرمایا: لَوْ أَفْقَعْتُ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتُ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ۔ (اگر آپ وہ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے۔ تب بھی اُن کے درمیان الفت پیدا نہیں

کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کے درمیان اُلفت پیدا فرمائی (پھر فرمایا: اِنَّكَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ)۔ (بلاشبہ اللہ غلبہ والا ہے حکمت والا ہے)۔ اس کے بعد فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ الْمَعٰكُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ)۔ (اے نبی آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور مومنین کافی ہیں جنہوں نے آپ کا اتباع کیا۔ اصل مدد تو اللہ ہی کی ہے۔ جو حقیقی مدد ہے اور ظاہری اسباب کے طور پر مسلمانوں کی جماعت اور جمعیت بھی آپ کے ساتھ ہے۔ یہ حضرات آپ کا اتباع کرنے والے ہیں جہاں دیگر مسائل معاد اور اسباب معاش میں آپ کا حکم بجالاتے ہیں وہاں جہاد میں بھی وہ دل سے اور جان و مال سے آپ کا اتباع کرنے والے ہیں اہل ایمان کی جماعت مخلص ہو رسولؐ کی متبع ہو متحد اور مجتمع ہو تو پھر دشمن ان پر غالب نہیں آسکتا۔ صاحب روح المعانی ص ۳۰ ج ۱۰ نے حضرت ابن المسیبؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس دن نازل ہوئی جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے پر مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی تھی (اس کے بعد برابر تعداد بھی بڑھتی رہی اور قوت و شوکت میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ

اے نبی آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں سے بیس افراد ثابت قدم رہنے والے ہوں گے

يَغْلِبُوْا مِائَتِيْنَ وَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِّائَةٌ يَغْلِبُوْا الْفٰكِرِيْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ

تو دوسو پر غالب ہو جائیں گے اور اگر تم میں سے سو افراد ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے کہ

قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَلَنْ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ اِنْ يَكُنْ

یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے جان لیا کہ بے شک تمہارے اندر کمزوری ہے۔ سو اگر تم میں سے

مِنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوْا مِائَتِيْنَ وَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَلْفٌ يَغْلِبُوْا اَلْفِيْنَ

ثابت قدم رہنے والے سو افراد ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار افراد ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر

يَاْذُنِ اللّٰهُ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۷﴾

غالب ہوں گے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے

دشمن کی دو گنی تعداد ہو تب بھی راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیں۔ آپ جہاد کی ترغیب دیتے تھے اور اس کے منافع بتاتے تھے جس میں سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے آپ کی ترغیب اور تحریض پر حضرات صحابہؓ خوب ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے تھے اور جانیں دیتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مسلمانوں میں سے اگر بیس آدمیوں کی تعداد ہوگی اور وہ ثابت قدمی کے ساتھ جم کر لڑیں گے تو

اپنے مقابل کافروں کے دو سو افراد پر غالب آئیں گے اور اگر سو مسلمان ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی تھا اور اس وعدہ میں یہ حکم بھی مضمر ہے کہ مسلمان اپنے سے دس گنا تعداد کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار نہ کریں اور جم کر لڑیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس گنا تعداد کے مقابلہ میں غلبہ پانے کا وعدہ ہو گیا تو اب راہ فرار اختیار کرنے کا کوئی موقع نہ رہا۔

صاحب روح المعانی ص ۳۱۰ ج ۱ میں لکھتے ہیں۔ شرط فی معنی الامر بمصابرة الواحد العشرة والوعده بأنهم إن صبروا غلبوا بعون الله و تائبه فالجملة خبرية لفظاً انشائية معنی۔ (یہاں سے دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مومن کے غلبہ کے معاملہ میں صبر کی شرط لگائی گئی ہے اور وعدہ اس طرح ہے کہ اگر یہ صبر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید سے غالب آئیں گے پس جملہ لفظی طور پر تو خبریہ ہے مگر معنی انشائیہ ہے)

یہ جو فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْهَرُوا**۔ اس میں یہ بتایا کہ کافر اس وجہ سے مغلوب ہوں گے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے اللہ کو اور آخرت کے دن کو نہیں جانتے وہ ثواب کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے لئے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے نہیں لڑتے اُن کا لڑنا حمیت جاہلیہ اور شیطان کے اتباع کی وجہ سے ہے بخلاف اہل ایمان کے کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے اور اس کا بول بالا کرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ لا محالہ وہ غالب ہوں گے اور کافر مغلوب ہوں گے۔ (کذا افسره صاحب الروح)

اس کے بعد فرمایا: **الَّذِينَ خَفَفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا** اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے حضرت امام بخاری نے ص ۶۷۷ ج ۲ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب پہلی آیت **إِنْ يَكُنْ فِيكُمْ عَشْرُونَ صَالِحُونَ** نازل ہوئی تو مسلمانوں کو یہ بات بھاری معلوم ہوئی کہ دشمن کے افراد دس گئے ہوں تب بھی ان کے مقابلہ سے راہ فرار کرنے کی اجازت نہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور دس گئے افراد سے مقابلہ کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا اسے بجائے یہ حکم دے دیا کہ سو افراد دو سو کے مقابلے میں راہ فرار اختیار نہ کریں (یعنی دو گنی جماعت کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرنا ممنوع ہو گیا) حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور دس گنا افراد کے مقابلہ میں لڑنے کا جو حکم تھا اس کے بجائے اپنے سے دو گنی جماعت سے لڑنے کا حکم دے دیا اور راہ فرار اختیار کرنے سے منع فرمایا تو اسی قدر ان کے صبر میں سے کمی فرمادی۔

بعض حضرات نے **عَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا** کا یہ مطلب بتایا ہے کہ عہد اول میں حضرات صحابہؓ اگرچہ عدد میں تھوڑے تھے لیکن توکل علی اللہ ان میں بہت زیادہ تھا۔ لہذا دس گنی جماعت سے بھی ثبات قدمی کے ساتھ لڑ سکتے تھے بعد میں مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو ان بعد کے آنے والے مسلمانوں میں صبر و استقامت کی وہ شان نہیں تھی جو اُن سے پہلے والوں میں تھی اور کچھ کثرت پر بھی اعتماد ہو گیا۔ لہذا ضعف کی شان پیدا ہو گئی۔ اللہ جل شانہ نے دس گنا افراد کے مقابلہ کے بجائے دو گنا افراد سے مقابلہ کا حکم دے دیا اور ان کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرنے کی ممانعت فرمادی۔ یہ تخفیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ اسی صورت کے دوسرے رکوع میں **إِذَا مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ قَوْمٍ بِزَكَاةٍ لَهُمْ فِي حَرْبٍ أَوْ فِي مَلَأَةٍ** جو گزرا ہے۔ (اسکی تفسیر دوبارہ دیکھ لی جائے) قانون تو یہ بنادیا کہ دو گنی تعداد کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار نہ کریں لیکن اللہ جل شانہ نے ہمیشہ مسلمانوں

کی مدد فرمائی۔ فارس اور روم کے جہادوں میں بھاری تعداد میں دشمن سامنے آئے اور مسلمانوں کی تعداد کم ہونے پر بھی دشمنانِ دین کو شکست ہوئی جس کے واقعات تاریخ میں مذکور ہیں۔

آیت کے ختم پر فرمایا **وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰدِقِیْنَ** اس میں یہ بتادیا کہ طاعت پر جتنے والوں اور محصیت ترک کرنے والوں کا اللہ ساتھی ہے یعنی وہ ان کی مدد فرمائے گا۔ لہذا مومن بندوں کو طاعات کی پابندی اور معاصی سے ہمیشہ اجتناب لازم ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو اور میدانِ جنگ میں بھی ثبات قدمی کی ضرورت ہے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی مدد دلانے کا ذریعہ ہیں۔ ثبات قدمی کا آیت میں دو جگہ تذکرہ فرمایا ہے عسروں کے ساتھ صابروں فرمایا اور مائتہ کے ساتھ صابروں فرمایا۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے پاس قیدی موجود رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کر لے تم

الدُّنْيَا ۗ وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۖ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۱۷ لَوْلَا كَتَبَ مِنَ اللّٰهِ

دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ زیر دست ہے حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا

سَبَقَ لَكُمْ فِيهَا أَخَذْتُمْ عَذَابَ عَظِيمٍ ۝۱۸ فَكُلُوا مِنَّمَا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ

تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۹

اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب

تفسیر: پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ غزوہ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر کافروں کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ ان قیدیوں کیساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ مشورہ میں جب بات آئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے افراد ہیں اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو زندہ رہنے دیجئے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اور اس وقت ان سے فدیہ لے لیا جائے یعنی ان کی جانوں کے بدلہ میں مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا شہر مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اجازت دیجئے کہ ہم انکی گردنیں مار دیں اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوئی ایسی جگہ دیکھئے۔ جہاں خوب زیادہ کٹڑیاں ہوں انہیں اس میں داخل کر کے آگ سے جلا دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو اختیار فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ جو اوپر پہلی

دو آیتوں میں مذکور ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگلے دن جب میں حاضر ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے رونے کا سبب معلوم ہو جائے تو میں بھی رونے لگوں اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنا کر آپ کی موافقت کر لوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ فدیہ لینے کی لوگوں نے جو رائے دی تھی اُس رائے کے اختیار کرنے پر مجھے اس قریب والے درخت سے ورے عذاب آتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ (معالم التنزیل)

مذکورہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑنے کا جو فیصلہ کر لیا گیا تھا اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند تھی۔ اس لئے عتاب نازل فرمایا پھر عذاب کو روک لیا اور اس مال کو لینے اور کھانے کی اجازت دے دی اول تو یہ فرمایا کہ یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور انہیں چھوڑ دیا جائے بلکہ خوریزی کرنی چاہئے تاکہ کفار کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی سکت ان میں باقی نہ رہے جن حضرات نے مال لینے کی رائے دی تھی ان کے سامنے ایک مصلحت تو یہ تھی کہ اُمید ہے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ اور دوسری مصلحت یہ تھی اس وقت مسلمانوں کو حاجت اور ضرورت ہے مال مل جائیگا تو مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں قوت پہنچ جائے گی۔ اس مال لینے کے جذبہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ کہ تم دنیا کو چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طالب بنو تمہیں آخرت میں اُجور اور ثمرات ملیں۔ کافر قیدیوں کو قتل کرنے میں کفر کی مغلوبیت تھی جو اور زیادہ اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ ہے جیسے جیسے مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام پھیلے گا مسلمانوں کی آخرت اچھی بنے گی اور درجات بلند ہوں گے۔

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا۔ اس کے بعد بھی غلبہ دے گا اور اپنی حکمت کے موافق جب چاہے گا تمہیں مالا مال فرمائے گا۔ اس وقت ذرا سی دیر محسوس کر کے جو فدیہ لینے پر اتر آئے یہ ناپسندیدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: لَوْ اَنَّ كِتَابَ فَرْنِ اللّٰهِ سَبَقَ لَنَسَكْتُمْ فِيْهَا اَخَذْتُمْ عَذَابَ عَظِيْمٍ۔ (اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا) اس نوشتہ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے حضرات صحابہؓ اور تابعینؓ کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ جل شانہ نے اُم الکتاب میں چونکہ یہ لکھ دیا تھا کہ مالی غنیمت امت مسلمہ کے لئے حلال ہوں گے (جس میں قیدیوں سے فدیہ لینا بھی شامل ہے) اس لئے اللہ تعالیٰ نے عذاب روک لیا۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت سعید بن جبیرؓ اور حضرت عطاءؓ اور حضرت حسن بصریؓ اور حضرت قتادہؓ اور حضرت اعمشؓ سے یہ بات نقل کی ہے اور لکھا ہے مفسر ابن جریجؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ص ۳۴ ج ۱۶ ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات لکھی ہوئی نہ ہوتی کہ جب تک کسی قوم کے لئے بطور امر وہی واضح طور پر حکم بیان نہ ہو جائے اس وقت تک عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب نہ ہوگا تو عذاب آ جاتا۔ چونکہ واضح طور پر فدیہ لینے کی ممانعت بیان نہیں ہوئی تھی اس لئے عذاب روک دیا گیا۔ صاحب روح المعانی نے

اس قول کو بھی حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے پھر ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقرر اور مقدر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں عذاب نہیں آئے گا۔ جیسا کہ اس سورہ کے رکوع نمبر ۴ میں گزر چکا ہے۔ اس لئے عذاب نہیں آیا اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی زبانی یہ اعلان ہو چکا تھا کہ جو لوگ بدر میں شریک ہوئے تھے انکی مغفرت کر دی گئی (اور رائے دینے والوں میں مشورہ دینے والے بھی تھے) اسلئے عذاب نہیں آیا۔ پھر صاحب روح المعانی نے ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ کی طرف سے چونکہ یہ مقرر تھا کہ جو فدیہ تم نے لیا ہے وہ تمہارے لئے حلال کر دیا جائے گا۔ اس لئے عذاب نہیں بھیجا۔ پھر اس پر کچھ سوال و جواب بھی کیا ہے۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اگر یہ تمام چیزیں مراد ہوں جو مختلف اقوال کی صورت میں بیان ہوئیں تو اس میں بھی کوئی بعد نہیں ہے۔ وبهذا یجمع بین الروایات المختلفة عن الحبر فی بیان هذا الكتاب و ذلك بان یکون فی کل مرة ذکر امر واحد من تلك الامور، والتنصيص علی الشئ بالذکر لا یدل علی نفی ماعداه و لیس فی شئ من الروایات ما یدل علی الحصر فافهم۔ اھ۔ (اور اسی سے ان مختلف روایات میں تطبیق ہوتی ہے جو اہل علم سے اس نوحۃ الہی کا ذکر کر دیا گیا۔ اور کسی ایک چیز کے ذکر کی صراحت دوسری چیزوں کی نفی پر دلالت نہیں کرتی اور روایات میں کوئی ایسی بھی نہیں ہے جو کسی ایک کے حصہ پر دلالت کرے)

قیدیوں کے احکام: اگر کافر قیدی میں آجائیں تو امیر المؤمنین کو ان کے بارے میں کن باتوں کا اختیار ہے۔ اس میں چار چیزوں کا ذکر آتا ہے۔ یہاں سورۃ انفال میں قتل کرنے اور فدیہ لینے کا ذکر ہے اور سورۃ محمد میں مزید دو باتوں کا ذکر ہے (فَإِمَّا مَنًّا بَعْدَ وَإِمَّا فِدَاءً)

احسان کر کے چھوڑ دینا اپنے قیدیوں سے مبادلہ کر لینا یعنی اپنے قیدی لے کر ان کے قیدی چھوڑ دینا۔ ان چار چیزوں میں سے اب کس کس چیز کو اختیار کرنے کی اجازت ہے اس میں حضرات فقہاء کرام نے کچھ تفصیل لکھی ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین کو اختیار ہے۔ چاہے تو کافر قیدیوں کو قتل کر دے اور چاہے تو انہیں ذی بنا کر دارالاسلام میں رکھ لے۔ البتہ مشرکین میں جو اہل عرب ہوں اور جو مرتد ہوں ان کو ذمی بنا کر نہیں رکھا جاسکتا۔

اب رہی یہ بات کہ آیا مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لئے بطور مبادلہ کے کافر قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے؟ تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا اور حضرات صاحبین اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایسا کرنا درست ہے۔ اور کافر قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں اس کے بارے میں حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔

البتہ امام محمدؒ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی حاجت ہو تو ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ اور بالکل ہی بطور احسان کے چھوڑ دینا نہ قیدیوں کا مبادلہ ہو اور نہ مال لیا جائے اور نہ ذمی بنایا جائے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔ علامہ ابوبکر بھاسیؒ احکام القرآن ص ۳۹۲ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ سورۃ براءۃ سورۃ محمد ﷺ کے بعد نازل ہوئی۔ سورۃ محمد میں جو متن اور فداء کی اجازت ہے اس کو سورۃ براءۃ کی آیات قَاتِلُوا الشِّرْكَیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ اور قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْآخِرِ نے منسوخ کر دیا۔ لہذا اب فداء

اور من کی اجازت نہیں رہی۔ فوج ان یکنون الحکم المذکور فیہا ناسخا للفداء المذکور فی غیرہا اھ۔ اس کے بعد فرمایا فَكُلُوا مِنَّمَا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا (سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں) بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیکر جو ان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اس پر عتاب تو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی مہربانی سے اس مال کو حلال اور طیب قرار دے کر کھانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَأَتَّقُوا اللَّهَ (کہ اللہ سے ڈرو) اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے احتراز کرو إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ (بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے) اس نے تمہارے گناہ معاف فرمائے رَحِيمٌ (رحم فرمانے والا) جو کچھ تم نے کافروں سے لیا اس کے بارے میں تم پر رحم فرمادیا۔ اور تمہارے لئے حلال قرار دے دیا۔

مفسر ابن کثیر ص ۳۲۶ ج ۲ نے لکھا ہے۔ فعند ذلك اخذوا من الاسارى الفداء جس کا مطلب یہ ہے کہ مال لینے کے فیصلے پر عتاب ہوا تھا پھر جب مال لینے کی اجازت دے دی گئی تو قیدیوں سے مال وصول کر لیا گیا۔ اور معالم التنزیل میں یوں لکھا ہے کہ

جب پہلی آیت نازل ہوئی تو جو کچھ بطور فدیہ مال لے چکے تھے۔ اس سے پرہیز کرتے رہے جب آیت فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ نازل ہوئی تو اس مال کو استعمال کر لیا، ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں سے پہلے مال لے لیا گیا ہو۔ اور اقرب یہی ہے کیونکہ سب کے پاس اُس وقت اموال موجود نہیں تھے۔ قیدیوں میں حضور اقدس ﷺ کے داماد ابوالعاص بن الربیع اور آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔

آپ نے صحابہ سے اجازت لے کر ابوالعاص کو فدیہ لئے بغیر چھوڑ دیا اور ان سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ پہنچ کر زینب کو بھیج دینا۔ (زینب آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں) آپ نے جب ہجرت فرمائی تھی تو وہ وہیں رہ گئی تھیں۔ اس لئے ان سے فرمایا کہ زینب کو بھیج دینا، انہوں نے وعدہ کو پورا کیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیا۔ اور پھر بعد میں خود بھی اسلام قبول کر لیا۔ کما ذکرہ الحافظ ابن حجر فی الاصابة فی حروف العین۔ (جیسا کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں حرف عین کے باب میں ذکر کیا ہے)

حضرت عباس مشرکین کے لشکر میں آئے تھے اور بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے تاکہ اپنے ساتھیوں کو کھلاتے پلاتے رہیں (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا) اب ان کے پاس بیس اوقیہ رہ گئے تھے۔ وہ بیس اوقیہ صحابہ نے اُن سے مقام بدر میں لے لئے تھے۔ جب قید کر کے لائے گئے اور اُن سے سوال ہوا کہ فدیہ دو تو انہوں نے کہا کہ وہ جو بیس اوقیہ لے لئے ہیں انہیں کو میری جان کے فدیہ میں لگا لیں، آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز تم ہمارے مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے لے کر آئے تھے وہ تمہارے حساب میں نہیں لگ سکتی۔ عباس نے یوں بھی کہا کہ یا رسول اللہ میں تو مسلمان تھا آپ نے فرمایا اگر تم مسلمان تھے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے دے گا۔ ہمارے نزدیک بظاہر تم مقابلہ کرنے کے لئے جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ لہذا تم اپنی جان کا بھی فدیہ دو اور اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا بھی فدیہ دو۔ عباس نے کہا کہ اے محمد تم مجھے اس حال میں چھوڑنا چاہتے ہو کہ زندگی بھر قریش سے بھیک مانگا کروں۔ میرے پاس

اتنا مال نہیں ہے کہ اس قدر فدیہ دے سکوں۔ آپ نے فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے مل کر دفن کیا ہے۔ تم نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں مقتول ہو گیا تو یہ مال میرے بیٹوں عبدانہ اور عبید اللہ اور فضل اور قثم کے کام آئے گا۔ عباس نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ اس بات کا علم میرے اور ام الفضل کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب تعالیٰ شانہ نے بتایا۔ اس پر عباس کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں اور وہ بات پھر دہرائی کہ وہ جو میں اوقیہ میدان جنگ میں مجھ سے لے لیا گیا ہے۔ وہ میرے فدیہ کے حساب میں لگا لیا جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ وہ حساب میں نہیں لگ سکتا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں (بطور مال غنیمت کے) عطا فرمایا ہے۔ لہذا عباس نے اپنا فدیہ بھی دیا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا بھی اور اپنے حلیف کا بھی۔ (من معالم التزیل ص ۲۶۳ ج ۲ وابن کثیر ص ۳۶۷ ج ۲)

حضرت عباس نے اپنا اسلام تو فدیہ کے دن ہی ظاہر کر دیا تھا لیکن اس وقت مکہ معظمہ چلے گئے تھے پھر مکہ معظمہ فتح ہونے سے کچھ پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔ (کمانی الاصابہ، حرف العین)

فائدہ: معالم التزیل میں لکھا ہے کہ ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا اور ہر اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا اس طرح سے ہر قیدی کا فدیہ سولہ سو درہم ہوا۔ اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ ہر ایک قیدی کا فدیہ سو اوقیہ تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ہیں۔

فائدہ: چونکہ صحابہ کے مشورے سے یہ طے ہو گیا تھا کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اور جو مال ان سے لے لیا گیا اس میں صحابہ کا بھی حصہ ہو گیا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس میں کسی اپنے پرانے کی رعایت نہیں فرمائی اپنے چچا عباس سے بھی فدیہ لیا اور اپنے دو چچا زاد بھائیوں کا فدیہ بھی چچا سے وصول فرمایا۔ انہوں نے تجویہ کہا کہ میں مسلمان تھا (زبردستی جنگ میں شریک کر لیا گیا) تو اس کے جواب میں آپ نے صاف طور پر فرمادیا کہ دلوں کا حال اللہ جانتا ہے ہم تو ظاہر پر قانون نافذ کرنے والے ہیں۔ تم مخالفین کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہو کر آئے تھے۔ قیدی ہو گئے ہم تو فدیہ لے کر ہی چھوڑیں گے۔ لہذا ان سے فدیہ لیا۔ صحیح بخاری ص ۴۲۸ ج ۱ میں ہے کہ انصار میں سے بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اجازت دیجئے کہ ہم عباس کی جان کا بدلہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی نہ چھوڑو اور اپنے داماد ابوالعاص ابن ابی الریح کا جو فدیہ چھوڑا وہ بھی حضرات صحابہ سے اجازت لے کر چھوڑا تھا۔ یہ قانون میں مساوات اختیار کرنے کا ایک نمونہ ہے لوگ مساوات کا نام تو لیتے ہیں لیکن جب اپنے پرانے کا سوال آتا ہے تو قانون بھول جاتے ہیں قانون غیروں کے لئے ہوتا ہے اور اپنی جان اور اپنے لوگ قانون سے بالاتر ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کے طریقے کے خلاف ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَعْلَمَ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ

اے نبی جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں

خَيْرَ اَيُّوْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا اخَذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرَ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾

ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو عطا فرما دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَاِنْ يُرِيْدُوْا خِيَاْنَتَكَ فَقَدْ خَاْنُوْا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللّٰهُ

اور اگر وہ لوگ آپ کی خیانت کا ارادہ کریں سو وہ اس سے پہلے اللہ کی خیانت کر چکے ہیں پھر اللہ نے ان پر قابو دے دیا۔ اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷﴾

جاننے والا ہے حکمت والا ہے

بدر کے قیدیوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ

تفسیر: مفسر ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب عباس بن عبدالمطلب نے یہ کہا کہ میں تو مسلمان تھا اور میرا مال جو غزوہ بدر میں لے لیا گیا ہے اسی کو میری جان کے فدیہ میں لگا لیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے انکار فرمادیا جس پر انہوں نے اپنا اور مزید تین آدمیوں کا فدیہ دیا تو اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي آيِدِيكُمْ مِنَ الْأَمْوَالِ نَازِلُ** فرمائی جس میں یہ فرمایا کہ اے نبی جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں ان کو فرمادیں اگر تمہارے دل میں ایمان ہے جس کا علم اللہ کو ہے تو اللہ تم کو اس سے بہتر عطا فرما دے گا جو تم سے لیا گیا اور اللہ تمہیں بخش دے گا۔ حضرت عباس جب پوری طرح اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے اس وعدہ کو سچا پایا۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میں اوقیہ کی جگہ میں غلام فرمائے ہیں جو مال کما کر لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید بھی رکھتا ہوں کیونکہ آیت شریفہ میں اس کا بھی وعدہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ جو مال مجھ سے لیا گیا تھا اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے چالیس غلام عنایت فرمائے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سو گنا مال عطا فرمادیا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ سبب نزول خواہ حضرت عباس ہی کا واقعہ ہو لیکن الفاظ آیت کا عموم تمام قیدیوں کو شامل ہے **لَمَّا قَالُوا مَنْ أَنْ الْعَبْرَةَ بَعْمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ اِهـ**۔ (اس وجہ سے کہ علماء نے کہا ہے کہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے سبب کی خصوصیت کا نہیں ہوتا)

پھر فرمایا: **وَاِنْ يُرِيْدُوْا خِيَاْنَتَكَ فَقَدْ خَاْنُوْا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ** کہ یہ قیدی اگر آپ کی خیانت کا ارادہ کریں۔ واپس جا کر جنگ کرنے کی نیت سے لوٹ آئیں یا آپ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد کرنے لگیں تو آپ فکر مند نہ ہوں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خیانت کر چکے ہیں اللہ نے جو ہر عاقل سے توحید کے بارے میں عہد لیا تھا اسے توڑا اور کفر اختیار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو ان پر قدرت دے دی اور انہیں بدر میں مقتول کروادیا اور قیدی بنا کر مدینہ میں حاضر کروادیا۔ اگر پھر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ پھر آپ کی مدد فرمائے گا **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** اور اللہ کو سب کچھ معلوم ہے وہ سب کی نیتوں کا حال جانتا ہے۔ **حَكِيْمٌ** وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے مطابق اپنی مخلوق میں تصرف فرماتا ہے جس کو جب چاہے سزا دیتا ہے اور جس کو جب چاہے انعام دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا

وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ

اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّنْ وَلَا يَتَّبِعُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ

ہجرت نہیں کی تمہارا اُن سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے

فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا

دین میں مدد طلب کریں تو تمہارے ذمہ ان کی مدد لازم ہے۔ سوائے اس قوم کے مقابلہ میں کہ اُن میں اور تم میں کوئی معاہدہ ہو اور اللہ تعالیٰ

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ

ان کاموں کو دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو

فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي

زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد ہو گا اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں

سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ

جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی یہ وہ لوگ ہیں جو واقعی ایمان والے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے

وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدِ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ

اور رزق کریم ہے۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ تم میں سے ہیں

مِنْكُمْ وَأُولَٰئِكَ الْأَرْحَامُ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

اور جو لوگ رشتہ دار ہیں وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے قریب تر ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کا

عَلِيمٌ ۝

جاننے والا ہے۔

مجاہدین، مہاجرین اور انصار سے متعلق بعض احکام

تفسیر: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ان آیات میں میراث کے احکام بتائے ہیں۔ ان

کے نزدیک **أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ** سے ایک دوسرے کا وارث ہونا مراد ہے۔ نیز **وَلَا يَتَّبِعُهُمُ** سے بھی میراث پانا ہی مراد ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ اس اعتبار سے پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے وطنوں کو چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یعنی انصاری حضرات یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ صاحب روح المعانی نے حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان سلسلہ توارث جاری فرمایا یعنی ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے ایک مہاجر غیر مہاجر کا وارث نہیں ہوتا تھا اگرچہ آپس میں رشتہ داری ہو یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا اس کے بعد میراث نسبی رشتہ داری کی بنیاد پر ملنے لگی۔ اگرچہ ایک شخص مہاجر ہو اور دوسرا مہاجر نہ ہو بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں۔ رشتہ داری کے اصول پر جو میراث کے احکام ہیں۔ سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں بیان ہو چکے ہیں۔ (انوار البیان ج ۲)

اس کے بعد ان لوگوں کا حکم بتایا جنہوں نے ایمان تو قبول کیا لیکن ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہیں آئے اور فرمایا: **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا** کہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان کی میراث سے کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں۔ چونکہ سلسلہ توارث کے لئے ایمان اور ہجرت دونوں کو ضروری قرار دیا تھا اس لئے واضح طور پر فرما دیا گیا کہ جنہوں نے ہجرت نہیں کی اگرچہ اسلام قبول کر لیا اس کے اور مہاجرین کے درمیان سلسلہ توارث جاری نہیں ہوگا۔ یہ سابقہ مضمون کا تتمہ ہے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اور قرابت داری کے اصول پر میراث کے احکام بتا دیئے گئے۔

پھر فرمایا: **وَإِنْ اسْتَنَصَرُواكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ** آلہ یعنی جن لوگوں نے ایمان تو قبول کر لیا اور ابھی ہجرت نہیں کی اور مشرکین کے درمیان مجبوس ہیں اگر وہ تم سے مدد چاہیں تو دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کرو۔ آپس میں میراث کا جاری ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور کافروں کے مقابلہ میں مدد کرنا یہ دوسری چیز ہے۔ اس ضروری کام کو ہاتھ سے نہ جانے دو، مومن بھائیوں کی مدد کرو اگرچہ انہوں نے ہجرت نہیں کی۔ ہاں اتنی بات کا دھیان رہے کہ جس کسی قوم سے تمہارا کوئی معاہدہ ہے اور آپس میں یہ طے ہے کہ مثلاً اتنے عرصہ تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے تو پھر ان کے درمیان رہنے والے اہل ایمان کی مدد طلب کرنے کے باوجود ان پر حملہ نہ کیا جائے۔ تاکہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہ ہو۔ معاہدہ کی پابندی کا اہتمام اسلام میں کس درجہ ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا، اگر غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمان سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ میں مدد طلب کریں جس سے ترک جنگ کا معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کے لئے بھی ان کافروں پر حملہ کرنا جائز نہیں جن سے معاہدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: **وَالَّذِينَ لَكُمْ مِنْكُمْ أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ** کہ جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے ہیں۔ کافروں کے درمیان آپس میں میراث جاری ہو گی کوئی مومن کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مومن کا وارث نہیں ہو سکتا۔ پہلا حکم یعنی یہ کہ مہاجر غیر مہاجر کا وارث نہ ہو منسوخ کر دیا گیا اور ہجرت کے بجائے رشتہ داری کے اصول پر میراث کے احکام نازل ہو گئے لیکن یہ دوسرا حکم کہ مومن اور کافر کے درمیان توارث نہیں دائمی ہے اور قیامت تک کے لئے یہی قانون ہے ہاں کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اگر وہ لوگ

مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہوں گے تو قاضی اسلام ان کے درمیان میراث تقسیم کر دے گا اگر کوئی مسلمان کسی کافر کا بیٹا ہو یا کوئی کافر کسی مسلمان کا بیٹا ہو تو ان کے درمیان میراث جاری نہ ہوگی۔ اگرچہ دارالاسلام میں رہتے ہوں۔

پھر فرمایا: اَلَا تَقْعَلُوْهُ يٰۤمَنْ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَیْۤسٍ۔ کہ جو احکام اوپر بیان کئے گئے اگر ان پر عمل نہ کرو گے اور ان کی خلاف ورزی کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہوگا۔ اگر اپنے دینی بھائیوں کی مدد کے جوش میں معاہدہ کی خلاف ورزی کر بیٹھے یا کافروں کو اپنا ولی یا وارث سمجھ لیا تو اس کے نتائج بہت خطرناک ہوں گے اور زمین میں بڑا فتنہ ہوگا اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

پھر فرمایا: وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا (الایۃ) جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یہ دونوں جماعتیں یعنی مہاجرین اور انصار سچے یکے مسلمان ہیں۔ اللہ کی طرف سے ان کے لئے بڑی مغفرت کا وعدہ ہے اور انکے لئے عزت والی روزی مقرر ہے جو جنت میں ان کو نصیب ہوگی۔ اس آیت میں جہاں مہاجرین کی مدح ہے وہاں حضرات انصار کی بھی تعریف ہے اور دونوں جماعتوں کو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے آخری آیت میں تین مضمون بیان فرمائے۔

اولاً تو یہ فرمایا: وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدِ وَهَاجَرُوْا وَجَآهَلُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ۔ اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور تمہیں میں شمار ہیں۔ یعنی تم کو اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور ان کو گویہ فضیلت حاصل نہیں لیکن جب ایمان کے تقاضے پورے کر دیئے تو تمہیں میں شمار ہیں۔ ایمان کی فضیلت سب کو حاصل ہے۔ البتہ مراتب میں تفاوت ہے۔ اور احکام میراث میں تو سب برابر ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق نسبی رشتوں سے ہے افضل اور غیر افضل ہونے سے نہیں ہے۔

ثانیاً یوں فرمایا: وَاُولَٔا الذِّکَآءُ یَعْطٰہُمْ اُولٰٓئِیۡ بِبَعْضِ فِی کِتٰبِ اللّٰہِ۔ اور جو لوگ آپس میں رشتہ دار ہیں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں لہذا رشتہ داریوں کی بنیاد پر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے جس کی تفصیل سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں گزر چکی ہے اس سے میراث کا وہ حکم منسوخ کر دیا گیا جو اوائل ہجرت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کے بعد جاری کر دیا گیا تھا۔ یہ حکم ذوی الفروع اور عصبات سب کو شامل ہے بلکہ علماء فرائض کی اصطلاح میں جن کو ذوی الارحام کہا جاتا ہے ان کو بھی شامل ہے البتہ ان سب کے درمیان ترتیب ہے جو کتب فرائض میں مذکور ہے۔

ثالثاً فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یُحْکِیۡمُ فِیۡ شَیۡءٍ عَلَیۡہِمْ (بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) اس میں تنبیہ ہے کہ احکام کی خلاف ورزی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے اعمال کا علم ہے وہ سب کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے گا اور فرمانبرداری کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

تم سورۃ الانفال فی اوخر ذی الحجۃ ۱۲۱۲ھ

والحمد للہ اولاً و آخراً و باطناً و ظاہراً

سُورَةُ التَّوْبَةِ

اس کا دوسرا نام سورہ برأت بھی ہے اس میں کافروں سے برأت کا اعلان ہے اس لئے اس کو سورہ برأت کہا جاتا ہے اور غزوہ تبوک کے موقع پر جو صحابی پیچھے رہ گئے تھے انکی توبہ کا بھی اس میں ذکر ہے اس لئے دوسرا نام بھی معروف ہو گیا۔ یہ سورت مصحف عثمانی کی ترتیب میں سورہ انفال اور سورہ یونس کے درمیان ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ لکھنے کی وجہ: دیگر تمام سورتوں کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھی ہے لیکن سورہ برأت کے شروع میں نہیں ہے۔ جامع القرآن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سوال کیا کہ یہ کیا بات ہے آپ نے سورہ انفال کو جو مثنائی میں سے ہے (یعنی جس کی آیات سو سے کم ہیں) سورہ برأت سے پہلے رکھ دیا حالانکہ برأت اُن سورتوں میں سے ہے جن کی آیات سو سے زیادہ ہیں۔ اور آپ نے ان دونوں کو ملا بھی دیا اور مزید یہ کیا کہ ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی۔

اور ان دونوں کو ملا کر سبع طوال (یعنی لمبی سات سورتوں) میں شامل کر دیا۔ ایسا کرنے کا کیا باعث ہے؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ کا تبوں میں سے کسی کو بلا کر فرماتے تھے کہ اس آیت کو اس سورت میں شامل کر دو جس میں فلاں فلاں مضمون ہے۔ اور سورہ انفال اُن سورتوں میں سے ہے جو مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد شروع میں نازل ہوئیں اور سورہ برأت ان سورتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اور آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ سورہ برأت سورہ انفال کا حصہ ہے اور چونکہ دونوں کا مضمون ایک دوسرے کے مضمون سے ملتا جلتا تھا۔ اس لئے میں نے دونوں کو ملا دیا۔ اور ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی (کیونکہ نہ اس بات کا علم تھا کہ دونوں سورتیں مستقل ہیں اور نہ اس بات کی توضیح تھی کہ دونوں ایک ہی ہیں) اور میں نے ان کو ملا کر سبع طوال (یعنی سات لمبی سورتوں) میں شامل کر دیا۔ (مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد چھ سورتیں تعداد آیات کے اعتبار سے خوب لمبی لمبی ہیں اور ان دونوں کا مجموعہ مل کر سات لمبی سورتیں ہو گئیں جن کو سبع طوال کہا جاتا ہے) (رواہ الترمذی فی ابواب التفسیر اوائل سورۃ التوبۃ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہو گیا کہ سورہ انفال اور سورہ برأت کو اس لئے ملایا گیا ہے کہ دونوں کا مضمون آپس میں ملتا جلتا ہے اور درمیان میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اس لئے نہیں لکھی کہ واضح طور پر ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ارشاد فرمودہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے دونوں کا علیحدہ علیحدہ سورہ معلوم ہوتا۔

قرآن مجید کی ترتیب یوں ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد اول سبع طوال یعنی سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران اور سورہ نساء اور سورہ مائدہ اور سورہ انعام اور سورہ اعراف اور سورہ انفال اور سورہ توبہ کا مجموعہ ہے (ان کو سات لمبی سورتیں کہا جاتا ہے) ان کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں محکم کہا جاتا ہے۔ اور یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو سے کچھ زیادہ ہیں۔ پھر وہ سورتیں ہیں جنہیں مثنائی کہا جاتا ہے۔ یہ سورتیں سورہ یونس سے شروع ہیں اور سورہ حجرات سے لے کر ختم قرآن شریف تک جو

سورتیں ہیں انہیں مفصل کہا جاتا ہے۔ پھر ان میں بھی تفصیل ہے سورہ حجرات سے سورہ بروج تک طوال مفصل اور سورہ الطارق سے سورہ یٰسینہ تک اوساط مفصل اور سورہ زلزال سے لے کر سورہ والناس تک قصار مفصل ہیں۔ ۱۔

سورۃ توبہ کی ابتدا میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ پڑھی جائے

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب کوئی تلاوت کرنے والا سورۃ انفال پڑھے اور اُسے ختم کر کے متصل ہی سورۃ برأت شروع کرے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ پڑھے۔ کیونکہ سورۃ برأت کا مستقل سورہ ہونا یقینی نہیں ہے۔

اگر سورۃ برأت ہی سے تلاوت کی ابتداء کرنا ہو تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے یا نہ پڑھے اس میں دو قول ہیں رائج قول یہی ہے کہ اس صورت میں بھی بسم اللہ نہ پڑھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ وقال ۲۔

وَمَهْمَا تَصِلْهَا اَوْ بَدَأْتَ بِرَأَةٍ لِّتَنْزِلَهَا بِالسَّيْفِ لَسْتُ مُبَسِّمًا

(اور جب برأت کی تلاوت کو انفال کے ساتھ ملاتے یا سورۃ برأت ہی سے تلاوت شروع کرتے تو بسم اللہ نہ پڑھے کیونکہ یہ سورۃ تو تلوار کے ساتھ نازل ہوئی ہے)

محقق ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ اشترک میں لکھتے ہیں۔ لا خلاف فی حذف البسملة بین الانفال وبرأۃ عن کل من بسمل بین السورتین و کذا فی الابتداء ببرأۃ علی الصحیح عند أهل الاداء۔ (اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انفال اور برأت کے درمیان بسم اللہ نہیں ہے اور اسی طرح قراء کے نزدیک سورۃ برأۃ سے تلاوت کی ابتداء کی صورت میں بھی بسم اللہ نہیں ہے)

۱۔ علامہ سیوطی نے الاقان ص ۶۵ میں قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب اس طرح لکھی ہے کہ پہلے سبع طوال یعنی سات لمبی سورتیں ہیں جو سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کو ملا کر (گویا دونوں کو ایک قرار دے کر) سورۃ توبہ پر ختم ہو رہی ہیں (ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ سورت مانا جائے تو سبع طوال میں نہیں آتی ہیں) سبع طوال کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مبین کہا جاتا ہے (یہ مابین کی جمع ہے) یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو کے قریب یا سو سے زیادہ ہیں پھر ان کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مفصل کہا جاتا ہے۔ مفصل کی ابتداء کہاں سے ہے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ سورۃ حجرات سے شروع ہو کر آخر قرآن تک جو سورتیں ہیں ان سب کا مجموعہ مفصل ہے یہی قول ہم نے اوپر تفسیر میں لکھ دیا ہے۔ مثانی کی انتہاء تو مفصل کی ابتداء سے معلوم ہو گئی۔ لیکن مثانی کی ابتداء کہاں سے ہے۔ اس کے بارے میں اکابر کے اقوال میں کوئی تصریح نہیں دیکھی۔

سورتوں کی مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ مثانی کی ابتداء بظاہر سورۃ قصص سے ہونی چاہئے کیونکہ اس سے پہلی سورۃ میں ترانوے آیات اور اس میں اٹھاسی آیات ہیں (گو اس سے پہلے سورۃ حج میں اٹھتر اور سورۃ نور میں چونسٹھ آیات گزر چکی ہیں) سورۃ قصص کے بعد عموماً وہ سورتیں ہیں جن کی آیات مبین والی سورتوں کی آیات سے کم ہی ہیں۔ البتہ درمیان میں سورۃ شعراء میں دو سو ستائیس اور سورۃ صافات میں ایک سو بیالیس آیات ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب میں آیات کی تعداد کی بجائے طول اور قصر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ آیات کی تعداد کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ یعنی یہ بات نہیں دیکھی گئی کہ ہر اگلی سورت پچھلی سورت کی آیات کے اعتبار سے چھوٹی ہو۔ پھر یہ طول اور قصر بھی تقریبی ہے۔ اس بات کو پیش نظر رکھا جائے تو ان حضرات کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے جنہوں نے فرمایا ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی تو قیفی ہے۔ یہ جو ہم نے عرض کیا کہ ترتیب سورت میں آیات کی تعداد کی بجائے طول اور قصر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسکی ایک دلیل یہ ہے کہ بعض مرتبہ چھوٹی سورت میں آیات زیادہ ہوتی ہیں۔ (کما فی الصافات) اور بڑی سورت میں آیات کی تعداد کم ہوتی ہے (کما فی سورۃ الاحزاب) فاذا طول من الصافات وعدا یا تھا اقل منها)

اس کے بعد برأت سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں بعض قراء سے بسم اللہ پڑھنے کا جواز نقل کیا ہے لیکن اس کو تسلیم نہیں کیا اور آخر میں لکھا ہے والصحيح عند الاثمة اولى بالاتباع و نعوذ بالله من شر الابتداء۔ (جو صحیح ہے وہی ائمہ کے نزدیک اتباع کے لائق ہے اور ابتداء کی شرارت سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں) حضرت امام شاطبیؒ نے جو فرمایا لَتَنْزِيلُهَا بِالسَّيْفِ لَسْتُ مُبْسِمًا۔ یہ حضرت علیؑ سے منقول ہے علامہ ابن القاصح سراج القاری شرح شاطبیہ میں لکھتے ہیں: قال ابن عباس سألت علياً رضي الله عنه لما لم تكتب في براءة بسم الله الرحيم فقال لأن بسم الله امان و براءة ليس فيها امان نزلت بالسيف. اھ۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ سورۃ براءت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی تو انہوں نے فرمایا اس لئے کہ بسم اللہ تو امن کا پیغام ہے اور سورۃ براءت میں امان نہیں ہے وہ تو تلوار کے ساتھ نازل ہوئی ہے)

وَإِذْ أَنْ مِّنَ اللَّهِ وَرُسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ

اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کے لئے اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول

مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ وَرُسُولُهُٓ ؕ وَإِنْ تَبَتُّمُ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا

مشرکین سے بری ہے۔ سو اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم اعراض کرو تو یہ جان لو

أَنْتُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِيرِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَبَعْدَ آيِ الْيَمِّ ۚ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ

کہ بلاشبہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ سوائے اُن مشرک لوگوں کے

مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتَتْهُمُ

جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہ کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی۔ سو تم

إِلَيْهِمْ عَهْدُهُمْ إِلَىٰ مَدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝۱۰ فَاذْكُرُوا الْأَشْهُرَ

ان کے معاہدہ کو ان کی مدت مقررہ تک پورا کر دو۔ بلاشبہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ پھر جب اشہر

الْحَرُمِ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَأَحْصُرُوهُمْ وَأَقْعُدُوا لَهُمْ

الحرم گزر جائیں تو تم مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ۔ اور اُن کو پکڑو اور گھیرو اور انکی تاک میں گھات کے

كُلِّ مَرَصِدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ

ہر موقع پر بیٹھو۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بلاشبہ

اللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۱ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ

اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجئے۔ یہاں تک کہ وہ

كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۲

اللہ کا کلام سن لے پھر اُسے امن کی جگہ پہنچا دیجئے۔ یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں

تفسیر: آیات بالا کی تفسیر سمجھنے کے لئے یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ جس وقت سورہ برأت نازل ہوئی ہے اس وقت کفار کی چار قسمیں تھیں۔ پہلی قسم کے تو وہ لوگ تھے جن سے مقام حدیبیہ میں ۶ھ میں معاہدہ ہوا تھا جبکہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع پر مشرکین نے آپ کو مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیا

اور بڑی رد و کد کے بعد دس سال کے لئے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس صلح میں یہ تھا کہ ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ نہیں کرے گا اور نہ کوئی فریق کسی فریق کے حلیف پر حملہ آور ہوگا۔ پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ قبیلہ بنی بکر نے (جو قریش کا حلیف تھا) رات کے وقت قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش مکہ نے بنی بکر کو ہتھیار دیئے اور اپنے جوان انکی امداد کے لئے بھیجے۔ اس طرح سے قریش نے عہد شکنی کی کیونکہ بنی خزاعہ پر حملہ کرنے والوں کے مددگار بن گئے جو مسلمانوں کے حلیف تھے جب آنحضرت ﷺ کو قریش کی عہد شکنی کی خبر ملی تو آپ نے جنگ کی تیاری کی اور ۸ھ میں اپنے صحابہ کو لے کر مکہ معظمہ پہنچے اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ کافروں کا دوسرا فریق وہ تھا جن سے صلح کا معاہدہ ایک خاص میعاد کے لئے کیا گیا تھا وہ لوگ اپنے معاہدہ پر قائم تھے۔ نقص عہد نہیں کیا تھا جیسے قبیلہ بنی ضمرہ اور قبیلہ بنی مدلج (یہ دونوں قبیلے بنی کنانہ میں سے تھے) ان سے جتنی مدت کے لئے صلح ہوئی تھی سورہ براءت کے نزول کے وقت اس کے اختتام میں چند ماہ باقی تھے۔

مشرکین کا تیسرا فریق وہ تھا جن سے کسی مدت کے تعین کے بغیر معاہدہ ہوا تھا اور چوتھا فریق وہ تھا جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔ پہلا فریق یعنی قریش مکہ جنہوں نے معاہدہ حدیبیہ کو توڑ دیا تھا وہ تو کسی رعایت اور مہلت کے مستحق نہ تھے ان کو تو بلا مہلت ہی جزیرہ عرب سے نکال دینا یا قتل کر دینا درست تھا لیکن پھر بھی اشہر الحرم کا زمانہ ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ اشہر الحرم میں ان سے تعرض نہ کیا جائے اور اشہر الحرم گزر جانے کے بعد ان کے قتل کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ کفر سے توبہ کر لیں اور اسلام کے کام کرنے لگیں (جس میں نمازیں پڑھنا اور زکوٰۃ میں ادا کرنا سب سے زیادہ اہم ہے) تو نہ انہیں قتل کریں نہ قید کریں کیونکہ وہ اب اپنے ہو گئے۔

دوسرا فریق وہ تھا جن سے کسی خاصی میعاد کے لئے صلح کا معاہدہ کیا گیا تھا وہ اس پر قائم رہے نقص عہد نہ کیا تو ان کے بارے میں یہ حکم دیا فَاَتَوْاْ اِلَیْہِمْ عَہْدُہُمْ کہ ان کے معاہدہ کو اس کی مدت تک پورا کرو کیونکہ عہد کی خلاف ورزی اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے۔ جب مقابل فریق اپنا عہد پورا کر رہا ہے تو اہل ایمان تو بطور اولیٰ عہد پورا کرنے کا اہتمام کریں۔ یہ حکم قبیلہ بنی ضمرہ اور بنی مدلج کے متعلق تھا۔ اگر اہل ایمان نقص عہد کریں گے تو تقویٰ کے خلاف ہوگا۔ مومن کا کام ہے کہ تقویٰ اختیار کرے اسی لئے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (بلاشبہ اللہ تقویٰ والوں کو پسند فرماتا ہے)

تیسرا فریق (جن سے کسی مدت کے تعین کے بغیر معاہدہ ہوا تھا) اور چوتھا فریق (جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا) ان کے بارے میں سورہ براءت کے شروع سے لیکر وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِعَہْدِہِمْ تک تین آیات میں اعلان فرمایا اور ان کو چار مہینے کی مدت دی گئی اور کافروں سے فرمایا کہ تم اللہ کو عا جز نہیں کر سکتے۔ سرزمین عرب میں چار مہینے چلو پھرو اور چار ماہ کے بعد بھی یہ نہ سمجھنا کہ جزیرہ العرب سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے آزاد ہو جاؤ گے تم اللہ تعالیٰ کو عا جز نہیں کر سکتے وہ کافروں کو ضرور ذلیل کرے گا۔ الفاظ کا رخ تو ان لوگوں کی طرف ہے جن سے کوئی عہد تھا اور اسکی میعاد مقرر نہ تھی لیکن اس میں وہ لوگ بھی داخل ہو گئے جن سے کچھ بھی معاہدہ نہ تھا۔

۹ھ میں حضرت ابو بکرؓ کے زیر امارت حج کی ادائیگی اور مشرکین سے براءت کا اعلان

براءت کے مفہوم کو دوبارہ وَ اَذَانَ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہِ فرما کر دہرایا اور ۹ھ میں جو حج ہوا (جو فتح مکہ کے بعد پہلا حج

تھا) اس میں حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ذریعہ مواقف حج میں اعلان کروادیا کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے اور اس کے علاوہ بھی بعض امور کا اعلان کروایا گیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو اعلان کرنے پر مامور فرمایا۔

صحیح بخاری (ص ۲۷۱ ج ۲) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ جس حج میں رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کو امیر بنا کر بھیجا تھا اُس میں انہوں نے یوم النحر (ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو) جن لوگوں کو اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا اُن میں میں بھی تھا تا کہ یہ لوگ منیٰ میں اعلان کر دیں الا لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبيت عریان۔ (خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ کا طواف نہ کرے) مشرکین ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ اعلان کروایا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر حج بنا کر بھیج دیا تھا پھر پیچھے سے حضرت علیؓ کو بھی بھیجا تا کہ اُن کے ذریعہ اعلان کروایا جائے اور وجہ اسکی یہ تھی کہ آپؐ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی گئی تھی کہ اہل عرب کا یہ طریقہ ہے کہ عہد اور نقض عہد کے بارے میں اسی شخص کے اعلان کو معتبر سمجھتے تھے جو خاص اُسی قبیلہ کا ہو جس سے معاہدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ قبیلہ کی حیثیت سے تو نہ تھا مسلمانوں کی جماعت کا امام ہونے کی حیثیت سے تھا اور دین اسلام کی طرف سے تھا لیکن احتمال تھا کہ لوگ اسے بنی ہاشم کا معاہدہ سمجھیں اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جانا مناسب سمجھا جو بنی ہاشم ہی کے ایک فرد تھے۔ حضرت علیؓ سورۃ براءت کے مطابق اعلان کرتے تھے اور مشرکین کو پوری طرح اعلان سناتے تھے چونکہ اتنے بڑے اجتماع میں شخص واحد کافی نہ تھا اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر حضرات کو بھی حضرت ابو بکرؓ نے اس کام پر لگایا۔

معالم التنزیل (ص ۲۶۷ ج ۲) میں زید بن تیہج سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ آپؐ کو اس حج میں کیا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا (جس میں آپؐ اعلان کرنے پر مامور ہوئے تھے) انہوں نے فرمایا کہ مجھے چار چیزوں کا اعلان کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اول یہ کہ آئندہ بیت اللہ کا طواف کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں نہ کرے۔ دوم یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا جس قبیلہ سے کوئی معاہدہ ہے تو یہ معاہدہ صرف اپنی مدت تک ہے اور جس سے کوئی معاہدہ نہیں اس کو چار ماہ کی مہلت دی جا رہی ہے (چار ماہ تک زمین میں چلیں پھریں) مسلمان ان سے کوئی تعرض نہ کریں گے یہ مدت ختم ہو جانے کے بعد ان کے خون کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ سوم یہ جنت میں مومن کے سوا کوئی شخص داخل نہ ہوگا۔ چہارم یہ کہ اس سال کے بعد مشرکین اور مسلمین (حج میں) جمع نہ ہوں گے یعنی کسی مشرک کو اس سال کے بعد حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی نیز صاحب معالم التنزیل (ص ۲۶۶ ج ۲) لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی جو مدت مقرر کی گئی کہ اس کے بعد امان نہ ہوگی اسکی ابتداء حج کے دن سے ہے جس میں برأت کا اعلان کیا گیا تھا اور یہ مدت دس ذوالحجہ سے لے کر دس ربیع الآخر تک تھی چونکہ مدت کا شمار اعلان کے بعد ہی سے معتبر ہو سکتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخْنَا مِنَ الْاَشْهُرِ الْحَرَامِ (الآیۃ) حضرت مجاہد اور ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں جن اشہر الحرام کا ذکر ہے اُن سے وہی مہینے مراد ہیں جن کا شروع سورت میں ذکر آیا ہے جن لوگوں کے ساتھ کوئی معاہدہ بلا تعین مدت کا تھا اور جن سے کوئی عہد نہ تھا ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ اور جنہوں نے نقض عہد کیا تھا یعنی قریش مکہ ان کو چار ماہ کی مدت میں

سے بیس دن ذی الحجہ کے اور پورا مہینہ محرم کا گزر جانے تک کی مہلت دی گئی۔ صاحب معالم التزیل نے یہ بات لکھی ہے اور علامہ نسفی نے بھی مدارک التزیل میں ایسا ہی فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانی نے بھی یوں ہی لکھا ہے کہ اشہر الحرام سے وہ مہینے مراد نہیں ہیں جو عرب میں معروف و مشہور تھے (یعنی ذیقعدہ ذوالحجہ محرم اور ربیعہ) اور یہ اسلئے فرمایا کہ جس وقت براءت کا اعلان ہوا تھا ان میں سے صرف بیس دن ذی الحجہ کے اور ایک مہینہ محرم کا باقی رہ گیا تھا۔ اور جب تک پہنچنے کے لئے بیچ میں پانچ مہینے کا فصل تھا اگر ان پانچ مہینوں کو بھی حساب میں لگا دیا جائے تو معیاد لمبی ہو جاتی حالانکہ چار مہینوں سے زیادہ کسی کو مہلت نہیں دی گئی۔ آیت کریمہ میں یہ فرمایا کہ جب اشہر الحرام نکل جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ انکو پکڑو اور انہیں روک لو۔ روکنے کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کو قلعہ بند کر دو باہر نکلنے سے روک دو اور ان کے لئے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھ جاؤ یعنی مکہ کے راستوں میں بیٹھو مشرکین کو اس میں داخل نہ ہونے دو۔ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ یعنی اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں اور اسلام قبول کر لیں۔ اور نماز قائم کر لیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ ان پر چلنے پھرنے کی اور مکہ معظمہ میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں۔ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جب اسلام قبول کر لیا تو زمانہ کفر میں جو کچھ کیا تھا سب ختم ہے اس پر دارو گیر نہیں۔

وَإِخْصَرُوا هُمْ سے دشمنوں کا محاصرہ کرنے کا جواز معلوم ہوا اور وَأَقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ سے معلوم ہوا کہ دشمنوں سے حفاظت کے لئے ان سے چوکنار بننے کے لئے اپنے ملکوں اور شہروں میں چوکیاں مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ ابوبکر ہصام احکام القرآن (ص ۸۳ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص شرک و کفر سے توبہ کرے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ البتہ محصر اور جس کا حکم باقی رہے گا۔ جو شخص قصد نماز چھوڑے اور اس پر اصرار کرے اور زکوٰۃ نہ دے امام المسلمین کے لئے جائز ہے کہ اسے محبوس رکھے۔ اس کا چھوڑ دینا اس وقت تک واجب نہیں جب تک کہ وہ نماز نہ پڑھے اور زکوٰۃ نہ دے۔

پھر فرمایا: فَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَةَ اللَّهِ (اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجئے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے)

علامہ ابوبکر ہصام فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر حربی امان طلب کرے تو اسے امان دینا جائز ہے۔ وہ امان طلب کر کے مسلمانوں کے پاس آئے اللہ کا کلام سنے تو حید کو سمجھے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل معلوم کرے تو اس کے لئے ایسا موقعہ فراہم کیا جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر ہم سے دلائل تو حید کا اور دلائل رسالت کا مطالبہ کرے تاکہ وہ سمجھنے کے بعد دونوں باتوں کو مان لے تو ہمارے ذمہ واجب ہوگا کہ پوری طرح حجت قائم کریں اور تو حید و رسالت کو واضح طور پر بیان کریں اور جب کوئی شخص ہم سے تو حید اور رسالت کے دلائل طلب کرے تو دلائل بیان کرنے اور حجت قائم کرنے سے پہلے اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ ثُمَّ أَيْدِيَهُمْ مَا مَنَدَ سے معلوم ہوا کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ جو کوئی کافر حربی امان لے کر آئے اسکی حفاظت کرے تاکہ کوئی شخص اسے قتل نہ کر دے اور کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچائے نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو لوگ اہل ذمہ ہیں امام المسلمین کے ذمہ انکی

حفاظت واجب ہے۔ تاکہ کوئی مسلمان ان پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔

کافر حربی کو واپس ان کی جائے امن پہنچانے کا جو حکم ہے اس سے یہ مستنبط ہوا کہ کافر حربی کو دارالاسلام میں مستقل طور پر قیام نہ کرنے دیا جائے۔ اس میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک سال دارالاسلام میں رہ گیا تو ذمی ہو جائے گا اور اہل ذمہ کے احکام اس پر نافذ ہوں گے جزیہ بھی مقرر کر دیا جائے گا۔ (احکام القرآن ص ۸۲-۸۳ ج ۳)

پھر فرمایا: **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُوْنَ** یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے (کہ اسلام کیا ہے اور دعوت اسلام کی کیا حقیقت ہے اور اسلام قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟) فلا بد من اعطائهم الامان حتی یسمعوا او یفہموا الحق (بس انہیں امان دینا ضروری ہے تاکہ وہ سن لیں یا حق کو سمجھ لیں) (مدارک التنزیل ص ۱۱ ج ۲)

فائدہ: **یوم الحج الاکبر** جو فرمایا ہے اس سے ایام حج مراد ہیں۔ خاص کر وہ ایام جن میں منیٰ میں قیام ہوتا ہے۔ لفظ یوم کو بطور جنس لایا گیا ہے۔ اور الحج الاکبر سے کیا مراد ہے؟ حضرت زہریؒ۔ شعی اور غطائے فرمایا کہ اس سے حج مراد ہے کیونکہ عمرہ حج اصغر ہے اور حج اکبر ہے حج اکبر کا وہ معنی جو مشہور ہے کہ یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو یہاں وہ معنی مراد نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ جمعہ کے دن حج ہو تو اسکی فضیلت دوسرے حجوں سے زیادہ ہے یا نہیں؟ بعض روایات سے اسکی فضیلت عام حجوں سے ستر گنا زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ”الحظ الاول و فرسی الحج الاکبر“ کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔

کَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ

اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکین کا عہد کیسے رہے گا مگر جن لوگوں سے

عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا الْكُفْرَ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ اَنَ

تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو۔ بلاشبہ

اللَّهُ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَقْبَلُوْا فَيْكُمْ اِلَّا

اللہ تعالیٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ان کا عہد کیسے رہے گا اور حال ان کا یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قربت کی پاسداری کریں

وَلَا ذِمَّةً يُرْضَوْنَ كُم بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فَسِقُوْنَ ۝

اور نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا خیال کریں۔ یہ لوگ تمہیں اپنے منوں سے راضی کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔

اَشْتَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِهِ اِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوْا

انہوں نے اللہ کی آیات کا بدلہ تھوڑی قیمت کو خرید لیا سو انہوں نے اللہ کے راستہ سے روک دیا۔ بلاشبہ وہ جو کام کرتے ہیں

يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وِلَا ذِمَّةً وَّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُبْعَدُوْنَ ۝

نہ سے کام ہیں وہ کسی مومن کے بارے میں کسی قربت داری کا اور کسی ذمہ داری کا پاس نہیں رکھتے اور یہ وہ لوگ ہیں جو زیادتی کرنے والے ہیں۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِوْا لَهُمْ فِي الدِّينِ وَتَفَصَّلْ

سو اگر یہ لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے اور ہم تفصیل کے ساتھ

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

احکام بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔

مشرکین کو کسی قرابت داری اور معاہدہ کی پاسداری نہیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو مشرکین کی بدعہدی کے مزاج کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ان کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انہوں نے پہلے بھی عہد توڑا ہے اور آئندہ بھی توڑتے رہیں گے۔ ان کا حال یہ ہے کہ ظاہر میں زبانوں سے عہد ہے اور دلوں میں بغض کی آگ ہے اگر مسلمانوں پر غلبہ پا جائیں تو نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کریں اور نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا۔ بس یہ مسلمانوں کو اپنی زبانی باتوں سے راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ (وفائے عہد اور اطاعت کا زبانی وعدہ کرتے ہیں) اور اُن کے دل ان کی اپنی زبانی باتوں سے راضی نہیں ہیں۔ اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ یعنی شرارت سے بھرے ہوئے ہیں کہ کسی بھی عہد کی پاسداری کرنے کو تیار نہیں۔ اکاذب کا کوئی شخص عہد کی پاسداری کرنا چاہے تو اس کی بات چلنے والی نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ کے احکام کو قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کے سامنے حقیر دنیا ہے۔ انہوں نے حقیر دنیا کو لے لیا اور اللہ کے احکام کو چھوڑ دیا۔ تھوڑی سی حقیر دنیا کے جانے کا جو وہم تھا اسکی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول نہ کیا کیونکہ جو شخص دنیا ہی کو سامنے رکھے گا وہ اللہ کے راستہ پر نہیں چل سکتا ایسے لوگ خود بھی ایمان قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول نہیں کرنے دیتے۔ جن کاموں میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کے یہ کام برے ہیں۔ لَا يَزِيدُونَ فِي مُؤْمِنِينَ إِلَّا وِلَا ذِيْعَةً (کسی مومن کے بارے میں ان کے پاس نہ قرابت داری کی رعایت ہے۔ نہ معاہدہ کی پاسداری ہے) وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْتَدُونَ۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم و زیادتی کرنے والے ہیں۔ کَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ فرمانے کے بعد مصلیٰ ہی یوں فرمایا۔ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْنَا عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْمَعْرُورِ علامہ نسفی فرماتے ہیں کہ استثناء میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے مسجد حرام کے قریب عہد ہوا تھا اور جو اپنے عہد پر قائم رہے۔ اور انکی مدت معاہدہ باقی تھی جیسے بنی کنانہ اور بنی ضمرہ۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حکم دیا کہ انکے عہد کی رعایت کرو۔ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ (جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں یعنی مدت معاہدہ میں نقض عہد نہ کریں) فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ (تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو) یعنی وفاء عہد کرو عہد کی خلاف ورزی نہ کرو۔ کیونکہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں آتَمُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ کے مضمون کا اعادہ ہے اور اتنی بات زائد ہے کہ جب تک وہ مستقیم رہیں تم بھی مستقیم رہو اگر وہ عہد توڑ دیں تو تم پر عہد پورا کرنے کی پابندی نہیں۔ صاحب روح المعانی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں۔

وایاً ما كان فحكم الامر بالاستقامة ينتهى بانتهاء مدة العهد فيرجع هذا الى الامر بالاتمام الممار الخ (ص ۵۵ ج ۱۰) (اور جو بھی ہو عہد ہر استقامت کا حکم معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے پھر یہ حکم گذشتہ عہد کی تکمیل کی طرف لوٹتا ہے)

آخر میں فرمایا **فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا فِي دِينِهِمْ** کہ یہ لوگ اگر کفر سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر تمہارے دینی بھائی ہوں گے (ان سے لڑنے کا کوئی موقع نہیں) **وَنَقْضُ الْاَيْمَانِ يَقَوْمٌ يَعْلَمُونَ** (اور ہم ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اپنی آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں) تاکہ فکر سے کام لیں اور ہر بات کو سمجھیں اور احکام خداوندی کے پابند رہیں۔

فائدہ: آیات بالا میں جو کافروں اور مشرکوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ ”اگر تم پر غالب ہو جائیں تو کسی رشتہ داری کا معاہدہ کا لحاظ نہ کریں گے وہ تمہیں زبانی باتوں سے راضی رکھتے ہیں اور ان کے دل انکاری ہیں“۔ ہمیشہ سے کافروں اور مشرکوں کا یہی حال رہا ہے اور اب بھی ہے کہ مسلمانوں کے قتل و قتل سے بچنے کے لئے اور ان کے جذبہ جہاد کو ٹھنڈا کرنے کے لئے قومیت و وطنیت اور یک جہتی کی بنیاد پر اتحاد اور اتفاق کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ اور معاہدات بھی کر لیتے ہیں لیکن اگر کبھی ان کا اپنا موقعہ لگ جائے تو ہر طرح کے تعلقات توڑ کر سارے معاہدوں کی پاسداری چھوڑ کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیتے ہیں۔ یہی حال ان فرقوں کا ہے جو فرقے اسلام کے نام لیا ہیں لیکن اسلامی عقائد سے منحرف ہونے کی وجہ سے مسلمان نہیں بلکہ ان فرقوں کی بنیاد ہی اسلام اور مسلمان کی کمر میں خنجر گھونپنے پر ہے یہ لوگ اسلام کے نام پر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور اتحاد و اتفاق کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ لیکن اندر سے دشمنان اسلام ہونے کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں کوئی کسر نہیں رکھتے۔ جب بھی موقعہ لگتا ہے مسلمانوں کے قتل و خون سے باز نہیں آتے۔ صد ہا سال سے یہی ہو رہا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا اِيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوا فِي دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوا اِنَّ اِيْمَةَ الْكَافِرِ

اور اگر وہ لوگ اپنے معاہدہ کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرخونوں سے جنگ کرو

اِنَّهُمْ لَا اِيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهِمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۰۱ اَلَا تَقَاتِلُوْنَ قَوْمًا كَذَّبُوْا اِيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا

بلاشبہ یہ لوگ ایسے ہیں کسان کے یہاں قسمیں کوئی حقیقت نہیں سمجھتیں تاکہ وہ باز آجائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور

بَاخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ قَالَ اللهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ

رسول کو نکالنے کا پختہ ارادہ کیا۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تم سے پہلے خود چھپر چھڑا کی ابتداء کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ واللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۲ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُغْزِيْهِمْ وَيَخْضَرُّكُمْ عَلَيْهِمْ ۝۱۰۳

اگر تم مؤمن ہو۔ اس سے جنگ کرو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا اور

يَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۖ وَيَذْهَبُ غِيظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَىٰ

مسلمانوں کے سینوں کو شفاء دے گا اور ان کے دلوں کی جلن کو دور فرما دے گا۔ اور اللہ جس کو

مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۱۵ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمْ يَعْلَمْ اللّٰهُ

چاہے تو بہ نصیب فرمائے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ کیا تم کو یہ گمان ہے کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور حالانکہ اللہ نے

الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَمْ يُتَخِذْ وَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهِ ۚ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ

ابھی تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے جہاد کیا اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کے علاوہ

وَلِيٍّ ۚ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶

کسی کو دوست نہیں بنایا اور اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو

کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں

تفسیر: ان آیات میں قریش مکہ کی بدعہدی اور عہد شکنی کا تذکرہ ہے اور ان سے جنگ کرنے کی ترغیب ہے۔ ان لوگوں سے ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ ہوا تھا۔ جس کی دس شرطوں میں سے ایک یہ شرط بھی تھی کہ دس سال تک ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ آور نہ ہوگا اور نہ کوئی فریق کسی فریق کے حلیف پر حملہ کرے گا اور نہ کسی حملہ آور کی مدد کرے گا لیکن قریش مکہ نے معاہدہ توڑ دیا اور قبیلہ بنی خزاعہ (جو رسول اللہ ﷺ کا حلیف تھا) کے خلاف قریش مکہ نے قبیلہ بنی بکر کی ہتھیاروں سے اور جوانوں سے مدد کی۔ اب جبکہ انہوں نے اپنا عہد توڑ ڈالا اور نہ صرف یہ کہ عہد توڑا بلکہ تمہارے دین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ تو ان سے جنگ کرو۔

فَقَاتِلُوْهُ ۚ كُفُّواْ عَنْ اٰيَةِ الْكُفْرِ ۚ فَمَا ظَنُّكُمْ ۚ فرمایا۔ اس سے تمام مشرکین قریش مراد ہیں جو پورے عرب کے مشرکوں کے سرغن بنے ہوئے تھے نہ ایمان قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ اور قبائل عرب نے انہیں اپنا مقتدی بنا رکھا تھا جو اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے یا اٰيَةُ الْكُفْرِ سے قریش کے سردار مراد ہیں جیسے ابو جہل اور سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان بن حرب وغیرہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی کو اختیار فرمایا۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ آیت قریش مکہ کے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے تقض عہد بھی کیا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ سے جلا وطن کرنے کا مشورہ بھی دیا جبکہ دار الندوہ میں جمع ہوئے تھے اِنَّهُمْ لَا اِيْمَانَ لَهُمْ (ان کی قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں) لَعَلَّهُمْ يَنْبَغُوْنَ تم ان سے جنگ کرو تا کہ یہ تمہارے دین پر طعن کرنے اور مقابلہ میں جنگ کے لئے کھڑے ہونے سے باز آجائیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفر سے باز آجائیں۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۲ ج ۲ بعض زیادہ)

قریش مکہ تو عہد توڑ چکے تھے پھر حرف شرط کے ساتھ انکے عہد کو توڑنے کو کیوں ذکر فرمایا؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نقض عہد پر قائم رہیں اور ایمان نہ لائیں تو ان سے قتال کرو۔ احقر کے ذہن پر یہ وارد ہوا ہے کہ جملہ شرطیں لاکر آئندہ آنے والوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ قریش مکہ تو عہد توڑ ہی چکے ہیں ان کے علاوہ آئندہ بھی کافروں کی جو جماعت نقض عہد کرے اور تمہارے دین میں طعن کرے ان سے جنگ کرنا۔ اور خاص کر کفر کے سرغٹوں کو قتل کرنے کا اہتمام کرنا۔ ان لوگوں کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ایسے لوگوں سے قتال کرتے رہو گے تو وہ تمہارے دین میں طعن کرنے اور جنگ کرنے کی ہمت سے باز رہیں گے۔

علامہ نسفی نے مدارک المتزیل میں لکھا ہے کہ جب کوئی ذی دین اسلام میں علانیہ طور پر طعن کرے اس کا قتل جائز ہے کیونکہ عہد ذمہ میں یہ بات بھی ہے کہ اسلام پر طعن نہ کریں گے سو جب طعن کر دیا تو اس نے اپنا عہد توڑ دیا اور عہد ذمہ سے نکل گیا۔ پھر فرمایا: اَلَا تُفَاتِلُوْنَ قَوْمًا كَفَرُوْا بِالْاٰیٰتِ كُفْرًا وَهُمْ يَدْعُوْنَ اِلَى الْرُّسُوْلِ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْ اَوَّلِ مَوْءُوْدَةٍ (کیا تم ان لوگوں سے قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا اور پھر خود ہی قتال کی ابتداء کی) یعنی بنی خزاعہ کے مقابلہ میں (جو تمہارے حلیف تھے) بنی بکر کی مدد کی۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور ترک قتال کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ سخت ہے کہ تم ان سے ڈرو (اس کا حکم مانو اور قتال مت چھوڑو) اگر تم مؤمن ہو (تو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو جس میں حکم قتال کی تکمیل بھی ہے)

اس کے بعد فرمایا قُلُوْا لِلّٰهِ عِدَّتُہٗمْ اَللّٰهُ يَٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَہُمْ وَيُخٰذِلُوْنَہُمْ وَيُخٰذِلُوْنَہُمْ وَيُخٰذِلُوْنَہُمْ وَيُخٰذِلُوْنَہُمْ اس آیت میں قتال کا حکم بھی ہے اور مدد کا وعدہ بھی فرمایا کہ تم ان سے جنگ کرو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا اور ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کافروں کی طرف سے جو عہد شکنی ہوئی اور جو انہوں نے اسلام کو مٹانے کے لئے حرکتیں کیں اس سے جو مسلمانوں کے دلوں میں رنج و غم ہے اس جنگ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی دور فرمادے گا۔ اہل ایمان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ شفا دے گا ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کیونکہ جنگ کے نتیجہ میں کافر مقتول اور ذلیل و خوار ہوں گے اور مسلمان اپنی آنکھوں سے کافروں کا ائمہ انجام دیکھ لیں گے۔ مزید فرمایا: وَيَذْهَبْ غَوْطًا فَاُولٰٓئِہٖ اور اللہ ان کے دلوں کی جلن کو دور فرمادے گا۔ یہ جملہ اولیٰ پر عطف ہے اور اس کے مفہوم کی تاکید ہے اور اس میں اہل ایمان کی خوشی کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمادیا ہے۔ جس سے مبالغہ مقصود ہے مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان خوب زیادہ خوش ہوں گے۔ صاحب روح المعانی یہ بات لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اذہاب الغیظ شفاء صدور سے زیادہ المیع ہے اور یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے یوں بھی فرمایا ہے کہ شفاء الصدور فتح مکہ کے وعدہ سے ہو گیا اذہاب الغیظ فتح مکہ سے ہو گیا لیکن صاحب روح المعانی اس قول سے راضی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا: وَيُخَوِّبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ (اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے توبہ نصیب فرمائے) تمہیں جو حکم ہوا ہے وہ کرو۔ تمہارا کام قتال ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر میں جو کچھ ہے وہ بھی واقع ہو گا جس لوگوں کو اللہ تعالیٰ اسلام کی توفیق دے گا اور کفر چھوڑنے پر جو ان کی توبہ قبول فرمائے گا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے۔ وہ جس پر چاہے اپنا فضل فرمادے جسے

اسلام کی نعمت سے نوازنا ہوگا وہ تمہارے مقابل صف آرا ہو کر بھی بیچ کر نکل جائے گا اور اسلام قبول کر لے گا۔ جیسا کہ ابو سفیان اور عمرہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو جو مشرکین کے رؤساء تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔ وَاللّٰهُ عَلَیْہِمْ حَکِیْمٌ اور اللہ جاننے والا ہے اُسے معلوم ہے کہ کون اسلام قبول کرے گا اور کون کفر پر مرے گا اور وہ حکیم بھی ہے وہ اپنی حکمت کے موافق جس کو چاہے نواز دے۔ کسی کا اس میں دخل نہیں ہے۔

فائدہ: یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مکہ تو ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا۔ اور سورہ برآۃ ۹ھ میں نازل ہوئی۔ پھر ان آیات میں کون سے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب روح المعانی ص ۶۲ ج ۱۰ لکھتے ہیں کہ سورہ براءت کی ابتدائی آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ اور یہ آیات اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اھ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرت کی خوشخبری دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اہل کفر سے جو تمہیں تکلیف پہنچے گی اور انکی شرارتوں کی وجہ سے جو تمہارے دل میں غیظ و غضب ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو دور کر دے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا۔ اور تمہارے دلوں کو کافروں کی ذلت دکھا کر شفاعطا فرمائے گا۔ جس طرح اہل مکہ میں قتال کے لئے بعض چیزیں جمع ہو گئی تھیں کہ انہوں نے اپنا عہد توڑا اور تمہارے دین میں طعن کیا اور رسول اللہ ﷺ کو جلاوطن کرنے کا مشورہ کیا اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی پہل کی اس طرح کی بہت سی باتیں آئندہ بھی کافروں کی طرف سے پیش آ سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو تمہارے درمیان نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہوں گے۔ اور ان کے بعد کوئی نبی اور رسول بھی نہیں لیکن اس طرح کے واقعات پیش آ سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ان سے لڑو تاکہ کافر ذلیل و خوار ہوں اور تمہارے دل ٹھنڈے ہوں۔ خطاب کا رُخ حضرات صحابہ کو ہے لیکن عموم خطاب میں سب مسلمان داخل ہیں۔ اس کے بعد جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: اَوْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَکُوْا (الآیہ)

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ اور تمہارا امتحان نہ ہوگا؟ ایسا خیال نہ کرو۔ امتحان ضرور ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے گا جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین سے سچی محبت کرنے والے عملی طور پر ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر ممتاز ہو جائیں گے جنہوں نے جہاد سے جان چھڑائی اور جنہوں نے کافروں اور مشرکوں کو رازدار بنایا۔ یہ امتحان والا مضمون دیگر آیات میں بھی ہے۔ سورہ نساء میں گزر چکا ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُذِلَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَلَى مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِمْ حٰثِیْۤیْنَ اَلِیْمٌ اَلْغَیْثُ مِنَ الطَّیْبِ۔ (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ پاک کو ناپاک سے تمیز نہ فرمادے)

اور سورہ عنکبوت میں فرمایا ہے: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ (کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ صرف یوں کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی جانچ نہ کی جائے گی)۔ آخر میں فرمایا۔ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہے) وہ اپنے علم کے مطابق جزا دے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسْجِدَ اللّٰهِ شٰہِدِیْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِم بِالْکُفْرِ

مشرکین اسکے اہل نہیں ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں اس حال میں کہ وہ اپنے بارے میں کافر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔

أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠﴾ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت ہو گئے۔ اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اللہ کی مسجدوں کو

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا

وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے

اللَّهُ فَخَشِيَ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْبُہْتَدِينَ ﴿١١﴾ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّهِ وَعِمَارَةَ

نہ ڈرے۔ سو توقع ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔ کیا تم نے حج کرنے والوں کو پانی پلانے اور

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا

مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص کے برابر بنادیا جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا

يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا

اللہ کے نزدیک یہ لوگ برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے

وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْثَرُ دَرَجَةً

اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک درجہ کے

عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١٣﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ

اعتبار سے بڑے ہیں اور یہ لوگ کامیاب ہیں۔ اُن کا رب اپنی طرف سے انہیں رحمت کی اور رضامندی

وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿١٤﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾

اور ایسے باغوں کی بشارت دیتا ہے جن میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے

مشرکین اس کے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں

تفسیر: معالم التنزیل (ص ۲۷۳ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب غزوہ بدر کے

موقع پر عباس کو قید کر لیا گیا تو مسلمانوں نے عباس کو عار دلانی کہ تم کفر اختیار کئے ہوئے ہو اور تمہارے اندر قطع رحمی بھی ہے

(کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو مشرکین نے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا) اور اس بارے میں حضرت علیؓ نے سخت باتیں

کہہ دیں تو اس کے جواب میں عباس نے کہا کہ آپ لوگ ہماری برائیاں تو ذکر کرتے ہیں کیا بات ہے کہ ہماری خوبیاں ذکر

نہیں کرتے حضرت علیؓ نے فرمایا کیا تمہارے پاس خوبیاں بھی ہیں؟ عباس نے کہا کہ ہاں! ہم مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں

اور کعبہ کی درباری کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ

(آخر تک) نازل فرمائی۔ اور یہ بتا دیا کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ مسجدوں کو آباد کریں۔ مشرک ہوتے ہوئے مسجد کی آبادی کا کوئی معنی نہیں۔ کعبہ شریف تو شرک کے دشمن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ کعبہ اور کعبہ کی مسجد کی بنیاد تو حید پر ہے جو لوگ اپنے اقرار و اعمال سے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ ہم کافر ہیں یعنی اللہ کے پیچھے ہوئے دین کو نہیں مانتے ان کا مسجد کو آباد کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہاں یہ لوگ شرک کرتے ہیں اگر ظاہری کوئی آبادی کر دی یعنی اس کے متولی بن کر کچھ درود یواریں دیکھ بھال کریں تو کفر اور شرک جیسی بغاوت کے سامنے یہ بے حقیقت ہے پھر مسجد حرام میں جاتے تھے تو سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے (جیسا کہ سورہ انفال کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے) ایسا آباد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک آباد کرنے میں شمار نہیں ہے صاحب معالم الشریعہ ص ۳۷۲ ج ۲ لکھتے ہیں: اٰی مَا یَنْبَغِیْ لِلْمَشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَوْ یَجِبَ عَلٰی الْمُسْلِمِیْنَ مِنْهُمْ مِنْ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْمَسَاجِدَ اِنَّمَا تُعْمَرُ لِعِبَادَةِ اللّٰهِ وَحْدَهُ فَمَنْ كَانَ کَافِرًا بِاللّٰهِ فَلَیْسَ مِنْ شَاْنِهِ اَنْ یَّعْمُرَهَا (یعنی اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا مشرکوں کا کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ مشرکوں کو اللہ کے گھر سے روکیں کیونکہ مسجدیں خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے آباد ہونی چاہئیں جو اللہ کا منکر ہے مسجدوں کو آباد کرنا اس کا کام نہیں ہے) پھر فرمایا: اَوَّلَیْکَ حِیْطُتٌ اَعْمَالُھُمْ کہ ان کے سب اعمال اکارت چلے گئے (کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی بھی عمل اگرچہ بظاہر عبادت ہو آخرت میں کوئی نفع دینے والا نہیں) وَفِی النَّارِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ (اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں)

مساجد کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے: اس کے بعد فرمایا: اِنَّمَا یُعْمَرُ مَسْجِدُ اللّٰهِ مِنْ اَمَنِہٖ وَاللّٰہُ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتٰی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَمَسَّشْ اِلَّا اللّٰہَ (اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے) اس میں بتایا کہ مسجدوں کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے مقرر فرمودہ فرائض کو انجام دیتے ہیں (اس میں دو چیزوں کا خصوصی تذکرہ فرمایا یعنی نماز قائم کرنا زکوٰۃ دینا) اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام بھیجے ہیں ان پر عمل کرنے میں قوم یا قبیلہ اور اہل وطن کے اعتراض کو نہیں دیکھتے کہ کوئی کیا کہے گا اللہ کے دین پر کسی کا خیال کئے بغیر عمل کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ پھر ان لوگوں کا اخروی انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَعَلٰی اَوَّلَیْکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُتَّقِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بتا دے گا۔ دنیا میں اللہ کی طاعت اور عبادت میں لگنا نصیب ہو گا اور پھر یہ طاعت اور عبادت جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جائے گی مسجد بنانا اور اس کا نظم و نسق سنبھالنا مرمت کرنا، نمازیوں کی واقعی ضرورتیں پوری کرنا یہ سب مسجد کی آباد کاری میں داخل ہے۔ لیکن مسجد کی آباد کاری جو دوسری شان سے ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مساجد کو نمازوں سے ذکر سے تلاوت سے تعلیمی حلقوں سے تدریس قرآن سے آباد رکھا جائے کیونکہ مسجد کی اصل بناء انہی امور کے لئے ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے لئے ایمان کی گواہی دے دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا یُعْمَرُ مَسْجِدُ اللّٰهِ مِنْ

اَصْنِ يَاللّٰهُ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد رکھتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹ عن الترمذی وابن ماجہ والداری)

مساجد میں کیا کیا کام ممنوع ہیں؟ جیسے اعمال صالحہ نماز ذکر تلاوت وغیرہ سے مسجد کو آباد رکھنے کی فضیلت ہے وہاں ان چیزوں کا ارتکاب مسجد کی آباد کاری کے خلاف ہے۔ مساجد میں ایسے اشعار پڑھنا جو دینی اعتبار سے اچھے نہ ہوں اور خرید و فروخت کرنا اور بد بودار چیزیں کھانی کرمسجد میں جانا (جس میں بیڑی، سگریٹ، تمباکو والے پان کی بد بو بھی شامل ہے) اور مساجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔ مساجد میں تھوک، بلغم، ذائقہ، گم شدہ چیز تلاش کرنا اور مخلوق سے سوال کرنا۔ یہ سب امور مسجد میں ممنوع ہیں اور مسجد کی شان کے خلاف ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں کسی گمشدہ چیز کے تلاش کرنے والے کی آواز سنے تو یوں کہہ دے لا دھا اللہ علیک (کہ اللہ تجھے یہ چیز واپس نہ دے) کیونکہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ (رواہ مسلم ص ۲۱۰ ج ۱۱ ابوداؤد ص ۶۸ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد میں بیچتا ہے یا خریدتا ہے تو کہہ دو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ (مشکوٰۃ ص ۷۰)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسجدوں میں ان کی باتیں دنیاوی امور کے بارے میں ہوں گی۔ سو تم ان کے پاس مت بیٹھنا کیونکہ اللہ کو انکی حاجت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۱ عن ابی نعیم فی شعب الایمان) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل مبغوض ہے ان کے پاس بیٹھ کر اپنا مذاہم نہ کرو۔ حضرت حکیم بن حزامؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مساجد میں حدود و قصاص جاری کرنے سے اور (غیر دینی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا (رواہ ابوداؤد ص ۲۶۱ ج ۲) حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں درختوں یعنی پیاز اور لہسن کے کھانے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو شخص انہیں کھائے ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اور فرمایا کہ اگر تمہیں کھانا ہو تو ان کو پکا کر کھاؤ۔ جس سے ان کی بد بو چلی جائے گی۔ (رواہ ابوداؤد ص ۷۹ ج ۲ و فی مسلم عدۃ روایات فی ہذا المعنی ص ۲۰۹ ج ۱)

ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہنا، مسجدوں میں اعتکاف کرنا اور نمازوں کے انتظار میں بیٹھا رہنا یہ بھی مسجد کی آباد کاری ہے۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے بیان کیا کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں خضیٰ ہونے کی یعنی قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت دے دیجئے آپ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی کو خضیٰ کرے یا خود خضیٰ ہو جائے بے شک میری امت کا خضیٰ ہونا یہ ہے کہ روزے رکھا کرے۔ (اس سے شہوت دب جائے گی) پھر عرض کیا کہ ہمیں سیر و سیاحت کی اجازت دیجئے آپ نے فرمایا میری امت کی سیر و سیاحت، جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ پھر عرض کیا کہ ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دیجئے (جیسا کہ نصرانی لوگ تارک دنیا ہو کر الگ غاروں میں اور جنگلوں میں بیٹھ گئے تھے) آپ نے فرمایا میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ نمازوں کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھا کریں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹)

مسجد کی صفائی کا اجر و ثواب: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر

میری امت کے ثواب کے کام پیش کئے گئے یہاں تک کہ کوئی شخص اگر مسجد سے ایسی چیز نکال دے جو دیکھنے میں ناگوار ہو (اگرچہ معمولی سا کوڑا کچرا تنکا ہو) تو وہ بھی مجھے امت کے ثواب کے کاموں میں دکھایا گیا اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے تو اس سے بڑھ کر میں نے کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی۔ پھر وہ اُسے بھول گیا۔ (ابوداؤد ص ۶۶ ج ۱)

آجکل مسجدوں کی ظاہری آبادی ہی رہ گئی ہے۔ خوبصورت قالین، جھاڑ، فانوس، درود یوار پر پھول دار نقشے، چمکدار فرش وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں میں بڑھ چڑھ کر مقابلہ میں حصہ لیا جاتا ہے اور نمازوں میں حاضری اور تلاوت اور نمازوں کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ اور یہ ظاہری زیب و زینت کی چیزیں شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے نمازوں کے خشوع و خضوع میں فرق آتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدیں بنانا کراہیں میں فخر کریں گے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۶۵ ج ۱)

ایک حدیث میں مسجدوں کی زیب و زینت پر توجہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: مساجدہم عامرة وہی خراب من الہدی (اُن کی مسجدیں آباد ہوں گی اور ہدایت کے اعتبار سے ویران ہوں گی) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸)

حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا ایمان اور جہاد کے برابر نہیں

پھر فرمایا: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الایۃ) اس کے بارے میں دو سبب نزول نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک تو وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا کہ جب بدر میں مشرکین کو قید کیا جن میں عباس بن عبدالمطلب بھی تھے اور عباس کو کفر اختیار کرنے پر عار دلائی گئی تو انہوں نے کہا کہ اگر تم ہم سے اسلام میں اور ہجرت میں اور جہاد میں آگے بڑھ گئے تو ہم بھی تو مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۵ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے درود یوار کی دیکھ بھال کرنے کو تم نے اس شخص کے عمل کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا۔ اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے یعنی ایمان اور جہاد والوں کے مقابلہ میں حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال جبکہ ایمان نہ ہو اسکی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ کفر و شرک کے ساتھ کوئی بھی نیک عمل مقبول اور معتبر نہیں۔

اور دوسرا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے پاس تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں حجاج کو پانی پلاؤں اور اس کے بعد دوسرا کوئی نیک عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ اگر میں مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں تو مجھے دوسرے اعمال کے چھوٹ جانے کی کوئی پرواہ نہیں تمہیرے شخص نے کہا کہ تم نے جو اپنے اعمال کے بارے میں کہا ان اعمال سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ ہے ان لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھڑک دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے منبر کے قریب آوازیں بلند نہ کرو یہ جمعہ کا دن تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نماز سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالی میں حاضر ہو کر اس بارے میں دریافت کروں گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو چنانچہ انہوں نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر سوال کیا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۵ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو تمام اعمال سے افضل ہے ہی جہاد فی سبیل اللہ بھی حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال اور تولیت سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ يَهْدِي اللَّهُ لِرُحْمَاسِهِمُ الْأَمْرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا (ظالموں سے مشرک مراد ہیں وہ مشرک پر قائم ہوتے ہوئے حق اور صحیح بات کو نہیں مانتے)

مومن مہاجرین اور مجاہدین کو بشارت: اس کے بعد ایمان اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ (جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا درجہ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک یہ لوگ بہت بڑے ہیں اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں) مزید فرمایا: يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَائِمَةٌ مُقِيمَةٌ (ان کا رب انہیں بشارت دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور باغوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہوں گی) خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) إِنَّ اللَّهَ عِنْدَكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ (بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحْبَبْتُمْ

اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ

الْكُفْرِ عَلَى الْإِيمَانِ ط وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ قُلْ

میں پسند کرتے ہوں اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی کرے گا تو یہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ آپ فرمادیں کہ

إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ

اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ اور وہ اموال

لَا تَقْرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ

جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نہ چلنے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو

إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ

تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا

اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے باپ بھائی بیوی کنبہ قبیلہ مکان دوکان آل اولاد کی کوئی حقیقت نہیں

تفسیر: گزشتہ آیات میں جہاد اور ہجرت کی فضیلت بیان فرمائی۔ جب ہجرت کا حکم ہوا تھا اس وقت ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن ہجرت کرنے میں پس و پیش کرتے تھے اور ہجرت کی ہمت کرنے سے عاجز بنے ہوئے تھے۔ یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ معالم التنزیل (ص ۲۷۶ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا حکم فرمایا (اور یہ وہ وقت تھا جبکہ مدینہ منورہ ہی دار الاسلام تھا اور مدینہ منورہ کو ہجرت کرنا فرض تھا) تو بعض لوگوں نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا اہل وعیال نے ان کو ہجرت کرنے سے روکا اور انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ضائع نہ کریں اُنکی یہ بات سن کر ان پر ترس آ گیا اور ہجرت کا ارادہ چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخْذُوا (الایہ) نازل فرمائی۔

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارے باپ اور بھائی اگر کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور ایمان کے مقابلہ میں انہیں کفر محبوب ہے تو انہیں دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ محبت اور دوستی کے لائق نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ بھی ایمان قبول کر لیتے اور تمہارے ساتھ ہجرت کرتے اب وہ کافر ہیں اور تم مومن ہو تمہارا دین تو قبول کرتے نہیں اور یوں کہتے ہیں کہ تم ہجرت کر کے جاؤ گے تو ہم ضائع ہو جائیں گے جو لوگ اللہ کے فرمانبردار نہیں بننے حق کو قبول نہیں کرتے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے دوستی کی جائے۔ وہ تو ایمان قبول کرنے کو تیار نہیں اور تم ان پر اتنے مہربان ہو رہے ہو کہ اُنکی وجہ سے ہجرت (جو فرض ہے اور ایمان کا جزو ہے) نہیں کرتے وہ تو ایمان پر نہیں آتے اور تم ان کے لئے اپنا ایمان ضائع کر رہے ہو! یہ تو تمہاری اپنی جانوں پر ظلم ہوا۔ اس آخری بات کو یوں بیان فرمایا وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَوَيْلٌ لَّكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (اور تم میں سے جو لوگ ان سے دوستی رکھیں تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں) یعنی ان سے دوستی رکھنا جبکہ ان کو کفر محبوب ہے ظلم کی بات ہے اور یہ اپنی جانوں پر ظلم ہے۔ جب ایمان لے آئے اللہ کے ہو گئے تو اللہ کے حکموں کے سامنے کوئی تعلق اور کوئی رشتہ داری لائق توجہ نہیں جو اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے روکے مومن کا اپنا وہی ہے تو اللہ کا فرمانبردار ہو جو اللہ کا نہیں ہے وہ ہمارا بھی نہیں ہے۔

بزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کو آشنا باشد

جب آیت بالا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخْذُوا نازل ہوئی تو بعض وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت نہیں کی تھی کہنے لگے کہ اگر ہم ہجرت کرتے ہیں تو ہمارے مال ضائع ہو جائیں گے اور تجارتیں ختم ہو جائیں گی اور گھر ویران ہو جائیں گے اور رشتہ داریاں کٹ جائیں گی اس پر دوسری آیت فَلَنْ يَنْفَعَكَ إِنْ كَانَ ابْنُكَ (الایہ) نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۷ ج ۲) جس میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ اعلان کر دیا کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ اور تمہارے مال جو تم نے کمار کھے ہیں اور وہ تجارت جس میں تم مشغول ہو اور ہجرت کرنے

کی وجہ سے اس کے ناکام ہونے کا تمہیں ڈر ہے اور رہنے کے گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کی نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ تو تم اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ یہ دنیاوی چیزیں تمہیں ہجرت سے روک رہی ہیں یہ تمہارے لئے عذاب کا باعث ہیں یہ جو عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت میں تو بہر حال ترک ہجرت کرنے پر عذاب ہے ہی۔ اگر اس حالت میں مر گئے کہ ہجرت نہ کی جبکہ اسکے بغیر ایمان مقبول نہیں۔

قال صاحب الروح ای بعقوبتہ سبحانہ لکم عاجلا او اجلا علی ماروی عن الحسن (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اپنے آپ پر اللہ کے غضب سے ڈرو جلدی آئے یا دیر سے۔ حضرت حسنؑ سے جو مروی ہے اس کے مطابق یہی مطلب ہے) (ص ۷۱ ج ۱)

سورہ نساء (آیت ۵۸) میں ہجرت پر قدرت ہوتے ہوئے ہجرت نہ کرنے والوں کے لئے فَاُولَٰئِكَ مَا وَلَهُمْ جَهَنَّمُ و سَاءَ اَتْمَصِيْرًا فرمایا ہے اللہ کی وعید پر نظر نہ رکھنا اور رشتہ داروں اور تجارتوں اور گھروں کا دھیان رکھنا اور ان کی محبت میں جہاد اور ہجرت کو چھوڑ دینا یہ ایمان سے بھی دور ہے اور عقل سے بھی۔

آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ اور جو لوگ فاسق ہیں اللہ کی فرمانبرداری نہیں کرتے کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دے گا کہ وہ اپنی عقل سے کام لیں اور اپنے نفع اور ضرر کو سمجھیں۔ دنیا کو اللہ کی رضا کے مقابلہ میں جو ترجیح دی اُس کی سزا میں ان کا یہ حال ہوا۔

فائدہ: ایمان قبول کرنے کے بعد ایمان کے تقاضے انسان کو شرعی احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ شرعی احکام میں بہت سی ایسی چیزیں آجاتی ہیں۔ جو نفس پر گراں ہوتی ہیں ان میں سے ہجرت بھی ہے جہاد بھی ہے حرام مال کا چھوڑنا بھی ہے۔ شریعت کے مطابق انہوں سے قطع تعلق کرنا بھی ہے اور بہت سے امور ہیں جو نفس کو ناگوار ہیں۔ جو لوگ یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور اس کا حق سب سے زیادہ ہے اور مال بھی اس نے دیا ہے اور رشتہ داریاں بھی اسی نے پیدا فرمائی ہیں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے میں کچھ بھی دشواری نہیں ہوتی وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر تین چیزیں ہوں گی ان کی وجہ سے وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔

پہلا وہ شخص جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت کرے۔

تیسرا وہ شخص جسے اللہ نے کفر سے بچا دیا وہ واپس کفر میں جانے کو ایسا ہی برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا

سمجھتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۷۱ ج ۱)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اسکے نزدیک اس کے باپ اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو

جاؤں۔ (رواہ البخاری ص ۷۱ ج ۱)

ایمان کی مٹھاس سے یہ مراد ہے کہ طاعات اور عبادات میں لذت محسوس ہونے لگے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا آسان ہو جائے۔

فائدہ: محبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک محبت طبعی جس میں اختیار نہیں ہوتا۔ اور دوسری محبت اختیاری یہ محبت عقلی ہوتی ہے اور جس محبت کا تذکرہ ہوا اس سے محبت اختیاری مراد ہے چونکہ غیر اختیاری امور کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف نہیں بنایا (اور طبعی محبت اختیاری نہیں ہے) اس لئے اوامر شرعیہ میں محبت عقلی اور اختیاری ہی مراد ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں طبعی طور پر آل اولاد اور رشتہ داروں کی اور مال کی محبت ہو تو اس پر مواخذہ نہیں ہے بشرطیکہ یہ طبعی محبت عقلی اور اختیاری محبت پر غالب نہ آجائے۔ یعنی طبعی محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی پر آمادہ نہ کر دے۔ ایمانی تقاضوں کا پورا کرنا بعض مرتبہ آل اولاد مال اور دکانداری کی محبت کی وجہ سے دشوار ہو جاتا ہے اور غیر اللہ کی محبت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر لگ جاتے ہیں۔ بچوں کو خوش کرنے کے لئے تصویریں خرید دیں۔ گھر میں ٹی وی لے آئے انہیں غیر شرعی لباس پہنا دیا ان کی رواجی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے رشوت لے لی۔ ان کے لئے زیادہ مال فراہم کرنے کی نیت سے سود لے لیا۔ حرام محکموں میں ملازمت کر لی یا اور کسی طرح کے گناہوں میں ملوث ہو گئے۔ دوستوں کو خوش کرنے کے لئے داڑھی مونڈ لی نصرانی لباس پہن لیا حرام کمائی والے کی دعوت کھالی یہ ہوتا رہتا ہے۔ اور ایسے مواقع میں عقلی ایمانی محبت اور طبعی محبت میں مقابلہ کی صورت بن جاتی ہے۔ عموماً لوگ طبعی محبت سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور ایمانی تقاضوں کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ کے عموم میں اس طرح کی سب باتیں آ جاتی ہیں۔ بہت سے نیک بندوں کو ایمانیات کی محنتیں کرتے ہوئے اور جنت کا یقین رکھتے ہوئے اعمال صالحہ انجام دیتے ہوئے یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ طبعی محبت بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ مقام بہت مبارک ہے اور برتر و بالا ہے۔ زہے نصیب جسے حاصل ہو جائے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۖ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ

یہ واقعی بات ہے کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی۔ اور حنین کے دن بھی جب تمہیں اپنی کثرت پہ گھمند ہو گیا۔ پھر

تَغْنُ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۝

اس کثرت نے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۖ

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنین پر اطمینان قلبی نازل فرمایا اور ایسے لشکر اتار دیے جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے

وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ

اور اللہ نے کافروں کو عذاب دیا اور یہ سزا ہے کافروں کی پھر اس کے بعد اللہ

ذٰلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷﴾

جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

غزوہ حنین میں مسلمانوں کو کثرت پر گھمنڈ ہونا اور اس کی وجہ سے اولاً شکست کھا کر بھاگنا پھر اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا

تفسیر: ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی۔ پھر خصوصیت کے ساتھ غزوہ حنین میں مدد فرمانے کا واقعہ یاد دلایا۔ حنین (ح ن ن) مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت بڑی جماعت تھی، بعض صحابہ کے منہ سے یہ نکل گیا کہ آج ہم کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمانوں کو اول شکست ہوئی اور بہت زیادہ پریشانی ہوئی۔ اور چند افراد کے علاوہ سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔

غزوہ حنین کا مفصل واقعہ: اس واقعہ کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا ہے تو مالک بن عوف نصری نے جو ان کا سردار تھا بنی ہوازن کو جمع کیا ان کے ساتھ بنو ثقیف بنو نصر بنو حشم بنو سعد بن بکر اور کچھ بنی ہلال میں سے جمع ہو گئے ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کریں ان کے ارادوں کی خبر ملنے پر جب آپ نے انکی طرف تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو مالک بن عوف نے اپنی جمعیت اور اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو مقام حنین میں جمع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر لینے کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ تم ان کے اندر جا کر رو اور صحیح حال معلوم کر کے انکی خبر لے آؤ۔ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ اور ان میں داخل ہو کر ان کی خبریں لیں اور حالات معلوم کئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال سے باخبر کیا اور بتایا کہ ان لوگوں کی نیت جنگ کرنے کی ہے۔ آپ نے مکہ معظمہ سے جب ان کے مقابلہ کے لئے سفر شروع فرمایا تھا تو آپ کے ساتھ دس ہزار افراد تو وہ تھے جو فتح مکہ کے لئے مدینہ منورہ سے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار آدمی مزید اہل مکہ میں سے ساتھ ہو گئے تھے۔ حضرت اہل بن حنظلہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آ گیا اس وقت ایک گھوڑا سوار آدمی آیا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کے آگے چلا گیا تھا میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھ آیا تو میں نے دیکھا کہ بنی ہوازن سب کے سب اپنی عورتوں اور اپنے اموال اور اپنے بکریوں کو لے کر حنین میں جمع ہو گئے ہیں آپ نے مسکرا کر فرمایا ان شاء اللہ کل کو یہ سب مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے۔ آنے والی رات میں حضرت انس بن ابی مرثدؓ چوکیداری کرتے رہے اور ادھر ادھر مختلف گھائیوں پر گھوڑے پر سوار ہو کر پھرتے رہے تاکہ دشمن کی خبر رکھیں۔

جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کے لشکر اور بنی ہوازن کی جمعیت کا مقابلہ شروع ہوا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ اس وقت ہماری تعداد بہت ہے افراد کی کمی کی وجہ سے آج شکست نہیں کھائیں گے۔ بنی ہوازن کے لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے۔ انہوں نے تیر اندازی شروع کی تو مسلمان پشت پھیر کر بھاگ لئے۔ دشمن کے مقابلہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ چند افراد رہ گئے تھے جن میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ آپ برابر پکارتے رہے۔

اَيُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوْا اِلَيَّ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنَا مُحَمَّدُ بَنِ عَبْدِ اللّٰهِ (اے لوگو! میری طرف آ جاؤ۔ میں رسول اللہ ہوں) میں محمد بن عبد اللہ ہوں) اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفید فخر پر سوار تھے اور بطور جزیہ پڑھ رہے تھے۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

(میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں..... میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں)

اس موقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگی اور عرض کیا: اَللّٰهُمَّ نَزِلْ نَصْرَكَ (اے اللہ اپنی مدد نازل فرما) آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو کہ اے انصار کی جماعت ادھر آؤ اے اصحاب شجرہ (جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی) ادھر آؤ یہ حضرات آوازیں کر لیک لیک کہتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر مشرکین کی طرف پھینک دی اور فرمایا شاہت الوجوہ۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ کنکریاں دشمنوں کی آنکھوں میں پڑ گئیں اور ان میں سے ایسا کوئی بھی باقی نہ رہا جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بنی ہوازن اور ان کے ساتھ جمع ہونے والے قبائل کو شکست ہو گئی۔ ان میں بہت سے مقتول ہوئے اور بڑی تعداد میں قید کر کے خدمت عالی میں حاضر کئے گئے جن کی مشکلیں بندھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے اموال اور عورتیں اور آل اولاد سب مسلمانوں کو بطور غنیمت مل گئے۔ (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان کے اموال ان شاء اللہ کل کو مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے)

جن لوگوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول نہیں کیا تھا یوں ہی ساتھ چلے آئے تھے انہوں نے جب اللہ کی مدد دیکھی تو اس موقع پر اسلام قبول کر لیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح یابی نصیب فرمائی تو آپ نے مال غنیمت کو جس میں اونٹ، بکریاں اور غلام باندیاں بھی تھے۔ مقام بھرانہ پر لے جانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہاں لے جا کر سب جمع کر دیئے جائیں اور حضرت مسعود بن عمر و انصاریؓ کو ان اموال کو لے جانے کا ذمہ دار بنادیا۔

مقام اوطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور ان کی شکست: اس کے بعد میدان سے بھاگنے والے دشمنوں کی ایک جماعت نے مقام اوطاس پر پڑاؤ ڈالا، اندازہ تھا کہ یہ لوگ جنگ کریں گے رسول اللہ ﷺ نے ان کے مقابلہ کیلئے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، ان سے جنگ ہوئی تو ان پر غلبہ پایا۔ لیکن حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ وہیں شہید ہو گئے ان کے بعد ان کے چچا زاد بھائی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھالا اور قتال کیا اللہ تعالیٰ نے فتح یابی

نصیب فرمائی اور انہی کے ہاتھوں وہ شخص مقتول ہوا جس نے حضرت ابو عامرہؓ کو شہید کیا تھا۔ جنگ او طاس کے موقعہ پر بھی مال غنیمت ملا جن میں مشرکین کی بہت سی عورتیں بھی تھیں۔

طائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی: غزوہ حنین سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف روانہ ہوئے وہاں مالک بن عوف بنی ہوازن کا سردار اور اس کے ساتھی اور دوسرے لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس دن اور ایک روایت کے مطابق سترہ دن ان کا محاصرہ کیا قلعہ کے اندر رہتے ہوئے وہ لوگ تیر پھٹکتے رہے اور باہر نہ آئے۔ مسلمانوں میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعینق استعمال فرمائی اور اس کے ذریعہ قلعہ کے اندر پھر پھٹکے (یہ اس زمانہ میں پھر پھٹکنے کا ایک آلہ تھا، دور حاضر کی توپ اس کی ترقی یافتہ ایک شکل ہے) واقعتی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے متعینق بنائی تھی اور استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب فتح یابی کی کوئی صورت نہ بنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کل کو واپس ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ اگلے دن وہاں سے واپس ہو گئے اور چلتے وقت یوں دعا کی۔

(اے اللہ! ان کو ہدایت دے اور ہمارے لئے تو ہی کافی ہو جا (تاکہ ہمیں ان سے بھنا نہ پڑے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بنی ثقیف کا وفد (جو طائف کے رہنے والے تھے) آئندہ سال رمضان المبارک میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ اور اسلام قبول کیا۔ اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا (یاد رہے کہ طائف والے وہی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا تھا۔ پھر بھی آپ انہیں ہدایت کی دعا دے کر تشریف لے آئے)

بحر انہ میں تقسیم غنائم: آپ طائف سے واپس ہوئے تو مقام بحر انہ میں پہنچے آپ کے ساتھ مسلمانوں کا لشکر عظیم تھا۔ وہاں پہلے سے غنیمت کے اموال بھیج دیئے تھے۔ جن میں بنی ہوازن کے قیدی بھی تھے۔ ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جن میں بچے اور عورتیں بھی تھیں۔ اور بہت بڑی بھاری تعداد میں اونٹ بھی تھے اور بکریاں بھی تھیں۔ آپ نے ان کو اپنے لشکر میں تقسیم فرما دیا۔ پھر ان کی درخواست پر غانمین سے اجازت لے کر ان کے قیدی واپس کر دیئے کیونکہ بنی ہوازن نے اسلام قبول کر کے اس کی درخواست کی تھی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مالک بن عوف جو بنی ہوازن کا سردار تھا وہ طائف میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ آپ نے اس کو خبر بھیجی کہ اگر اسلام قبول کر کے میرے پاس آ جائے تو اس کے کنبہ کے لوگ اور اس کا مال واپس کر دوں گا اور اس کو سو اونٹ بھی دے دوں گا جب مالک بن عوف کو یہ بات پہنچی تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کے اہل و عیال واپس کر دیئے اور سو اونٹ بھی عنایت فرما دیئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحر انہ سے عمرہ کا احرام باندھا۔ اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا پھر مدینہ منورہ عافیت اور سلامتی کے ساتھ تشریف لے آئے۔ (من البدایہ والنہایہ للحافظ ابن کثیر ص ۳۲۲ تا ص ۳۶۸ مختصر اوسطاً)

حنین میں فرشتوں کا نزول: مسلمانوں کو اہل شکست ہوئی۔ اور ایسی شکست ہوئی کہ زمین ان کے لئے تنگ ہو گئی اور سب اس کا وہی ہوا کہ بعض مسلمانوں نے کہہ دیا کہ آج تو ہم تعداد میں بہت ہیں شکست کا احتمال ہی نہیں۔ پھر اللہ

تعالیٰ نے مد فرمائی اور رسول اللہ ﷺ پر سکینہ نازل فرمائی اور سکون و اطمینان کے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے لگے جس سے دشمنوں نے شکست کھائی۔

قرآن مجید میں غزوہ حنین کا ذکر کرتے ہوئے وَ أَنْزَلَ الْجُنُودَ الَّتِي تَرَوُهَا بھی فرمایا (اور اللہ نے لشکر اتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا) صاحب معالم التزیل (ص ۲۸۱ ج ۲) میں فرماتے ہیں یعنی: الملائكة قيل لا للقتال ولكن لتجيب الكفار وتشجيع المسلمين لأنه يروى أن الملائكة لم يقاتلوا الا يوم بدر (فرشتوں کا نزول بعض نے کہا قتال کے لئے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ وہ کفار کو بزدل بنائیں اور مسلمانوں کو بہادر، کیونکہ مروی ہے کہ فرشتوں نے قتال صرف بدر میں کیا تھا) یعنی لشکروں سے فرشتے مراد ہیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ فرشتے جنگ کرنے کے لئے نہیں بلکہ کافروں کو بزدل بنانے کے لئے اور مسلمانوں کو دلیر کرنے کے لئے نازل کئے گئے تھے۔ کیونکہ یہ بات روایت کی جاتی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے موقعہ کے علاوہ اور کسی موقعہ پر قتال میں حصہ نہیں لیا۔ صاحب روح المعانی ص ۵۷ ج ۱۰ نے بھی جُنُودَ الَّتِي تَرَوُهَا کی تفسیر فرشتوں سے کی ہے اور لکھا ہے کہ جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی اور موقعہ پر قتال نہیں کیا وہ مومنین کے قلوب کی تقویت کے لئے اور مشرکین کے قلوب میں رعب ڈالنے کے لئے آئے تھے۔ پھر ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قتال بھی کیا تھا لیکن آخر میں لکھا ہے و ليس له سند يعول عليه یعنی اسکی کوئی سند معتد نہیں۔

فرشتوں کے اتارنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا: وَعَذَابُ الَّذِينَ كَفَرُوا کہ اللہ نے کافروں کو عذاب دیا (جو مقتول ہوئے اور قیدی بنے) وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ اور یہ کافروں کی سزا ہے۔ (جو دنیا میں ہے) اور آخرت میں جو سزا ہے وہ دنیاوی سزا کے علاوہ ہے جو کفر پر مرے گا وہاں دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ آخر میں فرمایا۔ ثُمَّ يَتُوبُ إِلَهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جو کافر مقتول ہو جائیں وہ تو دنیا کا عذاب یہیں چکھ لیتے ہیں اور آخرت کے دائمی عذاب کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ قتل سے بچ جائیں اللہ تعالیٰ اُن میں سے جس کو چاہے توبہ کی توفیق دے دیتا ہے جو کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ انہیں میں سے مالک بن عوف بھی تھا جو بہت بڑی جمعیت کو لے کر مقابلہ کے لئے حنین میں آیا تھا۔ جب شکست ہوئی تو طائف جا کر قلعہ بند ہو گیا لیکن آنحضرت سرور عالم ﷺ کا پیغام پہنچنے پر واپس آیا اور مسلمان ہو گیا آپ نے اس کو اس کی قوم پر عامل بھی بنا دیا۔ نیز اور بھی بہت سے بنی ہوازن کے لوگ مسلمان ہوئے جو جنگ میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ طائف میں جا کر آپ نے محاصرہ فرمایا پھر محاصرہ کے بعد واپس تشریف لے آئے بعد میں وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں نے اسلام قبول کیا اور مستحق جنت ہوئے۔ زمانہ کفر میں جو کیا تھا اللہ تعالیٰ نے سب معاف فرمادیا۔

مالک بن عوف نے اسلام قبول کر کے جو رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے چند اشعار کہے اہل علم کی دلچسپی کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔

أوفى وأعطى للجزيل اذا اجتدى
واذا الكيبة عردت أنيا بها
فكانه ليث على أشباله
ومتى تشأ يخبرك عما فى غد
بالسمهرى وضرب كل مهند
وسط الهباءة خادر فى مرصد

جن کا ترجمہ یہ ہے:

۱- میں نے تمام لوگوں میں محمد (ﷺ) جیسا نہ دیکھا اور نہ سنا۔

۲- خوب زیادہ مال کثیر کا دینے والا جب کہ وہ سخاوت کرے اور جب تو چاہے تو تجھے اس بات کی خبر دیدے جو کل ہونے والی ہے (وہ جو آپ نے فرمادیا تھا کہ بنی ہوازن کے مال کل ان شاء اللہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے اسکی طرف اشارہ ہے)

۳-۴ اور جب لشکر اپنے دانتوں کو پیسے لگے نیزوں کے ساتھ اور ہر تلوار استعمال کر لی جائے تو گویا وہ شیر ہے اپنے بچوں (کی نگرانی) پر غبار کے درمیان ہر گھات کی جگہ میں۔

ذکرہا الحافظ ابن کثیر فى البداية ص ۳۶۱ ج ۴ والخادر (بالخاء) الاسد الذى اختفى فى اجمته كما فى القاموس (اسے حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے۔ الخادر اس شیر کو کہتے ہیں جو اپنی کچھار میں چھپا ہوا ہو)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ

اے ایمان والو! مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد

عامهم هذا وإن خفتُم عيلةً فسوف يُغنيكم الله من فضله إن شاء

مسجد حرام کے پاس نہ آئیں اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

مشرکین نجس ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں

تفسیر: یہ آیت بھی سورۃ براءت کی شروع کی ان چالیس آیات میں سے ہے جن کا اعلان ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حج کے موقع پر کرایا گیا تھا جس میں حضرت ابو بکرؓ امیر الموحج تھے۔ جن چیزوں کا اعلان کیا تھا۔ اُن میں یہ بھی تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں طواف نہ کرے (جیسا کہ مشرکین کیا کرتے تھے) اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ ”مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں“۔ اس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ حکم دیا ہے کہ آئندہ مشرکین کو حج نہ کرنے دیا جائے مسجد حرام میں نہ آنے دینے کا یہی مطلب ہے۔ اگر کسی کافر کو مسجد حرام میں یا کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے تو حضرت امام صاحب کے

نزدیک یہ جائز ہے۔ اور پلید ہونے سے مراد اُن کی اندرونی ناپاکی یعنی عقائد شرک اور کفر یہ مراد ہیں۔ ہاں اگر ان میں کوئی مرد عورت جنابت والا ہو یا کوئی عورت حیض والی ہو یا جسم پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو تو ان نجاستوں کی وجہ سے داخل نہ ہونے دیا جائے گا اور اس میں مومن اور کافر کا حکم ایک ہی ہے۔ دیگر ائمہ کا مذہب اس سے مختلف ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ کسی کافر کو خواہ ذمی ہو یا ویزہ لے کر آیا ہو کسی بھی صورت میں مسجد حرام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کافروں کی طرف سے کوئی قاصد آئے تو امام المسلمین مسجد سے باہر نکل کر اس سے گفتگو کرے۔

یہ تو ان حضرات کا مذہب مسجد حرام کے داخلہ کے بارے میں ہے۔ رہا دوسری مساجد کا مسئلہ تو حضرت امام شافعیؒ دوسری مسجدوں میں کافر کے داخلہ کی اجازت دیتے ہیں اور امام مالکؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام مسجدوں کا حکم برابر ہے کسی بھی مسجد میں کافر کا داخلہ جائز نہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو حج اور عمرہ کرنے سے روکا جائے اور بعض حالات میں کافروں کے مسجد حرم میں داخل ہونے کی اجازت ہے اس کی دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے جسے درمنثور (ص ۲۲۶ ج ۳) میں مصنف عبدالرزاق وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم هذا الا ان یکون عبداً او احدا من اهل الذمة (کہ مشرکین اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر یہ کہ کوئی غلام ہو یا کوئی شخص ذمی ہو) اور یہ معلوم ہے کہ کافر مشرک ہونے میں غلام باندی اور ذمی اور دوسرے مشرکین سب برابر ہیں۔ جب غلام اور ذمی کو اجازت دے دی گئی تو معلوم ہوا کہ ہر کافر کے داخلہ کی اجازت ہے۔ البتہ اس بات کی ممانعت ہے کہ انکو حج یا عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ حدیث بالا درمنثور میں موقوفہ ہی نقل کی ہے لیکن علامہ ابوبکر حصص نے احکام القرآن (ص ۸۹ ج ۳) میں مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح نقل کی ہے پھر لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے دونوں طرح صحیح ہو۔ حضرت جابرؓ نے بعض اوقات ارشاد نبوی کے طور پر نقل کر دیا اور کبھی اپنی طرف سے فتویٰ دے دیا۔

مرا سیل ابوداؤد میں ہے کہ بنی ثقیف کا وفد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے ان کے لئے مسجد کے آخری حصہ میں ایک قبہ لگوا دیا تاکہ وہ مسلمانوں کی نمازیں اور اُن کا رکوع سجود دیکھیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ انہیں مسجد میں ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ زمین ناپاک نہیں ہوتی ابن آدم ناپاک ہوتا ہے۔ امام محادی نے اس واقعہ کو شرح معانی الآثار کے سب سے پہلے باب میں نقل کیا ہے۔ اُنکی روایات کے الفاظ یہ ہیں۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه ليس على الارض من انجاس الناس شيء انما انجاس الناس على أنفسهم (لوگوں کی نجاستوں میں سے زمین پر کچھ بھی نہیں اُنکی نجاستیں اُنکی اپنی جانوں پر ہیں)۔

ثمامہ بن اثال کا واقعہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ کافر کو مسجد میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ ثمامہ ایک شخص تھے جنہیں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم گرفتار کر کے لے آئے تھے اور ان کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (صحیح بخاری ص ۶۶ ج ۱)

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (الآیہ) (مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں) اس کی تصریح فرمانے کے بعد

ارشاد فرمایا: وَإِنْ خِفْتُمْ عِيلَةً فَسُوفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ شَاءَ (اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو غریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے)۔

اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں نقل کیا ہے کہ مشرکین جب حج کے لئے آتے تھے تو اپنے ساتھ غلہ (گیہوں جو وغیرہ) بھی لے آتے تھے اور ان کو فروخت کرتے تھے۔ جب حج کے لئے ان کا آنا روک دیا گیا تو مسلمانوں نے کہا کہ اب ہمیں کفار کی چیزیں کہاں سے ملیں گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان سے وعدہ فرمایا کہ اللہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے غنی کر دیگا۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد سے بھی یہ بات منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمان کافروں سے اور ان اموال تجارت سے بے نیاز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رزق کے دوسرے دروازے کھول دیئے اور انہیں جو معاشی مشکلات کا اندیشہ تھا انہیں دور فرمادیا۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ

ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ نے اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے

اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا

اسے حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب دی گئی ان سے یہاں تک جنگ کرو

الْحِزْبِ عَنِ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝

کہ وہ ماتحت ہو کر ذلت کی حالت میں اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں

اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم

تفسیر: سابقہ آیات میں مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم ہے۔ اسلام کا قانون ہے کہ کافروں سے جب جہاد کیا جائے تو اول ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آگے کوئی جنگ نہیں۔ اب وہ اپنے ہو گئے ان سے جنگ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا۔ اب تو انہیں دین سکھائیں گے۔ اسلام کے احکام بتائیں گے اور نئے پرانے مسلمان سب اتحاد و اتفاق کے ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ کر چلیں گے۔ اگر کافر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو یعنی ملک ہمارا ہو گا تم اس ملک میں رہو اور تمہاری جانوں کی ہم حفاظت کریں گے۔ اس حفاظت کے بدلہ تمہیں مال دینا ہو گا۔ اگر ملک پر کوئی حملہ آور ہو گا تو تمہیں ساتھ مل کر لڑنا ہو گا۔ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو بھی آگے لڑائی کا کوئی موقعہ نہیں یہ جو جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہو گا اس کو جزیہ کہا جاتا ہے۔ یہ جزیہ یجزی کا مصدر ہے جو فعلتہ کے وزن پر ہے جزیہ کفر کی سزا کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ہر شخص سے نہیں لیا جاتا اور سب سے برابر بھی نہیں لیا جاتا۔ جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ ابھی لکھی جائے گی۔

اگر کافر جزیہ دینے سے بھی انکاری ہوں تو پھر قتال یعنی جنگ کی صورت اختیار کی جائے گی اس بارے میں فرمایا ہے

کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔ اس میں اہل کتاب کی قید احترازی نہیں ہے۔ دوسرے کافروں کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مشرکوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

آیت میں قتال اور جزیہ کا ذکر ہے۔ دعوت اسلام پیش کرنے کا ذکر نہیں اس لئے کہ جن لوگوں کو پہلے سے دعوت اسلام پہنچی ہوئی ہو انہیں قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری نہیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اسلام سے پوری طرح واقف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو پوری طرح پہچان گئے تھے کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس سب کے باوجود منکر تھے۔ رسالت کے تو منکر تھے ہی اللہ کی توحید کو بھی چھوڑ چکے تھے۔ اور آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے اگر کسی درجے میں آخرت کا تصور تھا تو وہ آخرت کو نہ ماننے کے درجے میں تھا کیونکہ جاننے بوجھنے کفر اختیار کرنا اور آخرت میں جو کفر کی سزا ہے یعنی عذاب دائمی اسے بھگتنے کے لئے تیار رہنا یہ آخرت کو نہ ماننے کے درجہ میں ہے۔ نیز وہ حشر اجساد یعنی مادی اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے قائل نہیں تھے۔ جنت اور دوزخ کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ کوئی خاص مقام نہیں ہے روح کی خوشی کا نام جنت اور غم کا نام جہنم رکھا ہوا تھا۔ اسی لئے

فرمایا۔ قال صاحب الروح وایمانهم الذی یزعمونه لیس علی ما ینبغی فہو کلا ایمان (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان کا ایمان جسے وہ ایمان خیال کرتے تھے وہ درحقیقت ایمان نہیں وہ تو ایمان کا نہ ہونا ہے) (ص ۸۷ ج ۱۰) اہل کتاب کا حال بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: وَلَا یُحْزَمُونَ مَا حَزَمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو حرام نہیں سمجھتے۔ جب دین اسلام کو قبول نہیں کرتے تو حرام و حلال کی تفصیلات کو بھی نہیں مانتے۔ صاحب روح المعانی نے اسکی تفسیر میں بعض علماء کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ان کا جس رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ ہے اس نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا خواہشات نفس کے اتباع کی وجہ سے ان کو حرام قرار نہیں دیتے۔ ان کی شریعت کو بھی بدل دیا اور عمل سے بھی دور ہو گئے مثلاً رشوت اور سود کا لینا دینا ان کے ہاں عام تھا۔ جن کی حرمت انکی کتابوں میں تھی۔

اہل کتاب کا مزید حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا یَدِیْنُونَ دِیْنَ الْحَقِّ کہ وہ دین حق یعنی اسلام کو قبول نہیں کرتے۔ ان کی یہ صفات اور ان کے یہ حالات اس بات کو متقضی ہیں کہ ان سے جنگ کی جائے۔ اگر اسلام قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں اس صورت میں ان سے قتال روک دیا جائے گا اور جنگ نہیں کی جائے گی۔

پھر فرمایا: حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ اس میں لفظ عَنْ یَدٍ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص پر جزیہ دینا مقرر کر دیا گیا وہ خود آ کر ادا کرے کسی دوسرے کے ذریعہ نہ بھیجے کیونکہ جزیہ لینے سے ان کی تحقیر بھی مقصود ہے۔ خود گھر میں بیٹھے رہے اور کسی کو وکیل بنا کر جزیہ بھیج دیا تو اس میں ان کا اعزاز ہے۔ اس لئے وکیل کے واسطے سے بھیجنا منظور نہ کیا جائے بلکہ ان کو مجبور کیا جائے کہ وہ خود آ کر ادا کریں۔ اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ منقاد اور فرمانبردار اور تابع ہو کر جزیہ ادا کریں۔ بعض اکابر

نے اس قول کے مطابق یوں ترجمہ کیا ہے کہ ماتحت ہو کر رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔ اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ نقد ہاتھ در ہاتھ جزیہ دینا منظور کریں۔

پھر آخر میں فرمایا وَهُمْ صَاحِبُ دُونِ کہ اس حالت میں جزیہ دیں کہ وہ ذلیل ہوں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ادا کریں اور جو مسلمان لینے والا ہو وہ بیٹھ کر وصول کرے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ذمی کا گلا پکڑ کر یوں کہا جائے گا کہ اعط العجزیۃ یا ذمی (اے ذمی جزیہ دے) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وصول یابی کرنے والا یوں کہے اذحق اللہ تعالیٰ یا عدو اللہ (اے اللہ کے دشمن اللہ کا حق ادا کر) اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذمیوں کے ذلیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جو احکام دیئے جائیں گے ان پر عمل کریں گے اور مسلمانوں کی ماتحتی میں رہیں گے۔ یہ اقوال صاحب روح المعانی نے (ص ۹ ج ۱۰) نقل کئے ہیں پھر آخر میں لکھا ہے کہ آجکل مسلمانوں کا ان میں سے کسی قول پر بھی عمل نہیں۔ وہ اپنے نائب کے ذریعہ ہی جزیہ بھیج دیتے ہیں۔ ان سے لے لیا جاتا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو مجبور کیا جائے کہ خود لے کر آئیں۔ پیدل آئیں۔ سوار نہ ہوں اور اسکی خلاف ورزی اسلام کے ضعف کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ اھ صاحب روح المعانی نے اپنے زمانہ کے ملوک اور امراء کی شکایت کی کہ مسلمان امراء نائب سے جزیہ قبول کر لیتے ہیں لیکن آج تو یہ حال ہے کہ مسلمان کسی ملک میں جزیہ لینے کا قانون جاری کرتے ہی نہیں۔ یہ لوگ کافروں سے ڈرتے ہیں جزیہ مقرر نہیں کرتے بلکہ ملک میں رہنے والے کافروں کو مسلمانوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کا اکرام کرتے ہیں۔ ان کو اسمبلی کا ممبر بھی بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمت اور حوصلہ دے اور کفر اور کافر کی قباحت اور شاعت اور نجاست اور بغض اور نفرت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے تاکہ اہل کفر کو ذلیل سمجھیں اور ذلیل بنا کر رکھیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ذمی کافروں کو دارالاسلام میں کوئی عبادت خانہ نہ بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اسلام کے غلبہ ہونے سے پہلے جو ان کا کوئی عبادت خانہ ہو اور وہ منہدم ہو جائے تو اُسے دوبارہ بنا سکتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے لباس میں اور سوار یوں میں اور ٹوپوں میں اور مسلمانوں کے لباس اور سوار یوں وغیرہ میں امتیاز رکھا جائے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار نہیں ہو سکتے اور ہتھیار بند ہو کر نہیں چل پھر سکتے۔ مسلمان ان سب احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں کیونکہ کفر اور کافر سے بغض نہیں ہے (العیاذ باللہ) مسلمانوں کے ملکوں میں کافروں کی مشنریاں کام کر رہی ہیں۔ جاہل اور غریب مسلمانوں کو اپنے دین میں داخل کر رہی ہیں لیکن مسلمانوں کے اصحاب اقتدار ذرا بھی توجہ نہیں دیتے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں رواداری ہے اور کافر اقوام سے ڈرتے بھی ہیں اور جھینپتے بھی ہیں ملک مسلمانوں کا ہو اور کفر کی کھلی تبلیغ ہو یہ احکام اسلامیہ کی کتنی بڑی خلاف ورزی ہے؟ اس کو اصحاب اقتدار نہیں سوچتے۔ فاللہ یہدیہم۔

جزیہ کی مقدار کیا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک جزیہ تو وہ ہے جو آپس کی رضامندی اور صلح سے مقرر کر لیا جائے۔ جتنی مقدار پر اتفاق ہو جائے اُسی قدر لے لیا جائے اس میں ہر فرد سے وصول کرنے کی ضرورت نہیں انکے جو ذمہ دار ہوں وہ جس طرح چاہیں آپس میں وصولیابی کر کے امیر المومنین کو پہنچا دیں۔ سالانہ ماہانہ جتنے جتنے وقفہ کے بعد

لینا دینا طے ہو اسی کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نصاریٰ نجران سے یوں معاملہ فرمایا تھا کہ پوری جماعت سالانہ دو ہزار حملہ ادا کیا کرے حملہ دو چادروں کو کہتے ہیں یعنی ایک تہہ اور ایک چادر اور ہر طے کی قیمت کا اندازہ بھی طے کر دیا گیا تھا کہ ایک اوقیہ (چاندی) کی قیمت کا ہوگا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا۔ اور ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ایک رتی اور ۵/۱ رتی ہوتا تھا۔

ایک دوسری صورت یہ ہے کہ امیر المؤمنین اُن کے ملک پر قابض ہو کر انہیں ان کی املاک پر باقی رکھے اور ان پر فی کس مخصوص رقم مقرر کر دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مالدار آدمی پر سالانہ اڑتالیس درہم مقرر کئے تھے جن میں سے ہر ماہ چار درہم ادا کرنا لازم تھا۔ اور جو شخص متوسط درجے کا مالدار ہو اس پر چوبیس درہم مقرر کئے تھے۔ ہر ماہ اس سے دو درہم لئے جاتے تھے اور جو شخص مالدار نہ ہو۔ مزدوری کر کے کھاتا کھاتا ہو اس پر بارہ درہم کی ادائیگی لازم کی تھی جس میں سے ہر ماہ ایک درہم وصول کیا جاتا تھا۔

مسئلہ: عورت بچہ اپنا چ اور وہ نادار جو محنت کر کے کمانے کے لائق نہیں اور وہ لوگ جو اپنے عبادت خانوں میں رہتے ہوں لوگوں سے ان کا میل ملاپ نہ ہو ان لوگوں پر کوئی جزیہ نہیں۔

مسئلہ: اہل کتاب بت پرست آتش پرست ان سب سے جزیہ لیا جائے گا۔ البتہ اہل عرب جو بت پرست ہیں ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا بلکہ ان سے کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

مسئلہ: مسلمانوں میں سے جو لوگ مرتد ہو جائیں (العیاذ باللہ) ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا۔ ان سے بھی یہ کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ

اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ

قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ

ان کی باتیں ہیں جو ان کے منہوں سے نکلتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کی طرح باتیں کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا۔ اللہ انہیں عارت کرے۔

أَنِّي يُؤْفَكُونَ ۖ اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمُ رُءُفَاءَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحُ

کدھر اُلٹے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور درویشوں کو رب بنا لیا اور مسیح

ابْنِ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۚ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَنَهُ عَمَّا

ابن مریم کو بھی۔ اور حالانکہ ان کو یہی حکم ہوا تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اس چیز سے پاک ہے جو

يُشْرِكُونَ ۚ

وہ شریک بناتے ہیں

یہود و نصاریٰ کی تردید جنہوں نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بتایا

تفسیر: پہلی آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ ان سے یہاں تک قتال کرو کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کا عقیدہ شرکیہ بیان فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جیسے دوسرے مشرک اپنے مشرک میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح یہود و نصاریٰ بھی مشرک ہیں۔ جن انبیاء کرام علیہم السلام سے اپنا تعلق جوڑتے ہیں انہوں نے توحید کی دعوت دی تھی اور اسی دعوت کو لے کر اللہ پاک کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے بعد میں ان کے ماننے والوں نے (جو ماننے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں) توحید کو چھوڑ دیا اور عقائد شرکیہ اختیار کر لئے اور زبانوں سے بھی شرکیہ باتیں کرنے لگے۔ یہودیوں نے تو یوں کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے یوں کہا کہ مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شلئے نے ان کا قول ذکر کرنے کے بعد فرمایا **ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ** کہ یہ ان کی باتیں ہیں جو ان کے منہوں سے نکل رہی ہیں یہ اپنی باتوں میں جھوٹے ہیں۔ ان کی باتوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور ان کی باتوں کی کوئی دلیل اور کوئی سند نہیں۔

پھر فرمایا: **يُضَاهِيهِمْ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ** (ان سے پہلے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کی باتیں ان کی باتوں کے مشابہ ہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ: **الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ** (جنہوں نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا) سے مشرکین مراد ہیں۔ جنہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتایا اور اس عقیدہ کے جو لوگ ہیں یعنی یہود و نصاریٰ وہ اپنے اسلاف کی بات پر جتے ہوئے ہیں (روح المعانی ص ۸۳ ج ۱)

پھر فرمایا **فَإِنَّ لَهُمُ اللَّهُ** اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کے مجازی معنی لئے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس سے لعنت کرنا مراد ہے۔ **أَنَّى يُؤْفَكُونَ** (وہ کہاں الٹے پھرے جارہے ہیں) ان کو توحید کی دعوت دی گئی ہے اسے چھوڑ کر شرک اختیار کئے ہوئے ہیں اور حق کو چھوڑ کر باطل میں لگے ہوئے ہیں۔

تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے: پھر فرمایا: **إِن تَحَدَّوْا الْخِبَاهُمْ وَرُءِبَانَهُمْ أَبَا بَلْقَن** **دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ** کہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار (یعنی علماء یہود) کو اور راہبوں (یعنی نصاریٰ کے درویشوں) کو اپنا رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی) رب بنالیا۔ نصاریٰ کے راہب تارک دنیا ہو کر اپنے اُن گھروں میں رہتے تھے جو جنگلوں میں بنا لیتے تھے اس لئے رہبان کا ترجمہ درویش کیا گیا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو پہلے نصرانی تھے (بعد میں مسلمان ہوئے) انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اُس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ نے فرمایا اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال کر پھینک دو میں نے اس کو پھینک دیا واپس آیا تو آپ **إِن تَحَدَّوْا الْخِبَاهُمْ وَرُءِبَانَهُمْ أَبَا بَلْقَن دُونِ اللَّهِ**

پڑھ رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنے عالموں اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے پھر یہ کیوں فرمایا کہ احبار اور رہبان کو رب بنالیا۔ آپ نے فرمایا کیا یہ بات نہیں کہ یہ لوگ جو چیز تمہارے لئے حرام کر دیں تو اسے حرام کر لیتے ہوں اور جو چیز حلال کر دیں تم اسے حلال کر لیتے ہو میں نے کہا کہ ہاں یہ بات تو ہے آپ نے فرمایا یہ ان کی عبادت ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۸۵ ج ۲)

اور سنن ترمذی وغیرہ میں اس طرح سے ہے کہ عدی بن حاتم نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سورہ برأت کی آیت پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جن چیزوں کو وہ حلال کہتے تھے انہیں حلال سمجھتے تھے اور جن چیزوں کو وہ حرام کر دیتے تھے انکو حرام مان لیتے تھے (درمنثور ص ۲۳۰ ج ۳)

تحلیل و تحریم میں غیر اللہ کی فرمانبرداری شرک ہے: دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق اور مالک ہے جن چیزوں سے نفع حاصل کرتے ہیں وہ بھی اسی نے پیدا کیں اور جو لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں ان کو بھی اسی نے پیدا فرمایا اسے اختیار ہے کہ جس چیز کو جس کے لئے حلال قرار دے اور جس کے لئے حرام قرار دے اس نے سابقہ امتوں کے لئے بعض چیزیں حرام قرار دیں اور اس امت کے لئے حلال کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے پاس سے تحلیل اور تحریم کے قانون بنائے۔ جو شخص اپنے طور پر کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دے چاہے اپنے لئے خواہ دوسروں پر

أَمَرَ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ (آپ فرمادیتے تھے کہ یہ تو بتاؤ جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے رزق نازل فرمایا سو اس میں سے تم نے حرام اور حلال تجویز کر لیا۔ کیا اللہ نے تمہیں اسکی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر تہمت باعزت ہو)

جب تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے جو خالق اور مالک ہے تو اس کے سوا جو کوئی شخص تحلیل و تحریم کے قانون بنائے اور اپنے پاس سے حلال و حرام قرار دے اس کی بات ماننا اور فرمانبرداری کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں شریک بنانا ہوا جیسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اس کی عبادت ہے اسی طرح ان امور میں غیر اللہ کی فرمانبرداری کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہیں یہ ان کی عبادت ہے اسی طرح ان امور میں غیر اللہ کی فرمانبرداری کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہیں یہ ان کی عبادت ہے چاہے ان کو سجدہ نہ کریں چونکہ ان جاری کئے ہوئے احکام کے ساتھ فرمانبرداری کا وہی معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ ہونا چاہئے اس لئے انکے اتباع اور اطاعت کو عبادت قرار دیا۔

پھر فرمایا: (اور انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ صرف ایک ہی معبود کی عبادت کریں)

یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (کوئی معبود نہیں اس کے سوا) وہی معبود حقیقی ہے اسکی عبادت کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا شرک ہے۔ سُبْحَانَكَ يَا مَنْ لَا يَمُوتُ (اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے)

فائدہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو جو حضور اقدس ﷺ نے جواب دیا کہ وہ لوگ اپنے علماء کو اور درویشوں کو اس طرح اپنا رب بنا لیتے تھے کہ ان کی تحلیل و تحریم پر عمل کرتے تھے اس میں عبادت بالمعنی المعروف کی نفی نہیں

ہے۔ عام طور پر جو اُن کا طریقہ تھا اسے بیان فرمادیا، اُن میں وہ لوگ بھی تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باقاعدہ عبادت کرتے تھے۔ اور اُن کو ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ یعنی تیسرا معبود مانتے تھے بلکہ صلیب کو بھی پوجتے تھے۔ آیت بالا میں جو وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ فرمایا ہے (اور اس لفظ کو جو احبار اور رہبان پر معطوف کر کے علیحدہ سے ذکر فرمایا ہے) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باقاعدہ معبود مانتے تھے وہ تو اللہ کے پیغمبر تھے اپنی طرف سے تحلیل و تحریم کرنے والے نہ تھے ان کا بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

فائدہ: اوپر جو سورہ نحل کی آیت نقل کی گئی ہے اس کا مضمون دوسری آیات میں بھی ہے جن میں صاف صاف بتایا ہے کہ تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اسلام کے دعویداروں میں بعض فرقے ایسے ہیں جو تحلیل و تحریم میں اور احکام کو منسوخ کرنے اور بدلنے میں اور عبادت کے طریقے تجویز کرنے میں اپنے امام اور مجتہد کو باختیار سمجھتے ہیں۔ اور اپنے امام کو قرآن و حدیث کا پابند نہیں سمجھتے۔ ان کا امام اور مجتہد جو کچھ کہتا ہے اسی کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن کی تصریحات اور تعلیمات اُن کے نزدیک بے حیثیت ہیں۔ ایسے فرقوں کے کفر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ تصریحات قرآنیہ کو کوئی وزن نہیں دیتے ان کے نزدیک امام کو سب کچھ اختیار ہے جن لوگوں نے انکار مذہب ایجاد کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں تحلیل و تحریم کے اختیارات رکھنے کے لئے اپنے عوام کو یہ عقیدہ بتایا اور سمجھایا ہے کہ امام ہی سب کچھ ہے۔ روافض کا امام جب چاہے نماز جمعہ جاری کر دے اور جب چاہے منسوخ کر دے۔ اور اسی طرح دیگر امور میں بھی ان کے یہاں یہی صورت حال ہے۔ ایک بہائی فرقہ ہے۔ ان کے ہاں بھی دین اسلام سے ہٹ کر فرائض اور محرمات کی تفصیلات ہیں۔ اور بعض معاصی کی تعزیرات انہوں نے خود سے مقرر کی ہیں جو اُن کے بعض رسالوں کو دیکھ کر مطالعہ میں آئیں، منکرین حدیث میں ایک شخص چکنالوی تھا۔ اُس نے نماز کی ترتیب اور ترکیب اور طریقہ عبادت اپنے پاس سے تجویز کیا تھا۔ یہ سب ان لوگوں کی گمراہی ہے جو سراپا کفر ہے۔

فائدہ: اب دورِ حاضر میں جبکہ آزاد منش لوگ اسلامی احکام پر چلنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور دشمنان اسلام سے متاثر ہیں کہتے ہیں کہ حضرات علماء کرام جمع ہو کر میٹنگ کریں اور اسلامی احکام کے بارے میں غور و فکر کریں اور فلاں فلاں احکام کو بدل دیں یا ہلکا کر دیں۔ اور فلاں فلاں حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیں۔ یہ اُن لوگوں کی جہالت اور حماقت کی بات ہے۔ اگر علماء ایسا کرنے بیٹھیں گے تو کافر ہو جائیں گے۔ اور اگر کسی حرام چیز کو حلال قرار دے دیں گے تو ان کے حلال کر دینے سے حلال نہ ہوگی۔ اباحی (یعنی حرام چیزوں کو مباح قرار دینے والے) قسم کے لوگ جو نام نہاد عالم کہلاتے ہیں انہوں نے سودِ بیمہ اور تصویروں کو اور بعض دیگر محرمات کو حلال کہہ دیا ہے ان کے کہنے اور لکھنے سے وہ چیزیں حلال نہیں ہو گئیں۔ خوب سمجھ لیا جائے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورُهُ

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ کو اس کے علاوہ کوئی بات منظور نہیں کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے۔

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ

اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اُسے

عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۝ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو

پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کا نور بجھایا نہ جائے گا

تفسیر: ان دونوں آیات میں دشمنان اسلام کے عزائم باطلہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ اللہ

کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں، یعنی اسلام پر اعتراض کر کے مہمل باتیں کر کے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں۔ ان کی باتوں سے اسلام کا نور بجھنے والا نہیں اور ان کی شرارتوں سے اسلام کو ٹھیس لگنے والی نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ اس کا نور پورا ہو کر رہے گا۔ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو اور بُرا لگے۔

اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔ پہلی آیت کے ختم پر وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ فرمایا۔ جو لوگ شرک کی وجہ سے مشرک ہیں اور جو لوگ مشرک نہیں کسی دوسری وجہ سے کافر ہیں مثلاً خدائے تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتے یا اس کی ذات پر اعتراض کرتے ہیں یا اس کی کتابوں اور اس کے نبیوں کو جھٹلاتے ہیں ان دونوں قسم کے دشمنوں کی ناگواری کا تذکرہ فرمادیا کہ کافر اور مشرک یہ جو چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین نہ پھیلے اور اس کا غلبہ نہ ہو ان کے ارادوں سے کچھ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب فرمائے گا۔ یہ جلتے رہیں۔ حسد کرتے رہیں۔ ان کی نیوتوں اور ارادوں پر خاک پڑے گی اور دین اسلام بلند اور غالب ہو کر رہے گا۔

غالب ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ دلیل اور حجت کے ساتھ غلبہ ہو۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی بھی شخص خواہ دین آسمانی کا مدعی ہو، خواہ بت پرست ہو، خواہ آتش پرست ہو، خواہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو، خواہ ملحد اور زندیق ہو وہ اپنے دعوے اور اپنے دین کو لے کر دلیل کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نہیں آ سکتا اور اپنے دعوے کو صحیح ثابت نہیں کر سکتا۔ اسلام کے دلائل سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین زنادقہ اور طہدین سب پر حجت قائم ہے۔ اس اعتبار سے دین اسلام ہمیشہ سے غالب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُسے کامل بھی فرمادیا اور قرآن مجید میں اعلان فرمادیا۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی) اسلام دین کامل ہے انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ دیگر تمام ادیان کے ماننے والے صرف چند تصورات اور خود تراشیدہ معتقدات کو لئے بیٹھے ہیں۔ عبادات، معاملات، مناکات، معیشت اور معاشرت، سیاست اور حکومت، اخلاق اور آداب کا کوئی مذہبی نظام ان کے پاس نہیں ہے۔ خود سے قوانین بنا لیتے ہیں اور پھر انہیں توڑ دیتے

ہیں (بلکہ یوں کہتے ہی نہیں کہ یہ قانون اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) خود ساختہ قانون کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے منسوب کریں۔ اسلام نے انسانوں کو ہر شعبہ زندگی کے احکام دیئے ہیں اور اخلاق عالیہ کی تعلیم دی ہے جن کی تصریحات اور تفصیلات قرآن مجید میں اور احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

دوسری صورت اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے کفر و شرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں اور دنیا میں اسلام ہی اسلام ہو اور اس کا راج ہو۔ ایسا قیامت سے پہلے ضرور ہوگا۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مہدی علیہما السلام کے زمانے میں اسلام خوب اچھی طرح پھیل جائے گا۔ اور زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی تصریح آئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ رات اور دن ختم ہونے سے پہلے ایسا ضرور ہوگا کہ لات اور عرڑی کی پرستش کی جائے گی (یہ زمانہ جاہلیت میں دو بت تھے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ نازل فرمائی تو یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ (یعنی دین حق تمام دینوں پر غالب ہوگا) آپ نے فرمایا کہ جب تک اللہ چاہے گا ایسا ہوگا (جو آیت شریفہ میں مذکور ہے) پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیج دے گا۔ جس کی وجہ سے ہر اس شخص کو موت آ جائے گی جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اس کے بعد صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے دل میں کوئی خیر نہ ہوگی لہذا وہ اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (رواہ مسلم ص ۹۴ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ وَيُطْلَى الْمَلِكُ حَتَّى يَهْلِكَ اللَّهُ فِي زَمَانِهِ الْمَلِكُ كُلُّهَا غَيْرِ الْإِسْلَامِ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام ملٹوں کو باطل کر دیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے علاوہ ساری ملٹوں کو ختم فرمادیں گے۔ (مسند احمد ص ۴۳۷ ج ۲)

تیسری صورت اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ مسلمان اقتدار کے اعتبار سے دوسری اقوام پر غالب ہو جاتا ہے اور یہ ہو چکا ہے جب مسلمان جہاد کرتے تھے اللہ کے دین کو لے کر آگے بڑھتے تھے اور اللہ کی رضا پیش نظر تھی اس وقت بڑی بڑی حکومتیں پاش پاش ہو گئیں۔ قیصر و کسریٰ کے ملکوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ان میں سے جو قیدی پکڑے گئے وہ غلام باندی بنائے گئے اور مشرکین اور اہل کتاب میں بہت سے لوگوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور مسلمانوں کے ماتحت رہے۔ صدیوں یورپ اور ایشیا افریقہ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ (اور اس وقت یہی تین بڑے اعظم دنیا میں معروف تھے) اور اب بھی مسلمانوں کی حکومتیں زمین کے بہت بڑے حصے پر قائم ہیں۔ اگر اب بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور آپس میں اتفاق و اتحاد کر لیں کافروں سے بغض رکھیں۔ کافروں کی حکومتوں کو اپنا سہارا نہ بنائیں تو اب بھی وہی شان واپس آ سکتی ہے جو پہلے تھی۔

اقتدار والے غلبہ کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو چکا ہے اور آئندہ پھر اس کا وقوع ہوگا ان شاء اللہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر مٹی سے بنا ہوا کوئی گھریا بالوں سے تیار کیا ہوا کوئی خیمہ ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرمادے۔ عزت والے کی عزت کے ساتھ اور

ذلت والے کی ذلت کے ساتھ۔ حدیث کی روایت کرنے کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تو پھر سارا دین اللہ ہی کے لئے ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۶ از مسند احمد)

جن کو اللہ تعالیٰ عزت دے گا۔ انہیں کلمہ اسلام کا قبول کرنے والا بنادے گا اور جن کو اللہ ذلیل کرے گا وہ مقتول ہوگا یا مجبور ہو کر جزیہ ادا کرے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاكُلُونَ أَمْوَالَ

اے ایمان والو! بلا شبہ بہت سے علماء اور راہب ایسے ہیں جو لوگوں کے مال

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ

باطل طریقہ پر کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں

وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُخَالِ

اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تیا یا جائے گا۔

عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتَكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا

پھر ان کی پیشانیوں اور کروٹوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا۔ یہ وہ ہے جس کو

مَا كُنْتُمْ لَأَنْفُسِكُمْ فِئَ وَقُومًا كُنْتُمْ تَكْنُزُونَ ۝

تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع کیا تھا سو اب اسے تم چھ لو جسے تم جمع کرتے تھے

یہود و نصاریٰ دین حق سے روکتے ہیں

تفسیر: اس آیت میں اول تو اہل کتاب کے علماء اور مشائخ یعنی درویشی اختیار کرنے والے لوگوں کا حال بیان فرمایا کہ یہ لوگ باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ پرہیز بھی کرتے ہوں گے اس لئے لفظ کشیروا کا اضافہ فرمادیا۔ ان کا باطل طریقہ پر مال کھانا اس طرح سے تھا کہ توریت شریف میں تحریف کرتے تھے اور اپنے پاس سے احکام بنا دیتے تھے اور اس پر اپنے عوام سے پیسے لے کر کھا جاتے تھے۔ اہل ایمان کو خطاب فرما کر اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی حرام خوری کا تذکرہ فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے اندر بھی اس طرح کے علماء اور مشائخ ہو سکتے ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ جھوٹے پیر جو گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں ان کا یہی حال ہے۔ نہ صاحب شریعت نہ صاحب طریقت اندر سے خالی ہیں۔ تصوف سے عاری ہیں طالب دنیا ہیں فکر آخرت نہیں خوف و خشیت نہیں تقویٰ نہیں۔ لوگوں سے مال وصول کرنے کے لئے طرح طرح کے ڈھنگ بنا رہے ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے جو کچھ کسی شخص کو اس کے دیندار اور صالح ہونے کے خیال سے دیا جائے اس کا لینا اس شخص کے لئے حلال نہیں ہے جو اندر

سے فاسق ہوا گردینے والے کو اس کا اندرونی حال معلوم ہوتا تو ہرگز نہ دیتا۔

اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جن کے تشریف لانے کا انتظار تھا لیکن ان لوگوں نے آپ کی صفات کو بدل دیا۔ اور اپنے ماننے والوں کو یہ باور کرایا کہ وہ نبی نہیں ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ کا جو طریقہ اسلام کے عہد اول میں تھا۔ ابھی تک وہی ہے یہودیت اور نصرانیت کے ذمہ دار یہ جانتے ہوئے کہ اسلام دین حق ہے۔ نہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ انہوں نے بہت ساری جماعتیں اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے تیار کر رکھی ہیں۔ مختلف طریقوں سے یہ لوگ مسلمان نوجوانوں کو اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مال کا لالچ بھی دیتے ہیں۔ عورتیں بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مسلمان نوجوان ان کے قابو میں نہیں آتے جب اسلام دل میں رچ جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسے قلوب کی گہرائی سے نہیں نکال سکتی۔ جتنے اموال کفر اور شرک کو پھیلانے کے لئے خرچ کئے جاتے ہیں اور اسلام کو پھیلنے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا نتیجہ صفر کے درجہ میں ہی رہتا ہے۔

اسلام کے عہد اول سے جو دشمنان اسلام کی کوششیں رہی ہیں اور اب تک ہو رہی ہیں۔ ان کو دیکھا جائے تو اسلام کی دعوت مکہ مکرمہ کے ایک گھر سے بھی آگے نہ بڑھتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو آگے بڑھایا اور کروڑوں افراد اس وقت سے آج تک اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور برابر داخل ہو رہے ہیں۔ دشمنوں کی کوششیں فیل ہیں۔ اسلام برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ پھیل رہا ہے۔ یورپ۔ امریکہ۔ کینیڈا۔ افریقہ۔ آسٹریلیا اور ایشیاء کے بہت سے ممالک کے غیر مسلم اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اسلام قبول کر رہے ہیں اور اب یہ سیلاب ان شاء اللہ تعالیٰ رکنے والا نہیں ہے دلیل و حجت سے اسلام ہمیشہ غالب ہے اور اپنے پھیلاؤ کے اعتبار سے بھی اب پورے عالم میں گھر گھر داخل ہو رہا ہے۔

دشمنان اسلام ہمیشہ سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل اسلام کے ساتھ ہے۔ اور یہ بھی سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہماری کوششیں اسلام کے خلاف کامیاب نہیں ہیں پھر بھی اپنی نا سمجھی سے اسلام کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا۔ پھر بھی مخالفت سے باز نہیں آتے۔ یورپ امریکہ میں لاکھوں مسلمان رہتے ہیں۔ دشمنان اسلام ان کی اذانیں سنتے ہیں۔ نمازیں دیکھتے ہیں۔ اسلام پھیل رہا ہے۔ چراغ بک رہے ہیں۔ ان کی جگہ مسجدیں بن رہی ہیں پھر بھی ہوش کی آنکھیں نہیں کھولتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام کی مخالفت سے اسلام کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جو لوگ کفر اور شرک والے ادیان کے ذمہ دار ہیں وہ اپنے عوام کو اسلام پر آنے نہیں دیتے۔ اور ان کو کفر ہی پر مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی محنتوں کے باوجود ان کے عوام کے دل اپنے دین سے مطمئن نہیں ہیں۔ سرکاری کاغذات میں پیدا انی طور پر ان کا جو دین لکھ دیا گیا تھا وہ دل سے اس سے منحرف ہیں گویا ان سے اظہار نہیں کرتے۔ یہ اسلام کی حقانیت اور دیگر ادیان کے عوام کا اپنے دینوں سے قلوب کے اعتبار سے منحرف ہونا ان شاء اللہ تعالیٰ رنگ لائے گا۔ اور وہ دن دور نہیں کہ دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوگا۔

جو لوگ ادیان باطلہ کے داعی اور قائد ہیں وہ اپنی جانوں اور اپنی عوام کی جانوں پر رحم کھائیں اور اسلام قبول کریں اور اپنے عوام کو بھی اس کی دعوت دیں اگر یہ لوگ اسلام کی طرف آگے نہ بڑھے تو انہیں میں سے آگے بڑھنے والے آگے

بڑھ جائیں گے اور اسلام قبول کر کے اُن پر لعنت کریں گے جو اسلام سے روکتے رہے۔ لہذا دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی سے اپنے کو اور اپنے عوام کو بچائیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیں۔ ہم بالکل علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان لوگوں کے لئے وعید ذکر فرمائی جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے يَكْنِزُونُ کو ماقبل پر معطوف نہیں فرمایا بلکہ اسم موصول لا کر مستقل جملہ کے ذریعہ چاندی سونا جمع کرنے والوں کے لئے وعید بیان فرمائی الفاظ کے عموم میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ بھی داخل ہیں جو مال جمع کرنے کی وجہ سے توریت شریف کے احکام میں تحریف کرتے تھے۔ اور اس اُمت کے وہ افراد بھی مراد ہیں جو سونا چاندی جمع کریں اور اس میں سے شریعت کے مقرر کردہ فرائض و واجبات میں خرچ نہ کریں۔ ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا ينفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيمٍ (اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں۔ اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے) بشارت خوش کرنے والی چیز کی ہوتی ہے لیکن عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر فرمایا اس میں یہ نکتہ ہے کہ وہ مال جمع کرنے کو اپنے لئے اچھا سمجھتے تھے۔ ان کے گمان کے برخلاف ارشاد تعبیر فرمایا کہ تمہیں اسکی وجہ سے عذاب ہوگا۔ عذاب کو اچھا سمجھتے ہو تو خوش ہو جاؤ۔

يَوْمَ يُخْفَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فُتُلُوكَىٰ يَهَابُهَاهُمْ فَخَوْهُمْ فَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ (جس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع کیا تھا۔ سواب تم چکھ لو جسے جمع کرتے تھے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاندی سونے کا مالک تھا جس میں سے اس کا حق ادا نہیں کرتا تھا۔ (یعنی زکوٰۃ نہیں دیتا تھا) تو جب قیامت کا دن ہوگا اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان تختیوں کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اُن کے ذریعہ اس کے پہلو اور اسکی پیشانی اور اسکی کمر کو داغ دیا جائے گا۔ جب وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی تو اُن کو (پھر سے گرم کر کے) واپس لوٹا دیا جائے گا۔ یہ اُس دن میں ہوتا رہے گا جو پچاس ہزار سال کا ہوگا پھر نتیجہ میں وہ اپنا راستہ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف دیکھ لے گا۔ (اس کے بعد) ان لوگوں کی وعید کا تذکرہ فرمایا جو موسیٰ شیوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ (رواہ مسلم ص ۱۸۳ ج ۱)

اول تو آگ کی تختیاں پھر ان کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے پھر ان سے پہلوؤں پیشانیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے اور جب ٹھنڈی ہو جائیں تو دوبارہ گرم کر لی جائیں اور پچاس ہزار سال تک یہی عذاب کا سلسلہ جاری رہے اور پھر بھی دونوں احتمال ہیں کہ جنت میں جائے یا دوزخ میں۔ اس کا ہر وہ شخص تصور کرے جو مال جمع کرتا ہے اور زکوٰۃ نہیں دیتا۔ پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دینے میں علماء نے یہ حکمت بتائی ہے کہ جب ایسے لوگوں کے پاس کوئی سائل (مال زکوٰۃ کا طلب گار) سامنے سے آتا ہے تو اسے دیکھ کر پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں پھر اس سے نظر بچانے کے لئے دائیں طرف یا بائیں طرف مڑتے ہیں اور سوال کرنے والا اس طرح سے بھی پیچھا نہ چھوڑے تو پھر اس کی طرف پشت کر لیتے ہیں اس لئے پیشانی اور پہلو اور پشت کو عذاب کے لئے مخصوص کیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

فائدہ: سونا اور چاندی کو چونکہ بین الاقوامی طور پر اصل ٹمن ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور اسلام میں انہیں اثمان قرار دیا ہے اس لئے جس قسم کا بھی مال ہو اس کو سونا چاندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب سے دنیا میں نوٹ آئے ہیں تو چونکہ ان کے ذریعہ چاندی سونا خریدا جاسکتا ہے۔ اسلئے وہ چاندی ہونے ہی کے حکم میں ہیں اور مال تجارت بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے۔ سونا چاندی ہو یا مال تجارت یا نقد کیش ان سب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ جتنی بھی زکوٰۃ قاعدہ شرعیہ کے مطابق فرض ہو وہ حساب سے ادا کی جاتی رہے تو باقی مال کو کنز نہیں کہا جائے گا جس پر حدیث بالا میں وعید آئی ہے۔ اسی لئے بعض احادیث میں فرمایا ہے: مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدِيَ زَكَاةَ فَرَضٍ فَلَيسَ بَكَنْزٍ۔ یعنی جو مال اس مقدار کو پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۱۸ ج ۱)

زکوٰۃ ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنین پر فرض فرمائی ہے اور قرآن مجید میں دسیوں جگہ زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ذکر فرمایا ہے: وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ (سورہ ابی ہے مشرکین کے لئے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں اور ان لوگوں کا کام ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ زکوٰۃ کے علاوہ قواعد شرعیہ کے مطابق دوسرے اخراجات بھی واجب ہیں قربانی کرنا صدقہ فطر ادا کرنا عند الضرورة ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں پر قواعد شرعیہ کے مطابق خرچ کرنا۔ یہ سب حقوق ہیں جو مال سے متعلق ہیں اور حقوق واجبہ کے علاوہ جو کوئی شخص جتنا بھی اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر دے گا اس کا ثواب پائے گا جس کو نقلی صدقات کہا جاتا ہے لیکن فرائض اور واجبات میں خرچ کرنے کا خاص دھیان رکھنا کہ آخرت میں مؤاخذہ نہ ہو۔

فائدہ: آیت کریمہ میں اولاً سونا چاندی دونوں کے جمع کرنے کا تذکرہ فرمایا پھر وَلَا يُنْفِقُوْهَا فَمَا يَكُنْ لَّهَا مِنْ فَرْعٍ شَيْءٍ ضَمِير کے بجائے واحد کی ضمیر لائی گئی جو فضہ (چاندی) کی طرف راجع ہے۔ بعض علماء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ سونا چاندی ایک ہی چیز ہے لہذا اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو اور علیحدہ علیحدہ ان میں سے ایک بھی نصاب کو نہ پہنچتا ہو تو سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا دی جائے گی مطلب یہ ہے کہ دونوں کے مجموعہ کی قیمت اگر نصاب چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔

چاندی سونے کا کیا نصاب ہے؟ اس کی تفصیل کے لئے درکوع کے بعد آیت إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ کی تفسیر دیکھئے

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ

بلا شبہ اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں جس دن اس نے آسمان

وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ

اور زمین پیدا فرمائے مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہ دین مستقیم ہے سو ان مہینوں میں

أَنفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ

تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ اور تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ

الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا النِّسْيَةُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا

متقیوں کے ساتھ ہے مہینوں کی حرمت کو آگے بڑھا دینا کفر میں ترقی کرنا ہے جس سے کافر لوگ گمراہ کئے جاتے ہیں کہ وہ اس مہینے کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں

وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُؤْطُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيَحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُرِّيْنَ لَهُمْ

اور کسی سال حرام قرار دے دیتے ہیں تاکہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جنہیں اللہ نے حرام قرار دے دیا ہے پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں

سُوْرَةُ اَعْمَالِ لَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝

ان کے بُرے اعمال ان کے لئے مُزین کر دیئے گئے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مہینوں کی حلت و حرمت میں ہیرا پھیری اور تقدیم و تاخیر کرنا کفر میں ترقی کرنا ہے

تفسیر: اُوپر دو آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا تھا اسی دن سے اس نے مہینوں کی تعداد بارہ عدد مقرر فرمائی ہے۔ ان میں سے چار مہینوں کو حرام قرار دے دیا جن میں قتال کرنے کی ممانعت فرمادی (یہ چار مہینے ذی القعدہ ذی الحجہ محرم اور ربیعہ تھے) جمہور علماء کا فرمانا ہے کہ ان کی حرمت منسوخ ہے اور اب ان مہینوں میں بھی قتال کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہم سورہ بقرہ کی آیت يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ فِيْهِ کی تفسیر میں بیان کر آئے۔ (دیکھو انوار البیان ج ۱)

پھر فرمایا کہ یہ دین مستقیم ہے یعنی سال کے مہینوں کا بارہ عدد ہونا اور چار مہینوں کا بالخصوص اشھر الحرام ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ چیز ہے۔ اور یہ دین صحیح ہے۔ جاہلیت کے لوگ کبھی سال کے مہینوں کا عدد بڑھا دیتے تھے اور کبھی اشھر الحرام کی تخصیص کو چھوڑ دیتے تھے اور اپنی طرف سے بعض مہینوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیتے تھے۔

فَلَا تَطْلُبُوْا فِيْهِمْ اَنْفُسَكُمْ۔ سو تم ان سب مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ یعنی گناہ نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو مت چھوڑو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے معاملہ الشریل (ص ۲۸۶ ج ۲) میں محمد بن اسحق سے اس کا مطلب یوں نقل کیا ہے کہ حلال مہینوں کو حرام اور حرام مہینوں کو حلال نہ بناؤ۔ لَا تَجْعَلُوْا حَلٰلَهَا حَرَامًا و حَرَامَهَا حَلٰلًا کفعل اهل الشرك وهو النسئی۔ (حلال مہینوں کو حرام اور حرام کو حلال نہ بناؤ جیسا کہ اہل شرک کرتے تھے یعنی نسئی کا عمل)

پھر فرمایا وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاقْتَالِكُمْ اَيُّهَا الْمُتَّقِيْنَ کہ تمام کافروں سے جنگ کرو جیسا کہ وہ تم سب سے

جنگ کرتے ہیں وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

دوسری آیت میں جاہلیت والوں کے ایک طریقہ کار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ حرام مہینے کو مؤخر کر دینا کفر میں زیادتی

ہے، مشرکین عرب مشرک تو تھے ہی اپنے اس طریقہ کار سے بھی مزید کفر میں ترقی کر گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تحریم کو بدل کر

اشھر الحرام کو حلال کر لیتے تھے۔ آگے بڑھنے سے پہلے الدَّيْجِيُّ یعنی حرام مہینوں کو مؤخر کرنے کا مطلب سمجھ لینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے چار مہینوں کو حرام قرار دیا تھا یعنی ان میں قتل و قتل کی اجازت نہ تھی۔ قریش مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بھی تھے اور کعبہ شریف کے متولی بھی تھے جو ان کے جد امجد حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا تھا ان لوگوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں سے جو باتیں باقی رہ گئی تھیں ان میں حج کرنا بھی تھا۔ اور چار مہینوں کو محترم بھی سمجھتے تھے اور ان میں قتل و قتل کو حرام مانتے تھے۔ لیکن ان میں اور عرب کے دیگر قبائل میں جاہلیت کی وجہ سے شر و فساد اور قتل و قتل ایک پیشہ بن کر رہ گیا تھا اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر کے لوٹ مار کے ذریعہ مال حاصل کر کے اپنی معیشت بناتا تھا۔ کبھی لڑائی ٹھن جاتی تھی اور لوٹ مار اور جنگ کرنے کی ضرورت ان چار مہینوں میں سے کسی مہینے میں محسوس کرتے تھے تو یوں کر لیتے تھے کہ کسی مہینے کو مؤخر کر دیتے تھے۔ مثلاً ماہ محرم میں انہیں جنگ کرنا ہوتا تو یوں کہتے تھے کہ یہ ماہ محرم نہیں ہے بلکہ ماہ صفر ہے۔ محرم اس سے آئندہ مہینہ ہوگا۔ اس طرح سے محرم کو صفر قرار دے کر جنگ کر لیتے تھے۔ اور ماہ صفر کو شہر حرام قرار دے دیتے تھے اللہ کی طرف سے جو مہینہ حرمت والا تھا اس کو اپنی طرف سے حلال اور جو مہینہ حلال تھا اسے حرام قرار دے دیتے تھے۔ اس طرح اللہ کی تحلیل اور تحریم کو بدل دیتے تھے اور اپنے نفوس کو یوں سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی کیونکہ جو قتل کیا ہے وہ شہر حرام میں نہیں کیا (حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ مہینہ حرمت والا تھا) ان لوگوں کے آگے پیچھے کر دینے سے نہ حقیقت میں کوئی مہینہ بدلا اور نہ تحلیل و تحریم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا حکم بدلا۔ اوپر ماہ محرم و ماہ صفر کے آگے پیچھے کرنے کی ایک مثال پیش کی گئی ہے۔ اس طرح سے وہ سال کے بارہ مہینوں کو اپنی اپنی جگہ سے ہٹا چکے تھے۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ حج کا مہینہ ماہ ذوالحجہ ہی ہے آگے بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ حج بھی ذوالحجہ کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ہونے لگا۔ ساحہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ تو وہ ٹھیک نوزی الحج کو واقع ہوا تھا۔ آپ نے یوم النحر یعنی دسویں ذوالحجہ کو جو خطبہ دیا اس میں فرمایا إِنَّ الزَّمَانَ قَدْ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ کہ بلاشبہ زمانہ گھوم کر اپنی اسی جگہ پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ یعنی مشرکین کے آگے بڑھانے اور پیچھے ہٹانے کی تغیر اور تبدیل جو تھی اس کا کوئی دخل اور اثر مہینوں کی ترتیب میں نہیں رہا۔ اگر یہ لوگ تغیر اور تبدیل نہ کرتے تب بھی یہ مہینہ اپنی اصل کے اعتبار سے ذی الحجہ ہی ہوتا لہذا بارہ مہینے اب اپنی جگہ پر آ گئے ہیں۔

مشرکین عرب کی اس الدَّيْجِيُّ والی رسم جاہلی کے بارے میں فرمایا يُحْضِرُ لَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا کہ اس کے ذریعہ کفار گمراہ کئے جاتے ہیں يُحْضِرُونَكَ عَامًا وَيُحْضِرُونَكَ عَامًا کسی مہینے کو ایک سال حلال قرار دیتے تھے اور ایک سال حرام قرار دے دیتے تھے۔ لِيُؤْاطُوا عِدَّةَ مَا حَزَمَ اللَّهُ تَا کہ وہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جو اللہ نے حرام قرار دیئے تھے یعنی سال میں گنتی کے اعتبار سے چار مہینوں کی حرمت اپنے خیال میں اس طرح برقرار رکھتے تھے کہ کوئی سے چار مہینے اپنی اغراض کے مطابق حرام مان لیتے تھے۔ چاہے وہ وہی مہینے ہوں جو اللہ کی طرف سے حلال ہیں اسی طرح اللہ کے حرام قرار دیئے ہوئے مہینوں کو حلال قرار دے دیتے تھے۔ فَيُحْضِرُونَكَ عِدَّةَ مَا حَزَمَ اللَّهُ اور صرف یہ دیکھتے تھے کہ گنتی کے اعتبار سے آٹھ مہینے

ہم نے حلال قرار دیئے حالانکہ ان حلال قرار دیئے ہوئے مہینوں میں وہ مہینے بھی آ جاتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام قرار دیئے گئے تھے۔ کبھی تو مہینوں کو آگے پیچھے کر کے تحریم اور تحلیل کی رسم کا طریقہ اختیار کر لیتے تھے اور کبھی یوں کہتے تھے کہ اس سال محرم کا مہینہ حرام نہیں ہے اس کی جگہ صفر کا مہینہ حرام ہوگا پھر اپنی اغراض نفسانیہ کے لئے ضرورت محسوس کرتے تو صفر کا مہینہ آنے پر کہہ دیتے تھے کہ یہ مہینہ حرام نہیں ہے۔ آئندہ مہینہ یعنی ربیع الاول حرام ہوگا۔

شیطان نے انہیں اس قسم کا سبق پڑھایا تھا اور ان کے اعمال کو اچھا کر کے پیش کر دیا تھا۔ اسی کو فرمایا زَيْنَ كُفْرًا مَا زَيْنَ كُفْرًا سُوْرَةُ اَعْمَالُ الْهِنْدِ کہ ان کے لئے ان کے بُرے اعمال مزین کر دیئے گئے جنہیں وہ اچھا سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا (کیونکہ وہ ہدایت پر آنا نہیں چاہتے)

فائدہ: احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت کریمہ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِیَّةِ کی تفسیر میں ہم نے لکھ دیا ہے۔ عبادات حج، زکوٰۃ، عدت کا اعتبار چاند کے مہینوں سے ہے۔ اسی لئے چاند کے مہینوں کا محفوظ رکھنا اور ان کی ابتداء انتہاء جاننا فرض کفایہ ہے۔ بعض قوموں میں ہر تیسرا سال تیرہ مہینے کا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی وضع کردہ ترتیب کے خلاف ہے۔ دنیاوی معاملات کے لئے بطور یادداشت اگر قمری مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں کو استعمال کیا جائے تو اسکی بھی گنجائش ہے۔ لیکن پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہجری مہینوں کے سوا جو دوسرے مہینے رائج ہیں انہیں دشمنان دین نے اختیار کر رکھا ہے۔ وہ ہمارے ہجری مہینوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تو ہمیں ان کی طرف مائل ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَتَأْتَلُمُ إِلَى الْأَرْضِ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو تو زمین پر

أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا

بوجھل بن جاتے ہو کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے۔ سو دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلہ میں

قَلِيلٌ ۚ إِلَّا تَتَفَرُّوْا يَعِدْ بَكُمْ عَذَابًا أَبَدًا ۚ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ

بہت تھوڑی سی ہے اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے علاوہ دوسری قوم کو تمہارے بدلہ پیدا فرمادے گا اور تم اس کو کچھ بھی ضرر نہیں

شَيْءٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ إِلَّا تَتَضَرَّوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ

پہنچا سکتے ہو اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اگر تم اس کے رسول کی مدد نہ کرو تو اللہ نے ان کی مدد کی ہے جبکہ ان کو کافروں نے نکال دیا تھا۔

كَفَرُوا ثَانِي ۚ إِذْ هَبَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ

جبکہ وہ دو آدمیوں میں سے ایک تھے۔ جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو بلاشبہ اللہ

مَعَنَا ۚ فَانْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ

ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے آپ پر اپنا سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکروں کے ذریعہ آپ کی مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اس نے

الَّذِينَ كَفَرُوا وَالسُّفُلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱﴾

ان لوگوں کی بات سچی کر دی جو کفر اختیار کئے ہوئے تھے اور اللہ کی بات اُچی ہی ہے اور اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے

خروج فی سبیل اللہ کے لئے کہا جائے تو نکل کھڑے ہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے آئے گا!

تفسیر: معالم التنزیل (ص ۲۹۲ ج ۲) میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَعَّلُوا** (الایہ) غزوہ تبوک میں شرکت کرنے کی ترغیب دینے کے لئے نازل ہوئی جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے حصار کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ نے حکم دیا کہ اب رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے چلو (خبر ملی تھی کہ رومی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے شام کی سرحد پر جمع ہو گئے ہیں) صوبہ شام اس وقت رومیوں کے زیر نگین تھا اور وہاں ہر قل کی حکومت تھی جو رومیوں کا بادشاہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان سے وہیں چل کر مقابلہ کر لیا جائے اور دفاع کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب جہاد کے لئے جانا ہوتا تھا تو رومیہ سے کام لیتے تھے (یعنی نام لیکر واضح طور پر نہیں بتاتے تھے کہ فلاں مقام پر جانا ہے اور فلاں قوم سے جنگ کرنا ہے) یہ موقعہ ایسا تھا کہ پھل پک رہے تھے کھیتیاں تیار تھیں ان کے کاٹنے کا زمانہ تھا اور سنگدستی بھی چل رہی تھی۔ گرمی سخت تھی اور سفر دور کا تھا اور درمیان میں خوفناک میدان تھے اور دشمن بھی تعداد میں زیادہ تھا۔ آپ نے واضح طور پر مسلمانوں کو بتا دیا کہ تبوک جانا ہے تاکہ دشمن سے مقابل ہونے کے لئے تیاری کر لیں۔ اس موقعہ پر آپکا جہاد کے لئے حکم فرمانا بھاری پڑ گیا اور مسلمانوں میں سستی اپنا اثر کرنے لگی اللہ تعالیٰ شانہ نے اہل ایمان کو خطاب فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین پر بوجھل بن گئے، کیا آخرت کے بدلہ میں دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے حالانکہ دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑی سی ہے۔ مزید فرمایا **إِلَّا تَنْظُرُوا يَعْذِبَنَّكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا** (الایہ) اگر تم اللہ کی راہ میں نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے بدلہ دوسری قوم کو پیدا فرما دے گا۔ اور تم اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔

آخر میں فرمایا **وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** (اللہ ہر چیز پر قادر ہے) وہ عذاب دے سکتا ہے اور تمہارے بدلہ دوسری قوم بھی پیدا فرما سکتا ہے (جو تم سے زیادہ فرمانبردار ہو) اور دشمنوں کو تمہارے سفر اور تمہارے جنگ کے بغیر بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ لہذا یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم جہاد میں نہ گئے تو اللہ کو یا اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جو جائے گا اپنا ثواب پائے گا آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا۔

يَعْذِبَنَّكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اس سے دنیا میں بارش کو روک لینا مراد ہے۔ (معالم التنزیل)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول مقام کے اعتبار سے مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ کھیتوں اور باغوں کی پیداوار جمع کرنے کا موقعہ آ گیا تھا اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتا دیا گیا کہ اگر تم جہاد کیلئے نہ نکلے تو

بارش روک دی جائے گی۔ اگر اس سال غلے اور پھل حاصل کر بھی لئے تو آئندہ آنے والوں برسوں میں بارش رک جانے کی وجہ سے ان چیزوں سے محروم ہو گئے۔

جن لوگوں نے سستی دکھائی انکی تعداد زیادہ نہ تھی کیونکہ اس سورت میں دوسری جگہ ان کے بارے میں مِنْ اَعْدَائِكَ يَزِيدُ قُلُوبُ فِئْتِي هَنًا فرمایا ہے سستی کے بعد یہ حضرات غزوہ میں شریک ہو گئے تھے گو سستی چند افراد سے ظاہر ہوئی لیکن خطاب تمام مومنین سے فرمایا تاکہ ہمیشہ رہتی دنیا تک تمام مسلمانوں کو سبق مل جائے اور اللہ کی راہ میں خوشی خوشی نکل کھڑے ہوں اور حقیر دنیا کے لئے آخرت کی ابدی نعمتوں سے محروم نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمانے پر مسلمانوں کی بہت بڑی جمعیت تبوک جانے کے لئے نکل کھڑی ہوئی جس میں تیس ہزار مسلمان تھے اور اس سے پہلے کبھی بھی مسلمانوں کی تعداد اس قدر کسی جنگ میں بھی شریک نہ ہوئی تھی اور ہوا بھی صرف آنا جانا اور چند روز قیام کرنا کیونکہ ان حضرات کے تبوک پہنچنے سے دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب اپنے ساتھی کیساتھ غار میں تھے اللہ جل شانہ نے مسلمانوں سے یوں بھی خطاب فرمایا کہ اگر تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ کو اور اللہ کے رسول کو اور اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب انہیں مکہ کے کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پہنچ گئے۔ اول تو دشمنوں کے درمیان سے صحیح سالم نکال دینا پھر غار ٹوٹ کر عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا پھر جب دشمن غار کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمانا اور جو لوگ تلاش میں نکلے تھے ان کو ناکام واپس کر دینا اور پھر غار ٹوڑے نکال کر چھپا کرنے والے دشمنوں کو محفوظ فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا۔ یہ سفر ہجرت کے واقعات ہیں پورے سفر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ جب آپ نے سفر کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ پر لٹا دیا اور آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صبح ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے جب صبح ہوئی تو لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کی جگہ پایا اور ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھی کہاں ہیں اس پر انہوں نے لاعلمی ظاہر کی وہ لوگ آپ کو تلاش کرنے کے لئے چل دیئے۔ اور غار ٹوڑے کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف نظر کرے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا لَا تَحْذَرْنَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (تم گھبراؤ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ) آپ نے تین دن غار ٹوڑیں قیام فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ روزانہ رات کو دودھ لے جا کر پیش کر دیتا تھا۔ دونوں حضرات اس کو پی لیتے تھے۔ تین دن گزارنے کے بعد مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو گئے اور دسویں دن قبا پہنچ گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ مکہ کی غار کے دروازہ پر جالا پور دیا تھا۔ اسے دیکھ کر ان لوگوں نے سمجھا کہ اگر یہ حضرات اندر گئے ہوتے تو یہ جالا ٹوٹا ہوا ہوتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے

رسول اللہ ﷺ پر اطمینان نازل فرمایا اور آپ کے قلب مبارک پر تسلی نازل فرمائی۔ آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو تسلی دی کہ غمگین نہ ہو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

غار ثور کے ذکر کے ساتھ وَإِنَّكُمْ بِمُحَمَّدٍ لَمَّا تَرَوْهُ بھی فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسول کو ایسے لشکروں کے ذریعہ سے مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔ ان لشکروں سے کیا مراد ہے صاحب معالم التنزیل نے اس بارے میں تین قول لکھے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے فرشتے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے بھیجے گئے تھے کہ کافروں کی آنکھوں کو پھیر دیں۔ اور انکی نظریں آپ پر نہ پڑیں۔ دوم یہ کہ فرشتوں نے کفار کے دلوں پر رعب ڈال دیا اس کی وجہ سے واپس ہو گئے سوم یہ کہ خاص اسی موقع پر فرشتے نازل ہونا مراد نہیں ہے بلکہ بدر میں مدد کے لئے جو فرشتے آئے تھے وہ مراد ہیں۔ گویا وَإِنَّكُمْ بِمُحَمَّدٍ لَمَّا تَرَوْهُ جملہ مستانفہ ہے جس میں بدر کے موقع پر جو مدد ہوئی تھی وہ یاد دلانی پھر فرمایا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى (اور اللہ نے کافروں کے کلمہ کو نیچا کر دیا) اس سے کلمہ شرک مراد ہے۔ جو قیامت تک کے لئے نیچا ہو گیا۔ شرک والے اہل ایمان کے مقابلہ میں کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتے وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا (اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کلمۃ اللہ سے لا الہ الا اللہ مراد ہے۔ یہ ہمیشہ سے بلند ہے اور بلند رہے گا۔ بعض حضرات کا ایک قول ہے کہ کافروں کے کلمہ سے ان کا وہ مشورہ مراد ہے جس میں انہوں نے طے کر لیا تھا کہ صبح ہونے پر آپ کو شہید کر دیا جائے گا اور کلمۃ اللہ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت مراد ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۹۶ ج ۲) آیت کے ختم پر فرمایا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اسی کا ارادہ غالب ہے وہ حکیم بھی ہے اس کی طرف سے کبھی ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان مشکلات میں پھنس جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے نجات دے دیتا ہے۔ اور اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔ جن میں ایک حکمت یہ ہے کہ اہل ایمان کا ایمان مضبوط تر ہو جائے اور پھر مشکلات و مصائب سے نہیں گھبراتے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے اہل ایمان کو بڑی بڑی مشکلات سے نجات دی ہے۔

فائدہ: اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ سفر ہجرت میں اور غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے خادم خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ۔ جو فرمایا اس سے حضرت ابوبکر ہی مراد ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں انکے صاحب ہونے کی تصریح ہے اس لئے حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ ان کی صحابیت کا منکر کافر ہوگا۔ روافض (قبحہم اللہ) جنہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بغض ہے وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ ہی تھے اور لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا کا خطاب انہیں کو تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ لیا یا غار بنایا۔ انہوں نے پورے سفر میں خدمت کی تکلیفیں اٹھائیں سواری کا انتظام کیا اپنے غلام کو روزانہ دودھ بھیجنے پر مامور کیا ان کا بیٹا عبدالرحمن بن ابی بکر روزانہ رات کو حاضر ہوتا تھا اور مشرکین کے مشوروں سے مطلع کرتا تھا۔ یہ ساری محنت اور قربانی روافض کے نزدیک کوئی چیز نہیں (دشمن کو تو ہنر بھی عیب نظر آتا ہے) ان کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ العیاذ باللہ کافر تھے۔ انکی بات سے رسول اللہ ﷺ پر حرف آتا ہے کہ آپ نے ایک کافر کو ساتھ لیا اور اپنا رفیق سفر اور راز دار بنایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ نہ لیا جبکہ وہ مخلص مسلمان تھے۔ ان

بغض رکھنے والوں کو اور کوئی بات نہ ملی تو یہ نکتہ نکالا کہ حضرت ابوبکرؓ غار ثور پر کافروں کے پہنچنے سے گھبرا گئے۔ یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے یہ امور طبعیہ میں سے ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے نبی تھے۔ جب ان کے سامنے جادو گروں نے لٹھیاں ڈالیں اور وہ سانپ بن گئیں تو ان کے جی میں خوف کا احساس ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ شائد نے اس سے پہلے ان کی لٹھی کو سانپ بنا کر پھر سانپ کو لٹھی بنا کر دکھا دیا تھا اور جب فرعون کو تبلیغ کرنے کے لئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا لَا تَخَافَا الْاِنْفٰی مَعَكُمْ اَنْتُمْ وَاٰوٰی۔ اس سب کے باوجود جب جادو گروں کی لٹھیاں اور رسیاں سانپوں کی صورت میں نظر آئیں تو طبعی طور پر خوف محسوس کرنے لگے۔ یہ خوف طبعی تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی غار ثور کے منہ پر دشمنوں کے پہنچنے سے طبعی طور پر فکر لاحق ہو گیا تو اس میں کون سے اشکال و اعتراض کی بات ہے؟ روافض یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شائد نے انزال سکینہ کا ذکر فرماتے ہوئے فِيْ اَنْزَلِ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَیْكَ فرمایا علیہما نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ پر سکینہ نازل نہیں ہوئی۔ یہ بھی ان لوگوں کی ضلالت اور جہالت کی بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر بلا واسطہ سکینہ نازل فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کو نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے تسلی دی آپ نے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا معنا میں جو ضمیر جمع متکلم کی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) روافض اس کو نہیں دیکھتے اور علیہ کی ضمیر کو دیکھتے ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ علیہ کی ضمیر میں دونوں احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہو۔ اور دوسرا یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ضمیر راجع ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے اس کو اختیار فرمایا ہے۔ یہ بھی درست ہے بلکہ اقرب ہے کیونکہ قریب ترین مرجع صاحبہ ہے اور یہ احتمال اسلئے بھی اقرب ہے کہ حضرت صدیق اکبر ہی کو فکر لاحق ہوئی تھی جسے فکر لاحق ہو انزال سکینہ اسی پر ہونا چاہئے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو بہت ہی مطمئن تھے۔ اور آپ کو پہلے ہی سے سکینہ حاصل تھا۔ ورنہ گھبراہٹ کا الزام رسول اللہ ﷺ پر آ جاتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فکر مند ہونا بڑی دلی کی وجہ سے اور اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا انہیں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کی حفاظت کا خیال ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا ان اقتل فلانا رجل واحد وان قتلنا هلك الامم (اگر میں مقتول ہو گیا تو میں ایک ہی آدمی ہوں اور اگر آپ کی ذات مبارک پر حملہ کر دیا تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی)۔

در منثور (ص ۲۳۱ ج ۲) میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں پہنچنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپ محفوظ اور صحیح سالم رہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہائے قدم کا پتہ نہ چل جائے آنحضرت ﷺ کو اپنے اوپر اٹھا کر انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ ان کی انگلیاں چھل گئیں۔

پھر جب غار ثور میں پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ باہر تشریف رکھیں میں پہلے اندر داخل ہوتا ہوں اگر کوئی تکلیف دہ صورت حال پیش آئے تو مجھ ہی پر گزر جائے آپ محفوظ رہیں گے اس کے بعد پہلے خود اندر گئے غار کو صاف کیا اس میں جو سوراخ تھے اپنا کپڑا پھاڑ پھاڑ کر انہیں بند کرتے رہے ایک سوراخ رہ گیا جس کا منہ بند کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ملا لہذا انہوں

نے اس پر ایڑھی لگادی اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر بلا لیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سوراخ کے اندر سے سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن انہوں نے اس ڈر سے کہ کہیں آپ کی آنکھ نہ کھل جائے سوراخ کے منہ سے نہ تو پاؤں ہٹایا اور نہ ذرا سی حرکت کی۔ تکلیف کہ وجہ سے انکے آنسو بہنے لگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر گر گئے۔ آنسو گرنے سے آپ کی آنکھ کھل گئی اور آپ نے فرمایا کہ ابو بکر کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے تو کسی نے ڈس لیا ہے۔ آپ نے اپنا العاب مبارک ڈال دیا جس کی وجہ سے اُن کی تکلیف جاتی رہی۔ (در مشورص ۲۳۱ ج ۲ و مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۶) اس جاں نثاری اور فداکاری کو دیکھو اور روافض کی اس جاہلانہ بات کو دیکھو کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ (العیاذ باللہ)

روافض یہ بھی کہتے ہیں کہ لصاحِبہ سے ساتھی ہونا مراد ہے صحابی ہونا نہیں۔ یہ بھی ان کی جہالت کی بات ہے۔ صحابی اسی کو تو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت ایمان دیکھ لے اور ایمان پر اسکی موت ہو جائے۔ سورۃ الفتح میں شرکاء حدیبیہ کی تعریف کرتے ہوئے جو فرمایا ہے۔ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ۔

اس میں حضرت ابو بکرؓ کے مومن ہونے کی بھی شہادت ہے اور سکینہ نازل ہونے کی بھی بیعت حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی تھی اگر انزال سکینہ ایمان کے لئے شرط ہے تو حدیبیہ کے تمام حاضرین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمانے کی خبر دی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ لیکن روافض نہ اللہ سے راضی ہیں نہ اللہ کے رسولؐ سے حضرت ابو بکرؓ کے کفر کے قائل ہیں اور انہیں یہ فکر نہیں کہ ہمیں خود مسلمان ہونا چاہئے۔ قرآن کا منکر اپنے ایمان کی فکر تو کرے۔ جسے شقاوت گھیر لے اور جس پر گمراہی مسلط ہو جائے اسے کہاں سے ہدایت نصیب ہوگی۔ وَالَّذِينَ لَا تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَلَكِنْ تَعْلَمُونَ الْقُلُوبَ الْغَیْبَةَ فِي الضُّلُومِ۔ (پس بیشک ان آنکھیں اندھی نہیں ہیں لیکن دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد سنئے۔ اُن کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ آپ ابو بکرؓ سے افضل ہیں تو وہ اس پر رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم ابو بکرؓ کی ایک رات اور ایک دن عمرؓ کے تمام اعمال سے بہتر ہے۔ رات تو نبی غار ثور والی جس کا ذکر اوپر ہوا اور دن وہ جب کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی تو عرب کے بعض قبائل مُرد ہو گئے ان میں سے بعض نے کہا ہم نماز پڑھیں گے زکوٰۃ نہ دیں گے اور بعض نے کہا نہ نماز پڑھیں گے نہ زکوٰۃ دیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے جہاد کا اعلان فرمادیا۔ میں خیر خواہ بن کر اُن کی خدمت میں آیا اور میں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ لوگوں کو مانوس رکھئے اور نرمی اختیار فرمائیے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ تم جاہلیت کے زمانہ میں بڑے بہادر تھے اسلام میں بُد دل بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ وحی آنا ختم ہو گیا۔ اللہ کی قسم اگر ایک رسی بھی رسول اللہ ﷺ کو زکوٰۃ کی مد میں دیتے تھے اور اسے روک لیں گے۔ تب بھی ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر ہم نے ان کے ساتھ قتال کیا۔ اللہ کی قسم ان کی رائے صحیح تھی ان کا یہ دن بھی ایسا ہے کہ میرے سارے

اعمال اس کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (درمنثور ص ۲۴۲ ج ۳)

روافض نے یہ طریقہ نکالا ہے کہ جب ان سے کوئی مسلمان حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں ہم تو انہیں مسلم مانتے ہیں یہ بھی تفسیر کہتے ہیں اور تفسیر میں بھی تفسیر کرتے ہیں کیونکہ مسلم کہہ دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ظاہری اعتبار سے انہوں نے اسلام کے اعمال قبول کر لئے تھے۔ یہ لوگ انہیں مومن کہنے کے لئے تیار نہیں۔ مومن کا لفظ اپنے لئے ہی الاٹ کر رکھا ہے۔ روافض اپنی اہوا و نفسانیہ کے پابند ہیں جو یہود کے سکھانے سے ان میں رنج و کینہ ہے۔ اعاذ اللہ تعالیٰ الامۃ من خوارطائہم۔

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ

نکل کھڑے ہو چکے ہونے کی حالت میں اور بھاری ہونے کی حالت میں اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۖ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَكِنْ

اگر تم جانتے ہو۔ اگر قریب ہی میں سامان ملنے والا ہوتا اور سفر معمولی ہوتا تو وہ آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۖ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ

ان کو مسافت دور دراز نظر آئی۔ اور وہ عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے

يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝

وہ اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں

غزوہ تبوک میں مومنین مخلصین کی شرکت

اور منافقین کی بے ایمانی اور بد حالی کا مظاہرہ

تفسیر: جب تبوک چلنے کے لئے حکم ہوا تو مسلمان بھاری تعداد میں آپ کے ہمراہ چلنے کے لئے تیار ہو گئے اور جن کو کچھ تردد ہوا تھا۔ بعد میں وہ بھی ساتھ ہو لئے۔ کچھ لوگ مریض تھے وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے نہ جاسکے اور کچھ لوگ منافق تھے جن کے دو فریق تھے۔ ایک فریق تو وہ تھا جس نے جھوٹے عذر پیش کر کے آپ سے اس بات کی اجازت لے لی کہ آپ کے ساتھ نہ جائیں۔ اور اس وقت ان کا نفاق بالکل کھل کر سامنے آ گیا اور منافقین کا دوسرا فریق وہ تھا جو جاسوسی کے لئے اور شرارت کرنے کے لئے ساتھ ہو لیا تھا۔ ان کی باتوں کا تذکرہ اسی سورت میں آ رہا ہے (ان شاء اللہ تعالیٰ) انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا۔ میں اول تو مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ ہلکے ہو یا بھاری ہو اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو اور اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔ خِفَافًا اور ثِقَالًا۔ کا ترجمہ تو یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا (یعنی ہلکے اور پھلکے) لیکن اس کا مصداق بتاتے ہوئے مفسرین نے متعدد اقوال لکھے

ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صحیح اور مریض ہونا مراد ہے اور بعض حضرات نے مالدار اور تنگدست ہونا مراد لیا ہے اور بعض حضرات نے بوڑھا اور نو عمر ہونا اور بعض حضرات نے مٹا ہوا اور دبلا پن مراد لیا ہے چونکہ الفاظ میں ان سب باتوں کی گنجائش ہے اس لئے سبھی کو مراد لیا جاسکتا ہے لیکن ثَقَالًا سے مریض مراد لینا محل نظر ہے کیونکہ مریض عذر شرعی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے خروج کا حکم کیسے ہوا؟

چونکہ اس آیت کا حکم ہوا ہے کہ ہر حالت میں فی سبیل اللہ نکل کھڑے ہوں اور جہاد ہمیشہ بطور فرض عین فرض نہیں ہوتا اور دوسری آیت میں وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً فرمایا ہے۔ اس لئے بعض مفسرین نے اس آیت کے عموم کو منسوخ مانا ہے۔ اگر آیت کو غزوہ تبوک ہی سے متعلق مانا جائے اور امراض والوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔ جیسا کہ آیت شریفہ لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ میں مذکور ہے تو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ معذور نہیں ہیں وہ نکل کھڑے ہوں۔ مالدار بھی نکلے اور تندرست بھی نکلے بوڑھا بھی اور جوان بھی مٹا بھی دبلا بھی۔ اس کے بعد ان منافقین کا حال بیان فرمایا جنہوں نے مجاہدین کے ساتھ جانا منظور نہیں کیا تھا۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ طالب دنیا ہیں اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ جلدی ہی سے کوئی دنیاوی سامان مل جائے گا یا سفر ہی ایسا ہوتا کہ اُسے مشقت کے بغیر برداشت کر لیتے تو آپ کے ساتھ ہو لیتے۔ اس ساتھ لگنے میں ان کے اسلام کے ظاہری دعویٰ کا بھرم رہ جاتا اور جن دنیاوی منافع کے لئے انہوں نے ظاہر اسلام قبول کیا ہے ان منافع کی اُمید بدستور قائم رہتی لیکن سفر کے بارے میں جو انہوں نے غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ تو سفر بہت لمبا ہے اور سخت تکلیف دہ ہے۔ لہذا ان کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا اور انہوں نے ہمراہ نہ جانے ہی کو اپنے لئے پسند کیا اور ساتھ نہ گئے۔ منافقین تھوڑی بہت تکلیف تو جھیل جاتے تھے لیکن جب زیادہ تکلیف کا موقع آتا تھا تو ان کا نفاق کھل جاتا تھا۔

جب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لے آئے تو ان لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم میں جانے کی قوت اور طاقت نہ تھی اگر ہم میں سکت ہوتی اور ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے اسکے بارے میں پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی تھی وَسَيَعْلَمُونَ يَاللّٰهُ لَوْ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ منافقین کے عذر پیش کرنے کا تذکرہ چند رکوع کے بعد آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

پھر يُهَيِّجُ كُنُفَهُمْ (یہ لوگ اپنے نفسوں کو ہلاک کر رہے ہیں) کیونکہ نفاق کی وجہ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ جانے کو اختیار کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو دوزخ میں داخل کرنے کا ڈھنگ بنا چکے ہیں۔ پھر فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ۔ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہم میں سکت ہوتی یا ہمارے بس میں ہوتا تو ساتھ چلے چلتے یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ قوت اور طاقت ہوتے ہوئے ساتھ نہ گئے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذْنَبْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَّبِعَنَّ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمُ

اللہ نے آپ کو معاف فرمادیا آپ نے ان کو کیوں اجازت دی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جب تک آپ جھوٹوں کو

الْكَذِبِينَ ۝ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا

معلوم نہ کر لیتے۔ آپ سے وہ لوگ اجازت نہیں مانگتے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمُ الْبَالِغِينَ ۝ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

مالوں اور جانوں سے جہاد کریں۔ اور اللہ متقیوں کو جانتا ہے۔ آپ سے وہی لوگ اجازت مانگتے ہیں جو

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَانْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَمَا فِي رَبِّهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۝ وَلَوْ

اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سودہ اپنے شک میں حیران ہیں۔ اور اگر

أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوْا لَهُ عُدَّةً ۚ وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ

وہ لوگ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لئے ضرور تیاری کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند نہیں فرمایا سو ان کو روک دیا اور کہا گیا

اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ۝ لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا ۚ وَلَا أَوْضَعُوا خِلَافَكُمْ

کہ بیٹھے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تم میں شامل ہو کر نکل جاتے تو زیادہ فساد کرنے کے سوا کچھ کام نہ کرتے اور تمہارے درمیان

يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيكُمْ سَمْعُونُ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ لَقَدْ

فتنہ پرداز کی فکر میں تیری کے ساتھ دوڑے پھرتے اور تمہارے اندر وہ لوگ ہیں جو ان کے لئے جاسوسی کرنے والے ہیں اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔ وہ

ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَبُوا الْأُمُورَ حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ

پہلے سے فتنہ پرداز کی فکر میں لگے رہے ہیں اور آپ کے لئے کاروائیوں کا اٹک پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہوا حالانکہ ان کو

كَرْهُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَقْتُلْنِي ۖ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا

ناگوار ہو رہا تھا۔ اور ان میں ایسا شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ آپ مجھے اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالے خبردار وہ فتنے میں پڑ چکے ہیں

وَإِنْ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝

اور بلا شبہ جہنم کافروں کو گھیرنے والا ہے۔

منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے غزوہ تبوک کی شرکت سے رہ گئے

تفسیر: منافقین نے تبوک نہ جانے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر پیش کر کے شریک نہ ہونے کی اجازت لیتے رہے آپ نے اجازت دے دی۔ اس اجازت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا۔ لیکن عتاب میں بھی ایک لطف ہے اول یوں فرمایا عَفَا اللَّهُ عَنْكَ (یعنی اللہ نے آپ کو معاف فرمادیا) اس کے بعد

عتاب فرمایا، اور یوں فرمایا کہ آپ نے لوگوں کو اجازت کیوں دی؟ یہ موقعہ بچوں اور جھوٹوں کے جاننے کا تھا آپ اجازت دینے میں جلدی نہ فرماتے تو معلوم ہو جاتا کہ سچا عذر پیش کرنے والے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔

حضرت عمرو بن میمون نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو کام ایسے کئے جن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ تھا۔ اول یہ کہ آپ نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر منافقین کے اعذار سن کر شرکت نہ کرنے کی اجازت دے دی اور دوسرے یہ کہ آپ نے بدر کے قیدیوں کے بدلہ فدیہ لینے والی رائے کو اختیار فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں پر عتاب فرمایا (معالم التنزیل ص ۲۹۷ ج ۲) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ عتاب ترک اولیٰ پر ہے۔ آپ اجازت دینے میں توقف فرماتے تو اچھا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اولیٰ اہل ایمان کا حال بیان فرمایا ہے لَاسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اِنْ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ (جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اس بات کی اجازت نہیں لیتے کہ اپنے جانوں اور مالوں کو جہاد میں لگائیں) کیونکہ وہ تو حکم سنتے ہی تیار ہو جاتے ہیں وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ (اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے اور پھر منافقین کا ذکر فرمایا) لَاسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اِنْ تَابُوا فَلَهُمْ (جہاد میں نہ جانے کی وہی لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں شک ہے) فَهُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّنْ كَفَرُوا (سودہ اپنے شک میں حیران ہو رہے ہیں) کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ساتھ چلے جائیں تو اچھا ہے تا کہ منافقت کا بھرم نہ کھلے اور کبھی سوچتے ہیں کہ سفر اور دھوپ کی مصیبت بہت بڑی ہے اس لئے نہ جائیں تو اچھا ہے گا۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لی تھی کہ ہم جہاد میں نہ جائیں اور ان کو کوئی عذر نہ تھا۔ بعض روایات کے مطابق یہ ۳۹ آدمی تھے۔

پھر فرمایا کہ منافقین تمہارے ساتھ نہیں گئے۔ ان کے جانے کا ارادہ ہی نہ تھا۔ اگر جانے کا ارادہ ہوتا تو کچھ سامان کرتے۔ سامان کا بھی انتظام نہیں کیا اور آپ سے اجازت لے کر اپنے لئے ایک بہانہ بھی بنالیا کہ ہمیں اجازت مل گئی۔ اجازت نہ دی جاتی تب بھی ان کو جانا ہی نہ تھا۔ اگر واقعی جانے کا ارادہ ہوتا اور جانے کے لئے تیاری کرتے پھر کچھ عذر واقعی پیش آ جاتا اور اجازت لیتے تو اجازت لینے کا کچھ معنی بھی ہوتا بات یہ ہے کہ ان کا جانے کا اپنا ارادہ ہی نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ فیصلہ ہوا کہ یہ لوگ نہ جائیں، تنکوینی طور پر اللہ نے ان کو روک دیا اور ان کو تمہارے ساتھ جانے کی توفیق نہیں دی اور تنکوینی طور پر انہیں بیٹھنے والوں یعنی اپانچ اور واقعی معذورین کے ساتھ رہ جانے کا جو فیصلہ ہوا تھا اسی کی وجہ سے بیٹھے رہ گئے اور جانے سے رک گئے۔

پھر فرمایا کہ اے مسلمانو! ان کے نہ جانے سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ فائدہ ہی ہوا۔ کیونکہ اگر یہ تمہارے ساتھ نکل جاتے تو تمہارے بارے میں شر اور فساد کو بڑھانے ہی کا کام کرتے۔ اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے۔ مثلاً لگائی بجھائی کرتے تمہارے درمیان تفرقہ ڈلاتے اور جھوٹی خبریں اڑا کر تمہارے دلوں میں انتشار پیدا کرتے۔ دشمن کی تعداد زیادہ بنا کر تمہارے دلوں کو مرعوب کرنے کی دوڑ دھوپ میں لگتے۔ مزید

فرمایا وَفِيكُمْ سَعُيُونُ لَهُمْ (اور تمہارے اندر ایسے لوگ ہیں جو ان کے لئے جاسوسی کرتے ہیں) گو ساتھ چل کر آ گئے ہیں لیکن ان کی نیت جہاد فی سبیل اللہ کی نہیں ہے۔ تمہارے اندر گھل مل کر تمہاری خبریں لینا اور ان لوگوں کو پہنچانا جو تمہارے ساتھ نہیں آئے یہ ان کا مشغلہ ہے۔

وَاللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ (اور اللہ کو ظالموں کا پوری طرح علم ہے) وہ ان کے ظلم کا بدلہ دے گا۔ اس کے بعد منافقین کی جماعت کی پرانی شرارتوں کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ کہ (اس غزوہ سے پہلے بھی وہ فتنہ کی راہ تلاش کر چکے ہیں) یہ لوگ غزوہ احد کے موقع پر بھی راستہ سے واپس چلے گئے تھے وَقَلَّبُوا أَكْ الْأُمُورَ اور آپ کو تکلیف دینے کی کارروائیوں میں الٹ پھیر اور طرح طرح کی مکاریاں اور ایذا پہنچانے کی تدبیریں کرتے رہے ہیں حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرُهُونَ (یہاں تک کہ سچا وعدہ آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اگرچہ انہیں ناگوار ہو رہا تھا) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ ان کی تدبیریں اور شرارتیں پہلے سے جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے محفوظ فرمایا۔ آئندہ کے لئے بھی ان کی مفسدانہ کاروائیوں کا خیال نہ لانا اور اب جو یہ لوگ تبوک کے لئے آپ کے ہمراہ روانہ نہ ہوئے اس سے بھی رنجیدہ نہ ہوں۔ اللہ کی راہ میں جہاد نہ کرنا اور اسلام اور داعی اسلام کی دشمنی پر کمر بستہ رہنا یہ ان کی پرانی عادت ہے۔

اس کے بعد ایک منافق کے بیان کردہ عذر کا تذکرہ کیا اور فرمایا وَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ اِنَّكَ لَن تَصِيْحَتِي اور ان میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو یوں کہتا ہے کہ مجھے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالنے معاملہ التفریل (ص ۲۹۹ ج ۲) میں لکھا ہے کہ جد بن قیس ایک منافق تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے غزوہ تبوک میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کیا تجھے رومیوں سے جنگ کرنے میں رغبت ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میرا حال یہ ہے کہ عورتوں سے مجھے عشق ہے اور عورتوں کو دیکھ کر قابو میں نہیں رہتا رومیوں کی گورے رنگ کی لڑکیاں دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہوگا آپ مجھے یہیں رہنے کی اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے۔ میں مال سے امداد کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس نے یہ بہانہ تلاش کیا تھا اور منافقت کے سوا اس کو کوئی معذوری نہ تھی۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا اور اس کو اجازت دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا۔ (خبردار وہ فتنہ میں پڑ چکے ہیں) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا اور منافقت اختیار کرنا یہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔ وَإِنْ جَهَنَّمَ لَكُفْيَةٌ بِالْكَافِرِينَ (اور بلاشبہ جہنم کا فروں کو اپنے گھیرے میں لینے والی ہے) یہ ان کے اس فتنہ کی سزا ہے جس میں وہ پڑ چکے ہیں۔

إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرًا مِنْ

اگر آپ کو اچھی حالت پیش آ جائے تو انہیں بُری لگتی ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا کام

قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرَحُونَ ۝ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا

سنبھال لیا تھا اور پشیمیر کر خشن ہوتے ہوئے چل دیتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ اس کے علاوہ میں تکلیف نہ پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھی ہے وہ ہمارا کارساز ہے

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا أَحَدَى الْحُسَيْنَيْنِ

اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔ آپ فرمادیتے کہ تم ہمارے بارے میں یہی انتظار کرتے ہو کہ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی مل جائے اور ہم تمہارے بارے

وَمَنْ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عُنْدِهِ أَوْ يَأْتِيَ بِنَا آيَةً تَرَبَّصُوا

میں یہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنے پاس سے کوئی عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں سے عذاب دے دے سو تم انتظار کرو۔

إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ﴿۱۱﴾

بلاشبہ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں

منافقین کی بد باطنی کا مزید تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں منافقین کی مزید بد باطنی کا اظہار فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی ﷺ یہ لوگ ایمان کے مدعی ہیں کہنے کو آپ کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اندر سے ان کا یہ حال ہے کہ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے مثلاً دشمن کے مقابلہ میں کامیابی ہو جائے مال غنیمت مل جائے تو انہیں یہ بات بری لگتی ہے وہ اس سے ناخوش ہوتے ہیں کہ آپ کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو یا کسی بھی طرح کی کوئی خیر مل جائے۔ اور اگر آپ کو کبھی کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اپنی سمجھداری کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم کیسے اچھے رہے ہم نے پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا ان کے ساتھ لگتے تو ہم بھی مصیبت میں پڑتے یہ باتیں کرتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں مومن کی شان تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر حال میں رہے خوشحالی میں بھی آپ کا ساتھی ہو اور مصیبت میں بھی۔

روح المعانی (ص ۱۱۴ ج ۱۰) میں بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو منافقین غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہ گئے وہ لوگوں سے کہتے رہے کہ بس جی محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تو بڑی مصیبت میں پڑ گئے۔ بڑی مشقت کا سفر اختیار کیا۔ اب یہ ہلاک ہو کر رہیں گے۔ پھر جب انہیں یہ خبر ملی کہ دشمن مرعوب ہو گیا اور آپ صبح سالم اپنے صحابہ کے ساتھ واپس تشریف لارہے ہیں تو انہیں یہ یاد آگیا۔ اس پر آیت شریفہ إِنْ تُصِيبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ تَسُؤْهُمْ نازل ہوئی۔

اس کے بعد فرمایا قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا۔ یعنی آپ ان سے فرمادیجئے کہ ہمیں وہی حالت پیش آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمادی ہے۔ خوشحالی خوبی اور بہتری ہو یا کسی قسم کا کوئی حادثہ ہو جائے یا ڈکھ تکلیف سے دوچار ہو جائیں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے مقدر اور مقدر ہے هُوَ مَوْلَانَا اللہ تمہارا مددگار ہے ہمارا ولی ہے ہم اسکی قضاء اور قدر پر راضی ہیں۔ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔ اور ہماری ہر حالت میں اس نے خیر رکھی ہے۔ فتح ظفر ہو جائے۔ مال غنیمت مل جائے تو یہ بھی خیر ہے اگر تکلیف پہنچ جائے تو اجر و ثواب کے اعتبار سے وہ بھی خیر ہے اور ہم میں سے

جو لوگ جام شہادت نوش کرتے ہیں یہ بھی خیر ہے۔ وَعَلَى اللَّهِ فليتوكل المؤمنون اور مومنین ہمیشہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں اپنے سارے امور اللہ ہی کے سپرد کریں اور اسی سے خیر و خوبی اور خوشحالی کی امید رکھیں۔ مومنین کا بھروسہ صرف اللہ پر ہے۔ وہ اسباب بھی اختیار کر لیتے ہیں لیکن بھروسہ اسباب پر اور ہتھیاروں پر اور اپنی قوت اور طاقت پر نہیں کرتے۔ اسباب کو اختیار کرنا تقدیر اور توکل کے خلاف نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے توکل بھی سکھایا اور اسباب بھی اختیار فرمائے اور اسباب اختیار کرنے کا حکم بھی دیا آپ نے جو فرمایا اور جو کر کے دکھایا اہل ایمان اسی کو اختیار کرتے ہیں نہ ترک اسباب کریں اور نہ اسباب پر بھروسہ رکھیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں بَانَ يَفْضُوْا اَمْرَالِيْهِ سُبْحَانَهُ وَلَا يَنْفِيْ ذٰلِكَ التَّشْبِيْثُ بِالْاَسْبَابِ الْعَادِيَةِ اِذَا لَمْ يَعْتَمِدْ عَلَيْهَا (اس طرح کہ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کردیں اور معروف اسباب اختیار کرنا اس کے منافی نہیں ہے جب کہ اسباب پر بھروسہ نہ ہو) (ص ۱۱۵ ج ۱۰)

پھر فرمایا قُلْ هَلْ كَرِهْتُمْ اَنْ يَّكُوْنَ الْاَحَدُ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الآیہ) کہ اے منافقو! دنیا میں دو ہی حالتیں ہیں جو انسانوں کو پیش آتی رہتی ہیں ایک اچھی صورت حال دوسری تکلیف دہ حالت تم ہمارے بارے میں انہیں دونوں حالتوں کے منتظر رہتے ہو کہ دیکھو آگے ان کو بہتر حالت پیش آتی ہے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہمارے لئے تو دونوں ہی حالتیں فائدہ کی ہیں۔ فتح ظفر نصیب ہو جائے مال غنیمت مل جائے یا اور کسی بھی طرح کی بہتری سے اللہ تعالیٰ ہمیں نواز دے تو یہ بھی ہمارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر کوئی تکلیف دہ صورت پیش آ جائے تو ہمارے لئے وہ بھی خیر ہے۔ ہمارے افراد مقتول ہوتے ہیں تو شہادت کا درجہ پاتے ہیں اور ہمیں ہر حال میں ہر مصیبت پر اجر ملتا ہے۔ ہمارے لئے ہر صوحت حال بہتر ہے اور ہم ہر حال میں نفع میں ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جیسے تم ہمارے بارے میں حالات کے سازگار یا ناسازگار ہونے کے منتظر رہتے ہو ہم بھی تمہارے بارے میں منتظر ہیں لیکن ہمارے انتظار میں فرق ہے۔ تم تو ہمارے بارے میں دو بہتر صورتوں میں سے کسی ایک بہتری کے منتظر رہتے ہو (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) لیکن ہم تمہارے بارے میں اسی کے منتظر ہیں کہ ہمیں استعمال کئے بغیر اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں تم کو عذاب دے۔ اب تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں اور سمجھ لو کہ انجام کے طور پر تمہاری ہی بربادی ہوگی۔

قُلْ اَنْفِقُوا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَسِقِيْنَ ۝ وَمَا

آپ فرماتے ہیں کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے ہرگز تم سے قبول نہ کیا جائے گا بلاشبہ تم باغیان لوگ ہو۔ اور ان کے ضدقات قبول کئے جانے سے

مَنْعَهُمْ اَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ اِلَّا اَنْهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَا يَأْتُوْنَ

کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ لوگ

الصَّلٰوةِ اِلَّا اَوْهُمْ كُسَالٰى وَلَا يَنْفِقُوْنَ اِلَّا اَوْهُمْ كَرِهُوْنَ ۝ فَلَا تَعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

نماز نہیں پڑھتے مگر سستی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ سو آپ کو ان کے مال

وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

اور ان کی اولاد تجب میں نہ ڈالیں اللہ یہی چاہتا ہے کہ انہیں دنیا والی زندگی میں ان چیزوں کے ذریعہ عذاب دے اور یہ کہ ان کی جانیں

أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝ وَيَحْلِفُونَ ۝ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ

اس حال میں نکل جائیں کہ کفر کی حالت میں ہوں۔ وہ لوگ قسم کھاتے ہیں کہ بلاشبہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، لیکن وہ ایسے لوگ ہیں

قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ۝ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغْرَبًا أَوْ مَذْخَلًا لَّوَكُنُوا إِلَيْهِمْ وَهُمْ

جوڑتے ہیں اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ یا کوئی غار مل جائے یا گھس بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ حاصل ہو جائے تو پیٹھ پھیر کر جلدی سے اسی کی طرف

يَجْمَحُونَ ۝

دوڑے چلے جائیں۔

منافقین کا مال مقبول نہیں، جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم سے ہیں

تفسیر: صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ آیت قُلْ أَتَفْقَهُوا طُغْيَانًا وَلَئِنَّكُمْ كَاذِبُونَ کے بارے میں نازل ہوئی جس نے کہا تھا کہ میں رومیوں کی عورتیں دیکھ کر بے صبر ہو جاؤں گا۔ اس لئے مجھے ساتھ نہ لے جائیے لیکن مال کے ذریعہ آپ کی مدد کر دوں گا۔ اسکے جواب میں فرمایا کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ قبول نہ ہونے کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ مال لے کر آؤ گے تو اللہ کے رسول ﷺ قبول نہ فرمائیں گے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ثواب نہ دے گا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ دونوں ہی معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔ آیت کا سبب نزول خواہ جہ بن قیس ہی کا واقعہ ہی ہو لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں جو تمام منافقین کو شامل ہیں۔

اس کے بعد منافقین کے کفر اور نماز میں سستی اور خرچ کرنے میں بددلی کا تذکرہ فرمایا وَمَا مَنَعَكُمْ اِنْ تَقْبَلُوهُمْ فَتُفْسِدُكُمْ اِلَّا اَنْتُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ (انکے صدقات کو قبول ہونے سے منع کرنے والی کوئی چیز اس کے علاوہ نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور رسول کے ساتھ کفر کیا) اور کفر کے ساتھ کوئی عمل مقبول نہیں۔ اور گو وہ اسلام کے مدعی ہیں اور کفر کو چھپائے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا کفر ان کے ڈھنگ سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ نماز جو ایمان کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے اور جو ایمان کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی علامت ہے اس کے لئے آتے ہیں تو سستی کے ساتھ ہارے جی آتے ہیں۔ گویا کہ ان پر بہت بری مصیبت آگئی۔ چونکہ دل سے نماز پڑھتے نہیں۔ دکھانے کے لئے پڑھتے ہیں اس لئے بددلی کا اثر اس طرح بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نمازوں میں دیر سے آتے ہیں اور اس طرح سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رکوع سجدہ ٹھیک طرح ادا نہیں کرتے، جلدی جلدی نمٹانے کی دھن میں رہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس میں زردی آ

جاتی ہے اور شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑے ہو کر چار ٹھونکیں مار لیتا ہے۔ یعنی جلدی جلدی سجدہ کر لیتا ہے اس میں بس اللہ کو ذرا یاد کرتا ہے۔ (رواہ مسلم) (ملاحظہ فرمائیے انوار البیان ص ۴۲۳ ج ۲ یا ص ۴۹۵ ج ۲)

یہ تو ان کی نماز کا حال ہے اور جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے بددلی کے ساتھ خرچ کرتے۔ جب ایمان نہیں تو آخرت کا یقین بھی نہیں لہذا مال خرچ کرنے پر ثواب کی امید بھی نہیں۔ جب ثواب کی امید نہیں تو خوش دلی سے خرچ کرنے کی کوئی وجہ نہیں لامحالہ بددلی سے خرچ کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ (الآیۃ) (کہ ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں) کیونکہ یہ چیزیں مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں ہیں۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں مردود ہوتے تو ان کے اموال اور اولاد میں کثرت کیوں ہوتی۔ یہ کثرت بطور استدراج ہے جو ان کے لئے باعث عذاب ہے۔ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِمَا فِي الصُّبُورِ الدُّنْيَا۔ (اللہ یہی چاہتا ہے کہ دنیا میں ان چیزوں کے ذریعہ انہیں عذاب دے) پہلا عذاب تو یہ ہے کہ مال جمع کرنے میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں، مصیبت جھیلتے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کا ذرا دھیان نہیں کرتے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے جو تکلیف اٹھائی جائے وہ ہلکی اور آسان ہو جاتی ہے۔ نیز یہ مال اُن کے لئے اس لئے بھی دنیا میں عذاب بنے ہوئے ہیں کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے شرما کر حضوری زکوٰۃ بھی دے دیتے ہیں اور جہاد میں بھی خرچ کرتے ہیں جس سے ان کا دل دکھتا ہے۔ یہ دل کا دکھنا بھی عذاب ہے۔ ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے خرچ کرتے تو یہ خرچ کرنا خوشی کا باعث بن جاتا۔ اور اولاد کے ذریعہ دنیا میں عذاب دیئے جانے کا یہ مطلب ہے کہ اولاد کی پرورش اور پرداخت میں بہت تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اور اس تکلیف پر کسی ثواب کی امید نہیں پھر بعض مرتبہ ان کے بیٹے جہاد میں مقتول ہو جاتے ہیں اور اس قتل پر بھی رنجیدہ ہوتے ہیں کیونکہ ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے شہادت کے ثواب کا یقین نہیں رکھتے۔

پھر فرمایا وَيَذَرُوكَ أَنْفُسَهُمْ وَهُمْ لَا يُفْقِدُونَ اور اللہ چاہتا ہے کہ ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔ (تاکہ آخرت کے عذاب میں بھی گرفتار ہوں) اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے ساتھ رہتے ہیں اسکی کتاب سنتے ہیں معجزات دیکھتے ہیں پھر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان لانے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اب کفر پر ہی مریں گے۔

پھر منافقین کی قسموں کا ذکر فرمایا وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اَنْهُمْ لَا كُفْرَ لَهُمْ (اور ان کا یہ طریقہ ہے کہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہیں میں سے ہیں) سچے مومن کو اپنے ایمان پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اہل ایمان اس کے حالات اور معاملات اور احوال و اعمال اور برتاؤ کو دیکھ کر ہی اسے مومن سمجھتے ہیں اور منافقین کا رنگ ڈھنگ بتاتا ہے کہ یہ اندر سے مومن نہیں ہیں اس لئے اہل ایمان ان سے بچتے ہیں اور انہیں اپنا نہیں سمجھتے لہذا بار بار قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تمہیں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا هُمْ بِكُفْرٍ (اور تم میں سے نہیں ہیں)۔

وَلَا كُفْرَهُمْ قَوْمٌ يَعْلَمُونَ (لیکن بات ہے کہ وہ ڈرنے والے لوگ ہیں) وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم ایمان کا دعویٰ نہ کریں تو ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو مشرکین اور یہود کے ساتھ ہوا۔ اب جبکہ مدینہ دارالاسلام بن گیا اور کافر ہو کر جینے کا موقع نہ رہا۔ تو جھوٹ موٹ ایمان کا دعویٰ کر دیا تاکہ جان مال محفوظ رہے اور جو منافع مسلمانوں سے حاصل ہوتے

ہیں وہ حاصل ہوتے رہیں۔ ڈرپوک آدمی کھل کر سامنے نہیں آ سکتا۔ اس لئے ان لوگوں نے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور قسموں کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں تاکہ مسلمانوں کی زد سے بچے رہیں۔

پھر منافقین کی قلبی بے تعلقی کا تذکرہ فرمایا کہ انہیں کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر نہیں اس لئے تم سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں اور تمہاری جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اگر انہیں کوئی ٹھکانہ مل جائے جس میں پناہ لے سکیں یا کوئی غار مل جائے جس میں چھپ سکیں یا داخل ہونے کیلئے کوئی دوسری جگہ مل جائے تو تیزی کے ساتھ اس میں چلے جائیں گے اور تمہاری طرف سے نظریں پھیر لیں گے۔ اور پوری طرح طوطا چشمی اختیار کر لیں گے۔ تم سے انہیں بالکل بھی قلبی تعلق نہیں ہے۔ ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے اور قسمیں کھا کے تمہیں مطمئن رکھنا چاہتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ

اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں سو اگر ان میں سے ان کو دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو اس

يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا

میں نہ دیا جائے تو اسی وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ اس پر راضی ہوں جو اللہ نے اور اس کے رسول نے انہیں دیا اور وہ یوں کہیں کہ

حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ۝

اللہ ہمیں کافی ہے۔ معقریب اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں

منافقین کا صدقات کے بارے میں طعن کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی تقسیم پر راضی ہونا

تفسیر: درمنثور (ص ۲۵۰ ج ۳) میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر غنیمت کے اموال تقسیم فرمائے تو میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ یہ تو ایسی تقسیم ہے جس کے ذریعہ اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا (العیاذ باللہ) میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بات کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا کہ اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکلیف دی گئی پھر انہوں نے صبر کیا اور آیت وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ نازل ہوئی۔

جن لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت رچی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ مال ہی سے خوش ہوتے ہیں دین و ایمان اور اعمال صالحہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے خوش نہیں ہوتے انہیں اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ ہمیں نعمت اسلام مل گئی اور اعمال صالحہ کی دولت نصیب ہوگئی بلکہ حب دنیا کی وجہ سے وہ دنیا ملنے ہی کے منتظر رہتے ہیں دنیا مل گئی تو خوش اور نہ ملی تو ناخوش۔ منافقوں کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اور دنیا کے منافع ہی کے لئے جھوٹے منہ سے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کر دیا

تھا اس لئے مال نہ ملے پر ان کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔ اسی کو فرمایا **فَإِنْ أَنْعَمُوا مِنْهَا رِضْوَانًا** (سو اگر ان کو صدقات میں سے مال دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں) **وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا آذَاهُمْ يَسْخَطُونَ** (اور اگر ان کو ان میں سے نہ دیا جائے تو اسی وقت ناراض ہو جاتے ہیں) طالب دنیا کو بس مال چاہئے جو فانی ہے اور ایمان اور اعمال صالحہ کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہلاک ہو دنیا کا غلام اور درہم کا غلام اور چادر کا غلام اگر کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے۔ یہ شخص ہلاک ہو اور اوندھے منہ گرے اور جب اُسے کا ٹٹا لگ جائے تو خدا کرے اس کا کائنات نکلے۔ (رواہ البخاری)

غور کرو رحمۃ للعالمین ﷺ نے طالب دنیا کو کیسی بددعا دی منافقوں کا حال بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا **وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ** (اور ان کے لئے بہتر تھا کہ جو کچھ اللہ نے اور اس کے رسول (ﷺ) نے انہیں دیا اس پر راضی ہوتے اور یوں کہتے کہ غنیمت اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول دے گا۔ اور یوں بھی کہنا چاہئے تھا کہ بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں) بات یہ ہے کہ مومن آدمی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے اُمیدیں باندھ رکھتا ہے تھوڑا مال جو اللہ کی طرف سے مل جائے اس پر بھی راضی رہتا ہے۔ اور منافق تھوڑے پر راضی نہیں ہوتا۔ برکتوں سے واقف نہیں ہوتا اللہ سے لو نہیں لگاتا ہر وقت مال ہی کی طلب اور حرص میں لگا رہتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ

صدقات صرف فقراء کے لئے اور مسکین کے لئے اور ان کا رکھنے کے لئے ہیں جو صدقات پر متعین ہیں اور ان لوگوں کے لئے ہیں جن کی دلجوئی کرنا منظور ہو

وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ

اور گروہوں کے چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرضہ میں اور اللہ کے راستہ میں اور مسافروں کے لئے ہیں۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ

عَلِيمٌ حَكِيمٌ

علیم ہے اور حکیم ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

تفسیر: صدقات سے یہاں زکوٰۃ مفروضہ مراد ہے اور اس کو جمع اس لئے لایا گیا کہ زکوٰۃ متعدد اموال پر واجب ہوتی ہے۔ چاندی، سونا، مال تجارت، اونٹ، گائے بکریاں، ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ بشرطیکہ نصاب پورا ہو۔ آیت شریفہ میں زکوٰۃ کے مستحقین کے اٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں۔ اور لفظ انما سے آیت کو شروع فرمایا ہے جو قصر پر دلالت کرتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے مال زکوٰۃ میں سے عطا فرمانے کا سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے اموال کے

بارے میں نبی یا غیر نبی کسی کا فیصلہ بھی منظور نہیں فرمایا، بلکہ خود ہی فیصلہ فرمایا اور آٹھ مصارف متعین فرمادیے۔ اگر تو ان آٹھ مصارف میں سے ہے تو میں دے سکتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۱)

اول تو فقراء کو زکوٰۃ کا مستحق بتایا اور اس کے بعد مساکین کا مستحق ہونا بیان فرمایا۔ فقراء فقیر کی جمع ہے اور مساکین مسکین کی جمع ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ موجود ہو مگر نصاب زکوٰۃ سے کم ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ مال زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں فقیر اور مسکین دونوں ہی مال زکوٰۃ کے مستحق ہیں البتہ بعض دیگر مسائل میں فرق کا اعتبار کیا گیا ہے مثلاً کسی نے وصیت کی کہ میرا تمام مال مسکینوں کو دے دیا جائے تو یہ مال مساکین کو ملے گا فقراء کو نہیں ملے گا۔ اور ایک فرق اور بھی ہے اور وہ یہ کہ فقیر کو سوال کرنے کی اجازت نہیں جبکہ اس کے پاس کھانے کو ایک دن کی خوراک موجود ہو اور تڑھکنے کو کپڑا بھی ہو اور مسکین کو سوال کرنے کی اجازت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ مال کی وہ کتنی مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا جائز نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس ایک دن کے صبح و شام کے کھانے کی ضرورت پورا کرنے کے لئے کچھ موجود ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں ہے (رواہ ابو داؤد ص ۲۳۰ ج ۱) اور مسکین بھی ضرورت پوری کرنے کے لئے وقتی طور پر سوال کر لے اس کو عادت نہ بنائے جب مانگنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو مسکین مسکین نہیں رہتا۔ وہ بہت سے مالداروں سے بھی مال میں آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور فقر و مسکنت کی حدود سے نکل کر بھی زکوٰۃ اور دیگر صدقات لیتا رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ پیسے والے کے لئے اور قوت والے تندرست آدمی کے لئے حلال نہیں ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقات میں مالدار کا اور تندرست کا جو کمائی کر سکتا ہو کوئی حصہ نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۱)

جو لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں ان میں تیسرے نمبر پر الْعَامِلِينَ عَلَیْهَا کا ذکر فرمایا۔ عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں امیر المومنین صدقات اور عثرو وصول کرنے پر مقرر کر دے۔ ان لوگوں کو ان کی مشغولیت کی وجہ سے صدقات میں سے اتنا مال دے دے جو ان کی محنت اور عمل کی حیثیت کے مطابق ہو نیز جو لوگ ان کے ماتحت کام کرنے والے ہوں ان کی تنخواہیں بھی ان کی محنت کے انداز سے دیدی جائیں۔ البتہ فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ جو مال وصول ہو۔ اس کے نصف تک عاملین اور ان کے معاونین کی تنخواہیں دی جاسکتی ہیں۔ نصف سے زائد مال نہ دیا جائے۔

مصارف زکوٰۃ بتاتے ہوئے۔ چوتھے نمبر تک مَوْلَیْفَةُ الْقُلُوبِ کو ذکر فرمایا ان کے بارے میں ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں کلام کریں گے۔

مصارف زکوٰۃ بتاتے ہوئے پانچویں نمبر پر وَفَی السَّوْقَابِ فرمایا۔ رقبہ کی جمع ہے۔ یہ لفظ مملوک کے لئے بولا جاتا ہے۔ جس کسی شخص کی ملکیت میں کوئی غلام ہو اور وہ اس غلام کو مکاتب بنا دے یعنی یوں کہہ دے کہ تو اتنا مال دیدے تو آزاد ہے۔ اسے مکاتب کہتے ہیں جب کسی آقا نے اپنے غلام کو مکاتب بنا دیا اور اب اسے اپنی آزادی کے لئے مال کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے آقا کو مال دے کر آزاد ہو جائے تو اس مکاتب کو زکوٰۃ کے مال سے دینا جائز ہے۔ چھٹے نمبر پر الْغَارِمِیْنَ فرمایا۔ یہ غارم کی جمع ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جن کے ذمہ قرض ہو اور ادائیگی کا انتظام نہ

ہو۔ اگرچہ خود لوگوں پر ان کے قرضے ہوں لیکن ان کو وصول کرنے سے عاجز ہوں ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے۔
 فتاویٰ عالمگیری (ص ۱۸۸ ج ۱) میں لکھا ہے کہ قرض دار کو زکوٰۃ دینا تاکہ اس کا قرضہ ادا ہو جائے عام فقراء کو دینے سے اولیٰ ہے البحر الرائق میں لکھا ہے کہ جس آدمی پر قرضہ ہوا کسی ملکیت میں اتنا مال نہ ہو جس سے قرضہ ادا کرنے کے بعد بقدر نصاب مال بچ جائے۔ اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اھ۔ بہت سے لوگوں پر قرضے ہوتے ہیں لیکن مال بھی پاس ہوتا ہے۔ اس مال سے قرضے ادا کر دیں تو قرضے ادا ہو کر بھی بقدر نصاب بلکہ اس سے بھی زیادہ مال بچ سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ لوگوں کو یہ بتا کر کہ ہم مقروض ہیں زکوٰۃ لیتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مال لینا حلال نہیں ہے اور نہ ان کو دینا جائز ہے مستحقین زکوٰۃ کو بیان فرماتے ہوئے ساتویں نمبر پر وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ فرمایا۔ فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو جہاد کرنے کے لئے نکلے تھے۔ اپنے ساتھیوں سے چھڑ گئے اور ان کے پاس خرچ نہیں ہے۔ کھانا پینا بھی ہے اور وطن بھی پہنچنا ہے۔ ان کو زکوٰۃ کا مال دے دیا جائے۔ امام محمد نے فرمایا ہے کہ فی سبیل اللہ سے حجاج مراد ہیں جو قافلہ سے چھڑ گئے اور ان کے پاس مال نہیں ہے اور انہیں خرچ کرنے کے لئے اور گھر پہنچنے کے لئے پیسہ کی ضرورت ہے۔ اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس سے طالب علم مراد ہیں جو دینی علوم کے حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور صاحب بدائع نے فرمایا ہے کہ اس سے وہ سب لوگ مراد ہیں جو کسی بھی صورت میں اللہ کی اطاعت میں اور نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ بشرطیکہ وہ محتاج ہوں۔ (بحر الرائق ص ۲۶۰ ج ۲)
 مستحقین زکوٰۃ بتاتے ہوئے آٹھویں نمبر پر وَابْنِ السَّبِيلِ فرمایا۔ ابن السبیل عربی زبان میں مسافر کو کہتے ہیں جو مسافر ضرورت مند ہے اس کے پاس سفر میں مال موجود نہیں ہے۔ اسے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے اگرچہ اس کے گھر میں کتنا ہی مال ہو۔ جو لوگ غازیوں کی جماعت سے چھڑ گئے یا حجاج کے قافلہ سے علیحدہ ہو گئے۔ حاجت مندی کی وجہ سے ان کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ ان کے احتیاج کو دیکھا جائے گا۔ ان کے گھروں میں اگرچہ خوب زیادہ مال ہو۔ البتہ یہ لوگ وقتی ضرورت سے زیادہ نہ لیں۔

مَوْلَیَةُ الْقُلُوبِ وہ لوگ تھے جنہیں نبی اکرم ﷺ تالیف قلب کے لئے اموال زکوٰۃ میں سے عطا فرمایا کرتے تھے یہ لوگ اپنے قبائل کے سردار اور ذمہ دار تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے سے ان کے قبیلوں کے اسلام قبول کرنے کی امید تھی۔ اور ان میں ایک قسم وہ تھی جنہیں دفع شر کے لئے مال عنایت فرماتے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان میں جنگی نہیں تھی آنحضرت ﷺ انہیں اموال صدقات میں سے عنایت فرمادیتے تھے تاکہ وہ دین اسلام پر جے رہیں اور پختہ ہو جائیں۔ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں مَوْلَیَةُ الْقُلُوبِ کی یہ تین قسمیں لکھی ہیں۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ کسی غیر مسلم کو آنحضرت ﷺ نے تالیف قلب کے لئے مال زکوٰۃ سے کچھ نہیں دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
 حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مَوْلَیَةُ الْقُلُوبِ کی تینوں قسموں کو اب اموال زکوٰۃ میں سے نہ دیا جائے ان کا حصہ ختم ہو گیا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ وقد سقط منها المَوْلَیَةُ قُلُوبُهُمْ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى اعْزَا الْإِسْلَامَ وَاعْنَى عَنْهُمْ کہ مَوْلَیَةُ الْقُلُوبِ کا حصہ ساقط ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دے دیا اور اُن کی طرف سے بے نیاز فرمادیا۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک بعض شرائط سے اب بھی ان کو مال

زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے امیر المؤمنین مناسب جانے تو اب بھی ان کو اموال زکوٰۃ میں سے دے سکتا ہے۔

مسئلہ: جو شخص غنی ہو یعنی اس کی ملکیت میں اموال زکوٰۃ میں سے کسی بھی قسم کا کوئی نصاب ہو جس کا وہ مالک ہو یا ضرورت سے زیادہ اتنا سامان اس کی ملکیت میں ہو جو فروخت کر دے تو بقدر نصاب قیمت مل جائے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ سادات کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ: بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اگرچہ فقراء اور مساکین ہوں بنی ہاشم سے حضرت علیؑ، حضرت عباسؑ، حضرت جعفرؑ، حضرت عقیلؑ اور حضرت حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کی اولاد اور اولاد الاولاد مراد ہے۔

اگر بنی ہاشم متکدست حاجت مند ہوں تو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ دیگر اموال سے ان کی مدد کر دی جائے بہت سے لوگوں کو سادات کی غریبی دیکھ کر رحم تو آتا ہے لیکن زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مال سے دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ مال میں زکوٰۃ تو ۴/۱۰۰ ای فرض ہے۔ باقی ۹۹/۱۰۰ میں سے خرچ کرنا بھی تو ثواب ہے۔ لیکن اس کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالنے کو تیار نہیں ہوتے اور سادات کو اپنے اموال کا میل یعنی زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں اس میں ان کی بے ادبی بھی ہے اور اس سے زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔ بعض سادات بھی اس مسئلہ کو سن کر دل میں کچھ ٹکدر لے آتے ہیں۔ اور بنی ہاشم کے لئے مال زکوٰۃ نا جائز ہونے کے قانون شرعی کو اچھا نہیں سمجھتے۔ انہیں سمجھنا چاہئے کہ ہمارے جدِ اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اکرم و احترام کے لئے یہ قانون بنایا ہے کہ بنی ہاشم کو اموال کا میل کچل نہ دیا جائے۔ جد امجد نے تو ان کی توقع کی اور وہ رنجیدہ ہو رہے ہیں کہ ہمیں لوگوں کے اموال کا میل نہ ملا۔ دنیا حقیر ہے فانی ہے تھوڑی سی تکلیف اٹھالیں اپنے شرف کو باقی رکھیں اور میل کچل سے گریز کریں۔ اور یوں تکلیفیں تو سبھی کو آتی ہیں۔ صبر و شکر کے ساتھ زندگی گزاریں، اپنے نام کے ساتھ سید کا لفظ بڑھانے کو اور اپنے نسب کو اچھا لے کر تیار ہیں۔ لیکن اس نسب کی وجہ سے جو شرف دیا گیا ہے اسے اپنانے کو تیار نہیں۔

مسئلہ: اپنے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے میں دہرا ثواب ہے ایک زکوٰۃ ادا کرنے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ جب انہیں زکوٰۃ دے تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ مال زکوٰۃ ہے بلکہ ہدیہ کہہ کر پیش کر دے اور اپنے دل میں زکوٰۃ کی نیت کر لے اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بشرطیکہ وہ لوگ زکوٰۃ کے مستحقین ہوں۔ لیکن اتنی بات یاد رہے کہ جن رشتہ داروں سے رشتہ ولاد ہے۔ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں یعنی والدین کو دادا دادی کو۔ نانائے کو اور پڑدادا اور پڑدادی کو اور پرانا

لَا يَدْخُلُ إِلَى بَنِي هَاشِمٍ وَهَمَّ آلُ عَلِيٍّ وَآلُ عَبَّاسٍ وَآلُ جَعْفَرٍ وَآلُ عَقِيلٍ وَآلُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ كَذَلِكَ
الْهَدَايَةُ وَفِي الْمَشْكُوتَةِ ص ۱۶۱ عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَذِهِ الصَّدَقَاتُ أَمَّا هِيَ أَوْ سَاخِ
النَّاسِ وَأَمَّا لِأَحْمَلٍ لِمَحْمَدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي حَاشِيَةِ الْمَشْكُوتَةِ أَمَّا سَمَاهَا أَوْ سَاخًا لِأَنَّهَا تَطْهَرُ أَمْوَالُهُمْ
وَنَفْسُهُمْ قَالَ تَعَالَى خَلَعْنَاهُمْ صَدَقَةً تَطْهَرُ بِهِمْ فَهِيَ كَفَسَالَةِ الْأَوْسَاقِ فَفِي الْكَلَامِ تَشْبِيهِ بِلَيْعٍ ۱۲ مِنَ الْمَرْقَاةِ
(اور زکوٰۃ بنی ہاشم کو نہ دی جائے اور بنی ہاشم حضرت علیؑ، حضرت عباسؑ، حضرت جعفرؑ، حضرت عقیلؑ اور حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد
ہے۔ عبدالمطلب بن وسیعہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ صدقات تو لوگوں کی میل ہے اور یہ (حضرت) محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد کے لئے حلال نہیں ہیں۔ اور مشکوٰۃ کے حاشیہ میں مرقاۃ سے نقل کیا ہے کہ زکوٰۃ کو میل اس لئے کہا گیا ہے کہ
یہ لوگوں کے مالوں اور ان کے دلوں کو پاک کرتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو جس سے تو انہیں پاک کر دے۔ تو زکوٰۃ
میل کے وجود کی طرح ہوگئی پس اس کلام میں بڑی بیخ شبیہ ہے)

پر تانی کو اور اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بھائیوں کو بہنوں کو چچاؤں کو پھوپھیوں کو مائوں خالاؤں کو اور ان کی اولاد کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

مسئلہ: شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ دے دے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ: جو شخص اموال زکوٰۃ میں سے کسی نصاب کا مالک ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور یہ شخص شریعت کی اصطلاح میں غنی ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جس غنی کو زکوٰۃ کا مال لینا اور دینا جائز نہیں۔ ضروری نہیں کہ اموال زکوٰۃ ہی میں سے کوئی چیز بقدر نصاب اسکی ملکیت میں ہو۔ بلکہ اگر کسی کے پاس چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر ضروری حاجات سے فاضل سامان پڑا ہوا ہے۔ اس شخص کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور ایسے شخص پر اگرچہ زکوٰۃ فرض نہیں لیکن صدقہ فطر اور قربانی لازم ہے۔ بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض مرتبہ زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لیکن زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوتا جس کی مثال اوپر گزری۔

نصاب زکوٰۃ: سونے چاندی پر اور ان کی قیمت پر اور مال تجارت پر اور مویشیوں پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کسی شخص کی ملکیت میں ۵۹۵ گرام چاندی ہو یا ۸۵ گرام سونا ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت ہو تو جب سے مالک ہوا ہے اس وقت سے لے کر چاندی کے حساب سے ایک سال گزر جائے تو اس میں سے ۴۰/۱۰۰ مستحقین کو دے دینا فرض ہے۔ پھر اگر کچھ مال تجارت ہو اور کچھ سونا چاندی ہو یا کچھ سونا اور ساتھ ہی کچھ چاندی ہو تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ مجموعے کی قیمت ۵۹۵ گرام چاندی کو پہنچ جائے۔ اس صورت میں بھی چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا واضح رہے کہ نوٹ بھی چاندی کے حکم میں ہے کسی بھی ملک کے نوٹ اگر کسی کی ملکیت میں ہوں جن کے عوض ۵۹۵ گرام چاندی خریدی جاسکتی ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اگر کسی کی ملکیت میں نہ چاندی ہو اور نہ نقد رقم (ایک دو روپیہ بھی ملکیت میں نہ ہو) تو ۸۵ گرام سونا ملکیت میں ہونے سے زکوٰۃ فرض ہوگی۔ احادیث شریفہ میں دو سو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے کو نصاب زکوٰۃ بتایا ہے علمائے ہند نے ڈیڑھ سو سال پہلے اپنے ملک کے سکہ کے اعتبار سے حساب کیا تھا تو دو سو درہم چاندی کے ساڑھے باون تولہ اور بیس مثقال سونے کے ساڑھے سات تولے بنتے تھے۔ اب نئے اوزان سے حساب کیا تو چاندی کا نصاب ۵۹۵ گرام اور سونے کا نصاب ۸۵ گرام ہوا۔

تنبیہ: یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ساڑھے سات تولہ سونے سے زیادہ سونا ہو تو اس زائد پر زکوٰۃ فرض ہوگی یہ غلط ہے جب نصاب پورا ہو جائے یا اس سے زیادہ ہو جائے تو پورے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے (چاندی ہو یا سونا ہو یا مال تجارت ہو یا ان کا مجموعہ ہو)

زکوٰۃ کے ضروری مسائل

مسئلہ: سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ ہے خواہ سکہ کی صورت میں ہو خواہ انکی اینٹیں رکھی ہوں۔ خواہ زیور ہو

استعمال میں ہو یا غیر استعمال میں ہو خواہ برتن ہوں۔ بہر صورت ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ: زمین کی پیداوار باغ کی پیداوار اور مویشیوں میں بھی زکوٰۃ ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں لکھی ہیں۔ اور پیداوار کی زکوٰۃ کے بارے میں ضروری مسائل سورۃ بقرہ کی آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ کی تفسیر میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ (انوار البیان ج ۱)

مسئلہ: زکوٰۃ کی رقم کسی کافر کو نہیں دی جاسکتی۔

مسئلہ: مدرسوں میں اگر زکوٰۃ دی جائے اور اس میں سے مستحقین طلباء کو وظیفہ دے دیا جائے یا ان کو کھانا دے کر مالک بنا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اباحت کے طور پر کھانا کھلا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اسی طرح مال زکوٰۃ سے مدارس کے کتب خانوں میں مال زکوٰۃ سے کتابیں جمع کر دینا یا طلباء کے لئے لحاف، بسترے اور چار پائیاں جمع کر دینا اور ان کو عاریۃ دے دینا اور جاتے وقت واپس لے لینا اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ تملیک نہیں ہوئی۔ ان چیزوں کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ اصحاب اموال سے مستقل چندہ کر لیا جائے۔

مسئلہ: کسی مریض کے علاج کی فیس یا ایکس رے وغیرہ کی اجرت بالا مال زکوٰۃ سے ادائیگی کر دی جائے اور مریض کو قبضہ نہ کرایا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ تملیک نہیں ہوتی۔

مسئلہ: اگر مال زکوٰۃ سے دوائیں خرید کر ہسپتال میں رکھ دی جائیں اور مستحقین زکوٰۃ کو دے دی جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ یہ خیال رکھا جائے کہ یہ دوائیں صاحب نصاب کو اور بنی ہاشم کو اور کافر کو نہ دی جائیں۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص مقرض ہے اور صاحب نصاب نہیں ہے اور اس کے کہنے سے (کہ مجھ پر جو قرض ہے وہ ادا کر دو) کوئی شخص اسکی طرف سے قرض خواہ کو مال زکوٰۃ دے دے۔ تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور اگر قرضدار کے کہے بغیر اسکی طرف سے مال زکوٰۃ سے قرضے کی ادائیگی کے طور پر دیدیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں صاحب مال متبرع ہو گیا۔

مسئلہ: اگر دکاندار کا کسی بھی شخص کا کوئی شخص مقرض ہو اور اس کے پاس ادائیگی کے لئے مال نہ ہو تو جس کا قرضہ ہے وہ اپنے قرضہ کو زکوٰۃ میں منہا نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ کر سکتا ہے کہ قرضدار کو بلا کر زکوٰۃ کی رقم اس کے ہاتھ میں دیدے۔ پھر اس سے اسی وقت اپنے قرضہ میں وصول کر لے جب اسکی ملکیت میں مال پہنچ گیا تو اب زبردستی بھی وصول کر سکتے ہیں کیونکہ قرض خواہ کو اپنا قرضہ وصول کرنے کا حق ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کو ثواب کے طور پر مال دے دیا اور ادائیگی زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے کہ مستحق کو دیتے وقت زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرے اور ایک طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال ادائیگی زکوٰۃ کی نیت سے دوسرے مال سے الگ کر کے کسی بکس وغیرہ میں رکھ لے اور یہ نیت کرے کہ فقراء آتے رہیں گے تو اس میں سے دیتا رہوں گا اس صورت میں فقراء کو دیتے وقت نیت کا استحضار نہ ہوا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مال علیحدہ کرتے وقت جو نیت کی تھی وہی کافی ہوگئی۔

مسئلہ: جس شخص کو زکوٰۃ دی جائے کسی عمل کے عوض میں نہ ہو لہذا امام مؤذن اور مدرس اور کسی بھی ملازم کی تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ البتہ الْأَعْمَالُ عَلَيْهِمْ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں اسکی تصریح موجود ہے۔

مسئلہ: جنہیں امیر المؤمنین نے زکوٰۃ کے اموال وصول کرنے پر مامور کر دیا انکے علاوہ جتنے بھی مصارف ہیں ان

سب میں اس شخص کا غیر صاحب نصاب ہونا ضروری ہے جس کو زکوٰۃ دی جائے۔ فی البحر الرائق (ص ۲۵۹ ج ۲) والما حلت للغنی (العامل) مع حرمة الصدقة عليه لانه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج الى الكفاية وفيه ايضا بعد صفحة ولا يخفى أن قيد الفقير لا بدعنه على الوجوه كلها۔ (بحر الرائق میں ہے مالدار پر زکوٰۃ کے حرام ہونے کے باوجود مالدار عامل کے لئے زکوٰۃ میں سے لینا جائز ہے اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے فارغ کیا ہے لہذا وہ ضرورت کی کفالت کا محتاج ہے اور ایک صفحہ کے بعد لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مصارف میں فقیر والی قید کا ہونا ضروری ہے)

تنبیہ: لفظ "و فی سبیل اللہ" لغوی ترجمہ کے اعتبار سے تو بہت عام ہے لیکن حضرات ائمہ تفسیر اور فقہاء کرام نے اس کو عام نہیں لیا اسی لئے بعض حضرات نے اس سے وہ مجاہدین مراد لئے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے رہ جائیں اور پیسہ پاس نہ ہو اور بعض حضرات نے وہ لوگ مراد لئے ہیں جو سفر حج میں اپنے ساتھیوں سے پھڑ جائیں بعض اہل علم نے یہ اشکال کیا ہے کہ اگر انکی ملکیت میں مال نہ ہو تو فقراء میں شمار ہونگے اور اگر وطن میں مال ہو اور یہاں موجود نہ ہو تو ابن اسبیل میں داخل ہو گئے لہذا کل اقسام ساتھ بنتے ہیں (اور ان کو یعنی منقطع الغزاة منقطع الحاج کو مختلف قسم بنا کر بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی) پھر اس کا جواب یوں دیا ہے کہ واقعی یہ لوگ فقیر کی تعریف میں داخل ہیں لیکن طیحہ ان کو اس لئے بیان فرمایا کہ مطلق فقیر کی بہ نسبت ان کی اہمیت زیادہ ہے کیونکہ مجاہد اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے نکلا ہوا ہے اور حاجی بیت اللہ کے زائرین میں سے ہے۔ ان کی طرف زیادہ دھیان دینا چاہئے۔

آج کل ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو تفسیر قرآن اور احکام و مسائل کے بارے میں سلف کا دامن چھوڑ کر جو چاہتے ہیں اپنے پاس سے کہہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں مسجدیں مدرسے شفا خانے۔ مسافر خانے کنوئیں سڑکیں اور ٹیل بنانا اور دفاتری اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں دینا۔ دفتروں کے مصارف میں خرچ کرنا میت کو قبرستان پہنچانے کے لئے ایمریٹس کا انتظام کرنا اور غریب میت کے کفن دفن میں خرچ کرنا یہ سب جائز ہے۔ یہ ان لوگوں کی جہالت کی باتیں ہیں۔ مفسرین اور محدثین اور فقہاء نے جو کچھ قرآن مجید کو سامنے رکھ کر مسائل اخذ کئے ہیں ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے قول کی کوئی حیثیت نہیں جو عربی زبان کا ایک صیغہ بھی نہیں بتا سکتے اور جو قرآن مجید کی ایک سورت صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ یہ لوگ اپنی جہالت سے کہتے ہیں زکوٰۃ کا مال جہاں چاہو خرچ کر دو۔ تملیک فقیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ بات چاروں مذہبوں کے خلاف ہے۔ اگر ہر کام میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے کی اجازت ہوتی تو قرآن مجید میں آٹھ قسمیں بتانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا تھا۔ ان اللہ قد فرض علیہم صدقة تؤخذ من اغنيائهم لفرد علی فقراء ہم۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقیروں کو دے دی جائے۔ (رواہ البخاری و مسلم کافی مشکوٰۃ ص ۱۵۵)

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ زکوٰۃ اس صورت میں ادا ہوگی جب فقراء کو دے دی جائے۔ جو لوگ تملیک کی شرط کو مولویانہ آئین قرار دیتے ہیں ان کے سامنے احادیث نہیں ہیں۔ آراء اور اقوال کا کھلونا بنے ہوئے ہیں۔

مسئلہ: چاندی۔ سونا۔ نقدی اور مال تجارت میں جو زکوٰۃ فرض ہے اسکی ادائیگی کا یہ طریقہ ہے کہ ہر سال چاند کے حساب سے جب سال گزر جائے پورے مال سے چالیسواں حصہ دے دے اگر اصل مال نہ دے اور اسکی قیمت دیدے تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۴۰/۱ سے کم نہ ہو۔ سو روپے میں ڈھائی روپے اور ایک ہزار میں ۲۵ روپے اور ایک لاکھ میں ڈھائی ہزار روپے کے موافق حساب لگایا جائے۔

مسئلہ: جس شہر میں رہتے ہوئے زکوٰۃ فرض ہوئی ہے۔ وہاں کی زکوٰۃ وہیں کے فقراء پر خرچ کی جائے۔ ہاں اگر دوسری جگہ کے لوگ زیادہ محتاج ہوں یا اعزہ و اقربا ہوں تو ان کے لئے بھیج دینا مناسب ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ حج کرنے کے لئے چندہ مانگتے پھرتے ہیں اور بعض صاحب حیثیت انہیں زکوٰۃ کی رقم سے دے دیتے ہیں جب ایک دو آدمی کے دیدینے سے سوال کرنے والا صاحب نصاب ہو گیا تو اب اُسے زکوٰۃ لینا دینا جائز نہیں۔ لوگ اس بات کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ جس کسی پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض نہیں کیا وہ حج کے نام پر سوال کرتا پھرے اولاً تو یہ طریقہ ہی غلط ہے دوسرے جب مانگنے والا صاحب نصاب ہو گیا تو اب اُس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں رہا۔

مسئلہ: بہت سے لوگ لڑکیوں کی شادیوں کے لئے زکوٰۃ کی رقم دے دیتے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی سادی کیوں نہیں کی جاتی؟ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کریں اور اسی پر دونوں فریق راضی رہیں۔ اصل نکاح تو ایجاب و قبول کا نام ہے جو دو گواہوں کے سامنے ہو اس میں ذرا سا خرچہ بھی نہیں ہوتا پھر ایجاب و قبول کے بعد جو بیٹی والے کو میسر ہو وہ بطور جہیز لڑکی کی سسرال میں روانہ کر دے اس میں خیر ہی خیر ہے۔ ریا کاری کی گناہگاری میں جتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر لڑکی کا باپ صاحب نصاب ہو تو اُسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور اگر لڑکی صاحب نصاب ہو تو اُسے بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں پھر اگر صاحب نصاب نہ ہونے اور غیر بنی ہاشم ہونے کی بنیاد پر زکوٰۃ دی جائے تو ایک دو آدمی کے دینے سے بقدر نصاب ملکیت میں مال آ جاتا ہے۔ جب تک وہ مال ملکیت میں رہے گا اس وقت تک زکوٰۃ لینا دینا جائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ: بعض قوموں میں رواج ہے کہ اپنی قوم کی زکوٰۃ وصول کر کے بینک میں جمع کرتے رہتے ہیں اور اس مسئلہ کا بالکل دھیان نہیں رکھتے کہ جب تک یہ مال فقراء اور مساکین کی ملکیت میں نہیں جائے گا اس وقت تک ان سب لوگوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوں گی جنہوں نے یہ رقمیں دی ہیں لہذا جلد سے جلد مصارف زکوٰۃ میں ان کو خرچ کر دینا لازم ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بینک کا دیوالیہ ہو گیا یا بینک پر کسی حکومت نے قبضہ کر لیا۔ یا ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا تو ان سب صورتوں میں ان سب لوگوں کی زکوٰۃ توں کی ادائیگی رہ جاتی ہے جن کے اموال لے کر بینک میں جمع کر دیئے گئے تھے۔

مسئلہ: جو لوگ سوال کرنے کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں عموماً صاحب نصاب ہوتے ہیں۔ چھوٹے موٹے دکانداروں سے انکی ملکیت میں زیادہ پیسہ ہوتا ہے۔ لہذا سوال کرنے والوں کو زکوٰۃ دینے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر کسی سائل کو زکوٰۃ دیں تو پہلے یقین کر لیں کہ یہ مستحق زکوٰۃ ہے۔ صحیح بخاری (ص ۲۰۰ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پاس گھومتا پھرتا ہے۔ اُسے ایک لقمہ یادو لقمے یا ایک کھجور یادو کھجوریں واپس کرتی ہیں لیکن مسکین وہ ہے جو اتنا مال نہیں پاتا جن سے اسکی ضرورت پوری ہو اور اس کے حاجت مند ہونے کا پتہ نہیں چلتا تاکہ

اس کو صدقہ دے دیا جائے۔ وہ کھڑے ہو کر لوگوں سے سوال بھی نہیں کرتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واقعی حاجت مند کو تلاش کر کے زکوٰۃ کا مال دیا جائے۔ بہت سے لوگ بہت زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں آبرو کی وجہ سے سوال نہیں کرتے اور ننگے بھوکے گھروں میں اپنی زندگیاں گزارتے ہیں ایسے لوگوں کا خاص خیال کیا جائے یہ واضح رہے کہ زکوٰۃ بھی نماز کی طرح سے فرض ہے۔ جس طرح نماز کے احکام و مسائل کا جاننا اور نماز کو شرعی قواعد کے مطابق پڑھنا طہارت کے لئے پاک پانی کا دیکھنا استنجائیک کرنا، کپڑوں کا پاک رکھنا، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔ اور جو چیزیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں صحیح طریقے پر ان کو یاد کرنا لازم ہے اسی طرح سے زکوٰۃ کے مسائل اور احکام کا جاننا بھی ضروری ہے زکوٰۃ کا مال جس کو چاہا دے دیا جس مصرف میں چاہا خرچ کر دیا جس انجمن میں چاہا جمع کر دیا۔ زکوٰۃ ادا ہو یا نہ ہو۔ یہ فرض کی ادائیگی کا طریقہ نہیں۔ مال حلال کماؤ، حلال مواقع میں خرچ کرو۔ زکوٰۃ فرض ہو جائے تو ٹھیک حساب سے ادا کرو اور جس کو دوس کے بارے میں پہلے یقین کر لو کہ یہ مستحق زکوٰۃ ہے۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أَذْنٌ قُلْ أَذْنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يَوْمُنُ

اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو نبیؐ کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس وہ تو کان ہیں آپؐ فرما دیجئے کہ وہ تمہارے لئے خیر کا کان ہیں۔ وہ ایمان لاتے ہیں

بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ

اللہ پر اور یقین کرتے ہیں۔ مومنین کی بات کا اور وہ ان لوگوں کے لئے رحمت ہیں جو تم میں سے مومن ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسولؐ کو

اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ يَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ

تکلیف دیتے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کر لیں اور اللہ اور اس کا رسولؐ

أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ إِنَّ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنِ يُكَادِ اللّٰهَ

اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں راضی کریں اگر یہ لوگ مومن ہیں کیا ان لوگوں نے اس بات کو نہیں جانا کہ جو شخص اللہ کی

وَرَسُولُهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝

اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرے اس کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے

منافقین نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دیتے ہیں اور

مومنین کو راضی کرنے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں

تفسیر: منافقین چونکہ دل سے مومن نہیں تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ کے حق میں نازیبا کلمات بھی کہتے رہتے تھے۔ سامنے آتے تو قسمیں کھا کر کہتے کہ ہم مسلمان ہیں۔ آیت بالا ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو پیچھے بدگوئی

کرتے تھے جب ان سے کہا جاتا تھا کہ یہ تو تکلیف دینے والی باتیں ہیں رسول اللہ ﷺ کو پہنچ جائیں گی تو ان کو تکلیف ہو گی تو اس پر ان میں سے بعض لوگوں نے یوں جواب دیا کہ کوئی بات نہیں ہے اُن کو راضی کرنا اور سمجھانا آسان ہے وہ تو بس ”کان“ ہیں۔ یعنی جو کہو سن لیتے ہیں اور باور کر لیتے ہیں اگر کوئی ہماری بات پہنچے گی تو ہم دوسری بات کہہ دیں گے۔ اور وہ اس کو سن کر یقین کر لیں گے۔ روح المعانی میں محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ ایک منافق جہل بن حارث تھا۔ جو بد صورت بھی تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی باتیں سن کر منافقین کے پاس لے جاتا تھا۔ اس کا مقصد خیر نہیں تھا بلکہ چغل خوری مقصود تھی اور منافقین کو یہ بتانا تھا کہ دیکھو تمہارے بارے میں ایسے ایسے مشورے ہو رہے ہیں جب اس سے کہا گیا کہ ایسا نہ کرتیرے طرز عمل سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوگی تو اس پر اس نے کہا کہ ان کو سمجھانا آسان ہے وہ تو ہر بات سن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں انکی شخصیت تو بس کان ہی کان ہے۔ یعنی وہ نہ تکذیب کرتے ہیں نہ غور و فکر کرتے ہیں۔ اول تو آپ کی مجلس کی باتیں بطور چغل خوری کے نقل کرنا اور پھر اوپر سے آپ کے بارے میں یہ کہنا کہ العیاذ باللہ وہ کچھ غور و فکر نہیں کرتے ہر بات سن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں اور یہ الزام دینا کہ انہیں اونچ نیچ کی کچھ خبر نہیں اس میں کئی طرح سے تکلیف دینا ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا قُلْ اُذُنٌ خَصِيْلٌ لَّكُمْ۔ وہ خیر کی بات سنتے ہیں اور جس چیز کے سننے میں اور قبول کرنے میں خیر ہے وہ اسی پر کان دھرتے ہیں تم نے یہ جو سمجھا ہے کہ ہم جو بھی بات کہیں گے آپ اس پر یقین لے آئیں گے اور ہماری شرارت کا احساس نہ ہوگا۔ یہ تمہاری سفاہت اور حماقت ہے۔ مزید فرمایا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں وَيُؤْمِنُ بِالْمُؤْمِنِيْنَ اور ایمان والوں کی بات کا یقین کرتے ہیں جو مخلص مؤمن ہیں وہ ان کو جانتے ہیں اور ان کی باتوں کو سنتے اور مانتے ہیں (اور منافقین کے طور طریق سے بے خبر نہیں ہیں) ارے منافقو! تم جو یہ سمجھتے ہو کہ ہماری ہر بات سن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں اور آپ کو حقیقت حال کا پتہ نہیں چلتا یہ تمہارا جھوٹا خیال ہے۔

پھر فرمایا وَرَحْمَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ کہ آپ کی ذات گرامی تم میں سے ان لوگوں کے لئے رحمت ہے جو ایمان لائیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ سے منافقین مراد ہیں۔ مومنین مخلصین مراد نہیں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ ظاہر کر دیا کہ ہم مومن ہیں ان کی بات سن لیتے ہیں انکی تصدیق کی وجہ سے نہیں بلکہ بطور شفقت سن لیتے ہیں پھر ان کے بعید نہیں کھولتے اور پردہ درمی نہیں کرتے (لہذا منافقوں کو اس دھوکہ میں نہیں رہنا چاہئے کہ چونکہ آپ سب کچھ سن لیتے ہیں اس لئے ہم جو چاہیں گے کہہ دیں گے ہماری شرارت کا پتہ نہ چلے گا)

پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ يُؤْذِنُ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے) اس میں عذاب دنیوی یا عذاب آخروی کی قید نہیں ہے دونوں جہان میں عذاب ہونے کی وعید ہے۔ دنیا میں بھی یہ لوگ عذاب میں مبتلا ہوئے دربار نبوی سے ذلت کے ساتھ نکالے گئے اور آخرت کا جو عذاب ہے وہ ہر کافر کے لئے مقرر ہی ہے۔

پھر منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ فرمایا يَخْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ لِيُضِلُّوْكُمْ (وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں) منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ طرح طرح کی باتیں کرتے اور اپنی باتوں سے منحرف ہو جاتے تھے۔ پھر چونکہ زیادہ تر واسطہ عامۃ المسلمین سے پڑتا تھا اس لئے انہیں راضی رکھنے کیلئے بار بار قسمیں کھا کر ان سے

اپنا تعلق ظاہر کرتے تھے تاکہ یہ لوگ انہیں اپنے سے جدا نہ سمجھیں۔

پھر فرمایا **وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ** (اور اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے) ظاہری طور پر بندوں کو راضی کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اگر واقعی مومن ہوتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی کرتے ان کی نافرمانی سے بچتے۔ ایسا کرنے سے اہل ایمان بھی راضی ہو جاتے۔ لیکن چونکہ دنیا کے طالب ہیں اس لئے مسلمانوں سے ظاہری میل ملاپ اور رکھ رکھاؤ کے لئے قسمیں کھا جاتے ہیں اور اندر جو کفر اور نفاق بھرا ہوا ہے اسے نہیں چھوڑتے پھر بطور زجر اور توبخ کے فرمایا **أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنِ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ** (الآیہ) (کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اس کے لئے جہنم کی آگ ہے اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عذاب بڑی رسوائی ہے) یہ لوگ دنیاوی رسوائی سے بچتے ہیں اور انہیں آخرت کی رسوائی سے بچنے کا دھیان نہیں ہے۔

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ

منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کے بارے میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان باتوں کو بتا دے جو ان کے دلوں میں ہیں۔ آپ فرمادیجئے

اسْتَهْزِءُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ۝ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا

کہ تم مذاق بناؤ بلاشبہ اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو اور اگر آپ ان سے سوال کریں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو بس یونہی باتوں میں مشغول تھے

مُخَوِّضٌ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا

اور دل لگی کر رہے تھے۔ آپ فرمادیجئے کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی کرتے تھے۔ عذر دیکھان نہ کرو۔ تم اپنے ایمان کے

قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنَّ نَعْفَ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ مُّعَذِّبٌ طَائِفَةٌ

بعد کافر ہو گئے اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں گے تو دوسری جماعت کو ہم عذاب دیں گے

يَا نَكُفَّهِمُ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝

اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔

منافقین کی مزید شرارتوں کا تذکرہ

تفسیر: منافقوں کی شرارتیں جاری رہتیں تھیں۔ ان میں سے جو لوگ غزوہ تبوک کے لئے جانے والے مسلمانوں کے ساتھ سفر میں چلے گئے تھے (جن میں اہل نفاق کے لئے جاسوسی کرنے والے بھی تھے) انہوں نے طرح طرح سے تکلیفیں دیں اور نرمے منصوبے بنائے۔ منافقین کی عادت تھی کہ آپس میں مل کر اسلام اور داعی اسلام ﷺ اور اہل اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی انہیں یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ قرآن میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے

جو ہمارے دلوں کی باتوں کو کھول دے۔ ان کی غیبتوں باتوں اور ارادوں کو سورہ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سورت کا ایک نام سورۃ الفاضلہ بھی ہے کیونکہ اس میں منافقوں کے بھیدوں اور حالوں کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ منافقین آپس میں چپکے چپکے اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور رسوائی سے ڈرتے بھی رہتے تھے لیکن اپنی بے ہودگیوں سے باز نہیں آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلِ اسْتَغْفِرُواْ وَلِیَّ تم مذاق بناؤ یہ لوگ ایک دن آپس میں یوں کہہ رہے تھے کہ یہ شخص اس بات کی امید رکھتا ہے کہ ملک شام کے محلات اور قلعے اس کے لئے فتح ہو جائیں گے یہ تو کبھی بھی نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی ان باتوں کی رسول اللہ ﷺ کو خبر دیدی۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا ان لوگوں کو روک لو۔ جب آپ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان سے فرمایا تم نے ایسا کیا کہا ہے اس پر انہوں نے اقرار تو کر لیا لیکن بات بتاتے ہوئے اور عذر پیش کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ تو یوں ہی زبانی باتیں تھیں۔ جو آپس میں دل لگی کے طور پر ہو رہی تھیں۔ سفر کی مسافت طے کرنے کے لئے کچھ باتیں ہونی چاہئیں لہذا یوں ہی وقت گزاری کے طور پر ہم ایسی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا قُلِ اَللّٰهُ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلُہٗ کُفُّوْاْ عَنْتُمْ کُنْتُمْ تَعْتٰیذُوْنَ (آپ فرمادیجئے کیا اللہ کے ساتھ اور اسکی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کر رہے تھے) یہ تو عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ دل لگی اور وقت گزارنے کے لئے کیا اور کوئی بات نہ تھی۔ اس کے لئے اللہ اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول کا مذاق ہی رہ گیا تھا۔ لَا تَعْتٰیذُوْاْ قَدْ کُفِّرْتُ بَعْدَ اٰیْمَانِکُمْ تم عذر پیش نہ کرو کیونکہ جو عذر پیش کیا ہے وہ عذر نہیں ہے۔ وقت گزاری کی ضرورت کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا مذاق بنانا جائز نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا مذاق بنانا تو کفر ہے تم ظاہری طور پر کہتے تھے کہ ہم مومن ہیں۔ اول تو یہ بھی جھوٹ تھا۔ لیکن اب تو اپنے اقرار سے ظاہری طور پر بھی کافر ہو گئے اندر سے تو پہلے ہی کافر تھے زبانی طور پر جو ایمان کا دعویٰ تھا اس کے بارے میں فرمایا قَدْ کُفِّرْتُ بَعْدَ اٰیْمَانِکُمْ پھر فرمایا اِنْ نُّعْثِقْ عَنْ طَآئِفَۃٍ مِنْکُمْ اَکْثَرُہُمْ کَاٰفِرُوْنَ اگر ہم تم میں سے بعض کو اسلام قبول کرنے کی سعادت سے مالا مال کر کے معاف کر دیں گے اور کفریہ باتوں سے درگزر کر دیں گے لَعَذَابُ طَآئِفَۃٍ یَّاۡکُفُّوْاْ کَاٰفِرُوْنَ (تو ایک جماعت کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے) یہ لوگ مجرم ہی رہیں گے اور آخر دم تک اسلام قبول نہ کریں گے۔

منافقین میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور بکے مسلمان ہوئے ان میں محی بن حبیہ کا نام لیا جاتا ہے انہوں نے اپنا نام عبدالرحمن رکھ لیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کی تھی کہ شہادت نصیب ہو اور قتل کا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ غزوہ یمامہ میں اُن کی شہادت ہو گئی نہ قاتل کا پتہ چلا نہ مقتول کا اور ان کی کوئی خیر خبر نہ ملی۔ (درمنثور ص ۲۵۴ ج ۲)

الْمُفِقُونَ وَالْمُفِیْقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ یَّامُرُونَ بِالْمُنْکَرِ وَ

منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ بری باتوں کا حکم کرتے ہیں اور

یَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ اَیْدِیَهُمْ نَسُواْ اللّٰهَ فَنَسِیَہُمْ اِنَّ

اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے سو اللہ انہیں بھول گیا بے شک

النِّفَقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ

منافقین و منافقات ہی ہیں۔ اللہ نے منافق مردوں سے اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا هِیَ حَسْبُہُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝ کَالَّذِیْنَ

وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان کے لئے دوزخ کافی ہے اور اللہ نے ان کو ملعون قرار دیا اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے تمہاری حالت

مِنْ قَبْلِکُمْ کَانُوْا اَشَدَّ مِنْکُمْ قُوَّةً وَّاَکْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوْا بِمَخْلَاقِہُمْ

انہیں لوگوں کی طرح سے ہے جو تم سے پہلے تھے وہ لوگ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور مال و اولاد میں تم سے زیادہ تھے۔

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِمَخْلَاقِکُمْ کَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ بِمَخْلَاقِہُمْ وَخُضْتُمْ

سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا جو تم سے پہلے تھے۔ اور تم بھی ایسے ہی

کَالَّذِیْ خَاضُوْا اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ فِی الدُّنْیَا وَاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِکَ

گھٹے چلے گئے جیسا کہ وہ لوگ گھٹے تھے۔ انکے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت ہو گئے اور وہ لوگ

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اَلَمْ یَاۤتِہُمْ نَبَا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ قَوْمٌ نُّوحٌ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدٌ ۝

نقصان میں پڑنے والے ہیں کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے یعنی قوم نوح، اور عاد اور ثمود

وَقَوْمِ اِبْرٰہِیْمَ وَاَصْحٰبِ مَدَیْنٍ وَالْمُؤْتَفِکِ ۝ اَتَتْہُمْ رُسُلُہُمْ

اور قوم ابراہیم اور مدین والے لوگ اور اٹلی ہوئی بستیاں۔ ان کے پاس ان کے رسول

بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا کَانَ اللّٰهُ لَیْظِلَّہُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسُہُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝

کلی کھلی دلیلیں لیکر آئے سو اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے

منافق مرد و عورت نیکیوں سے روکتے ہیں

بخیل ہیں اللہ تعالیٰ کو بھول گئے ہیں

تفسیر: ان آیات میں منافقین کی مزید بد حالی بیان فرمائی ہے۔ اول تو یوں فرمایا کہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب آپس میں ایک ہی طرح کے ہیں۔ نفاق کے مقتضی پر عمل کرتے ہیں اس میں سے یہ بھی ہے کہ بُرائی کا حکم دیتے ہیں جس میں سے سب سے بڑی بُرائی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تکذیب پر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں۔ اور نیکیوں سے روکتے ہیں جن میں سب سے بڑی نیکی کلمہ توحید کی گواہی ہے وَیَقْضُوْنَ اٰیٰتِہُمْ اور یہ لوگ اپنے ہاتھوں کو روکتے ہیں اور

کنجوس ہیں مٹھی بند رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے کاموں میں مال خرچ نہیں کرتے۔

پھر فرمایا لَسُوا اللّٰهَ فَكَيْسِيَهُمْ کہ یہ لوگ اللہ کو بھول گئے یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کی طرف سے بالکل پشت پھیر لی۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے انکے ساتھ وہ معاملہ کیا جو بھولنے والا کیا کرتا ہے انہیں اپنے لطف اور مہربانی سے محروم فرمادیا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (بلاشبہ منافق فاسق ہی ہیں جو سرکشی میں اور نافرمانی میں کمال رکھتے ہیں)۔

منافقین کو دنیا سے محبت ہے اور ان کے لئے عذاب دوزخ ہے

اس کے بعد منافقین اور دیگر عام کفار کے لئے وعید کا تذکرہ فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقَاتِ وَالْكٰفِرَ الْكَافِرَاتِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے جہنم کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے وہ انہیں ہمیشہ رہیں گے هٰی حَسْبَاہُمْ يَوْمَ آگ ان کے لئے کافی ہوگی۔ یہ کلہ بطور تو بخ ہے۔ وہ چونکہ دنیا ہی کو اپنے لئے سب کچھ سمجھتے ہیں اس لئے فرمایا کہ دنیا تو ختم ہو جائے گی اب دوزخ کی آگ ہی ان کے لئے سب کچھ ہوگی وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ اور اللہ نے ان کو ملعون قرار دیا۔ ان پر اللہ کی لعنت اور پھینکار ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ اور ان کے لئے عذاب ہے جو برقرار رہے گا یعنی دائمی ہوگا ہمیشہ ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ (الایہ) اس میں منافقوں سے خطاب ہے کہ تم لوگ انہیں لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے تھے۔ وہ لوگ تم سے بڑھ کر قوت اور طاقت والے اور تم سے زیادہ اموال اور اولاد والے تھے۔ وہ لوگ اپنے دنیاوی حصہ سے مستفید ہوئے اور تم بھی اپنے دنیاوی حصہ سے مستفید ہوئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگ اپنے حصہ سے مستفید ہوئے وہ لوگ بھی دنیا ہی میں لگے اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھا تم لوگ بھی انہیں کی راہ پر ہو۔ تم لوگ بھی باطل میں اور برائیوں میں اسی طرح گھس گئے جس طرح تم سے پہلے لوگ گھسے تھے۔ ان کا جو انجام ہوا تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔ پھر انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ کہ یہ وہ لوگ تھے جن کے اعمال دنیا و آخرت میں بیکار چلے گئے۔ دنیا تھوڑی سی تھی۔ فانی تھی جو ختم ہو گئی اور جو کچھ ملا تھا وہ بطریق استدراج تھا۔ انعام و اکرام کے طور پر نہ تھا۔ اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کسی کافر کے لئے کوئی نعمت ہے ہی نہیں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (یہ لوگ پوری طرح خسارے میں ہیں) دنیا بھی گئی اور آخرت کی نعمتوں سے بھی محروم ہوئے تم بھی انہیں کے طریقے پر چل رہے خسارہ میں ہو۔

اقوام سابقہ کی بربادی سے عبرت لیں: اسکے بعد ربانی قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا اَلَمْ يَأْتِہُمْ بَنٰی اٰلِیٰنَ مِنْ قَبْلِہُمْ قَوْمٌ نُّوحٌ وَّعَادٌ وَّقَمُودٌ وَاِبْرٰہِیْمٌ وَاَصْحٰبُ مَدَیْنٍ وَاَلْمُنٰفِکِیْنِ کیا ان لوگوں کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئیں جو ان سے پہلے تھے کیا نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا حال اور عاد و ثمود کی ہلاکت کے واقعات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور مدین والوں کی ہلاکت کے قصے انہیں معلوم نہیں ہیں؟ اور جو بستیاں برے کړوتوں کی وجہ سے الٹ دی گئی تھیں یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جن بستیوں میں رہتی تھی کیا ان کے واقعات معلوم نہیں ہیں؟ انہیں معلوم ہے کہ ان لوگوں پر عذاب اس لئے آیا کہ ان لوگوں نے اللہ کے رسولوں کو اور واضح دلائل کو جھٹلادیا۔ پھر بھی کفر سے باز نہیں آتے۔

اَنْتَهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے سوا اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرنا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے)۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں بعض بعض کے مددگار ہیں۔ بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ

برائیوں سے روکتے ہیں۔ اور نمازیں قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی

وَرَسُولَهُ أَُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ

اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے اللہ نے مومن مردوں

وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكَنٌ طَيِّبٌ

اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ایسے عمدہ مکانوں کا

فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

وعدہ فرمایا جو بیشکی والے باغوں میں ہوں گے اور اللہ کی رضا مندی سب سے بڑی چیز ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔

مؤمنین کی خاص صفات اور ان کے لئے رحمت اور جنت کا وعدہ

تفسیر: منافقین کی صفات اور ان کے بارے میں وعیدیں بیان فرمانے اور ان کو پہلی امتوں کے واقعات یاد دلانے

کے بعد مؤمنین کی صفات بیان فرمائیں۔ اولاً تو یوں فرمایا کہ مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں اولیاء ہیں یعنی ایک

دوسرے کے مددگار ہیں۔ دینی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں پھر فرمایا یَا مُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

کہ یہ لوگ بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور بُرائیوں سے روکتے ہیں برعکس منافقین کے کہ وہ برائیوں کا حکم کرتے ہیں اور بھلائیوں

سے روکتے ہیں پھر مزید صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور صرف نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ ہر موقع پر اور ہر

معاملہ میں اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس کے بعد اہل ایمان سے اپنی مہربانی کا وعدہ فرمایا کہ

أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ (اللہ عنقریب ان پر رحم فرمائے گا) دنیا میں ان پر رحم فرمادیا کہ ان کو ایمان کی توفیق دے دی اور

آخرت میں ان پر رحم فرمائے گا اور نعمتوں سے نوازے گا۔ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (بے شک اللہ تعالیٰ عزت والا ہے حکمت

والا ہے) وہ غالب ہے ہر چیز پر قادر ہے جس چیز کا ارادہ فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اس کے سب کام اور

فیصلے حکمت کے موافق ہیں۔

پھر اہل ایمان کی آخرت کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (منافقین سے نارجہنم کا وعدہ فرمایا اور اہل ایمان سے باغوں کا وعدہ فرمایا اور دونوں جماعتوں کے بارے میں خُلْدٌ لِّیْنِ فِیْہَا فرمایا کہ اپنی اپنی جزا اور سزا کے مقام میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے)

اہل ایمان کی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے مزید فرمایا وَمَلَکِیْنِ طَیِّبَتَیْنِ فِیْ جَنَّتِ عَدْنٍ۔ یعنی ان حضرات کے لئے عمدہ مکان ہوں گے جن میں وہ رہیں گے۔ اور یہ ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے اور اہل باغوں کا ذکر فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ پھر عمدہ مکانوں کا تذکرہ فرمایا جو ان باغوں میں ہوں گے اور عدن کی طرف ان باغوں کی اضافت فرما کر یہ بتا دیا کہ یہ باغ واقعی رہنے کی جگہیں ہیں۔ جہاں سے نہ کبھی منتقل ہونا چاہیں گے اور نہ انہیں وہاں سے منتقل کیا جائے گا۔ صاحب روح المعانی ص ۱۳۶ ج ۱۰ نے لفظ عدن کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ اور بعض روایات بھی نقل کی ہیں۔ پھر اخیر میں لکھا ہے۔ وقیل العدن فی الاصل الاستقرار والثبت ويقال عدن بالمکان اذا اقام والمراد به هنا الاقامة علی وجه الخلود لانه الفرد الکامل المناسب لمقام المدح ای فی جنات اقامة وخلود؛ وعلی هذا الجنات کلها جنات عدن لا یَنفُونَ عَنْهَا حَوْلًا اِلٰی آخِر مَا قَالَ۔ (کہا گیا ہے کہ عدن کا معنی ہے ثبات واستقرار اور عَدْنٌ بِالْمَکَانَ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ کوئی کہیں اقامت پذیر ہو جائے یہاں دائمی طور پر رہنا مراد ہے کیونکہ یہی مقام تعریف کے مناسب رہائش کا فرد کامل ہے یعنی رہائش کے اور ہمیشہ کے باغات میں اس بنیاد پر تمام جنات عدن ہیں جنتی اس سے ٹکنا نہیں چاہیں گے۔ الی آخرہ)

سورہ صف میں اہل ایمان کو خطاب فرماتے ہوئے جو وعدہ فرمایا ہے اس میں بھی وَمَلَکِیْنِ طَیِّبَتَیْنِ فِیْ جَنَّتِ عَدْنٍ فرمایا ہے اس سے بھی یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ عدن سے کوئی مخصوص جنت یا جنت کا کوئی مخصوص مقام مراد نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر جنتی کا جنت میں مستقل قیام ہوگا۔ جنت کے علاوہ دوسری جگہ جانا نہ ہوگا سورہ حجر میں فرمایا لَا یَمْسُهُمْ فِیْہَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْہَا بِمُخْرَجِیْنِ۔ (وہاں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے) اور سورہ کہف میں فرمایا لَا یَسْفُونَ عَنْہَا حَوْلًا۔ کہ وہ وہاں سے کہیں منتقل ہونا پسند نہ کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جنت اپنے باغوں اور اپنے مکانوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ جگہ واقعی رہنے کی جگہ ہوگی وہاں سے نہ نکالے جانے کا احتمال ہوگا اور نہ وہاں رہتے رہتے جی بھرے گا۔

پھر فرمایا وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ (اور اللہ کی رضامندی تمام نعمتوں سے بڑی ہے) یعنی اہل ایمان جن نعمتوں میں ہوں گے وہ اپنی جگہ بڑی بڑی بے مثال نعمتیں ہوں گی۔ لیکن ان سب نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے اے جنت والو! وہ عرض کریں گے کہ لکھارے رب ہم حاضر ہیں اور قبیل ارشاد کے لئے موجود ہیں۔ اور ساری خیر آپ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کیا تم راضی ہو گئے۔ وہ عرض کریں گے ہم کیوں راضی نہ ہوں گے حالانکہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو آپ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ کیا میں

تمہیں اس سے افضل چیز عطا نہ کر دوں؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب اس سے افضل اور کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضا مندی نازل کرتا ہوں اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (صحیح بخاری)

پھر آخر میں فرمایا: **ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ** (یہ جو کچھ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی نعمتوں کا تذکرہ ہوا یہ بڑی کامیابی ہے) اس میں منافقین سے تعریف ہے کہ دنیا جو تھوڑی سی ہے اور حقیر ہے اس کے لئے کفر اختیار کر کے ایسی ایسی نعمتوں سے گریز کر رہے ہیں اور تھوڑی بہت دنیا مل جانے کو جو کامیابی سمجھ رہے ہیں جس کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کرتے یہ ان کے وقوفی ہے اور بڑی کامیابی کی طرف سے غفلت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ

اے نبی کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کیجئے۔ اور ان پر سختی کیجئے اور اُن کا ٹھکانہ

جَهَنَّمَ وَيُسَّ الْمَصِيرُ ۝ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةً

دورخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ وہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ

الْكُفْرُ وَكَفَرُوا بِعَدِ إِسْلَامِهِمْ وَهُمْ أَيْمَانُ مِيَالُوا وَمَا نَقِمُوا إِلَّا أَنْ

کہا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے اور انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جو انہیں نہ ملی اور صرف انہوں نے اس بات کا بدلہ دیا ہے

أَعْنَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا

کہ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اپنے فضل سے انہیں مالدار کر دیا، سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر

يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ

زود گردانی کریں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ اور اُن کے لئے روئے زمین میں نہ کوئی

وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٧٦﴾

یار ہو گا اور نہ کوئی مددگار

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے
 واران کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا حکم

تفسیر: عام کافروں سے اور منافقوں سے رسول اللہ ﷺ کو تکفیریں پہنچتی رہتی تھیں۔ یہ لوگ اسلام کے خلاف منصوبے

بناتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاً صبر اور درگزر کا حکم فرمایا تھا پھر جہاد کی اجازت دے دی جیسا کہ سورہ حج میں

اِنَّ الدِّينَ يُقَاتَلُ مِنْهُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ مُّسْمَرِينَ۔ پھر کفار سے جہاد اور قتال کرنے کا حکم فرما دیا جو اس سورت میں مذکور ہے۔

اوپر جن آیات کا ترجمہ لکھا گیا ان میں پہلی آیت میں کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لفظ جہاد ہر طرح کی کوششوں کو شامل ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اختیار کی جائیں۔ اس کی ایک صورت قتال کرنا بھی جنگ کرنا بھی ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ کافروں سے جہاد بالسیف یعنی قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقین سے ان کے حال کے مطابق جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی اُن سے جہاد باللمان کا حکم فرمایا ہے کہ انہیں نصیحت کی جاتی رہے اور ان پر حجت قائم کی جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کرتے تھے منافقین کو قتل نہیں فرمایا کیونکہ یہ ظاہری طور پر اسلام کے دعویدار تھے۔

مزید فرمایا **وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ** کہ عام کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے میں سختی اختیار کیجئے کافروں سے تو جنگ میں سختی کا برتاؤ ہوتا ہی تھا۔ منافقوں کے ساتھ سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ نافذ کرنے میں سختی برتی جائے جب وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو عامۃ المسلمین کی طرح ان لوگوں پر بھی احکام شرعیہ نافذ کئے جائیں اور قوانین اسلامیہ نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہ کی جائے۔ اگر کوئی کام ایسا کر بیٹھیں جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہو تو اسکے نافذ کرنے میں مسامحت نہ کی جائے۔ (راجع روح المعانی و معالم التنزیل)

پھر فرمایا **وَمَا لَهُمْ حِجْبُهُمْ وِبِئْسَ الْفَصِيلُ** (انکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے) دنیا میں وہ ایمان سے بچ رہے ہیں اور آخرت میں اپنے کفر اور نفاق کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہو گئے۔ دوزخ کو معمولی چیز نہ سمجھیں وہ برا ٹھکانہ ہے۔

منافقوں کی مکاری اور جھوٹی قسمیں: آگے بڑھنے سے پہلے آیت **يَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا كَانُوا كَا سَبَبِ** نزول جان لینا چاہئے۔ سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے متعدد روایات لکھی ہیں۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۳۱۱ ج ۲) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص تمہارے پاس آنے والا ہے وہ تمہیں شیطانی آنکھوں سے دیکھے گا جب وہ آجائے تو تم اس سے بات نہ کرنا۔ ذرا سی دیر بھی نہ گزری تھی کہ نبی آنکھوں والا ایک شخص آگیا اُسے رسول اکرم ﷺ نے بلایا اور فرمایا تو اور میرے ساتھی مجھے کیوں بُرا کہتے ہیں۔ وہ فوراً گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر آیا اور وہ سب لوگ قسم کھا گئے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا اور دوسرا واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن جبکہ میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور منافقین کا تذکرہ فرمایا اور اُن کو جس یعنی ناپاک بتایا اور ان کی برائیاں بیان کیں اس پر جلاس بن سوید نامی ایک شخص نے کہا کہ عمرہ ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر یہ سچ ہو تو گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ اس کی اس بات کو عامر بن قیس (صحابی) نے سن لیا تھا۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو عامر بن قیس نے آپ کو جلاس کی بات بتادی۔ جلاس نے کہا کہ یا رسول اللہ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اس پر آپ نے حکم فرمایا کہ دونوں منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھائیں۔ جلاس نے نماز عصر کے بعد منبر کے پاس قسم کھائی کہ میں نے نہیں کہا اور مجھ پر عامر نے تہمت باندھی ہے۔ اس کے بعد عامر کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اس نے ضرور کہا ہے۔ اور میں نے اس پر جھوٹ نہیں باندھا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ ہم دونوں میں جو سچا ہے اس کی سچائی کو ظاہر فرمانے کے لئے اپنے نبی ﷺ پر کوئی آیت نازل فرمائیے اس پر رسول

اللہ ﷺ نے اور جو مومنین حاضر تھے سب نے آمین کہا ابھی مجلس سے متفرق ہونے نہ پائے تھے کہ آیت شریفہ نازل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ يَخْلُقُونُ يَأْتِيَهُمْ مَا قَالُوا۔ کہ یہ لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یہ واقعی بات ہے کہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے (دل سے تو پہلے بھی کافر تھے ظاہر میں جو اسلام کا دعویٰ کیا تھا اس دعویٰ کا جھوٹ ہونا علی الاعلان ثابت ہو گیا)

اب وَهْمُوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا سے متعلقہ سب نزول معلوم کیجئے اور وہ یہ ہے کہ منافقین میں سے بارہ آدمی تبوک کے راستہ میں ایک گھاٹی پر ٹھہر گئے۔ انہوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزریں گے تو اچانک رات کی اندھیری میں آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیں گے جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے آپ کو ان کی نیتوں کا حال بتا دیا اور عرض کیا کہ ان لوگوں کے پاس کسی شخص کو بھیج دیں جو ان کا رخ دوسری طرف کو موڑ دے۔ آپ نے حضرت حذیفہؓ کو اس کام کے لئے بھیج دیا۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۳۱۲ ج ۲) نے بالا جمال یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے لیکن صاحب روح المعانی (ص ۱۳۹ ج ۱۰) نے بیہقی کی دلائل النبوة سے قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہو رہے تھے تو میں آپ کی اونٹنی کی باگ پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہا تھا اور عمار پیچھے پیچھے جا رہے تھے یہاں تک کہ جب ایک گھاٹی آگئی تو وہاں بارہ آدمیوں کو پایا جو سوار یوں پر سوار تھے اور انہوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتا دی آپ نے جو زور سے آواز دی تو وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے پہچانا کہ یہ کون لوگ تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نہیں پہچان سکے۔ کیونکہ یہ لوگ چروں پر کپڑے باندھے ہوئے تھے۔ البتہ ہم نے ان کی سوار یوں کو پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ منافق تھے جو قیامت تک منافق ہی رہیں گے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ان کا کیا ارادہ تھا؟ ہم نے عرض کیا نہیں! فرمایا ان کا ارادہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول (ﷺ) کو گھاٹی میں نیچے گرا دیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ان کے قبیلوں کے پاس یہ حکم نہیں بھیجتے کہ ان میں سے ہر ایک کا سر کاٹ کر بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات گوارا نہیں ہے کہ اہل عرب یوں باتیں کریں کہ محمد ﷺ نے ایک قوم کو ساتھ لے کر قتل کیا یہاں تک کہ جب اللہ نے آپ کو غلبہ دے دیا تو ان لوگوں کو قتل کرنے لگے جو جہادوں میں ساتھ تھے اہل منافقین کی نیتوں اور حرکتوں کو ان الفاظ میں بیان فرمایا وَهْمُوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا (انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جس میں کامیاب نہ ہوئے)

منافقین نے احسان کا بدلہ بُرائی سے دیا: پھر فرمایا: وَمَا نَعْمُوا إِلَّا أَنْ اغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ کہ ان لوگوں نے جو حرکتیں کی ہیں ان کا کوئی سبب نہیں ہے ان کو کسی نے تکلیف نہیں دی اور نہ ان کے خلاف کسی نے منصوبہ بنایا اگر کوئی بات ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے انہیں فضل خداوندی سے مالا مال کر دیا پہلے تنگدست تھے فقیر تھے اسلام آیا تو ان کی برکتیں بھی ساتھ آئیں وہ برکتیں ان کو بھی شامل حال ہو گئیں۔ اللہ کے اس فضل و کرم کا انہوں نے یہ بدلہ دیا کہ داعی اسلام ﷺ کے خلاف منصوبہ بنایا۔ الٹی ہی چال چلے۔ احسان کا بدلہ احسان سے دینے اور شکر گزار ہونے کی بجائے بُرے منصوبے بنانے میں مشغول ہو گئے۔ عام طور سے تو اسلام کی برکات سب کو شامل تھیں لیکن بعض ایسی صورتیں بھی پیش آئیں کہ خاص جلاس نامی شخص کو اس کا ایک غلام کے مقتول ہو جانے پر آنحضرت

سرور عالم ﷺ نے بارہ ہزار درہم کی دیت ولاد دی تھی۔ یہ معاملہ انتریل میں لکھا ہے اور روح المعانی بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت عروہ سے نقل کیا ہے کہ جلاس کے ذمہ قرضہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے ادا فرما دیا تھا۔

اس کے بعد فرمایا **فَإِنْ يَتُوبُوا إِلَيَّ خَيْرٌ إِلَيْهِمْ** (پس اگر یہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا) معاملہ انتریل میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو جلاس وہیں موجود تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر توبہ پیش فرمائی ہے میں اقرار کرتا ہوں کہ عامر بن قیس نے جو بیان کیا وہ سچ تھا واقعی میں نے وہ بات کہی تھی جو عامر نے میری طرف منسوب کی اور اب میں استغفار کرتا ہوں اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات مان لی اور صحیح معنی میں اس نے توبہ کر لی رضی اللہ عنہ۔

مزید فرمایا **وَلَنْ يَتُوبُوا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ** (اور اگر وہ توبہ سے اعراض کریں۔ ایمان خالص پر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا)

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ دِينٍ وَلَا نَصِيرٍ (یعنی پوری دنیا میں کوئی ان کا حمایتی اور مددگار نہ ہوگا جو انہیں عذاب سے بچالے) آخرت میں تو ہر منافق اور ہر کافر کو جہنم کا عذاب ہے ہی منافقوں کو دنیا میں جس عذاب الیم کی وعید سنائی گئی اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ بار بار رسوائی ہونا۔ اور اہل ایمان کے دلوں میں ان کی وقعت نہ ہونا سب کی نظروں سے گر جانا اور موت کے وقت عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے۔ چونکہ دنیا میں ان کو قتل نہیں کیا گیا اور ایمان کے ظاہری دعویٰ کی وجہ سے ان کے ساتھ مروت کا معاملہ کیا جاتا رہا اس لئے مفسرین نے عذاب دنیوی کی مذکورہ بالا تفسیر کی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور ضرور

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ

ہم نیک آدمیوں میں شمار ہو جائیں گے سو جب اللہ نے انکو اپنے فضل سے عطا فرمایا تو اس میں کجی کرنے لگے اور وہ اعراض کرتے ہوئے

مُعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمٍ یَّلْقَوْنَ رَبَّہَاۤ اَخْلَفُوْا اللّٰہَ مَا

روگردانی کر گئے سو اللہ نے اس دن تک جو اللہ کی ملاقات کا دن ہوگا ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے

وَعَدُوْہٖ وَبَہَاۤ اٰتٰوْا یٰۤکَذِبُوْنَ ۝ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ سِرُّہُمْ وَیُجَوِّہُمْ

جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے راز کو اور ان کے خفیہ مشورہ کو جانتا ہے۔

وَ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰمُ الْغُیُوْبِ ۝

اور یہ کہ اللہ غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے

وَمَجْهُوهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (کیا انہیں علم نہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے راز کو اور خفیہ مشورے کو جانتا ہے اور بے شک اللہ غیوب کا جاننے والا ہے) اس آخری آیت میں اس شخص کے لئے وعید ہے جو خلاف ورزی کی نیت سے وعدہ کرے یا وعدہ کر کے خلاف ورزی کرے ہر شخص کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے جو جیسی نیت رکھے گا اور جیسا عمل کرے گا اللہ جل شانہ کو اس کا علم ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا۔

فائدہ: جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ مال طلب کرنے اور پھر صدقہ نہ دینے کا واقعہ ابن کثیر اور معالم التنزیل نے ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں لکھا ہے۔ ثعلبہ بن حاطب کو حافظ ابن حجر نے شرکاء بدر میں شمار کیا ہے۔ اور ابن الکعبی سے نقل کیا ہے کہ وہ احد میں شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد ثعلبہ بن حاطب اور ابن ابی حاطب کے نام سے ایک شخص کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ صدقہ نہ دینے کا جو واقعہ منقول ہے وہ ثعلبہ بن حاطب مدنی کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شرکاء بدر کے لئے مغفرت کی خوشخبری ہے۔ لہذا صاحب واقعہ دوسرا کوئی شخص ہوگا (خواہ ثعلبہ نامی ہو یا اور کسی نام کا کوئی شخص) واللہ اعلم۔ واقعہ جس کسی کا بھی ہو بہر حال پیش ضرور آیا ہے کیونکہ نص قطعی سے ثابت ہوا کہ کسی نے مال ملنے پر صدقہ دینے کا وعدہ کیا تھا پھر جب مال مل گیا تو نہیں دیا۔

یہاں حضرت حکیم الامت تھانوی نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ جب وہ مال لے کر آیا اور توبہ کی تو اس کی توبہ کیوں قبول نہیں کی گئی؟ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر واپس کرنا خلوص سے نہ تھا بلکہ دفع عار اور بدنامی کے لئے تھا کیونکہ اغْفَبْهُمْ سے اس کا دھما کافر ہونا معلوم ہو گیا پھر خلوص کا احتمال کب ہے؟ آخر ما قال

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا

يُحَدِّثُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

جن کو اپنی محنت کے علاوہ کچھ میسر نہیں آتا سو یہ ان سے تمسخر کرتے ہیں۔ اللہ ان کے تمسخر کا بدلہ دے گا اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ

آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ استغفار کریں تب بھی

اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

اللہ انہیں نہ بخشنے گا۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا

منافقین کا مخلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر کرنا

تفسیر: منافقین کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اس لئے اہل ایمان کو طرح طرح سے تکلیف دیتے تھے ان تکلیفوں میں یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے اعمال اور احوال کو طعن اور طنز اور مسخرہ بازی کا نشانہ بناتے تھے۔ صحیح بخاری (ص ۶۷۳ ج ۲)

میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب ہمیں صدقہ کرنے کا حکم ہوتا تھا تو ہم محنت مزدوری کر کے اپنی کمروں پر بوجھ اٹھا کر کچھ مال حاصل کرتے تھے (جس کو صدقہ میں پیش کر دیتے تھے) اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے اور عاصم بن عدی نے سو سو کھجوریں حاضر کر دیں اس پر منافقین نے طنز کیا کہنے لگے اچھی کچھ نہیں یہ تو ریاکاری ہے ایک صحابی حضرت ابو عقیلؓ بھی تھے وہ ایک صاع کھجور لے کر آئے اور صدقہ کے مال میں ڈال دیا۔ اس پر منافقین آپس میں ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کو اس کے ایک صاع کی کیا ضرورت تھی؟ (چونکہ یہ صدقہ تھوڑا سا تھا اس لئے ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو عقیلؓ نے خوب زیادہ محنت کر کے دو صاع کھجوریں حاصل کیں (ایک صاع ۲/۳ سیر کا ہوتا ہے) ان میں سے ایک صاع گھر والوں کو دے دیا اور ایک صاع لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوری صورت حال عرض کر دی آپ نے فرمایا۔ اس کو مال صدقہ میں ڈال دو۔ منافق اس کا تمسخر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس مسکین کے صدقہ سے اللہ بے نیاز تھا (کیا ذرا سی چیز لے کر آیا) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تمسخر کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس تمسخر پر سزا دے گا اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۵ ج ۳ ص ۲۶ ج ۲)

حضرت ابو عقیلؓ جو محنت مشقت کر کے تھوڑی سی کھجوریں کسب کر کے لائے تھے اس کا خصوصی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا وَالَّذِينَ لَا يُجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ (جو لوگ اپنی محنت مشقت کے علاوہ کچھ بھی نہیں پاتے ان پر یہ لوگ طنز کرتے ہیں) اس میں صدقہ کرنے کے لئے محنت کرنے والوں کی تعریف ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتے کہ ہمارے پاس کچھ ہے ہی نہیں ہم کیا صدقہ کریں محنت و مشقت سے کچھ مال حاصل کر کے اللہ کی رضا مندی کے لئے پیش کر دیتے ہیں معلوم ہوا کہ صدقہ کرنے کے لئے مالدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس کچھ بھی نہیں وہ بھی صدقہ کرنے کا راستہ نکال سکتا ہے اور جسے جانی و مالی عبادت کا ذوق ہو وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ حضرات صحابہؓ نے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے خیر کی کیسی کیسی نظیریں چھوڑی ہیں۔ منافقین چونکہ کافر ہیں (اگرچہ بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں) اس لئے ان کے ساتھ آخرت میں کافروں والا ہی معاملہ ہوگا۔ یعنی دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کی مغفرت کا کوئی راستہ نہیں اس کو واضح طور پر بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا اَسْتَغْفِرُكُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَكُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ۔ یعنی آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں (یہ ان کے لئے برابر ہے) کمافی سورۃ المنافقین سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ (یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا) وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا)

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ

جو لوگ رسول اللہ کے بعد پیچھے ڈالے گئے۔ وہ اپنے بیٹھے رہ جانے پر خوش ہوئے اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنے مالوں

وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا

اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلو۔ آپ فرمادیتے ہیں کہ دوزخ کی آگ بہت زیادہ گرم ہے۔

لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

کیا اچھا ہوتا کہ یہ لوگ سمجھتے۔ سو یہ لوگ تھوڑا سا ہنس لیں اور زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلہ جو وہ کیا کرتے تھے

فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذِنُواكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا

سو اگر اللہ آپ کو ان کی کسی جماعت کی طرف واپس لے جائے پھر وہ آپ سے نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ فرمادیتے ہیں کہ تم ہرگز بھی

مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ

میرے ساتھ نہ نکلو گے۔ اور ہرگز میرے ساتھ کسی دشمن سے جنگ نہ کرو گے۔ بے شک تم پہلی مرتبہ بیٹھے پر راضی ہو گئے۔

فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ۝

سو تم بیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

منافقین کا اس پر خوش ہونا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ گئے

تفسیر: ان آیات میں بھی منافقین کی مذمت ہے جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے آپ تشریف لے گئے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ گئے۔ ان کو پیچھے رہ جانے پر کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ خوشیاں منا رہے تھے کہ اچھا ہوا ہم نہ گئے۔ انہوں نے آپ کے ہمراہ نہ جانے پر خوشی منائی اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنے جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ جانے پر افسوس تو کیا ہوتا دوسروں کو بھی جانے سے روک رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ گرمی میں مت نکلو۔ ایسی سخت گرمی میں جانے کا موقعہ نہیں ہے۔ انہوں نے دنیا کی گرمی کا تو خیال کیا۔ دوزخ کی آگ کی گرمی سے بچنے کا ارادہ نہ کیا۔ حالانکہ وہ دنیا والی گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے اور اس سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی جائے دنیا کی گرمی تو قابل برداشت ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کے لئے نکلے تھے کوئی پگھل تو نہیں گئے، تکلیف تو ہوئی مگر خیریت کے ساتھ واپس آ گئے دوزخ کی آگ کی کس کو سہا رہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہاری یہ آگ (جو دنیا میں ہے) دوزخ کی آگ کا ستر واں حصہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا جلانے کو (تو) یہی بہت ہے آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) دنیا کی آگ کی نسبت دوزخ کی آگ میں ۶۹ درجہ زیادہ گرمی بڑھادی گئی ہے۔ ہر درجہ کی گرمی اسی قدر ہے جتنی دنیا کی آگ کی گرمی ہے (بخاری ص ۶۲ ج ۱) دنیا کی گرمی سے گھبرا کر فرائض اور واجبات چھوڑنے والے اس پر غور کر لیں۔ ان لوگوں کا خود جانے کا ارادہ نہ تھا اور تکیوں پر بھی ان کے بارے میں یہی فیصلہ تھا کہ یہ لوگ نہ جائیں جیسا کہ وَلَٰكِنَّ كَوْرَةَ اللَّهِ أَنْ يَخْلُفَهُمْ

فَقَبَضَهُمْ میں فرمایا ہے اس لئے الْمُخَلَّفُونَ فرمایا کہ یہ لوگ پیچھے ڈال دیئے گئے۔

پھر فرمایا فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا کہ یہ دنیا میں تھوڑا سا ہنس لیں اور آخرت میں زیادہ روئیں گے۔ یہاں تھوڑی سی خوشی ہے جس میں ہنسی بھی ہے اور دوسروں کا مذاق بنانا بھی ہے جس کو خوش طبعی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن آخرت میں کافروں کی جو بد حالی ہوگی اس پر جو وہ روئیں گے اس رونے کا تصور کریں تو یہاں کی ذرا سی ہنسی خوشی کو بھول جائیں۔ وہاں تو ان کو رونا ہی رونا ہے حضرت عبداللہ بن قیس (یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دوزخی اتاروائیں گے کہ ان کے آنسوؤں میں اگر کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں (اور ان کے آنسو عام آنسو نہ ہوں گے بلکہ وہ آنسوؤں کی جگہ خون سے روئیں گے۔) (رواہ الحاکم فی المستدرک (ص ۶۰۵ ج ۴) وقال هذا حديث صحيح الاسناد و اقوة الذهبي) (حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے اس حدیث کا اسناد صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے بھی اسے ہی مقام دیا ہے)

جو لوگ دنیا میں اللہ کے خوف سے روتے ہیں اُن کا یہ رونا رحمت اور نعمت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں (دوزخ کی) آگ نہ چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی اور ایک وہ آنکھ جس نے فی سبیل اللہ (جہاد میں) چوکیداری کرتے ہوئے رات گزاری۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس چیز میں نجات ہے آپ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھنا کہ تجھے نقصان نہ پہنچا دے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے۔ (یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکل کیونکہ باہر فتنے ہیں اور گناہوں کے کام ہیں اور اپنے گناہوں پر رونا رہے) (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

جو لوگ آخرت کے فکر مند نہیں ہیں وہ یہاں نہیں روتے انہیں وہاں رونا ہوگا۔ جزَاءُ يَمَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (ان کاموں کے بدلے جو یہ کیا کرتے تھے) یعنی اُن کا یہ بہت زیادہ رونا کفر و نفاق اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہوگا۔

پھر فرمایا فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَرَفٍ مِّنْهُمُ (الآیہ) یعنی اگر اللہ آپ کو غزوہ تبوک کے سفر سے ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے جو آپ کے واپس پہنچنے تک مدینہ میں موجود ہوں اور پھر آپ کو کسی دوسرے موقع پر جہاد کے لئے جانا ہو اور یہ لوگ ہمراہ چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ اُن سے فرمادیں کہ تم کبھی میرے ساتھ جہاد میں نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ کسی دشمن سے لڑو گے۔ یعنی میں تمہیں ہرگز ساتھ نہ لے جاؤں گا۔ چونکہ تم نے پہلے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا لہذا اب بھی اُن لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں (یعنی بوڑھے بچے اور عورتیں) تم انہیں میں رہو۔ وہ معذوری کی وجہ سے نہیں جاتے تم بغیر معذوری ہی کے ان لوگوں کے ساتھ رہ جاؤ میں تمہیں ساتھ نہیں لیتا۔ قال صاحب الروح هو اخبار بمعنى النهي للمبالغة۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ خبر دینا ہے نبی کے معنی میں مبالغہ کی وجہ سے)

بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم جو ساتھ چلنے کی اجازت لے رہے ہو یہ اجازت لینا جھوٹا ہے اور دنیا سازی کے طور پر ہے۔ جب جانے کا وقت ہوگا تو ہمراہ نہ چلو گے بلکہ بیٹھے ہی رہ جاؤ گے جیسا کہ تم پہلے بھی رہ گئے تھے۔

لہذا تم پیچھے رہ جانے والوں ہی میں اب بھی اپنے کو شمار کر لو جو نبیؐ کی اجازت لے کر اہل ایمان کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو۔
فہو خبر بمعنی الخبر وهو المتبادر من لفظ التنزیل العزیز۔ (پس وہ خبر ہے اور خبر ہی کے معنی میں ہے اور
قرآن کریم کے الفاظ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے)

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَأْتِيكَ بِهِ وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ

اور ان میں سے جو کوئی شخص مر جائے آپ اس پر بھی نماز نہ پڑھیں اور اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں بے شک ان لوگوں نے اللہ

وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ ۝ وَلَا تُعْجِبُكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّا نُبَيِّدُ

اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ تا فرمان تھے۔ اور آپ کو ان کے اموال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالیں

اللّٰهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِمَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کو ان چیزوں کے ذریعہ دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حالت میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں

منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھئے اور ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہو جئے

تفسیر: صحیح بخاری (ص ۶۷۳، ج ۲) میں ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی (ریس المنافقین) مر گیا تو اس کا بیٹا عبد اللہ بن عبد اللہ خدمت عالی میں حاضر ہوا (جو خالص مسلمان تھا) اور اس نے کہا کہ میرے باپ کی موت ہو گئی ہے آپ اپنا کرتہ عنایت فرمادیں جو اُسے بطور کفن پہنا دیا جائے آپ نے اپنا کرتہ عنایت فرمادیا پھر عرض کیا کہ آپ نماز بھی پڑھائیں آپ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ وہ منافق ہے۔ آپ نے پھر بھی اس کی نماز پڑھادی اس پر آیت بالا وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَأْتِيكَ بِهِ نازل ہوئی۔ فتح الباری (ص ۳۳۶ ج ۸) میں ہے کہ آپ نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی باقی رہی یہ بات کہ عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیا مصلحت تھی؟ اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کے بیٹے عبد اللہ کی خوشی کے لئے اور قبیلہ خزرج کی قوم کی تالیف قلب کے لئے ایسا فرمایا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا کرتہ اسے کیا فائدہ دے گا۔ میں نے تو یہ عمل اس لئے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں اھ روح المعانی (ص ۱۵۴ ج ۱۰) میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ میرے اس عمل سے قبیلہ بنی خزرج کے ایک ہزار سے زیادہ افراد مسلمان ہو جائیں گے پھر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمید پوری کی اور ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عبد اللہ بن ابی کو جو آپ نے اپنا کرتہ عطا فرمایا تھا اس کی وجہ سے تفسیر وحدیث کی کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ آپ کے چچا عباس کو جب بدر کے قیدیوں میں لایا گیا تھا تو اُس وقت اُن کے بدن پر کپڑا نہ تھا۔ قد آور اور بھاری ہونے کی وجہ سے کسی کا کپڑا اُن کے جسم پر نہیں آتا تھا۔ اس وقت عبد اللہ بن ابی نے اپنا کرتہ پہنا دیا تھا۔ لہذا آپ

نے اس کی مکافات کے لئے اپنا کرتہ کفن میں شامل کرنے کے لئے عنایت فرمادیا۔ (روح المعانی ص ۱۵۳ ج ۱۰)
اس کے بعد فرمایا وَلَا تُجَاهِدُوا أَمْوَالَكُمْ وَأَوْلَادَكُمْ (لآیہ) کیا آیت تھوڑے سے لفظی اختلافات کے ساتھ چند صفحات پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں اسکی تفسیر دیکھ لی جائے۔

وَإِذَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمَنُوا بِاللهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ

اور جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو ان میں سے مقدروالے لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں

مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَوْدِينَ ۝ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ

اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے ہم بیٹھے بنے مالوں کے ساتھ ہو جائیں۔ یہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ گھروں میں بیچھے جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں

وَطَبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝

اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو وہ نہیں سمجھتے۔

وسعت ہوتے ہوئے منافقین کا اجازت طلب کرنا کہ غزوہ میں نہ جائیں

تفسیر: منافقین کا حال بتاتے ہوئے فرمایا کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے جس میں اللہ پر ایمان لانے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا حکم ہوتا ہے تو ان میں سے پیسے والے اور مالی وسعت والے اجازت لینے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے۔ گھروں میں بیٹھے رہ جائیں مالوں میں ہمیں بھی شمار فرمالیجئے۔ اس میں ان کی بے غیرتی کی طرف اشارہ ہے۔ بہادر مردوں میں شمار ہونے کو تیار نہیں۔ ضعیفوں اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھ رہنے کو تیار ہیں۔ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی (جنہیں اپنے نفع و نقصان کی بھی سمجھ نہیں)

لَكِنَّ الرُّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ

لیکن رسول اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور یہ وہ لوگ ہیں

لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ أَعَدَّ اللهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

جن کے لئے خوبیاں ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بشارت

تفسیر: منافقین کا حال بد بیان فرمانے کے بد اہل ایمان کو خوشخبری دی اور فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ اور جو لوگ

آپ پر ایمان لائے ان کے لئے خیرات یعنی خوبیاں ہیں یعنی وہ دنیوی اور آخری منافع ہیں جو محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ دنیا میں اللہ کی طرف سے اُن کے لئے ثمرت ہے اور مال غنیمت ہے اور آخرت میں جنت ہے اور اسکی نعمتیں ہیں۔ بعض مفسرین نے الخیرات سے جنت کی حوریں مراد لی ہیں۔ کیونکہ سورۃ رُحْمٰن میں یہ کلمہ جنت کی حوروں کے لئے آیا ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ فِیْہِنَّ خَیْرَاتٌ حَسَنَاتٌ۔

پھر فرمایا **وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** (اور یہی لوگ کامیاب ہیں) دنیا میں بھی خوب رہے اور آخرت میں بھی ابدی نعمتوں سے مالا مال ہوئے اس میں منافقین پر تعریض ہے جو یوں سمجھتے ہیں کہ ہم جو غزوہ میں ساتھ نہ گئے اور گرمی سے بچ گئے اس میں کامیابی ہے۔ درحقیقت یہ ان کی بے وقوفی ہے۔ کیونکہ کامیابی جہاد فی سبیل اللہ میں ہے جہاد چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جانے میں نہیں ہے۔ پھر ان حضرات کی آخری نعمتوں کا تذکرہ فرمایا **أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا** اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے **ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ** (یہ بڑی کامیابی ہے)

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ بہانہ کرنے والے آئے تاکہ ان کو اجازت دے دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے

سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الضَّعْفَاءِ وَلَا عَلَى

جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہ گئے جو لوگ ان میں سے کفر ہی پر ہیں گے انہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔ ضعیفوں اور مریموں اور اُن

الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ

لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جو خرچ کرنے کے لئے نہیں پاتے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے خلوص دل سے حاضر ہوں

مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۝ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا

محسنین پر کوئی الزام نہیں ہے اور اللہ غفور ہے رحیم ہے اور اُن لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوئے کہ آپ

مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَعَيْنُكُمْ نَفِيسٌ مِّنَ

ان کو سواری دے دیں۔ آپ نے کہہ دیا کہ میں ایسی کوئی چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں وہ اس حال میں واپس ہو گئے کہ اس رنج میں انکی

الدَّمْعُ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۝ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ

آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کیلئے نہیں پاتے۔ الزام تو انہی لوگوں پر ہے جو ملالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت چاہتے ہیں

وَهُمْ غَنِيَاءُ رَدُّوهُمَا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ ۝ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی سو وہ نہیں جانتے

جن حضرات کے پاس سواری نہ تھی وہ غزوہ تبوک کی شرکت سے محرومی پر رورہے تھے

تفسیر: رسول اللہ ﷺ نے جب غزوہ تبوک میں شرکت کرنے کے لئے اپنے ہمراہ چلنے کی دعوت دی تو یہ دعوت اہل مدینہ کو اور آس پاس کے دیہات کے رہنے والے جو لوگ تھے ان سب کو عام تھی بہت سے منافقین ایسے تھے جنہوں نے عذر بھی پیش نہ کیا اور دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے گھروں ہی میں رہ گئے اور بہت سے دیہات کے رہنے والے عذر پیش کرنے کے لئے آئے وہ عذر پیش کر کے پیچھے رہ گئے پہلی آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (ان میں سے جو لوگ کفر ہی پر رہیں گے ان کو دردناک عذاب ہوگا) منافقین کے بارے میں جو الَّذِينَ كَذَّبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دعوائے ایمان میں اللہ سے اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا، دیہات کے جو لوگ عذر کرنے کے لئے آئے تھے ان کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قبیلہ بنی اسد اور قبیلہ بنی غطفان کے لوگ تھے اور بعض حضرات نے قبیلہ بنی غفار کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس کے بعد ان مخلصین مسلمانوں کا ذکر فرمایا جن کو واقعی عذر تھا اور ساتھ ہی ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو معذور ہوتے ہوئے بھی خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہمیں بھی سواری دے دیجئے ہم بھی ساتھ چلیں گے۔

ارشاد ربانی ہے لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَمْلِكُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ کہ وہ لوگ ضعیف ہیں اور جو لوگ مریض ہیں اور جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے ان پر غزوہ میں شریک نہ ہونے کا کوئی گناہ نہیں إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ جب کہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے سچے دل سے اور خلوص کے ساتھ حاضر ہوں ان کا ایمان بھی سچا، اقرار بھی سچا، شرکت جہاد کے جذبات بھی سچے ہیں، مجبوری سے رہ گئے۔ انکے دلوں میں پوری سچائی کے ساتھ یہ بات ہے کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو غزوہ میں ضرور ہی شریک ہوتے۔ انہوں نے عذر بنایا نہیں تھا۔ واقعی معذور تھے۔ مزید فرمایا مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنَ سَبِيلٍ کہ جو لوگ نیکو کار ہیں ان پر کوئی الزام نہیں اور کوئی گرفت بھی نہیں وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ مخلصین اور محسنین کی کوتاہی کو معاف فرما دے گا۔

پھر فرمایا وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّكُوا لِمَخْلُوفَةٍ فَلَمْ يَأْخُذُوا بِمَا أُخْلِفُوا عَلَيْهِمْ (اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں سواری دے دیں) ان کے جواب میں آپ نے فرمادیا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کرا دوں۔ البدایہ والنہایہ (ص ۵۵ ج ۵) میں لکھا ہے کہ سات افرار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواری طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے ان میں سے ایک سالم بن عیسر، دوسرے ثعلبہ بن زید، تیسرے ابولہب بن عبد الرحمن بن کعب جو تھے عمرو بن الحماہ، پانچویں عبد اللہ بن معقل چھٹے حرث بن عبد اللہ اور ساتویں عریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہم تھے

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے دل سے پوری طرح تیار ہیں آپ کے ساتھ سفر میں جانا چاہتے ہیں۔ لیکن سواری نہ ہونے سے مجبور ہیں۔ آپ ہمیں سواری عنایت فرمادیں **قُلْتُ لَآ اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَیْهِ** آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سامان نہیں تاکہ تمہارے لئے سواری کا انتظام کر دوں۔

تَوَلَّوْا وَعَيْنُهُمْ نَفِیْضٌ مِنَ الدِّمِ حَزَنًا اَلَا یَجِدُوْا مَا یَنْفِقُوْنَ (وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے اس وجہ سے آنسو بہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کیلئے نہیں پاتے) اول تو یہ حضرات معذور تھے واقعی معذوری ہی جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اور واقعی عذر کو بھی عذر نہ سمجھا۔ اور انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے جائیں اور خود پیچھے رہ جائیں۔ وہ خدمت عالی میں حاضر ہوئے کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام فرمادیں۔ جب آپ نے فرمادیا کہ میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہے تو اس پر بھی بس نہ کیا اور اپنے دلوں میں یوں نہ کہا کہ اب تو ہم نے اپنی آخری کوشش کر لی اب جہاد میں نہ گئے تو کیا حرج ہے؟ وہ اپنی معذوری والی مجبوری پر رنجیدہ ہو رہے تھے۔ اور رنج بھی معمولی نہیں۔ ان کے چہروں پر آنسوؤں کی لڑی تھی اور وہ اس رنج میں گھلے جا رہے تھے کہ ہائے ہمارے پاس انتظام نہیں ہے انتظام ہوتا تو ہم ضرور ساتھ جاتے۔ اس موقع پر جہاں وہ لوگ موجود تھے جو جھوٹے عذر بنا بنا کر پیچھے ہٹ رہے تھے ان میں وہ حضرات بھی تھے جو عذر ہوتے ہوئے بھی جہاد کی شرکت کے لئے تڑپ رہے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت کے لئے کیسی کیسی قابل اقتداء روایات چھوڑی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بعض حضرات کے لئے سواری کا انتظام فرمادیا۔ اور بعض حضرات کے لئے انتظام کی صورت یہ ہوئی کہ ابولیلیٰ عبدالرحمن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما کی راستہ میں یامین بن عمیر نصری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ یہ دونوں روتے ہوئے جا رہے تھے۔ یامین نے دریافت کیا تم کیوں رو رہے ہو۔ انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں تاکہ آپ کے ساتھ سفر میں جائیں۔ آپ ہمارے لئے سواری کا انتظام فرمادیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس بھی سواری نہیں تھی جو عنایت فرمادیجے ہمارا رونا اسی وجہ سے ہے کہ شرکت جہاد سے رہے جا رہے ہیں۔ اس پر یامینؓ نے اپنی ایک اونٹنی پیش کر دی اور اپنے پاس سے بطور توشہ کھجوریں بھی دے دیں اور ثعلبہ بن زید کے ساتھ یہ ہوا کہ وہ رات کو نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے اور یوں دعا کی کہ اے اللہ آپ نے جہاد کا حکم فرمایا اور اس میں شریک ہونے کی ترغیب دی پھر مجھے مال نہیں دیا جس سے میں جہاد کی شرکت کے لئے قوت حاصل کر لیتا اور نہ آپ نے اپنے رسول کو (اس وقت) مال عطا فرمایا تاکہ میرے لئے سواری کا انتظام فرمادیجے۔ اب میں جہاد سے محرومی کے بدلہ میں یہ کرتا ہوں کہ جس کسی مسلمان سے مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہے یا کسی کا مجھ پر کوئی مالی حق ہے میں اُسے معاف کرتا ہوں۔ جب صبح ہوئی رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کہ اس رات کس نے صدقہ دیا۔ کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا آج رات جس نے صدقہ دیا ہو وہ کھڑا ہو جائے اس پر ثعلبہ بن زید

کھڑے ہوئے اور اپنا حال بتایا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارے لئے مقبول زکوٰۃ کا ثواب لکھا گیا۔

غزوہ تبوک کی تیاری کے لئے حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ کے قبیلے کے چند افراد نے بھی حضرت ابو موسیٰؓ کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام کیا جائے اس وقت آپ نے اُن کے لئے چھ اونٹوں کا انتظام فرمادیا (ایضاً ص ۵۶ ج ۵)

اس کے بعد فرمایا اِنَّكَ السَّيِّئُ عَلَى الدِّينِ يَسْتَاذِنُكَ وَهُمْ لَغِيۡبٌ الزَّامُ اَنْتُمْ لَوُكُوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت لیتے ہیں رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اپنی مالی استطاعت کی وجہ سے غزوہ میں جاسکتے ہیں اور ان کو ضعف اور مرض بھی نہیں ہے پھر بھی نہیں جاتے اپنے آپ کو عورتوں کے زمرہ میں شمار کر لیا نہ وہ گئیں اور نہ یہ لوگ جانے پر راضی ہوئے۔ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی لہذا وہ نہیں جانتے کہ دنیاوی تکلیف اٹھا کر آخرت کے بہت بڑے ثواب اور بلند درجات کا مستحق ہونا بہت بڑی کامیابی ہے۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذْ رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُونَ لَنَا لَوْ كُنَّا نَعْتَذِرُ عَنْكُمْ لَوْ كُنَّا نَعْتَذِرُ عَنْكُمْ لَوْ كُنَّا نَعْتَذِرُ عَنْكُمْ لَوْ كُنَّا نَعْتَذِرُ عَنْكُمْ

وہ لوگ آپ کے پاس عذر پیش کریں گے جب آپ انکی طرف واپس ہوں گے آپ فرمادیجئے عذر پیش نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات کو سچی نہ

قَدْ نَبَأْنَا اللَّهَ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ

مانیں گے۔ اللہ نے تمہاری خبریں ہمیں بتادی ہیں اور عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی۔ پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے

عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۖ سَيُخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ

جو چھپی ہوئی اور ظاہری باتوں کا جاننے والا ہے۔ سو وہ تمہیں ان کاموں سے باخبر فرما دے گا جو تم کیا کرتے تھے وہ عنقریب تمہارے سامنے اللہ کی

إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَعْنُوا عَنْهُمْ قَاعِزُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَا لِلَّهِ

قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ سو آپ ان سے اعراض کریں بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ

جَهَنَّمَ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۖ يَخْلِفُونَ لَكُمْ لِرَضْوَاعَنْهُمْ ۖ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ

دوزخ ہے۔ ان کو ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ

وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۖ

سو اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

تبوک سے واپسی پر عذر پیش کرنے والوں کو جواب

تفسیر: جن لوگوں نے تبوک سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹے عذر پیش کئے تھے۔ ان کے بارے میں اللہ جل شانہ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ آپ کی واپسی پر لوگ عذر پیش کریں گے۔ آپ ان سے فرمادیں کہ ہم تمہاری بات سچی نہیں مانیں گے تمہارے حالات کی اللہ نے ہمیں پہلے سے خبر دے دی ہے۔ اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لے گا۔ اور تمہاری پول کھلتی رہے گی۔ یہ ذلت تو دنیا میں ہوگی پھر اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور شہادہ سب کا جاننے والا ہے جو چیزیں ظاہر ہیں وہ انہیں بھی جانتا ہے اور جو چیزیں مخلوق سے پوشیدہ ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہے جب قیامت کے دن حاضری ہوگی تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر فرما دے گا۔ تم جو برے عمل کرتے تھے وہ سب تمہارے سامنے آ جائیں گے۔ مسلمانوں سے مزید خطاب فرمایا کہ جب تم سفر سے واپس ہو کر ان کے پاس پہنچو گے تو وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض کرو اور درگزر کرنے کا معاملہ کرو۔ اعراض تو تم کر لینا لیکن رضا مندی کے طور پر نہیں بلکہ ناراضگی والا اعراض کرنا کیونکہ یہ لوگ ناپاک ہیں (ان کے عقائد اور اعمال گندے ہیں) اور انجام کار ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یہ دوزخ ان کے اعمال کے بدلہ ہے جو وہ دنیا میں کرتے تھے۔

مزید فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے سامنے تمہیں راضی کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے۔ (تم ان سے راضی مت ہونا

بالفرض) اگر تم ان سے راضی ہو گئے تو (اس رضا مندی سے) انہیں کچھ نفع نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔ صاحب معالم التشریل لکھتے ہیں کہ یہ آیت جد بن قیس اور مغتب بن قثیر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ انہی آدمی تھے جو اپنے نفاق کی وجہ سے تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ اٹھیں بیٹھیں اور نہ ان سے بات کریں۔ (یہ حکم اَعْرِضُوا عَنْهُمْ پر عمل کرنے کے لئے تھا)

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَدُ الْأَيْعُلُوْا حُدُوْدَ مَا أُنْزِلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ

دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام نازل فرمائے ہیں ان سے واقف نہ ہوں۔

وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ۝ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرِبًا وَيَكْصُ بِكُمُ

اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے اور دیہاتیوں میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے خرچ کرنے کو تان بھجوتے ہیں اور تمہارے لئے

الدَّوَابِّ عَلَيْهِمْ ذَايِرَةٌ السَّوْءِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ

معیبتوں کے آنے کے منتظر رہتے ہیں۔ ان پر مڑی گردش ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور دیہاتیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَواتِ الرَّسُولِ الْأَكْ

اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول کی دعا میں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ خبردار

إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

یہ ان کے لئے نزدیکی کا سبب ہے۔ اللہ مغرب انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے

دیہاتیوں میں سخت نفاق والے بھی ہیں اور مخلصین بھی

تفسیر: ان آیات میں اعراب یعنی دیہات کے رہنے والوں کا حال بتایا ہے۔ اول تو یہ بتایا کہ دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں۔ اور علم کے ماحول سے دور ہونے کی وجہ سے ان کا یہی حال ہونا چاہئے کہ اللہ کے احکام کا انہیں علم نہ ہو جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائے ایمان و یقین اور علم و عمل کے ماحول میں رہیں تو کفر سے بھی بچیں اور نفاق سے بھی اور اللہ کے احکام کو بھی جانیں، لیکن مرکز علم و عمل سے دوری کی وجہ سے ان میں کفر بھی شدید ہے اور نفاق اور جہالت میں بھی آگے آگے ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ۱۱ ج ۱۱) أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا مِنْ أَهْلِ الْحَضَرِ الْكُفَّارِ وَالْمُنَافِقِينَ لَوْ حَشَمَهُمْ وَقَسَاةَ قُلُوبِهِمْ وَعَدَمَ مَخَالَطَتِهِمْ أَهْلَ الْحِكْمَةِ وَحِرْمَانِهِمْ اسْتِمَاعَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَهُمْ أَشْبَهَ شَيْءٍ بِالْبَهَائِمِ اهـ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دیہاتوں کے کفار و منافقین اپنے کفر و نفاق میں سخت اس لئے ہیں کہ ان کی طبیعت نامانوس ہے اور ان کے دل سخت ہیں اور اہل علم سے میل نہ ہونے کی وجہ سے

اور کتاب و سنت کے سننے سے محروم ہونے کی وجہ سے اور وہ چوپایوں کے بہت زیادہ مشابہ ہیں)

دیہاتیوں میں عموماً سخت مزاجی ہوتی ہے۔ سنن ابوداؤد (باب فی اتباع الصید) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

من سكن البادية جفا ومن اتبع الصيد غفل ومن اتى السلطان أفتن۔ (جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت مزاج ہوا اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہوا اور جو شخص صاحب اقتدار کے پاس آتا جا تا رہا وہ فتنے میں پڑ گیا) درحقیقت دیہات کا مزاج ہی ایسا ہے کہ طبیعت میں سختی آ جاتی ہے اور علم سے دور رہتے ہیں جس کی وجہ سے عمل سے بھی محروم رہتے ہیں اس کے بعد دیہاتیوں کی دو قسمیں بتائیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو جہاد وغیرہ میں کچھ خرچ کر دیتے ہیں تو اسے ایک قسم کا جرمانہ اور تاوان سمجھتے ہیں کیونکہ ثواب کے امیدوار نہیں اس لئے یہ خرچ ان کے نفسوں پر شاق گزرتا ہے جیسے خواہ مخواہ کا تاوان بھگت رہے ہوں اور اس بخل کی صفت کے ساتھ ان کی عداوت کا یہ عالم ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے گردشوں کے منتظر رہتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی گردش پڑ جائے جس سے ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ (انہی لوگوں پر بری گردش پڑنے والی ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا مسلمانوں کی ترقی ہوتی چلی گئی۔ ممالک فتح ہوئے منافق اور کافر ذلیل ہوئے۔ اپنی امیدوں میں ناکام ہوئے اور ان کی آرزوئیں جو مسلمانوں کے خلاف تھی دل ہی دل میں رہ گئیں وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (اور اللہ تعالیٰ ان کے کفر و نفاق کی باتیں سننے والا ہے اور ان کے احوال کو اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو جاننے والا ہے) ان کے احوال اور اعمال کے مطابق سزا دے دے گا۔ دیہاتیوں کی دوسری قسم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمِنَ الْاَغْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (الایۃ) اور دیہاتیوں میں بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ بنا لیتے ہیں ان کا مقصد اجر و ثواب حاصل کرنا اور اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول ﷺ سے دعائیں لینا ہے۔ لہذا جو مال خرچ کرتے ہیں اور جو مال خرچ کیا ہے بطور تاوان بددلی کے ساتھ نہیں بلکہ پوری بشارت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کے اموال جو خرچ ہوتے ہیں واقعی وہ اللہ کی نزدیکی کا سبب ہیں اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ

اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ

عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں

اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰﴾

وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے

سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور ان کا اتباع کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے

تفسیر: اس آیت میں حضرات مہاجرین اور انصار میں جو سابقین اولین تھے انکی تعریف فرمائی۔ اور جنہوں نے احسان اور اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان کی بھی تعریف فرمائی، اور یہ اعلان فرمایا کہ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ بھی اللہ سے راضی ہوئے۔ ان کی اخروی نعمتوں کا بھی تذکرہ فرمایا کہ اُن کے لئے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ اُن میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اور آخر میں فرمایا کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔

جن حضرات نے اسلام کی طرف سبقت کی مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے اور جن حضرات نے ان کا اتباع کیا اور یہ اتباع اخلاص کے ساتھ تھا ان سب کی فضیلت اور منقبت آیت بالا سے ظاہر ہو رہی ہے۔ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ اُن کا اتباع کیا اُن میں وہ صحابہ بھی ہیں جو اُن کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ لوگ بھی ہیں جو صحابیت کے عظیم مرتبہ سے مشرف نہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سابقین اولین مہاجرین و انصار کی راہ پر چلے۔ جنہیں تابعین کہا جاتا ہے۔ اس آیت سے واضح طور پر مہاجرین اور انصار کے بارے میں اللہ جل شانہ کی طرف سے اس بات کا اعلان ہے کہ یہ حضرات جنتی ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، سابقین اولین میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

روافض کی گمراہی: روافض کا جو یہ کہنا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمرؓ مسلمان ہی نہیں تھے اور یہ کہ تین چار صحابہؓ کے علاوہ باقی سب مرتد ہو گئے تھے (العیاذ باللہ) ان کی یہ بات آیت بالا کی تکذیب کر رہی ہے۔ جو شخص کسی آیت کی تکذیب کرے وہ خود کافر ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو مہاجرین و انصار سابقین اولین اور ان کے تابعین سے راضی ہونے کا اعلان فرمادیا لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اعلان صحیح نہیں ان کے عقیدہ میں تین چار صحابہ کے علاوہ باقی سب دوزخ میں ہیں اور خاص کر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے معذب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمادیا اور ہمیشہ ہمیش ان کے جنت میں رہنے کی خوشخبری دے دی تو اس پر وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بد اہو گیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس وقت معلوم نہیں تھا جب رضامندی کا اعلان فرمایا کہ یہ لوگ مرتد ہو جائیں گے (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) اپنی بات کی بیجا میں اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اعلان کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ طہروں اور زندقوں کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں مَن یُضِلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ (جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑا ہے) آیت بالا میں مہاجرین و انصار میں جو سابقین اولین تھے وہ اور ان کا اتباع کرنے والوں کی منقبت بیان فرمائی۔ اور اس کے بعد والے رکوع میں مطلق مہاجرین و انصار کی تعریف فرمائی۔ اور سورۃ الفتح کی آیت لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي

قَالُوْهُ مَا كُنَّا لِنَكْنِيْكَ فِيْ اَنْ سَبَّ حَضْرَات سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا جنہوں نے حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ پھر سورۃ الفتح کے ختم پر تمام صحابہ کی تعریف بیان فرمائی۔ اور فرمایا
 مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشْكُوْا عَلٰی الْكُفٰرِ لَنْ يَّجِيْزَهُمُ (الایۃ) اور آخر میں ان کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان سب آیات کی تصریحات کے خلاف رد و انقض کتے ہیں کہ مجز تین چار صحابہ کے کوئی بھی مسلمان نہ رہا۔ انہیں حضرات صحابہ پر کفر چپکانے پر تو اصرار ہے لیکن اپنے مومن ہونے کی طرف ذرا دھیان نہیں۔ اپنی طرف بھی تو دیکھو قرآنی آیات کے منکر ہو کر تم کیسے مومن ہو؟ کیا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہہ دینے سے آخرت میں نجات ہو جائے گی۔ یوم آخرت میں خود مومن ہو کر پیش ہونے کو کیوں ضروری نہیں سمجھتے لَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ۔

حضرات مہاجرین و انصار اور ان کا اتباع کرنے والے جنتی ہیں

فائدہ: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَاخِلُوْنَ۔ جو فرمایا ہے اس میں قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا اعلان ہو گیا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتباع کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جنہیں ال سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔ بہت سے فرقے اسلام کے دعویدار ہیں لیکن ان میں جو بھی کوئی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دین پر نہیں ہیں وہ سب گمراہ ہیں۔ قرآن مجید بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے ملا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی انہی حضرات کے ذریعہ پہنچے ہیں جو ہر مسلمان کے لئے مشعل راہ ہیں۔ جو لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلمان نہیں مانتے ان کے پاس خود ان کے دعویٰ کے مطابق نہ تو وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور نہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں۔ اور اسی لئے ان کی زندگی میں اسلامی اعمال نہیں ہیں آیت بالا میں اور سورۃ نساء کی آیت وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ میں حضرات صحابہ اور ان کے قبیحین کو اور اہل ایمان کو معیار حق قرار دیا ہے آپ نے یہ فرمایا کہ میرے بعد بہت زیادہ اختلاف دیکھو گے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ (تمہارے لئے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین محدثین کی سنت کو لازم پکڑنا ضروری ہے اس کو کھٹاے رہو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑو) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰) پھر جب تہتر فرقوں کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا تو اس پر حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ وہ فرقہ کونسا ہے اس پر آپ نے فرمایا: مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ كَسْ طَرِيقَةٍ پرمیں اور میرے صحابہ ہیں جو جماعت اس طریقہ پر ہوگی وہ نجات والی ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰) اس میں بھی حضرات صحابہ کو معیار حق بتایا اب ہر مدعی اسلام سوچ لے کہ وہ خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام کے راستہ پر ہے یا نہیں اپنے افکار عقائد و اعمال کا جائزہ لے۔

وَمِنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنْفِقُوْنَ ۖ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْنَ ۚ وَاعْلَى الْتِفَاقِ

اور تمہارے گرد و پیش جو دیہاتی ہیں ان میں منافق ہیں اور اہل مدینہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو منافقت پرائے گئے ہیں آپ انہیں نہیں جانتے ہم

لَا تَعْلَمُوْهُمْ مِّنْ نَّعْلِهِمْ سَتَعْلَمُوْهُمْ ۖ ثُمَّ يَمُرُّنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝۱۱

انہیں جانتے ہیں ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے

مدینہ منورہ اور آس پاس کے دیہات میں رہنے والے منافقین کا تذکرہ

تفسیر: اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مدینہ منورہ کے آس پاس رہنے والے دیہاتیوں میں منافقین ہیں صاحبِ عالم المتزویل نے اس سلسلہ میں بنی مُزینہ و بنی جُھینہ وغیرہم کے نام لکھے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ اہل مدینہ میں سے بھی بعض لوگ منافق ہیں اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس اور خزرج میں منافق تھے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ منافقت پر مصر ہیں۔ مضبوطی کے ساتھ جے ہوئے ہیں (جو لوگ مدینہ منورہ میں رہتے ہیں وہ صرف مدینہ منورہ ہی میں رہنے کو سب کچھ نہ سمجھیں اپنے ایمان اور اعمال کی بھی خبر لیں۔ اب بھی مدینہ منورہ میں خاصی تعداد میں روافض ہیں۔ اور دجال کے تذکرہ میں احادیث شریفہ میں بتایا ہے کہ جب دجال مدینہ منورہ کا رخ کرے گا تو شہر میں داخل نہ ہو سکے گا (احد پہاڑ کے پیچھے) شور زمین میں ٹھہر جائے گا اس وقت مدینہ منورہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے ہر منافق مدینہ منورہ سے نکل کر اس کے پاس پہنچ جائے گا) بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ محض اقامتہ مدینہ منورہ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ خواہ عقائد و اعمال کیسے ہی ہوں۔ یہ اُن لوگوں کی غلطی ہے اور شیطان کا دھوکہ ہے پھر فرمایا لَا تَعْلَمُوهُمْ فَتُخَنَّنَ عَلَيْهِمْ۔ (آپ انہیں نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں) سَنُعَذِّبُهُمْ مُّكَرَتَيْنِ (عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے) ثُمَّ يَرْدُّونَ اِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ (پھر وہ بڑے عذاب (یعنی دوزخ) کی طرف لوٹائے جائیں گے) سَنُعَذِّبُهُمْ مُّكَرَتَيْنِ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بار بار عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے اور بعض اکابر نے اس کا ترجمہ دوہری سزا کا کیا ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کے اور بھی اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ منافقین کو ایک دن جمعہ کے روز جب آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو نام لے لے کر مسجد سے نکال دیا۔ اور فرمایا اے فلاں تو منافق ہے نکل جا پہلا عذاب تو یہ رسوائی کا عذاب ہوا اور دوسرے عذاب سے عذاب قبر مراد ہے۔ یہ اقوال علامہ بغوی نے معالم المتزویل (ص ۲۲۳ ج ۲) میں نقل کئے ہیں۔ جن حضرات نے دوسرا عذاب عذاب آخرت بتایا ہے۔ بظاہر یہ بات صحیح نہیں کیونکہ دوزخ کا عذاب بعد میں مذکور ہے۔ وہو قوله تعالیٰ ثُمَّ يَرْدُّونَ اِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ۔

وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَىٰ اللَّهُ اَنْ

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا انکار کر لیا انہوں نے طے مل کے جن میں نیک عمل بھی ہیں اور بُرے اعمال بھی۔ عنقریب اللہ

يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ

ان کی توبہ قبول فرما لے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ آپ ان کے اموال سے صدقہ لے لیجئے جو انہیں پاک کرے گا۔

بِهَا وَصَلَّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اَلَمْ يَعْلَمُوا اَنْ

اور ان کو دعا دیجئے۔ بے شک آپ کی دعا اُن کے لئے باعث تسکین ہے کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ بلاشبہ

اللّٰهُ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰﴾

اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ خوب زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے۔

وَقُلْ اَعْمَلُوا فَاَسِيرَی اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسُرَّدُونَ اِلٰی عَلِیِّ

اور آپ فرمادیجئے کہ عمل کرتے رہو سو قریب اللہ تمہارا اعمال کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور اہل ایمان بھی اور قریب تم اس ذات پاک کی طرف لوٹائے جاؤ گے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾ وَاٰخَرُونَ مُرْجُونَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ

جسے چھپی ہوئی چیزوں کا اور کھلی ہوئی چیزوں کا علم ہے پھر وہ تمہیں جہادے گا جو عمل کیا کرتے تھے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے سے مؤخر کیا ہوا ہے۔

وَاِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۲﴾

وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے

مومنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے

تفسیر: جو منافقین غزوہ تبوک میں شرکت کے لئے جانے سے رہ گئے تھے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کے واپس تشریف لانے پر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے (جن میں اہل مدینہ اور مدینہ منورہ کی آس پاس کی بستیوں کے رہنے والے دیہاتی بھی تھے) ان کا تذکرہ فرمانے کے بعد ان چند مومنین مخلصین کا تذکرہ فرمایا جو اپنے ایمان میں سچے ہوتے ہوئے سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت تو رہ گئے اور ساتھ نہ گئے لیکن بعد میں پیچھتائے اور نادم ہوئے کہ ہم عورتوں کے ساتھ سایوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ دھوپ کی گرمی اور سفر کی مشقت اور تکلیف میں ہیں ہمارے لئے پیچھے رہ جانا کسی طرح درست نہ تھا۔ جب ان حضرات کو رسول اللہ ﷺ کے واپس تشریف لانے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنی جانوں کو نہیں کھولیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے ہمیں نہ کھولیں آپ کا جب ان کی طرف گزر رہا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ جب تک آپ ان کو نہ کھولیں گے اور ان سے راضی نہ ہوں گے اس وقت تک وہ بندھے ہی رہیں گے آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں بھی انہیں نہیں کھولوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے کھولنے کا حکم نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نکلے۔ لہذا اب مجھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار ہے جیسا حکم ہوگا اس پر عمل کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ **وَآخِرُونَ غَتَرَفُوا** (الآیۃ) نازل فرمائی اور آپ نے ان کو کھول دیا۔ چونکہ یہ حضرات مخلصین مومن تھے اور اپنے گناہ کا اقرار بھی کر لیا جو توبہ کا جزو اعظم ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والے عمل سے انہوں نے توبہ بھی کر لی اور پہلے سے بھی نیک عمل کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے بھی ادائے فرائض اور دیگر نیک کاموں میں لگے رہے اس لئے ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ

کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا اور نیک عمل کو مڑے عمل کے ساتھ ملا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کی خوش خبری دی عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ کہ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا (چنانچہ ان کی توبہ قبول ہوگئی) اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بلاشبہ اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)

جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس جو یہ اموال ہیں انہیں نے ہم کو پیچھے ڈالا اور جہاد کی شرکت سے روکا۔ لہذا ہم ان کا صدقہ کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں ہوا اس پر آیت کریمہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا نازل ہوئی یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک اور صاف کر دیں۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ (اور آپ ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے اطمینان قلب کا ذریعہ ہے) وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے) وہ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کے احوال ظاہرہ باطنہ جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ کن لوگوں نے جھوٹے عذر پیش کئے۔ اور جن مخلصین نے سچے دل سے توبہ کی اور اخلاص کے ساتھ اپنے اموال پیش کئے اللہ تعالیٰ کو ان کا بھی علم ہے جن حضرات نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا یہ کتنے حضرات تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ دس افراد تھے اور سعید بن جبیرؓ اور زید بن اسلمؓ نے فرمایا کہ آٹھ افراد تھے۔ حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ یہ سات آدمی تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ پانچ آدمی تھے اور ان سب میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اگرچہ مشہور یہ ہے کہ ان کا مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ دینا قتل بنی قریظہ کے سلسلہ میں تھا (کہ انہوں نے انہیں پہلے سے اشارہ کر کے بتا دیا تھا کہ تمہارے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے) معالم التنزیل (ص ۳۲۳-۳۲۴ ج ۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ وَالْمُؤْمِنَاتُ اَعْتَقُوا بِذُنُوبِهِمْ اگرچہ چند خاص افراد کے بارے میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم تمام گناہ گاروں کے لئے عام ہے۔ جو گناہوں میں بھی ملوث رہتے ہیں اور نیک اعمال بھی کرتے ہیں اھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گناہوں میں لگا رہتا ہو وہ یہ نہ سمجھے کہ میں تو گناہ گار ہوں۔ نیک کاموں میں کیا لگوں؟ اگر گناہ نہیں چھوڑتا تو جہاں تک ممکن ہو نیک کاموں کو بھی نہ چھوڑے۔ یہ نیک کام سینات کا کفارہ بھی بنتے رہیں گے اور توبہ کی توفیق ہونے کا بھی ذریعہ بنیں گے۔ گناہوں کے ہوتے ہوئے بھی بشرط اخلاص نیک اعمال نیکوں ہی میں شمار ہوتے ہیں (الاماکان حابطا للاعمال)

پھر فرمایا اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ (الآیہ) اس کا شان نزول بتاتے ہوئے (درمنثور ص ۳۷۵ ج ۳) میں لکھا ہے کہ جب ان حضرات کی توبہ قبول ہوگئی جنہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا تو وہ پھر بے تکلف مسلمانوں کے ساتھ رہنے پہنچ گئے اس پر منافقین نے کہا کہ کل تک تو یہ لوگ اسی حال میں تھے جس میں ہم ہیں نہ

اے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو صدقہ کے آلہ تطہیر و تزکیہ ہونے کا کیا معنی؟ حکیم الامت قدس سرہ نے بیان القرآن میں اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن گناہ کی ظلمت و کدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور گناہ پر مواخذہ نہیں لیکن اس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے پس صدقہ سے خصوصاً بوجہ حدیث الصدقہ تطہی غضب الرب اور دیگر اعمال صالحہ سے عموماً یہ ظلمت اور کدورت منقطع ہو جاتی ہے۔

ان سے کوئی بات کرتا تھا اور نہ انکے پاس کوئی شخص بیٹھتا تھا آج کیا ہوا (کہ سب مسلمان ان سے خوش ہیں اور ہم سے بدستور ناراض ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَیَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الثَّوَابُ الرَّحِیْمُ نازل فرمائی (کیا انہیں معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے) اس میں منافقوں کو جواب دے دیا کہ تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ کل تک یہ لوگ ہماری ہی طرح سے تھے آج ان کی شان ہی اور ہے اور ہم سے مختلف ہیں اس میں تعجب اور اعتراض کی کوئی بات نہیں ہے یہ پہلے سے مومن تھے اور اپنی بے عذر والی غیر حاضری پر نادم بھی ہوئے اور توبہ بھی کی اور صدقہ بھی دیا اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے طالب ہوئے اور تم وہی اپنے نفاق پر جھے ہوئے ہو تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اپنے کئے پر ندامت نہیں تو ان کے جیسے کس طرح ہو سکتے ہو۔

پھر فرمایا وَقُلْ اَعْمَلُوا فَاَسَیْرَی اللّٰهُ عَمَلُکُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (اور آپ ان سے فرما دیجئے کہ عمل کئے جاؤ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور مومنین بھی دیکھ لیں گے) حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا ہے کہ یہ وعید کے طور پر فرمایا ہے دنیا میں جو بھی کوئی شخص کوئی عمل کرے گا اللہ تعالیٰ شانہ کو تو بہر حال اس کا علم ہی ہے وہ ازل سے سب کچھ جانتا ہے۔ اور جب کوئی عمل کسی سے صادر ہو اس کے وقوع کی بھی جان لیتا ہے۔ نیز لوگوں کے اعمال مخلوق سے بھی پوشیدہ نہیں رہتے۔ جب جیسا کوئی عمل کرے گا اگر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہو گا تو آپ بھی اسے جان لیں گے اور مومنین کے سامنے جس کا جو عمل سامنے آئے گا وہ بھی اس سے واقف ہو جائیں گے اگر کوئی شخص برا عمل کرے تو بعض مرتبہ دنیا میں بھی اسکی ذلت اور خواری سامنے آ جاتی ہے۔ اور اس عمل پر دنیا کے عذاب میں بھی مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔ وَسُئِرُوْنَ اِلٰی عَلَیْهِ الْعَذَابُ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ (اور عنقریب ایسی ذات پاک کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر اور پوشیدہ تمام اعمال واقوال اور نیّتوں کو جاننے والا ہے۔ وہ بتا دے گا کہ تم لوگ کیا کرتے تھے) اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا کے بعد آخرت کی پیشی بھی ہے وہاں محاسبہ اور مواخذہ ہے۔ منافق اپنے نفاق سے باز آ جائیں اور مومنین جن سے گناہ سرزد ہوئے ہیں وہ بھی آئندہ احتیاط رکھیں اور گناہوں سے پرہیز کریں۔

پھر فرمایا وَاَخْرُفْنَ مُزْجُوْنَ لِاَصْحَابِ الْاَعْمَالِ یُحْشَرُوْنَ اِلَیْہِمْ وَاَللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے) اس آیت میں ان تین صحابیوں کا ذکر ہے جو بلا عذر ربوک میں جانے سے رہ گئے تھے۔ انہیں اس پر ندامت بھی تھی اور سچائی کے ساتھ انہوں نے عرض کر دیا تھا کہ ہم واقعی بلا عذر رہ گئے۔ لیکن ان لوگوں کی طرح سے توبہ کے لئے پیش بھی نہ ہوئے جنہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا۔ یہ تین آدمی تھے کعب بن مالک بلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بول چال کرنے اور ان کے ساتھ ملنے جلنے سے صحابہ کو منع فرما دیا تھا۔ جب ان کو یہ تکلیف بہت بھاری پڑی اور زمین ان پر تنگ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس کا تفصیلی واقعہ آئندہ رکوع کی آیت وَعَلَى الْکَافَّةِ الْکُذِبُ خَلَفُوا کی تفسیر میں بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضَرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِصَادًا لِّمَنْ

اور جن لوگوں نے اس لئے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائیں اور کفر اختیار کئے رہیں اور مؤمنین کے درمیان پھوٹ ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا نظام کریں جس نے اس سے

حَارِبَ اللَّهِ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَخْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ

پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی اور البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی ہی کا ارادہ کیا تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ

كَذِبُونَ ﴿١٥﴾ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لِّلْمَسْجِدِ أُسُسٌ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ

جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے

تَقُمْ فِيهِ فِيهِ رَجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَّطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ﴿١٦﴾ أَفَمَنْ أَسَسَ

تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی ہیں کہ

بُنْيَانُهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا

وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ وہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے جس کی بنیاد کسی

جُرْفٍ هَارٍ فَإِنَّهَا رِبَاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٧﴾ لَا يَزَالُ

گھاٹی کے کنارے پر رکھی گئی ہو جو گرنے والی ہے پھر وہ اُسے لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾

انہوں نے جو عمارت بنائی وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ لایکہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے

منافقوں کی ایک بہت بڑی مکاری اور مسجد ضرار کی بناء

تفسیر: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر (ص ۳۸۷ ج ۲) میں ان آیات کا شان نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے

کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے قبیلہ بنو خزرج میں سے ایک شخص (جسے ابو عامر کہا جاتا تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی بن گیا تھا۔ وہ راہب تھا اور عبادت گزار تھا۔ اس نے اہل کتاب سے علم بھی حاصل کر لیا تھا۔ قبیلہ بنی خزرج میں اسکی بڑی اہمیت تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اور اسلام کا کلمہ بلند ہو گیا۔ تو اس ملعون کو بہت ہی ناگوار ہوا (جیسا کہ منافقین نے دشمنی کا مظاہرہ کیا) یہ مدینہ منورہ سے فرار ہو کر مکہ معظمہ پہنچ گیا۔

وہاں اس نے مشرکین کو رسول اللہ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ جس کی وجہ سے وہ لوگ دیگر قبائل کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لئے آگئے اور اس کے نتیجے میں اُحد کا معرکہ پیش آیا کہتے ہیں کہ اسی عین نے وہاں چند گڑھے کھود دیئے تھے جس میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ گر پڑے تھے جو آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہونے اور دندان مبارک

شہید ہونے کا سبب بنا۔ (جس کا ذکر سورہ آل عمران کی تفسیر میں گذر چکا ہے) (انوار البیان ج ۲) جب اُحد میں مومنین اور کافرین کا مقابلہ شروع ہوا تو ابو عامر اپنی قوم (یعنی انصار) کی طرف بڑھا اور ان کو اپنی مدد کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ ان حضرات نے اسے بہت بُرا کہا اور اس سے کہا کہ تو اللہ کا دشمن ہے اور اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اور اس کا ساتھ نہیں دیا تفسیر ابن کثیر اور معالم التنزیل (ص ۳۲۶ ج ۲) میں لکھا ہے کہ ابو عامر (جو حضرت حظلہ غیل الملائکہ رضی اللہ عنہ کا باپ تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ ٹاٹ کے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس نے دریافت کیا کہ آپ کون سا دین لے کر آئے ہیں آپ نے فرمایا میں ملت حنیفیہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی ملت لیکر آیا ہوں۔ ابو عامر نے کہا ہم دونوں میں سے جو بھی جھوٹا ہو اللہ اسے ایسی جگہ موت دے جہاں وہ تنہا ہو پور دیسی ہو دور پھینکا ہوا ہو اس پر آپ نے آمین فرمایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ شخص اپنی بددعا کے مطابق شام میں جا کر مر گیا۔ جہاں کوئی اس کی خبر لینے والا نہ تھا۔ معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ابو عامر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ جو لوگ بھی آپ سے جنگ کریں گے میں ان کے ساتھ مل کر آپ سے لڑوں گا۔ اس کے بعد وہ آپ کے دشمنوں کے ساتھ مل کر برابر آپ کے مقابلہ میں آتا رہا۔ اور غزوہ حنین تک اس نے اس پر عمل کیا۔ جب حنین میں بنی ہوازن کو شکست ہو گئی تو یہ نا اُمید ہو گیا اور شام کی طرف بھاگ نکلا وہاں سے اس نے منافقین کو پیغام بھیجا کہ جہاں تک ممکن ہو قوت اور ہتھیار جمع کر لو اور میرے لئے ایک مسجد بناؤ میں قیصر کے پاس جا رہا ہوں جو روم کا بادشاہ ہے میں رومیوں کا لشکر لے کر آؤں گا اور محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دوں گا۔ اس کا یہ پیغام آنے پر مسجد قباء کے قریب ہی مسجد ضرار بنائی گئی۔ انتہی

چونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا غلبہ ہو چکا تھا جس کی وجہ سے منافقین نے ظاہر میں اسلام قبول کر لیا تھا اور کھل کر اسلام کے خلاف کوئی مشورہ نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ کوئی مرکز بنایا جاسکتا تھا اس لئے ان لوگوں نے اسلام ہی کے نام سے اپنا مرکز بنایا۔ یعنی مسجد کے عنوان سے ایک جگہ بنالی جو مسجد قباء کے قریب تھی۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے مسجد بنائی ہے۔ آپ اس میں نماز ادا فرمائیں اور مقصد ان کا یہ تھا کہ جب آپ اس میں نماز پڑھ لیں گے تو مسلمانوں کو اس کے مسجد ہونے کا یقین ہو جائے گا اور اس طرح کا کوئی شک و شبہ نہ کر سکیں گے کہ یہ مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ مسجد ہم نے ضعیف اور بیمار لوگوں کے لئے بنائی ہے تاکہ سردی اور بارش کی راتوں میں یہ لوگ قریب ہی نماز پڑھ سکیں دور جانا نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو ہم سفر میں جا رہے ہیں جب واپس آئیں گے تو انشاء اللہ تمہاری فرمائش پوری کر دی جائے گی۔ آپ تبوک کے سفر میں تشریف لے گئے جب وہاں سے واپس ہوئے تو مدینہ منورہ پہنچنے میں ابھی ایک دن یا اس سے کم مسافت باقی تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے خبر دے دی کہ یہ مسجد مسجد ضرار ہے جس کا مقصد اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا اور کفر پر بھار ہنا اور مومنین کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے کہ جو لوگ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں ان کی جماعت کے کچھ لوگ اس مسجد ضرار میں آئے لگیں۔ اور انہیں اپنے ڈھنگ پر ڈالا جاسکے۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ ابھی مدینہ منورہ پہنچے بھی نہ تھے کہ راستہ ہی سے آپ نے بعض صحابہؓ کو بھیج دیا جنہوں نے

مسجد ضرار کو آگ لگا دی اور اُسے گرادیا جن حضرات نے یہ کام کیا وہ مالک بن خنسم اور معن بن عدی تھے۔ بعض حضرات نے معن کے بھائی عامر بن عدی کا بھی نام لیا ہے۔ معالم التنزیل میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار کو جلانے کا حکم دے کر یہ بھی حکم دیا تھا کہ اس کو کوڑا ڈالنے کی جگہ بنالیا جائے جس میں مردہ جانور اور بدبودار چیزیں ڈالی جایا کریں۔ حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد ضرار کے بنانے والے بارہ آدمی تھے اور ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جب ان لوگوں کا راز کھل گیا تو اپنی عادت کے مطابق وہی جھوٹی قسمیں کھانے لگے اور انہوں نے کہا إِنْ أَذُنَا إِلَّا الْهَمْسُ (کہ ہم نے تو صرف خیر ہی کا ارادہ کیا تھا) اللہ تعالیٰ نے انکی مٹدیب فرمائی اور فرمایا وَاللّٰهُ يَنْهٰهُمُ الْهَمْسُ كَذِبُونَ (اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں) اسلام اور مسلمان اور مسجد قباء کو ضرر دینا اور کفر پر جے رہنا اور اہل ایمان میں تفریق ڈالنا اور اس شخص کے لئے سامان فراہم کرنا جس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی یہ ان کے مقاصد ہیں جس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی اس سے ابو عامر مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا لَا تَقْعُرُوْهُ فِیْہِ اَبَدًا (آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں) خطاب تو آپ کو ہے لیکن مسلمان آپ کے تابع تھے اس لئے سب مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔ پھر فرمایا لَسْبَدُ اَبَدًا عَلٰی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْهُ فِیْہِ (البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر ڈالی گئی وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں) اس سے مسجد قباء مراد ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر بنائی تھی۔ سفر ہجرت کے بعد جب آپ نے چند دن قباء میں قیام فرمایا انہی دنوں میں یہ مسجد تعمیر فرمائی اسلام کی تاریخ میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے آپ سوار ہو کر اور کبھی پیدل اس مسجد میں شہر مدینہ سے تشریف لایا کرتے تھے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

(اس وقت قباء شہر سے دور تھا راستہ میں جنگل پڑتا تھا آج کل مسلسل قباء تک اور اس کے بعد تک آبادی ہو گئی ہے) آپ نے جب یہ مسجد بنائی تھی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کا کعبہ متعین کر کے بتایا تھا۔ اس مسجد کی یہ بھی فضیلت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں نماز پڑھنا عمرہ کرنے کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی ص ۴۷ ج ۱)

پھر فرمایا: فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّطْعُرُوْا اللّٰہَ یُحِبُّوْنَ الدُّعَیْرَ (اس میں ایسے آدمی ہیں جو یہ پسند کرتے ہیں کہ خوب پاکی حاصل کریں اور اللہ بہت پاکی حاصل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) حضرت ابو ایوب حضرت جابر حضرت انس رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا کہ جب آیت شریفہ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّطْعُرُوْا اللّٰہَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت بے شک اللہ نے پاکی اختیار کرنے کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو بتاؤ تمہاری کیا پاکیزگی ہے انہوں نے عرض کیا ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور جنائیت ہو جائے تو غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہی بات ہے لہذا تم اس کے پابند رہو۔ (رواہ ابن ماجہ کما فی مشکوٰۃ ص ۴۴۷ رواہ ابوداؤد و ایضا باب الاستنجاء بالماء)

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت مسند بزار میں بھی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم پہلے پھروں سے استنجاء کرتے ہیں پھر پانی سے دھوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف پھروں سے بڑایا چھوٹا استنجاء کرے اور نجاست پھیلی ہوئی نہ ہو (یعنی جتنی مقدار صلوٰۃ کے لئے معاف ہے اس سے زیادہ نہ ہو) تو صرف پھروں کے استنجاء پر اکتفا کر لینا درست

ہے۔ عام طور سے اہل عرب پتھروں ہی پر اکٹفا کرتے تھے۔ قباء کے نمازیوں نے پتھروں سے استنجاء کرنے کے بعد پانی استعمال کرنے کا طریقہ بھی اختیار کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کے پابند رہو۔ لہذا تمام مسلمانوں کے لئے یہ قانون ہو گیا کہ پتھر یا ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے بھی دھویا کریں۔ اہل قباء کی پاکیزگی کی تعریف فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ کہ اللہ خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ جو شخص بھی ناپاکیوں سے بچنے اور ان سے دور رہنے اور ناپاکی لگ جائے تو اس کے دھونے کا اہتمام کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا۔ جب ظاہری ناپاکی سے بچنے پر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے تو گناہوں سے بچنا تو اور زیادہ محبوبیت کا ذریعہ بنے گا کیونکہ باطنی ناپاکی زیادہ گندی ہے اس پر غور کر لیا جائے۔ اس بات کے پیش نظر حضرت ابوالعالیہؓ نے فرمایا کہ پانی سے طہارت حاصل کرنا تو بلاشبہ اچھی بات ہے لیکن آیت میں گناہوں سے پاک ہونے والوں کو اللہ کا محبوب بتایا ہے۔ درحقیقت الفاظ کا عموم ہر طرح کی تطہیر کو شامل ہے گناہوں سے پاک ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے اور ظاہری ناپاکیوں سے پاک ہونا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

پھر فرمایا اَفَمَنْ اَسَسَ بُنْيَانَهُ عَلٰی تَقْوٰی (الآیۃ) کیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھائی کے کنارے پر رکھی ہو جو گرنے ہی کو ہو رہی ہو۔ پھر وہ عمارت اس بنانے والے کو دوزخ کی آگ میں لے کر گر پڑے۔ جس جگہ پانی بہتا ہو وہاں پانی زمین کو کاٹتا رہتا ہے اور جس کنارے سے کاٹتا ہے اس میں اندر کی جگہ کھوکھلی رہ جاتی ہے۔ اور اوپر سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جگہ یہ جگہ بھی مضبوط ہوگی لیکن چونکہ وہ اندر سے خالی ہو چکی ہوتی ہے اس لئے وہ تھوڑی دیر میں گر جاتی ہے اسی کو عَلٰی شَفَاخُوفٍ ہمارا فرمایا یعنی جن لوگوں نے اغراض باطلہ کفریہ کے لئے مسجد کے نام سے عمارت بنائی اس کے لئے بھانپیں ہے۔ جیسا کہ پانی کی کافی ہوئی زمین اندر سے خالی ہونے کی وجہ سے جلدی گر جاتی ہے اور صرف یہی نہیں کہ انکی یہ عمارت گرنے والی ہے وہ خود بھی گرے گی اور اس کے بنانے والے بھی گریں گے اور ان لوگوں کا گرد دوزخ میں ہوگا۔ کیونکہ اعمال کفریہ دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا انہوں نے مسجد کے نام سے عمارت بنائی اور اس میں اپنی اغراض کفریہ داخل کر دیں۔ مسجد شعائر دین میں سے ہے انہوں نے اسے کفر کا مرکز بنایا ہدایت قبول کرنے کی بجائے گمراہی سے چپکے رہے۔

پھر فرمایا لَا یُزَالُ بُنْیَانُہٗ الَّذِیْ یَبْنٰوْنَہٗ فِیْ قُلُوْبِہُمْ کہ انہوں نے جو یہ عمارت بنائی ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی کیونکہ جس غرض سے مسجد بنائی تھی پوری نہ ہوئی پھر وہ منہدم کر دی گئی اور جلا دی گئی اور بنانے والوں کی رسوائی بھی ہوئی۔ یہ ان کے دلوں کا کاٹنا ہے جو ہمیشہ چھتار رہے گا۔ اِلَّا اَنْ تَقْطَعُوْا قُلُوْبُہُمْ مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ہو جائیں یعنی وہ مرجائیں گے تو یہ دلوں کی کھٹک ختم ہوگی نہ خود رہیں گے نہ کھٹک رہے گی۔ (البتہ آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ اپنی جگہ مستقل ہے) وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ اور اللہ علم والا ہے اور حکمت والا ہے۔

فائدہ: جو مسجد تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی اس سے کون سی مسجد مراد ہے؟ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مسجد قباء مراد ہے۔ لیکن بعض روایات میں ہے کہ اس سے مسجد نبوی مراد ہے۔ صحیح مسلم (ص ۳۳۷ ج ۱) میں ہے کہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ گھر میں تشریف رکھتے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دونوں مسجدوں میں سے وہ کون سی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ آپ نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اور ان کو زمین پر مار دیا اور فرمایا کہ مسجد تقویٰ یہ میری مسجد ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ **لَمَسْجِدٍ اُتِيسَ عَلَى التَّقْوٰی** سے مسجد نبوی مراد ہے۔ محققین نے فرمایا ہے اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں دونوں مسجدیں (مسجد قباء اور مسجد نبوی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی ہیں۔ اور دونوں کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ اس سے میری مسجد مراد ہے۔ اس میں اسکی نفی نہیں ہے کہ مسجد قباء کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔

فائدہ: اگر کوئی شخص دور حاضر میں تفریق بین المسلمین یا ریاء نمود کے لئے اور ضد اور عناد کی وجہ سے کوئی مسجد بنا دے تو چونکہ اسکی نیت خیر نہیں اس لئے اُسے مسجد بنانے کا ثواب نہ ملے گا۔ بلکہ وہ اپنی بڑی نیت کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ لیکن چونکہ یقینی طور پر دلوں کا حال بندوں کو معلوم نہیں اس لئے اس کو گناہ اور جلانا جائز نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق مسجد بنانے والے سے معاملہ فرمائے گا۔ اور اس مسجد کے آداب و احکام وہی ہوں گے۔ جو دیگر مساجد کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ریاء نمود اور ضد و عناد کے لئے مسجد بنائے تو بہتر ہے کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے تاکہ اُسے رسوائی کی سزا مل جائے لیکن اگر کسی نے اس میں نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔

فائدہ: شیطان بہت چالاک ہے۔ وہ اپنے لوگوں کو متعدد طریقوں سے استعمال کرتا ہے۔ دین اور اہل دین کے خلاف کسی کو کھڑا کرنا ہو تو دین سے متعلقہ چیزوں ہی کو سامنے لاتا ہے اور اسی کو ذریعہ بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اسلام کے نقصان پہنچانے کی تدبیر کرتا ہے۔ منافقین نے جو کفر اور نفاق اور اسلام کے خلاف محاذ آرائی اور جنگی تیاری کے لئے مرکز بنایا اس کا نام انہوں نے مسجد تجویز کر دیا۔ اور سید عالم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اس میں نماز پڑھنے کی درخواست کی تاکہ اس کے مسجد ہونے میں عامۃ المسلمین کو شبہ نہ رہے۔ اور جیسے خوشی کے ساتھ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں اسی طرح انکی اس مسجد ضرار میں نماز پڑھتے رہیں۔ مقصد یہ تھا کہ اس تدبیر سے ہماری دشمنی پوشیدہ رہے گی اور ہماری نیتوں پر پردہ پڑا رہے گا اور اپنے مقصد بد میں چپکے چپکے آگے بڑھتے رہیں گے۔ یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے ایسی تدبیریں کرتے رہتے ہیں اور بہت سے نام نہاد مسلمانوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر لیتے ہیں اس کی سب سے پہلی کڑی شیعیت کی بنیاد ہے۔ جب یہود کو اسلام کی ترقی بہت زیادہ کھلنے لگی تو انہوں نے اسکی پیش رفت کو روکنے کے لئے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور خاص کر حضرات شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کاٹنے کے لئے ایک شوشہ چھوڑا۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے والد ماجد کی میراث نہیں دی گئی (علیہ السلام) چونکہ اس میں حضرت سیدہ فاطمہ کی ہمدردی سامنے رکھی گئی اس لئے بہت سے سیدھے سادے لوگ ان کے جال میں پھنس گئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مخالف ہو گئے کہ انہوں نے میراث نہیں دی۔ جیسے مسجد ضرار والوں نے اپنے مرکز فساد کو مسجد کے نام سے موسوم کیا جو اسلامی شعائر میں سے ہے اسی طرح یہود نے اس موقع پر حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مظلومیت کو سامنے رکھ کر شیعیت کا آغاز کیا۔ ہر مسلمان کو آنحضرت سید عالم علیہ السلام کی آل اولاد سے قلبی تعلق ہے اس لئے اہل بیت کی ہمدردی اور غم خواری کا دم بھرنا سیدھے سادے مسلمانوں کو راہ حق سے

ہٹانے کے لئے کارگر ہو گیا۔

اس کے بعد شیعیت کے علم برداروں نے یہ نکتہ نکالا کہ حضرت مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ خلافت کے مستحق تھے انہیں خلافت نہیں دی گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تمام مومنین کو محبت ہے اس لئے انکی ذات کو سامنے رکھ کر یہودیوں نے اپنا کام اور آگے بڑھایا۔ پھر استاد یعنی یہودی خواہ الگ ہو گئے ہوں لیکن جن لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا ان کے اتنے زیادہ فرقے بنے کہ انکا شمار بھی دشوار ہے۔ حتیٰ کہ ایک فرقہ حضرت علیؑ کی الوہیت کا بھی قائل ہو گیا اور پھر طرح طرح کے فتنے اُٹھے اور ہر جماعت کے قائد نے اپنے پیش نظر کوئی دینی بات ہی رکھی اور اپنے اوپر ایسا لیبیل لگایا جس کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں (نام دین کا ہو اور کام کفر کا) دورِ حاضر میں ایسی بہت سی جماعتیں ہیں جن میں سے ایک جماعت نے اپنا نام اہل قرآن رکھا ہے۔ یہ لوگ اپنے خیال میں قرآن کو اکابر اہل علم سے زیادہ جانتے ہیں۔ حالانکہ عربی کے صیغے بھی نہیں بتا سکتے اور کسی آیت کی ترکیب نحوی سے بھی واقف نہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے خدمت قرآن کا لیبیل لگا کر سامنے آئے ہیں جس کی وجہ سے احادیث شریفہ کی حجیت کے بھی منکر ہیں اور نمازوں کی فرضیت کے بھی اور ضروریات دین کو نہیں مانتے ہیں کافر لیکن قرآن دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور سادہ مسلمانوں کو (جن کا علماء سے ربط نہیں ہے) قرآن کے نام پر اپنی گمراہی کے جال میں پھانس لیتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ آپ کی محبت ہر مومن کے دل میں ہے اس لئے حب نبی کا نام سن کر بہت سے لوگ ان کے ہمنوا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کی جھوٹی محبت کا یہ عالم ہے کہ قرآن کو بھی جھٹلا دیتے ہیں اور رسول ﷺ کے ارشادات کو بھی نہیں مانتے۔ حب نبی کا عنوان ان لوگوں کا ظاہری لیبیل ہے جس سے عامۃ الناس کو متاثر کرتے ہیں اور اپنے ایجاد کردہ عقائد اور اعمال پر جمنے کے لئے قرآن وحدیث کی تصریحات تک کو جھٹلا دیتے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک یہ بات ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بشر نہیں تھے۔ حالانکہ قرآن کریم میں آپ کو بشر فرمایا ہے آپ نے خود فرمایا کہ میں بشر ہوں لیکن یہ لوگ آیات اور احادیث کو نہیں مانتے اور عجیب بات یہ ہے کہ محبت کے دعویدار بھی ہیں۔ یہ عجیب محبت ہے کہ جس سے محبت ہے اس کے ارشادات سے انحراف ہے اسی طرح کی بہت سی باتیں مستشرقین نے ریسرچ کے نام پر پھیلارکھی ہیں اور ان کے لئے نام نہاد مسلمانوں کو استعمال کرتے ہیں نام تحقیق کا اور کام اسلامیات سے منحرف ہونے کا اور دوسروں کو منحرف کرنے کا۔

اعاذنا اللہ تعالیٰ من جمیع اہل الفتن۔

انگریزوں کو اپنے اقتدار میں یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں مسلمان جہاد کے لئے کھڑے نہ ہو جائیں اس لئے انہیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلام ہی کی راہ سے جہاد کو منسوخ کرائیں۔ جہاد اسلام کا بہت بڑا عمل ہے۔ اپنے وفادار نام نہاد علماء سے منسوخ کراتے تو کون مانتا اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک شخص سے نبوت کا دعویٰ کرایا پھر اس سے جہاد منسوخ ہونے کا اعلان کر دیا وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح مسلمان جہاد کو منسوخ مان لیں گے۔ انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ مسلمان انگریزوں کے بنائے ہوئے نبی کو کافر قرار دیں گے۔ اور اسکی جھوٹی نبوت کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔ بہر حال انہوں نے اپنا یہ حربہ استعمال کیا یعنی ایک شخص سے نبوت کا اعلان کرا کے جہاد کو منسوخ کرانے کی سعی لاحاصل کی۔ بہت سے لوگ قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں شرک اور بدعات میں مبتلا ہیں عوام کو قبروں پر بلاتے ہیں چڑھاوے

چڑھواتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے اس طریقہ کار کو غیر شرعی بتاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ اولیاء اللہ کو نہیں مانتے ان لوگوں نے اولیاء اللہ کے ناموں کو جعل سازی اور کسب دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور اس طرح کے بہت سے نعرے ہیں جو دشمنان دین دین کے نام پر لگاتے رہتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منهم

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ

بے شک اللہ نے مومنین سے اس بات کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا کہ ان کے لئے جنت ہے۔

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقٌّ فِي التَّوْرَةِ

وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کر دیئے جاتے ہیں اس پر اللہ کا وعدہ ہے جو تورات

وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبِعَمَلِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ

انجیل اور قرآن میں ہے اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے۔ سو تم لوگ اپنی اس بیعت پر خوش ہو جاؤ جس کا تم نے معاملہ کیا ہے اور یہ بڑی کامیابی

بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ الثَّابِتُونَ الْعِدَّةُ وَالْحَامِدُونَ السَّامِعُونَ الزَّاكِعُونَ

ہے۔ یہ لوگ توبہ کرنے والے ہیں۔ عبادت کرنے والے ہیں حمد کرنے والے ہیں۔ روزہ رکھنے والے ہیں رکوع کرنے والے ہیں۔

السَّاجِدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّكَرِ وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ

سجدہ کرنے والے ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دینے والے ہیں اور بُری باتوں سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے

اللَّهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

والے ہیں اور آپ مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کے
عوض انکی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے

تفسیر: معالم التنزیل (ص ۳۲۹ ج ۲) اور ابن کثیر (ص ۳۹۱ ج ۲) میں محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ جب حضرات انصار لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے لگے (جو ستر افراد تھے) تو عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے رب کے لئے اور اپنے لئے جو چاہیں مشروط فرمائیں آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لئے اس بات کو مشروط کرتا ہوں کہ اسکی عبادت کرو گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بناؤ گے اور اپنے لئے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے جیسی اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم ان شرطوں کو پورا کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہیں جنت ملے گی۔ کہنے لگے کہ یہ تو نفع کا سودا ہے

ہم اس معاملہ کو فتح نہیں کریں گے اس پر آیت شریفہ **إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ** آخر تک نازل ہوئی۔ اس آیت میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ جان اور مال سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے پھر بھی اس نے اس کا نام خریداری رکھ دیا۔ اگر وہ جان و مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور اسکی راہ میں مقتول ہو جانے پر کچھ بھی عطا نہ فرماتا تو اسے اس کا حق تھا۔ لیکن اس نے اپنی راہ میں جان و مال خرچ کرنے پر جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا اور ذرا سی قربانی پر بہت بڑی جنت دینے کا اعلان فرمادیا۔ یہ اعلان سچا ہے اور وعدہ پکا ہے۔ تو ریت انجیل اور قرآن میں یہ وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے کیونکہ اس کا وعدہ سچا بھی ہے اور اسے ہر طرح کی قدرت بھی حاصل ہے۔ دنیا والے بعض مرتبہ وعدہ کر لیتے ہیں اور وعدہ سچا بھی ہوتا ہے لیکن قدرت نہ ہونے کی وجہ سے وعدہ پورا کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ وعدہ کے پورا کرنے سے عاجز نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے جو معاملہ ہوا بندے اس پر خوشی منائیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا تھا یعنی جان اور مال وہ اس کو اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں اپنا ذاتی کچھ نہیں سمجھتے جو کچھ خرچ کریں گے اس کے عوض انہیں جنت ملے گی۔ جنت کے سامنے اس معمولی سی قربانی کی کوئی حیثیت نہیں۔ دیا تھوڑا سا اور طلبے حساب وہ بھی دائمی ابد الابد کے لئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا **ثامنہم اللہ عز وجل فاعلى لهم** کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لین دین کا معاملہ کیا اور بہت زیادہ قیمتی چیز عطا فرمائی، حضرت حسن نے فرمایا کہ **اسعوا الى بيعته ربيحة** یعنی نفع والی بیچ کی طرف دوڑو جس کا معاملہ اللہ نے ہر مومن سے کیا ہے۔

آیت کریمہ میں **فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ** فرمایا کہ مومنین اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پھر کافروں کو قتل کرتے ہیں اور مقتول ہو جاتے ہیں۔ دونوں حالتیں مومن کے لئے خیر ہیں اور بعض مجاہدین کو دونوں ہی باتیں نصیب ہو جاتی ہیں اولاً کافروں کو قتل کرتے ہیں پھر خود مقتول ہو جاتے ہیں۔ سورہ نساء میں فرمایا: **وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا** (اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے پھر وہ مقتول ہو جائے یا غالب ہو جائے تو ہم اسے عظیم اجر عظیم عطا کریں گے) مومن کا قاتل ہونے میں بھی فائدہ ہے اور مقتول ہونے میں بھی۔ اگر مال غنیمت مل گیا تو وہ بھی خیر اس سے ثواب باطل نہیں ہوتا۔ جبکہ وہ مقصود نہ ہو۔ مقصود صرف اللہ کی رضا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے گھر سے نکلا اور اس کا یہ نکلنا (کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں ہے) صرف اللہ کی رضا مندی کے لئے اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے نکلا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے کہ اُسے جنت میں داخل فرمائے گا یا اس کو ثواب اور غنیمت کے مال کے ساتھ اس کے گھر واپس لوٹا دے گا جہاں سے وہ گیا تھا۔ (رواہ مالک فی الموطا و ابی داؤد و ترمذی و ابن ماجہ) مطلب یہ ہے کہ اگر شہید ہو گیا تو اس شہادت کی وجہ سے مستحق جنت ہو گیا اور اگر زندہ واپس آ گیا تب بھی نقصان میں نہیں۔ آخرت کا ثواب تو کہیں گیا ہی نہیں۔ اور بعض مرتبہ اس ثواب کے ساتھ مال غنیمت بھی مل جاتا ہے۔ وہو فی

صحیح البخاری (ص ۳۹۱ ج ۱) تو کل اللہ للمجاهد فی سبیلہ بأن یتوفاه أن یدخلہ الجنة أو یرجعہ سالمًا مع أجر و غنیمۃ۔ (صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے ضمانت دی ہے کہ یا تو اسے

شہادت دے کر جنت میں داخل کرے گا یا وہ صحیح سالم واپس لوٹے گا تو اجر اور مالی غنیمت کے ساتھ ہیں)

فائدہ: جہاد کی فضیلت بتاتے ہوئے جو وَعْدًا عَلَيْكَ حَقًّا فِي التَّوَلَّى وَالْإِجْتِهَادِ وَالْقُرْآنِ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے لئے بھی جہاد شروع تھا۔ یہ جو مشہور ہے کہ شریعت عیسویہ میں جہاد نہیں تھا یہ ان لوگوں کی تحریف ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت میں جھوٹے ہیں۔ صاحب معالم التزیل فرماتے ہیں۔ وفيه دليل على أن أهل الملل كلهم أمروا بالجهاد على ثواب الجنة۔

مومنین کی صفات: اس کے بعد مومنین کی صفات بتائیں اور یہ توصفات ہیں۔ التَّائِبُونَ (توبہ کرنے والے) الْقَائِلُونَ (عبادت کرنے والا) الْحَامِلُونَ (حمہ بیان کرنے والے) السَّائِحُونَ (روزہ رکھنے والے) الْكَارِهُونَ (رکوع کرنے والے) السَّاجِدُونَ (سجدہ کرنے والے) الْآمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ (بھلائیوں کا حکم دینے والے) وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور برائیوں سے روکنے والے) وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ (اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے)۔ آخر میں فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (اور ایمان والوں کو بشارت دے دو)

الْكَاِبُونَ کی ترکیب نحوی بتاتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی التائبون ومن ذکر معهم ہم اہل الجنة ایضاً یعنی جس طرح مجاہدین کے لئے جنت کا وعدہ ہے اسی طرح سے دوسرے اہل ایمان کے لئے بھی جنت کا وعدہ ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جہاد عام احوال میں فرض عین نہیں ہوتا۔ جب فرض عین نہیں ہے تو جو لوگ اس میں مشغول نہ ہوں گے دوسرے دینی کاموں میں لگے ہوئے ہوں گے۔ ان کے لئے بھی اللہ کی رضا ہے اور جنت ہے۔ اس جنت کی خوشخبری دینے کے لئے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اپنی اسی زمین میں بیٹھا رہے جس میں پیدا ہوا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اسکی خوشخبری نہ سنا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار فرمایا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا بڑا فاصلہ ہے۔ جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل اور اعلیٰ حصہ ہے اور اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں جاری ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۳۹ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ جنت تو اپنے وطن میں بیٹھ کر اعمال صالحہ کرنے سے بھی ملے گی لیکن مجاہدین کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے سو درجے تیار فرمائے ہیں ان کی بھی طلب رٹنی چاہئے اور جہاد میں شریک ہونے کے مواقع نکالنے چاہئیں۔

فائدہ: مومنین کی صفات بتاتے ہوئے جو السَّائِحُونَ فرمایا ہے۔ اس کا معنی ایک تو وہی ہے جو اوپر ترجمہ میں بیان کیا گیا یعنی روزہ رکھنے والے۔ یہ معنی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے مراد ہیں کیونکہ یہ سَخ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے

سیاحت کرنا یعنی سفر کرنا اور حضرت مکرّمہ نے فرمایا کہ اس سے طلبۃ العلم مراد ہیں جو دینی علوم حاصل کرنے کے لئے وطن کو چھوڑتے ہیں اور سفر میں جاتے ہیں۔

حدود اللہ کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے: مؤمنین کے اوصاف میں وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ بھی فرمایا ہے یہ بہت بڑی صفت ہے اس میں اہل ایمان کی بہت بڑی ذمہ داری بیان فرمائی اور وہ یہ ہے کہ عمل کرنے میں اور دوسروں سے عمل کرانے میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کی رعایت کریں ان حدود سے تجاوز نہ کریں۔ نہ حلال کو حرام قرار دیں نہ حرام کو حلال بتائیں نہ بدعتیں نکالیں نہ مستحبات کے ساتھ فرائض اور واجبات جیسا معاملہ کریں۔ اور نہ فرائض واجبات کو چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ اسی کو سورۃ بقرہ میں فرمایا تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان سے آگے نہ بڑھو اور جو شخص اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظلم کرنے والے ہیں) تمام اعمال میں حدود کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

قائدہ: آیت کریمہ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ (الآیۃ) کے ساتھ سورۃ بقرہ کی آیت وَإِذْ ابْتَلَىٰ اِبْرٰهٖمَ رَبُّہٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتٰہُنَّہٗنَّ کی تفسیر کی بھی مراجعت کر لی جائے۔ (ملاحظہ ہو انوار البیان ص ۱۸۹ ج ۱)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ

نبی کو اور دوسرے مسلمانوں کو یہ جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی

مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْبَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لِأَبِيہٗ

ہوں۔ اس بات کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس لئے تھا کہ انہوں

الْأَعْنَ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا آيَاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأ مِنْهُ إِنَّ اِبْرٰهٖمَ

نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ابراہیم پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ بیشک ابراہیم

لَا وَاہٗ حَلِيمٌ ۝

بڑے رحم دل ہر داشت کرنے والے تھے

مشرکین کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت

تفسیر: صحیح البخاری (ص ۱۸۱ ج ۱) اور (ص ۶۷۷ ج ۲) میں لکھا ہے کہ جب (آنحضرت سرور عالم ﷺ کے چچا) ابوطالب کی موت کا وقت آیا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے وہاں ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ لو میں اس کو (تمہاری سفارش کے لئے) اللہ کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ آپ برابر یہ بات فرماتے رہے لیکن وہ دونوں شخص جو موجود تھے یعنی ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ ابوطالب سے کہتے رہے کیا تم عبد المطلب کے دین سے ہٹ رہے ہو؟ بالآخر ابوطالب نے یہ کہہ دیا کہ میں عبد المطلب کے دین پر

ہوں اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ (پھر اسی پر ابوطالب کو موت آ گئی) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری بخشش کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ آیت کریمہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا آخِرُ تَكَلُّفٍ نَازِلٍ فرمائی۔

سنن الترمذی ابواب التفسیر (سورۃ القصص) میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کہہ دو میں قیامت کے دن تمہارے لئے گواہی دوں گا تو اس پر ابوطالب نے کہا کہ اگر قریش مجھے یہ عار نہ دلاتے کہ گھبراہٹ میں اس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تو میں اسے پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ (بالآخر انہوں نے کلمہ نہ پڑھا اور دین شرک پر ہی اس کی موت ہو گئی) چونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے قلب میں اُنکے ایمان لانے کا بہت بڑا داعیہ تھا (اس لئے) اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَخْبَتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ۔ (سورۃ القصص رکوع ۶) نازل فرمائی۔ (آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے اپنی والدہ کیلئے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی اور میں نے اُن کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت فرمادی۔ سو تم قبروں کی زیارت کرو۔ وہ موت کو یاد دلاتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے استغفار کرنا پھر اس سے بیزار ہونا

مشرکین کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت بیان فرمانے کے بعد فرمایا وَمَا كَانَ اسْتَغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لَآبِيْهِ (الآیہ) (اور) ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس لئے تھا کہ انہوں نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر لیا تھا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو ایمان کی دعوت دی تو حید کی طرف بلایا۔ بت پرستی چھوڑنے کے لئے کہا اس نے نہ مانا۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر تو اپنی بات سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا: سَاَسْتَغْفِرُكَ رَبِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (سورۃ مریم رکوع ۳) (اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے) اس وعدہ کے مطابق انہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ جیسا کہ سورۃ شعراء میں مذکور ہے۔ وَاسْتَغْفِرْ لَآبٰی اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (اور میرے باپ کو بخش دیجئے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا) (سورۃ توبہ کی مذکورہ بالا آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَكَ اِنَّكَ عَدُوٌّ لِلّٰهِ فَكُنْ بِرُءُوسِ الدُّنُوْبِ کہ جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس کی طرف سے بیزار ہو گئے۔ صاحب روح المعانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر واضح ہو گیا کہ ان کے باپ کی موت کفر پر ہو چکی ہے۔ لہذا انہوں نے بیزاری کا اظہار کر دیا اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ اگر تَبَيَّنَ لَكَ کا مطلب یہ لیا جائے جو حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے تو سورۃ شعراء میں جو كَانَ مِنَ الضَّالِّیْنَ ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے باپ کو بخش دیجئے جو گمراہوں میں سے ہے۔ گناہ اپنے معروف معنی میں نہ ہوگا۔ اور چونکہ کافروں کی مغفرت نہیں ہو سکتی اس لئے دُعَاے مغفرت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق دے اور اس کو بخش دے۔ اس صورت میں یوں کہا جائے گا کہ یہ دُعَا باپ کی موت سے پہلے کی تھی۔ بعض حضرات نے فَلَمَّا تَبَيَّنَ کا

مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ واضح ہو گیا کہ میرا باپ اللہ کی دشمنی پر اور اللہ پر ایمان نہ لانے کا موت آنے تک برابر مصر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اس بات کی وحی آگئی تو انہوں نے بیزاری اختیار کر لی (کما ذکرہ فی الروح) اس صورت میں سورۃ شعراء میں جو اِنَّكَ كَاٰنٌ مِنَ الضَّالِّیْنَ ہے۔ اس کا معنی یہ لیا جائے گا کہ جب میں اپنا وطن چھوڑ کر چلا ہوں اس وقت میرا باپ گمراہوں میں سے تھا اب مجھے اس کا حال معلوم نہیں۔ ایمان کی توفیق دے کر اُسے بخش دیا جائے۔ پھر جب وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کفر ہی پر مرے گا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ بہر حال اب کسی کافر کے لئے مغفرت کی دعا جائز نہیں ہے۔ سورۃ ممتحنہ میں جو اَلَا قَوْلُ اِبْرٰهٖمَ لَا یٰلَیْہٖ اَکْثَفُ لَکَ تَسْتَغْفِرُ لَکَ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اور اُن کے ساتھی جو توحید اور اعمال صالحہ میں ان کے شریک حال تھے ان میں تمہارے لئے اُسوۂ حسنہ ہے سوائے اس بات کے جو ابراہیم نے اپنے باپ سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا۔ اس بات میں اُن کا اُسوہ نہیں ہے۔

آخر میں فرمایا اِنَّ اِبْرٰهٖمَ لَکَاۡفًا حَلِیْمٌ کہ بلاشبہ ابراہیم بڑے رحم دل تھے برادر تھے اُن کے باپ نے بڑی سخت باتیں کہیں انہوں نے علم سے کام لیا اور شفقت کی وجہ سے استغفار کا وعدہ بھی فرمایا۔ جب تک استغفار کے نفع کی اُمید تھی اس کے لئے استغفار کیا پھر جب یہ واضح ہو گیا کہ استغفار کرنا اس لئے فائدہ مند نہیں ہو سکتا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

مضمون بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کسی کافر اور مشرک کے لئے استغفار کرنا جائز نہیں ہے کسی کافر سے کیسا ہی تعلق ہو خواہ اپنا رشتہ دار ہی ہو اور خواہ کیسا ہی محسن ہو اس کے لئے استغفار کرنا حرام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمادیا کہ کافر اور مشرک کی کبھی بھی بخشش نہ ہوگی تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا یوں بھی بے سود ہے۔ ابوطالب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے۔ بہت بڑے ہمدرد بھی تھے انہوں نے آپ کی بہت مدد کی۔ دشمنوں سے آپ کو محفوظ رکھنے میں ظاہری اسباب کے اعتبار سے ان کا بڑا کردار ہے۔ جب اُن کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے کی ممانعت فرما دی گئی تو آگے اور کسی کے لئے اس کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے؟ اگر کسی کے والدین یا دونوں میں ایک کافر یا مشرک ہو تو مغفرت کی دعا کرنا ممنوع ہے۔

بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اسلام کے دعویدار ہیں لیکن اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں وہ مر جاتے ہیں تو یہ جانتے ہوئے کہ اس کا عقیدہ کفریہ تھا بعض لیڈر اور رؤساء و وزراء ایسے شخص کی نماز جنازہ میں حاضر ہو جاتے ہیں بلکہ نماز پڑھا دیتے ہیں اور اسے رواداری کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں اس میں اول تو قرآنی ممانعت کی واضح خلاف ورزی ہے دوسرے حاضرین کو اور جس فرقہ کا یہ شخص تھا اس فرقہ کو اس دھوکہ میں ڈالتے ہیں کہ کفریہ عقیدہ والے کی بھی مغفرت ہو سکتی ہے (العیاذ باللہ) قرآن کے خلاف کیسی جسارت ہے؟ بہت سے لیڈر اور صحابی کفریہ عقیدہ والوں کو موت کے بعد ”مرحوم“ لکھ دیتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو گئی یا اس پر رحمت ہو جائے یہ رواداری شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰیہُمْ حَتّٰی یُبَیِّنَ لَہُمْ مَا یَتَّقُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ اُن چیزوں کو واضح طریق پر بیان نہ فرمادے جن سے وہ بچتے ہیں۔ بے شک اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ

ہر چیز کا جاننے والا ہے بے شک اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور تمہارے لئے

مَنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ قَوْلِي وَلَا نَصِيرٌ ﴿۲۹۲﴾

اللہ کے سوا کوئی یار اور مددگار نہیں

کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں کرتا

تفسیر: صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کو تسلی دی ہے جنہوں نے ممانعت نازل ہونے سے پہلے مشرکین کے لئے استغفار کیا تھا۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ اہل ایمان کی مذمت اور مواخذہ فرمائے کہ تم نے مشرکین کے لئے استغفار کیوں کیا جبکہ یہ استغفار کرنا ممانعت نازل فرمانے سے پہلے تھا، جن لوگوں نے استغفار کیا ہے اللہ تعالیٰ انکے اس عمل کو گمراہی قرار نہیں دے گا۔ ہاں جب بات واضح طور پر بیان کر دی گئی تو اس کی خلاف ورزی باعث مذمت اور سبب مواخذہ ہوگی إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے) وہ جانتا ہے کہ کس نے ممانعت نازل ہونے سے پہلے کوئی عمل کیا اور کس نے ممانعت نازل ہونے کے بعد خلاف ورزی کی۔ جن کاموں پر گرفت ہو سکتی ہے وہ کام وہی ہیں جن کی پہلے اللہ جل شانہ کی طرف سے واضح طور پر ممانعت کر دی جاتی ہے۔ اس کو حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ میں بیان فرمایا ہے۔ ممانعت کے بعد جب بندے خلاف ورزی کرتے ہیں تو مذمت اور مواخذہ کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (الآیۃ) (بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا) وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے۔ اور اس کے علاوہ تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں (ص ۳۹۶ ج ۲) ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ آخر میں یہ جو فرمایا کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں۔ اس میں اہل ایمان کو ترغیب ہے کہ مشرکین اور رؤساء کفر سے قتال کرو اور اللہ کی مدد کا یقین رکھو اسی پر بھروسہ کرو اور اس کے دشمنوں سے نہ ڈرو۔ اللہ تمہارا ولی اور مددگار ہے۔

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ

بلاشبہ اللہ نے نبی پر اور مہاجرین پر اور انصار پر مہربانی فرمائی جنہوں نے اس کے بعد سچائی کے وقت نبی کا ساتھ دیا

الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ

جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں تزلزل ہو چلا تھا پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ ان پر مہربان ہے

رَحِيمٌ ﴿۲۹۳﴾ وَعَلَى الَّذِينَ خَلَقُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

رحم فرمانے والا ہے اور اللہ نے ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملوثی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی

وَصَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ

اور وہ خود اپنی جانوں سے شک آگئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے بچ کر کہیں بنا نہیں مل سکتی سوائے اس کے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر

لِيَتُوبَ وَإِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

توبہ فرمائی تاکہ وہ رجوع کریں۔ بیشک اللہ غریب توبہ قبول فرمانے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جب کہ انہوں نے مصیبت کی گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا

تفسیر: تاب بتوب کا اصل معنی رجوع کرنے کا ہے بندہ اللہ کی طرف گناہ کے بعد رجوع کرتا ہے اس لئے اسے تائب اور تواب کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربانی کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ مہربانی فرماتا ہے اسی لئے لفظ تواب اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل فرمانا توبہ کی توفیق دینا۔ توبہ کو قبول فرمانا۔ معاملہ میں آسانی فرمادینا۔ تاب اللہ علیہ اس سب کو شامل ہے۔ قال صاحب القاموس تاب اللہ علیہ وفقہ للتوبة ورجع به من التشديد إلى التخفيف أو رجع عليه بفضله وقبوله وهو تواب على عباده۔ (صاحب قاموس کہتے ہیں تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق دی اور اس سے سختی کو ہٹا کر آسانی کر دی یا اپنے فضل و قبولیت کے ساتھ اس پر توجہ فرمائی اور وہ اپنے بندوں کے لئے تواب ہے)

لفظ تَابَ کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے اس میں اس مفہوم کو سامنے رکھا گیا ہے۔ لہذا اب یہ اشکال نہ رہا کہ رسول اللہ ﷺ سے اور ان مہاجرین و انصار سے کون سا گناہ ہوا تھا جنہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت کی اور گناہ کی وجہ سے توبہ کی اور وہ توبہ قبول ہوئی، تَابَ کے مفہوم میں فضل فرمانا۔ معاملہ میں آسانی دینا توبہ کی توفیق فرمانا یہ سب کچھ آتا ہے۔ اس لئے تَابَ کا ایک عام ترجمہ کر دیا گیا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کی جو تعریف فرمائی (کہ ان لوگوں نے سختی کی گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کا اتباع کیا) یہ کوئی سختی تھی اور کیا مصیبت تھی اس کے بارے میں تفسیر و حدیث اور سیرت کی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اس میں سے ایک بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سختی کی وہ کیا گھڑی تھی جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہوئے سخت گرمی کا زمانہ تھا ایک منزل پر اترے تو ہمیں سخت پیاس لگی۔ پیاس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہماری گردنیں ابھی کٹ کر گر پڑیں گی۔ اگر کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے بھی جاتا تھا تو واپس آنے میں پیاس کی شدت کی وجہ سے یہ سمجھ لیتا تھا کہ میری گردن کٹ کر گر جانے والی ہے۔ پیاس کی شدت کی وجہ سے بعض اشخاص نے یہاں تک کیا کہ اونٹ کو ذبح کر کے اسکی اوجھری کو نچوڑ کر پیا اور ترائی حاصل کرنے کے لئے اسے اپنے پیٹ پر رکھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ

یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا کرنے کا عمل عطا فرمایا ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ نے مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعاء کی۔ ابھی آپ نے ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ بارش ہونی شروع ہو گئی اور خوب بارش ہوئی۔ جس سے حاضرین نے اپنے سارے برتن بھر لئے۔ پھر ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ بارش کہاں تک ہے تو معلوم ہوا کہ وہ لشکر کے حدود سے آگے نہیں بڑھی۔ (ذکرہ الہیسمی فی مجمع الزوائد ص ۲۷۱ ج ۲) وقال رواہ البزار والطبرانی فی الأوسط ورجال البزار ثقات

معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ غزوہ تبوک میں جو حضرات شرکت کرنے کے لئے گئے تھے ان کے پاس سواریاں بھی بہت کم تھیں ایک اونٹ پر دس افراد نمبردار سوار ہوتے تھے اور ان کے پاس تو شہ یعنی سفر کا جو سامان تھا وہ ایسی کھجوریں تھیں جن میں چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے جو پرانی کھجوروں میں پڑ جاتے ہیں اور کچھ جو تھے جن میں بدبو پیدا ہو گئی تھی جو تھوڑی بہت کھجوریں تھیں وہ بھی ختم ہو گئیں تو کھجور کی کھلی کپڑوں سے پانی پی لیتے تھے۔ سات سو کلومیٹر کا ایک طرفہ سفر سخت گرمی اور سفر کی تکلیف کا یہ عالم! انہیں حالات میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے غزوہ تبوک میں شرکت کی۔ تمام مخلصین صحابہ حکم سننے ہی تیار ہو گئے البتہ بعض لوگوں کو جو تھوڑا سا کچھ تردد ہوا بعد میں وہ بھی ساتھ ہو گئے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جائیداد اور ذرا کاری کو دیکھئے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ اور روانہ کو دیکھئے جو انہیں کافر کہتے ہیں۔ ہدایہم اللہ تعالیٰ

تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے

اس کے بعد ان تین حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا خصوصی تذکرہ فرمایا جو مخلص بھی تھے۔ اور غزوہ تبوک میں ساتھ نہ گئے تھے انہوں نے بالکل سچ بولا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالی میں صاف صاف عرض کر دیا کہ ہم بغیر عذر کے رہ گئے تھے یہ حضرات کعب بن مالک۔ ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ آیت کریمہ **وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لَآ مَرِئَیَہِ** میں اجمالی طور پر ان کا ذکر ہو چکا ہے یہاں دوبارہ ان کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ نے ان تین شخصوں پر بھی اپنی مہربانی سے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ ان تینوں حضرات کو زمین تنگ معلوم ہونے لگی اور اپنے نفوس میں بھی تنگی محسوس کرنے لگے یعنی انکا جینا بہت زیادہ دشوار اور دو بھر ہو گیا۔ اول تو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی اور اوپر سے مقاطعہ کا حکم کہ کوئی ان سے نہ بولے یہ سب باتیں مل کر بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے جس کا واقعہ تفصیل سے حضرت کعب بن مالک کی زبانی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی (ص ۶۳۴ ج ۲) میں یوں بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لانے لگے تو مجھے بہت زیادہ فکر لاحق ہو گئی میں سوچتا رہا کہ میں آپ کی ناگواری سے کیسے نکلوں گا اس بارے میں یہ بھی خیال آتا تھا کہ چھوٹے عذر پیش کر دوں گا۔ اور اپنے گھروں سے بھی اس بارے میں مشورہ کرتا تھا۔ جب آپ بالکل ہی مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو جھوٹ بولنے کا جو خیال آتا تھا وہ بالکل ختم ہو گیا اور میں نے یہ طے کر لیا کہ سچ ہی بولوں گا اور سچ ہی کے ذریعہ میں آپ کی ناراضگی سے نکل سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے ہی آئے۔ آپ کی

عادت مبارک تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو اول مسجد میں جاتے تھے وہاں دو رکعتیں پڑھ کر تشریف فرما ہو جاتے تھے۔ جب آپ اپنے اس عمل سے فارغ ہو گئے تو وہ لوگ آگے جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور اپنے اپنے عذر پیش کرتے رہے اور قسمیں کھاتے رہے۔ یہ لوگ تعداد میں اسی سے کچھ اوپر تھے۔ آپ ظاہری طور پر ان کے عذر قبول فرماتے رہے۔ ان کو بیعت بھی فرمایا اور ان کے لئے استغفار بھی کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد فرمادیا۔

حضرت کعبؓ نے بیان کیا کہ میں بھی حاضر خدمت ہوا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ مسکرائے جیسے کوئی غصہ والا شخص مسکراتا ہو پھر فرمایا آج میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

آپ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے پیچھے ڈالا (غزوہ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟) کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی۔ میں نے عرض کیا واقعہ میں نے سواری خرید لی تھی۔ اللہ کی قسم اگر اصحاب دنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھتا تو میں اس کی ناراضگی سے عذر پیش کر کے نکل سکتا تھا میں بات چیت کرنے کا ڈھنگ جانتا ہوں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں اور اس پر قسم کھاتا ہوں کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹی بات پیش کر کے آپ کو راضی کر لوں تو عنقریب ہی اللہ تعالیٰ (صحیح بات بیان فرما کر) آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اور اگر میں سچی بات بیان کروں تو آپ غصہ تو ہوں گے لیکن میں اس میں اللہ سے معافی کی امید رکھتا ہوں اللہ کی قسم مجھے کوئی عذر نہ تھا اور جتنا قوی اور غنی میں اس موقع پر تھا جبکہ آپ سے پیچھے رہ گیا ایسی قوت والا اور مال والا میں کبھی بھی نہیں ہوا۔ میری بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص نے سچ کہا پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھا اور قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ میرے ساتھ ہو لئے انہوں نے کہا اللہ کی قسم جہاں تک ہمارا علم ہے اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کیا تم یہ نہ کر سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسی طرح عذر پیش کر دیتے جیسے دوسرے لوگوں نے اپنے عذر پیش کئے اور پھر رسول اللہ ﷺ کا استغفار فرمانا تمہارے لئے کافی ہو جاتا اللہ کی قسم ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ واپس جا کر اپنے بیان کو جھٹلا دوں (اور کوئی عذر پیش کر دوں) پھر میں نے ان لوگوں سے کہا یہ تو بتاؤ میرا شریک حال اور کوئی شخص بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں انہوں نے بھی اسی طرح اپنا بیان دیا ہے جیسا تم نے بیان دیا اور ان کو وہی جواب دیا گیا جو تم کو دیا گیا، میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ ہیں۔ ان لوگوں نے میرے سامنے ایسے دو شخصوں کا ذکر کیا جو صالحین میں سے تھے۔ میں نے کہا کہ میں ان دونوں کی اقتداء کرتا ہوں۔ جو ان کا حال ہو گا وہی میرا حال ہو جائے گا۔

حضرت کعبؓ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرمادیا۔ لہذا لوگ ہم سے بچ کر رہنے لگے اور یکسر بدل گئے۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ زمین بھی مجھے دوسری زمین معلوم ہونے لگی گویا کہ میں اُس زمین میں رہتا ہوں جسے جانتا بھی نہیں۔ رات دن برابر گزر رہے تھے میں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ رسول

اللہ ﷺ کی خدمت میں میری حاضری ہوتی تھی آپ نماز کے بعد تشریف فرما ہوتے تو میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ سلام کے جواب کے لئے آپ نے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا تھا اور نظر چرا کر آپ کی طرف دیکھتا تھا۔ جب میں نماز پڑھتا تھا تو آپ میری طرف توجہ فرماتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ اعراض فرما لیتے تھے۔ یہ تو میرا حال تھا۔ لیکن میرے جو دوست تھے وہ تو بالکل ہی عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور برابر روتے رہے۔

اس مقاطعہ کے زمانہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے چچا زاد بھائی ابوقنادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا جن سے مجھے بہ نسبت اور لوگوں کے سب سے زیادہ محبت تھی میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقنادہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی وہ پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی تو انہوں نے اتنا کہہ دیا **اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَغْلَمَ** (اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والا ہے) یہ بات سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس ہو گیا اور دیوار پھاند کر چلا آیا۔

اور دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ میں مدینہ منورہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام کے کاشتکاروں میں سے ایک شخص جو غلہ بیچنے کے لئے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کون شخص ہے؟ لوگ میری طرف اشارے کرنے لگے۔ وہ میرے پاس آیا اور عثمان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے اور اللہ نے تمہیں گرا پڑا آدمی نہیں بنایا۔ لہذا تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دلداری کریں گے۔ یہ خط پڑھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک اور آزمائش سامنے آ گئی۔ میں نے اس خط کو لے کر توڑ میں جھونک دیا۔ مقاطعہ کے سلسلہ میں ایک یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم تینوں کو حکم بھیجا کہ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہیں۔ ہلال بن امیہ کی بیوی تو حاضر خدمت ہو کر یہ عذر پیش کر کے اجازت لے آئی کہ وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں ان کا کوئی خادم نہیں ہے آپ نے خدمت کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ وہ میاں بیوی والا جو خاص تعلق ہے اس کو کام میں نہ لایا جائے۔ میرے خاندان والوں نے مجھے بھی مشورہ دیا کہ تم بھی اجازت طلب کر لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت کر دیا کرے۔ میں نے کہا کہ میں جوان آدمی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔

جب اس مقاطعہ پر پچاس راتیں گزر گئیں تو نماز فجر کے بعد جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال وہ ہو چکا تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گیا اور زمین بھی میرے لئے اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی تو میں نے ایک بلند آواز سی جبل سلع پر چڑھ کر کوئی شخص بلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اے کعب بن مالک خوش ہو جاؤ یہ آواز سن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ مصیبت دور ہونے کی کوئی صورت سامنے آئی ہے رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا اعلان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمائی۔ یہ اعلان نماز فجر کے بعد فرمایا تھا۔ اعلان سن کر لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لئے روانہ ہوئے۔ میرے ساتھیوں کی طرف بھی خوشخبری دینے والے چلے اور ایک صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف چلے۔ لیکن قبیلہ بنی اسلم کے ایک صاحب دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار کر

توبہ کی خوشخبری سنا دی۔ اس شخص کی آواز گھوڑے سوار سے پہلے پہنچ گئی۔ جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو اُسے میں نے اپنے دونوں کپڑے اُتار کر دے دیئے۔ اس وقت میرے پاس یہی دو کپڑے تھے (اگرچہ مال بہت تھا) میں نے دونوں کپڑے دے دیئے اور خود دو کپڑے مانگ کر پہن لئے۔

میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوا۔ صحابہ کرام مجھ سے فوج در فوج ملاقات کرتے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مبارکبادی دیتے تھے میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں آپ کے چاروں طرف حاضرین موجود ہیں۔ میری طرف طلحہ بن عبید اللہ دوڑتے ہوئے آئے یہاں تک کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔ میں اُن کے اس عمل کو کبھی نہیں بھولوں گا اس کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی بھی میری طرف اٹھ کر نہیں آیا۔ (وجہ اسکی یہ تھی کہ اگر کبھی اُٹھتے تو مسجد نبوی جو سکون وطمینان کے ساتھ جی ہوئی تھی وہ ٹوٹ جاتی سب کی طرف سے ایک شخص کا کھڑا ہونا کافی ہو گیا)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اس وقت آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا آپ نے فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو۔ جب سے تمہاری پیدائش ہوئی ہے تم پر آج سے بہتر کوئی دن نہیں گزرا اس سے اسلام لانے کا دن مستثنیٰ ہے (کمافی حاشیۃ البخاری عن القسطلانی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی خوشی کا موقع آتا تھا تو آپ کا چہرہ انور ایسا روشن ہو جاتا تھا جیسے چاند کا کلکا ہے۔ ہم آپ کی خوشی کو اسی سے پہچان لیتے تھے۔ جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا کہ میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے خرچ کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا کچھ مال رکھ لو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا اچھا تو میں اپنا وہ حصہ روک لیتا ہوں جو مجھے خیر کے مال غنیمت سے ملا تھا۔

پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے مجھے سچ ہی کے ذریعہ نجات دی ہے اور میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا کہنے کو تو میں نے کہہ دیا لیکن میرے علم میں مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں جو سچ بولنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ جتلا کیا گیا ہو۔ میں آج تک اس پر قائم ہوں جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولنے کا عہد کیا اس وقت سے لیکر آج تک کبھی میں نے جان کر جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ باقی زندگی بھی میری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے توبہ قبول فرمانے کی بشارت دیتے ہوئے آیت شریفہ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ سے لے کر وَالصَّادِقِينَ تک آیات نازل فرمائیں۔ حضرت کعبؓ نے یہ بھی فرمایا کہ نعمت اسلام کے بعد اس سے بڑی کوئی نعمت مجھے حاصل نہیں ہوئی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سچ بات کہہ دی تھی۔ اگر میں جھوٹ کہہ دیتا تو میں بھی ہلاک ہو جاتا جیسے دوسرے لوگ جھوٹے عذر پیش کر کے ہلاک ہو گئے۔

فوائد ضروریہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے واقعہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ مومن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں سچی بات کہیں سچ ہی میں نجات ہے۔ اور جھوٹ میں ہلاکت ہے۔

منافقین نے غزوہ تبوک کے موقع پر جھوٹے عذر پیش کر کے دنیا میں اپنی جانیں چھڑالیں لیکن آخرت کا عذاب اپنے سر لے لیا اور مخلصین مومنین نے سچ بولا اور سچی توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کا اعلان فرما دیا۔ اگر کوئی شخص اپنے اکابر سے اور متعلقین سے جھوٹ بولے چند دن ممکن ہے کہ اس کا جھوٹ چل جائے لیکن پھر اس کی پول کھل ہی جاتا ہے۔ اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

۲- امیر المومنین اگر مناسب جانے تو بعض افراد کے بارے میں مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ عامۃ المسلمین کو حکم دے سکتا ہے کہ فلاں فلاں شخص سے سلام کلام بند رکھیں۔ جب وہ صحیح راہ پر آجائے تو مقاطعہ ختم کر دیا جائے۔

۳- بعض مرتبہ ابتلاء پر ابتلاء ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی میں اور مقاطعہ کی مصیبت میں مبتلا تو تھے ہی اوپر سے شاہ غسان کا یہ خط ملا کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری قدر دانی کریں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان پر استقامت بخشی اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی ہی کو سامنے رکھا اور بادشاہ کے خط کو تنور میں جھونک دیا۔ اگر وہ اس وقت اپنے عزائم میں کچے پڑ جاتے اور شاہ غسان کی طرف چلے جاتے تو اس وقت کی ظاہری مصیبت بظاہر دور ہو جاتی لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہو کر آخرت برباد ہو جاتی۔ اس قسم کے ابتلاءات اور امتحانات سامنے آتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرے اور استقامت پر رہے۔

۴- حضرت کعب رضی اللہ عنہ مقاطعہ کے باوجود مسجد میں حاضر ہوتے رہے نمازیں پڑھتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام بھی پیش کرتے رہے۔ یہ نہیں سوچا کہ چلو آپ روٹھے ہم چھوٹے جیسا کہ ان لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جن کا تعلق اصلی نہیں ہوتا۔

۵- جب اللہ اور اس کے رسول کا حکم آجائے تو اس کے مقابلہ میں کسی عزیز قریب کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ حضرت قتادہ جو حضرت کعب بن مالک کے چچا زاد بھائی اور انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے جب انہیں سلام کیا تو جواب نہیں دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے سلام کلام کی ممانعت تھی۔

۶- جب آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں تینوں حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا ذکر تھا تو حضرات صحابہؓ نے حضرت کعب بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں کو جلد سے جلد بشارت دینے کی کوشش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں کسی کو کوئی کامیابی حاصل ہو جائے جس کا اُسے علم نہ ہو تو اُسے بشارت دینی چاہئے اور اس میں جلدی کرنی چاہئے۔

۷- پھر جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ توبہ کا اعلان سننے کے بعد اپنے گھر سے نکلے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جوق در جوق اُن سے ملاقاتیں کیں اور برابر انہیں مبارکبادیاں دیتے رہے یہ مبارک بادی توبہ قبول ہونے پر تھی معلوم ہوا کہ دینی امور میں اگر کسی کو کامیابی حاصل ہو جائے تو اُسے مبارک بادی دینا چاہئے۔

۸- جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت کعبؓ پہنچے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر اُن سے مصافحہ کیا اور مبارک بادی دی اس سے معلوم ہوا کہ زبانی مبارک بادی کے ساتھ عملی طور پر بھی مبارکباد دینا بھی مستحب ہے۔

۹- آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا اور جو کچھ گناہ کیا ہو اس پر سچے دل سے نادم ہونے سے توبہ قبول ہو جاتی ہے (اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرنا بھی لازم ہوتا ہے) لیکن توبہ کو اقرب الی القبول بنانے کے لئے مزید کوئی عمل کرنا مستحب ہے۔ اور توبہ قبول ہونے کے بعد بطور شکر کچھ مال خیرات کرنا بھی مستحب ہے۔ صلاۃ التوبہ جو مشروع ہے اس میں یہی بات ہے کہ توبہ کی قبولیت جلد ہو جائے اور قبول کرانے کے لئے ندامت کے ساتھ کوئی اور عمل بھی شامل ہو جائے حضرت کعب نے توبہ قبول ہو جانے کے بعد جو یہ عرض کیا کہ میں نے اللہ کی رضا کے لئے بطور صدقہ اپنا پورا مال خرچ کرنے کی نیت کی ہے۔ یہ نیت اگر پہلے سے تھی تو صلوة التوبہ کی طرح ایک عمل ہے اور اگر بعد میں نیت کی تھی تو بطور ادائے شکر تھی۔

۱۰- حضرت کعبؓ نے عرض کیا کہ میری توبہ کا یہ بھی جزو ہے کہ میں اپنا پورا مال بطور صدقہ خرچ کر دوں اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب خرچ نہ کرو کچھ مال روک لو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں تو اپنا خیر والا حصہ روک لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورا مال صدقہ کر کے پریشانی میں نہ پڑ جائے۔ البتہ اگر کسی نے پورا مال صدقہ کرنے کی نذر مان لی (جو زبان سے ہوتی ہے) تو اس کو پورا مال صدقہ کرنا واجب ہے لیکن اس سے بھی یوں کہا جائے گا کہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے بقدر ضرورت کچھ روک لے اور آئندہ جب مال تیری ملکیت میں آجائے تو جو مال روک لیا تھا اسی حصہ کا مال صدقہ کر دینا تا کہ نذر پر پوری طرح عمل ہو جائے۔ حضرت کعبؓ کے واقعہ میں چونکہ نذر نہیں تھی محض نیت تھی اس لئے جتنا مال روک لیا تھا۔ اس کے برابر میں صدقہ کرنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔

۱۱- جو شخص جس قدر کسی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد کر لیتا ہے اُسے عموماً ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں جن میں اس گناہ کے کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ ایک بڑا امتحان ہوتا ہے۔ حضرت کعبؓ نے چونکہ ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کر لیا تھا اس لئے اس بارے میں ان کا بار بار امتحان ہوتا رہتا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۱۰﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور سچوں کے ساتھ ہو جانے کا حکم

تفسیر: اُوپر کی دو آیتوں میں حضرت کعب بن مالک اور اُن کے دونوں ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت بھی انہی آیات کے ساتھ نازل ہوئی۔ حضرت کعب اور اُن کے ساتھیوں نے سچ بولا اور سچ ہی کی وجہ سے نجات ہوئی (جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے) اس آیت میں سچائی کی اہمیت اور ضرورت بتانے کے لئے عامۃ

المسلمین کو حکم فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو اور بچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اللہ سے ڈرنے کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ وارد ہوا ہے۔ اس آیت میں تقویٰ حاصل ہونے کا ایک طریقہ بتا دیا اور وہ یہ ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ عربی میں صادق سچے کو کہتے ہیں اور سچائی کو صدق کہتے ہیں۔ دین اسلام میں صدق کی بہت بڑی اہمیت اور فضیلت ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی ایمان اقوال اور اعمال سب میں ضرورت ہے۔ اسکی ضد کذب یعنی جھوٹ ہے۔ جھوٹ سے دین اسلام کو بہت سخت نفرت ہے۔ اور اسکی شدید ممانعت ہے۔

مومن بندہ پر لازم ہے کہ ان وعدوں میں سچا ہو جو وہ مخلوق سے کرتا ہے۔ بندوں کے ساتھ جو رہنا سہنا ہو اس میں بھی سچائی کو سامنے رکھے۔ اگر سچائی پیش نظر نہ رہی تو جھوٹ بولے گا اور دھوکے دے گا۔ سورہ زمر میں فرمایا وَالَّذِينَ جَاءُوا بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ بِهِ اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو شخص سچ لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی سو یہ لوگ تقویٰ والے ہیں) اس میں سچائی اختیار کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں صفت تقویٰ سے متصف بتایا ہے سورہ حجرات میں فرمایا اِنَّكَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ تُمْذَقُوْنَ وَلَٰكِنْ يَّرْتَابُوْنَ اَوَّلَ اَمْرٍ اَلِهٰكُمْ وَانْقَبِيْهُمْ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (بلاشبہ مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں) اس میں یہ بتا دیا کہ ایمان میں سچائی ہونا لازم ہے۔ اگر دین کی کسی بات کو نہ مانا یا عقائد دینیہ کے کسی عقیدہ میں شک کیا تو گو وہ لوگوں کے سامنے بظاہر مسلمان ہونے کی وجہ سے مومن سمجھا جائیگا لیکن اللہ کے ہاں مومن نہ ہوگا کیونکہ اسکے ایمان میں سچائی نہیں ہے پھر عملی طور پر بھی ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے دکھانا لازم ہے۔ اللہ کی راہ میں مالوں سے جانوں سے جہاد کریں اور یہ سب کچھ دل کی گہرائیوں سے پوری سچائی کے ساتھ ہو۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے نہ جان جانے کی پرواہ ہو نہ مال خرچ ہونے سے نفس میں کوئی خلش اور چھین محسوس ہوتی ہو۔

جو بھی عمل کریں اس میں نیت کی سچائی ہو یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ بندوں کو معتقد بنانا ان سے تعریف کروانا اعمال صالحہ کے ذریعہ دنیا طلب کرنا اور شہرت کے لئے علم حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ جیسی عبادت مخلوق کے سامنے کرے جو خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو ایسی ہی عبادت تنہائی میں کرے۔ ایسا نہ کرے کہ لوگوں کے سامنے لمبی نماز اور اچھی نماز پڑھے اور تنہائی میں نماز پڑھے تو جلدی جلدی نمنا دے نہ رکوع سجدہ ٹھیک ہو نہ تلاوت صحیح ہو نہ خشوع و خضوع ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب بندہ ظاہر میں نماز پڑھتا ہے اور اچھی نماز پڑھتا ہے پھر لوگوں سے علیحدہ ہو کر تنہائی میں نماز پڑھتا ہے۔ تب بھی اچھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں هٰذَا عَبْدِيْ حَقًّا سچ مجھے یہ میرا بندہ ہے (رواہ ابن ماجہ کما فی مشکوٰۃ ص ۳۵۵)

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب جو بزرگ سمجھے جاتے تھے اپنے ایک لڑکے کے ساتھ بادشاہ کے مہمان ہوئے وہاں انہوں نے نماز لمبی پڑھی اور کھانا کم کھایا جب واپس گھر آئے تو اہل خانہ سے کھانا طلب کیا۔ لڑکے نے کہا کہ ابا جان نماز بھی دوبارہ پڑھئے کیونکہ جیسے وہاں کھانا کم کھانا اللہ تعالیٰ کے لئے نہ تھا ایسے ہی آپ کی نماز بھی اللہ کے لئے نہ تھی۔

جب بندہ کہتا ہے کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور اِنَّا لَكَ عَبْدٌ وَاِنَّا لَكَ تَتَوَعِّلُن کے الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے تو اسے ظاہر سے اور باطن سے اللہ ہی کا بندہ بننا لازم ہے۔ زبان سے اللہ کا بندہ ہونے کا دعویٰ اور عملی طور پر دنیا کا بندہ خواہشوں کا بندہ۔ دینار اور درہم کا بندہ۔ یہ شان عبدیت کو زیب نہیں دیتا دعوائے بندگی میں سچا ہونا لازم ہے۔

جب دعا کرے تو دعا میں بھی سچائی ہونی چاہئے یعنی جب یوں کہے کہ اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں تو پوری طرح متوجہ ہو کر حقیقی سوالی بن کر سوال کرے۔ زبان سے دعاء کے الفاظ جاری ہیں لیکن دل غافل ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ کیا مانگ رہا ہوں؟ یہ سچ اور سچائی کے خلاف ہے۔ جب اللہ سے مغفرت کی دعا مانگے تو سچے دل سے حضور قلب کے ساتھ مغفرت طلب کرے۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو یوں کہہ رہا ہے کہ میں مغفرت چاہتا ہوں لیکن دل اور کہیں لگا ہوا ہے۔ یہ صدق اور سچائی کے خلاف ہے۔ اسی لئے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر۔ کہ ہمارا استغفار کرنا بھی صحیح استغفار نہیں ہے۔ اس کے لئے بھی استغفار کی ضرورت ہے (ذکرہ ابن الجزری فی الحصن) اگر قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے اور سچی قسم کھائے آئندہ کسی عمل کے کرنے پر قسم کھائے تو قسم پورا کرے (بشرطیکہ گناہ کرنے کی قسم نہ کھائی ہو) اسی طرح سے اگر کوئی نذر مانے تو وہ بھی پورا کرے (شرط اس میں بھی وہی ہے کہ گناہ کی نذر نہ ہو) جب کسی نیک کام کرنے کا ارادہ اور وعدہ کرے تو سچا کر دکھائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا انس بن نصر غزوہ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس کا انہیں بہت رنج ہوا کہنے لگے کہ افسوس ہے رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار مشرکین سے جنگ کی اور اس میں شریک نہ ہوا۔ اگر اللہ نے مجھے مشرکین سے قتال کرنے کا موقعہ دیا تو میں جان جو کھوں میں ڈال کر دکھا دوں گا۔ آئندہ سال جب غزوہ اُحد پیش آیا اور اس میں مسلمان شکست کھا گئے تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ میں مشرکین کے عمل سے براءت ظاہر کرتا ہوں اور یہ جو مسلمانوں نے شکست کھائی ان کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ مجھے اُحد سے ورے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور مشرکین سے بھڑ گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا تو انکے جسم میں تلواروں اور نیزوں کے اتنی سے کچھ اوپر زخم تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ (مومنین میں ایسے افراد ہیں جنہوں نے اپنا عہد پورا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ یہ آیت حضرت انس بن نصر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی (ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور ص ۱۹۱ ج ۵ وعزاه الی الترمذی والنسائی والبیہقی فی الدلائل - ورواہ البخاری مختصراً ص ۷۵ ج ۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ اُحد سے فارغ ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر آپ کا گزر ہوا۔ آپ نے اُن کو مقتول پڑا ہوا دیکھا اور آیت رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ تِلَاوَت فرمائی (درمنثور ص ۱۹۱ ج ۵ عن الجامع والبیہقی فی الدلائل)

جو شخص عالم نہ ہو وہ طرز گفتگو سے یہ ظاہر نہ کرے کہ میں عالم ہوں۔ اگر کوئی شخص عالم بھی ہو اور مسئلہ معلوم نہ ہو تو اُنکل سے مسئلہ نہ بتائے کیونکہ ان میں اس کا دعویٰ ہے کہ میں جانتا ہوں اور یہ دعویٰ جھوٹا ہے پھر اُنکل سے بتانے میں غلطی ہو جاتی ہے اس میں اپنا بھی نقصان ہے اور سوال کرنے والے کو بھی دھوکہ دینا ہے اور گمراہ کرنا ہے۔

اگر کسی کے پاس مال یا علم و عمل کا کمال نہ ہو تو اپنی حقیقی حالت کے خلاف ظاہر نہ کرنے کیونکہ یہ صدق و سچائی کے خلاف ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ایک سوتن ہے اگر میں جھوٹ موٹ (اُسے جلانے کیلئے) یوں کہہ دوں کہ شوہر نے مجھے یہ یہ کچھ دیا ہے اور حقیقت میں نہ دیا ہو تو کیا اس میں کچھ گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسٌ ثَوْبِيْ ذُوْرٍ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۸۱ بخاری و مسلم) کہ جس شخص نے جھوٹ یہ ظاہر کیا کہ مجھے یہ چیز دی گئی ہے حالانکہ اُسے نہیں دی گئی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن لئے (یعنی سر سے پاؤں تک وہ جھوٹا ہی جھوٹا ہے) اس حدیث کا مفہوم بہت عام ہے۔ ہر قسم کے جھوٹے دعویداروں کو شامل ہے۔ سچ اور جھوٹ اقوال میں منحصر نہیں اعمال و احوال اور لباس اور زُعاوی اور عزائم ان سب میں سچ اور جھوٹ کی شان پیدا ہو جاتی ہے ہر مومن بندہ اپنی نگرانی کرے اور سچ ہی کو اختیار کرے اور ہر طرح کے جھوٹ سے بچے۔ اصلاح بین الناس یا بعض دیگر مواقع میں جو جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے وہ مستثنیٰ ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کی طرف سے مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۱- جب بولو تو سچ بولو ۲- وعدوں کو پورا کرو ۳- جو امانتیں تمہارے پاس رکھی جائیں انہیں ادا کرو۔

۴- اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرو ۵- اپنی نظروں کو بچا رکھو

۶- اپنے ہاتھوں کو (ظلم اور زیادتی سے) بچائے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے میری والدہ نے کہا آ میں تجھے دے رہی ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے کیا چیز دیئے کا ارادہ کیا تھا انہوں نے کہا کہ میں نے کھجور دینے کا ارادہ کیا تھا آپ نے فرمایا اگر تو اسے کچھ بھی نہ دیتی تو تیرے اعمال نامہ میں ایک جھوٹ لکھا جاتا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کو راضی کرنے کے لئے بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں ان سے جو وعدہ کریں وہ بھی سچا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور بے شک نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان برابر سچ اختیار کرتا ہے اور سچ ہی پر عمل کرنے کی فکر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہ گاری کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ گاری دوزخ میں لی جاتی ہے اور انسان جھوٹ کو اختیار کرتا ہے اور جھوٹ ہی کے لئے فکر مند رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو ساری دنیا بھی اگر تجھ سے جاتی رہے تو کوئی ڈر نہیں۔ ۱- امانت کی حفاظت ۲- بات کی سچائی ۳- اخلاق کی خوبی ۴- لقمہ کی پاکیزگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۵)

صادقین کی مصاحبت

ابھی صدق کی فضیلت اور اہمیت اور اس کے مقابل جو صفت کذب ہے اسکی مذمت اور شاعت و قباحت معلوم ہوئی۔ حضرات مفسرین کرام نے وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا ایک مطلب تو یہ بھی لکھا ہے کہ کونوا مثلهم فی صدقہم جو لوگ صادقین ہیں انہیں کی طرح ہو جاؤ یعنی صدق ہی کو اختیار کرو اور ایمان اعمال و اقوال میں صادقین کی راہ پر چلو اور جس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اسکی مناسبت سے یہی معنی زیادہ اظہر ہیں۔ کیونکہ حضرت کعب اور ان کے دونوں ساتھی جو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ یکساں جانے سے رہ گئے تھے وہ ان کے ساتھ عمل صدق میں شریک نہ ہوئے تھے۔ لیکن الفاظ کا عموم اس بات کو بھی بتاتا ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اچھی صحبت اور بری صحبت دونوں بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں جو اچھوں کی صحبت اٹھائے گا اس میں خوبی پیدا ہوگی اور جو بروں کی صحبت میں رہے گا اس میں برائیاں آتی چلی جائیں گی اور اس کا نفس برائیوں سے مانوس ہو جائے گا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لَا تُصَاحِبِ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيًّا۔ صرف مؤمن کی صحبت اختیار کرو اور تیرا کھانا (یعنی طعام ضیافت) متقی کے سوا کوئی نہ کھائے (رواہ الترمذی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ اسکی دوستی کس سے ہے (رواہ الترمذی) (اگر اچھے لوگوں سے دوستی ہے تو تو اچھا آدمی ہے اور برے لوگوں سے دوستی ہے تو سمجھ لے کہ تو برا آدمی ہے)

پس ہر شخص کو معاشرت کے لئے اٹھنے بیٹھنے کے لئے مسافرت کے لئے اور مصاحبت کے لئے صادقین کی صحبت اختیار کرنا لازم ہے جیسے ساتھی ہوں گے ویسا ہی خود ہو جائے گا اور یہ ایسی چیز ہے جس کا عموماً مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بچوں کے ساتھ ہونے میں تقویٰ کی صفت سے بھی متصف ہوں گے تقویٰ کا حکم دینے کے بعد بچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے اپنے لئے بھی صادقین اور صالحین کی مصاحبت کا فکر کریں اور اپنی اولاد کے لئے بھی اسی کو سوچیں صادقین کے ساتھ بھی رہیں ان کی کتابیں بھی پڑھیں۔ کتاب بھی بہترین ساتھی ہے مگر کتاب اچھی ہو۔ اچھائی سکھاتی ہو اور اچھے لوگوں کی لکھی ہوئی ہو۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ

مدینے والے اور انکے آس پاس کے رہنے والے دیہات کے لوگوں کے لئے یہ زیبا نہیں تھا کہ رسول

اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا

اللہ (ﷺ) کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات کہ وہ رسول اللہ کو چھوڑ کر اپنی جانوں کو لے کر بیٹھ جائیں یہ اس وجہ سے کہ

نَصَبٌ وَلَا مَخْبَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَطْؤُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ

انہیں جو بھی کوئی پیاس یا جھکن یا بھوک اللہ کی راہ میں پہنچتی ہے اور وہ کسی جگہ جو قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو جلن ہوتی ہے اور دشمن سے

مَنْ عَدُوٌّ نَبِيٍّ إِلَّا كَتَبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۶﴾

جو بھی کوئی چیز لے لیتے ہیں تو اس سب کی وجہ سے ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بلاشبہ اللہ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كَتَبَ

اور وہ لوگ جو بھی کوئی چھوٹا بڑا خرچہ کرتے ہیں اور جس کسی میدان کو قطع کرتے ہیں تو یہ ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے

لَهُمْ لِيَجْزِيََهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾

تاکہ اللہ ان کو انکے عمل کا اچھے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے

فی سبیل اللہ سفر اور خرچ کرنے پر اجر و ثواب کا وعدہ

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کے پیارے ہیں۔ اللہ کے رسول ہیں۔ غزوات میں خود تشریف لے جاتے تھے تمام تکلیفوں میں بنفس نفیس شریک ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے لئے کوئی آرام کی صورت نکالی ہو اور اپنے صحابہ کو تکلیف میں چھوڑ دیا ہو ایسا ہرگز کبھی نہیں ہوا آپ ہر تکلیف میں شریک تھے بلکہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ محنت کرتے تھے تکلیف اٹھاتے تھے۔ ان حالات میں کوئی شخص خواہ اہل مدینہ میں سے ہو خواہ آس پاس کے رہنے والے دیہاتیوں میں سے ہو کسی کے لئے یہ کہاں روا ہو سکتا تھا کہ آپ تو غزوہ میں چلے جائیں اور خود اپنی جان کو عیش آرام اور حفاظت کے ساتھ اپنے گھر میں لئے ہوئے بیٹھا رہے۔ ایمانی محبت کا تقاضا یہی تھا کہ سب آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوں البتہ جو معذور تھے وہ ساتھ نہ جائیں تو یہ دوسری بات ہے جو لوگ غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ جانے سے بچھڑ گئے تھے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ انہیں اور تمام صحابہ کو متنبہ فرمادیا کہ اللہ کے نبی کو چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہ جانا ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے ہاں جسے رسول اللہ ﷺ نے خود ہی اپنی جانب سے مدینہ طیبہ کا امیر بنا دیا تاکہ آپ کے پیچھے انتظام سنبھالے (یہ محمد بن مسلمہ اور ایک قول کے مطابق سباع بن عرفطہ تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر اپنا خلیفہ بنا دیا تھا) یا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کے لئے اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا (یہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تھے) یا جو حضرات معذورین تھے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ آیت شریفہ کا سیاق اور طرز بیان اس بات کا مقتضی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جہاد میں جائیں تو کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ آپ کے پیچھے رہ جائے اسی لئے بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جہاد کرنا فرض عین تھا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب مسلمان کم تھے۔ جب مسلمان تعداد میں زیادہ ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (کما ذکرہ فی الروح)

جو تین حضرات مومنین مخلصین میں سے پیچھے رہ گئے تھے ان کا واقعہ تفصیل سے چند صفحات پہلے گزر چکا ہے پیچھے رہ جانے والے مخلصین میں حضرت ابوخیثمہ بھی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کو لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین بھی بُرے دل سے ساتھ لگ لئے تھے پھر وہ راستہ سے واپس ہوتے رہے۔ راستہ سے واپس ہونے والوں

میں حضرت ابوخیثمہ بھی تھے۔ سخت گرمی اور دھوپ کی وجہ سے یہ بھی راستہ سے واپس آ گئے تھے ان کی دو بیویاں تھیں۔ واپس آئے تو دیکھا کہ باغ میں دو چھپروں کے نیچے ان کی بیوؤں نے پانی چھڑک رکھا ہے اور کھانا تیار کر رکھا ہے۔ ابھی دروازہ ہی میں کھڑے تھے کہ اپنی دونوں بیویوں اور انہوں نے جو کچھ تیار کر رکھا تھا اس سب پر نظر پڑی اس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ تو سخت گرمی میں ہیں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سایہ میں ہے اس کے لئے کھانا حاضر ہے اور اسکی خوبصورت بیوی سامنے موجود ہے یہ انصاف کی بات نہیں۔ اللہ کی قسم میں ان میں سے کسی ایک چھپر میں بھی داخل نہ ہوں گا۔ میں روانہ ہوتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچتا ہوں۔ دونوں بیویوں نے سفر کا سامان تیار کیا انہوں نے اپنا اونٹ لیا اور روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ تبوک میں پہنچ چکے تھے انہوں نے آپ کو وہیں جا کر پایا ابھی یہ دور ہی تھے کہ حاضرین نے کہا کہ کوئی سوار آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابوخیثمہ ہے۔ چنانچہ یہ تھوڑی دیر میں پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوخیثمہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اس کے بعد انہوں نے اپنا قصہ سنایا اور آپ نے اُن کے لئے خیر کی دعا فرمائی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تو ساتھ ہی چلے تھے لیکن اُن کا اونٹ رفتار میں کمزور تھا۔ وہ پیچھے رہ گیا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنا سامان اپنی کمر پر لا دیا پھر پیدل ہی چل دیئے اور راستہ ہی میں ایک منزل پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۷۷، ج ۸)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے کا ایمانی تقاضا تو تھا ہی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہ نے اجر و ثواب کا بھی وعدہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ (الآئین) یہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو جو بھی پیاس، تھکن اور بھوک اللہ کے راستہ میں پہنچتی ہے اور جہاں بھی قدم رکھتے ہیں جس سے دشمنوں کو جلن ہوتی ہے اور دشمنوں کو جو کچھ تکلیف پہنچاتے ہیں۔ یہ سب ان کے اعمال صالحہ کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

نیز جو بھی کوئی خرچہ کریں چھوٹا ہو یا بڑا اور جس میدان کو بھی قطعہ کریں تو یہ سب لکھا جاتا ہے۔ اور یہ لکھنا صرف لکھنے کے لئے نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر اچھے سے اچھا ثواب عطا فرمائے گا۔

معلوم ہوا کہ صرف جنگ کرنا اور ہتھیار چلانا ہی جہاد نہیں ہے اس راہ میں جو تکلیفیں آنے جانے میں پیش آئیں بھوک، پیاس، ڈکھن، قدم اٹھانا، خرچ کرنا وادیوں کو قطع کرنا ان سب میں ثواب ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کافروں کے دل جلانے کی بھی نیت رکھنی چاہئے۔ ان کے دل جلانے میں بھی ثواب ہے۔ غزوہ تبوک میں تو قتال ہوا ہی نہیں آنا جانا اور تکلیف اٹھانا ہی تھا۔ اس پر بھی اجر و ثواب کے بڑے بڑے وعدے ہیں۔

فائدہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ منورہ سے قریب ہوئے تو فرمایا کہ مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو پورے سفر میں تمہارے ساتھی تھے تم جو بھی راستہ چلے اور جس میدان کو بھی تم نے قطع کیا وہ لوگ تمہارے ساتھ ہی رہے۔ (یعنی اجر و ثواب میں وہ بھی تمہارے برابر کے شریک ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی ہمارے ساتھی تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ

مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی تمہارے ساتھی تھے وہ عذر کی وجہ سے رک گئے تھے (صحیح بخاری ص ۶۳۷ ج ۲)۔
اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے عمل پر بھی ثواب اور نیت کرنے پر بھی ثواب عطا فرماتا ہے۔ جو شخص معذور ہو اور عمل کرنے کی خواہش رکھتا ہو اس کو بھی ثواب سے نواز دیا جاتا ہے۔ فالحمد لله العلیٰ الکبیر

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ

اور مومنین کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں کیوں نہ نکل چھوٹی جماعت ہر بڑی جماعت میں سے

لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۰۷﴾

تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔ اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو ڈرائیں۔ جبکہ وہ انکے پاس واپس آ جائیں

جہاد اور تفقہ فی الدین میں مشغول رہنے کی اہمیت اور ضرورت

تفسیر: دین اسلام کامل ہے مکمل ہے جامع ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اس میں اعتقادات بھی ہیں اور عبادات بھی اخلاق بھی ہیں اور آداب بھی معاشرت کے طریقے بھی ہیں اور معاملات کے احکام بھی بیاہ شادی بھی ہے اور اولاد کی پرورش بھی مال کمانے کے جتنے طریقے ہیں ان کے احکام بھی بتائے ہیں۔ کفر کو مٹانے اور اہل کفر کو نیچا دکھانے اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے جہاد اور قتال بھی شروع ہے اور یہ بھی دین کا ایک ضروری اور بہت اہم کام ہے۔ جسے حدیث شریف میں چوٹی کا عمل بتلایا ہے (ذروۃ سنامہ الجہاد) لیکن اگر سارے ہی افراد جہاد میں لگ جاویں تو تعلیم و تقم کا کام کون کرے جس کے ذریعہ علوم و اعمال زندہ رہتے ہیں۔ اور فضائل و مسائل کا پتہ چلتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔

جہاد کی قسمیں: اس لئے عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں ہے۔ فرض عین اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دشمن کسی علاقہ پر دھاوا بول دیں۔ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔ پس جبکہ جہاد فرض کفایہ ہے اور دین کی دوسری ضروریات بھی ہیں۔ خصوصاً جبکہ علوم اسلامیہ کا جاننا اور پہچانا اور پھیلانا بھی لازم ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر وقت جہاد کیلئے ہر فرد نکل کھڑا ہو اسی کو فرمایا وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً (الآیہ) کہ اہل ایمان کو یہ نہ چاہئے کہ سب ہی نکل کھڑے ہوں ہاں ایسا ہو کہ جہاد میں بھی جاتے رہیں ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت جایا کرے۔ اور علوم میں مشغول رہنے والے بھی ہوں۔ جہاد میں جانے والے جہاد کو قائم رکھیں جس سے فرض کفایہ ادا ہوتا رہے۔

تفقہ اور تفقہ کی ضرورت: جو لوگ جہاد میں نہ نکلیں وہ دینی سمجھ حاصل کریں۔ یعنی ایک جماعت علوم دینیہ پڑھانے والوں کی بھی رہے۔ جن کے ساتھ علوم دینیہ حاصل کرنے والے لگے رہیں اور سرسری علوم پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ تفقہ فی الدین حاصل ہونا ضروری ہے۔ علوم کی وسعت بھی حاصل ہو اور علوم کی گہرائی میں اتریں تاکہ اس قابل ہو جائیں کہ یہ سمجھ سکیں کہ کس آیت کو اور کس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے اس کو لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ سے تعبیر فرمایا جو لوگ جہاد میں نہیں گئے وہ وطن میں رہ کر علم دین حاصل کریں اور جو لوگ جہاد میں گئے وہ بھی واپس آ کر علم حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو کہ

وہ علم دین سے نابلد رہیں۔ اگر جاہل محض رہیں گے تو جہاد سے متعلقہ اعمال شرعیہ کی تکمیل نہ کر سکیں گے۔ جب یہ لوگ جہاد سے واپس آ جائیں تو وہ حضرات جو علم کی تحصیل میں مشغول تھے ان واپس آنے والوں کو اللہ سے ڈرائیں یعنی دینی احکام سکھائیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے رہیں۔ اسی کو فرمایا لِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ جہاد میں جانے والے نوبت بہ نوبت جایا کریں۔ ایک جماعت جہاد میں چلی گئی (جن کے پاس ضروری علم پہلے سے ہے) اور جب یہ جماعت واپس آ جائے تو یہ علوم دینیہ میں مشغول ہو جائے اور دوسری جماعت چلی جائے۔ جب جہاد ہمیشہ ہی فرض کفایہ ہے اور علوم دینیہ کو زندہ رکھنا بھی ضروری ہے اور مجاہدین کی خانگی حاجات اور ضروریات بھی ہیں تو ایسا کرنا ضروری ہوگا کہ فرض کفایہ کو قائم رکھنے کے لئے ایک جماعت جہاد میں چلی جایا کرے اور انکی واپسی پر بلکہ ان سے پہلے ہی دوسری جماعت جہاد کے لئے روانہ ہو جایا کرے۔ جو لوگ علوم میں مشغول تھے وہ مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر والوں کی خیر خبر رکھیں اور جب وہ واپس آ جائیں تو ان کو احکام شرعیہ بتائیں قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔

بطور فرض کفایہ امت مسلمہ کے ذمہ یہ بھی لازم ہے کہ علوم شرعیہ کو محفوظ رکھیں اور ان کو پڑھتے پڑھاتے رہیں۔ قرآن مجید کا محفوظ رکھنا (مطبوعہ مصاحف پر بھروسہ کر کے حفظ کو نہ چھوڑ دیا جائے) قرآن کی تفاسیر کو محفوظ رکھنا احادیث شریفہ اور ان سے متعلقہ علوم کو محفوظ رکھنا قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے جو احکام و مسائل مجتہدین نے مستنبط کئے ہیں ان کو محفوظ رکھنا بلکہ علوم عربیہ صرف و نحو معانی بیان اور عربی لغات کا باقی رکھنا بھی لازم ہے کیونکہ ان چیزوں پر قرآن و حدیث کا فہم موقوف ہے۔ اگر یہ چیزیں محفوظ نہ ہوں گی تو محدثین اور زنادقہ اپنے پاس سے غلط ترجمے کریں گے اور قرآن و حدیث کے مفہیم اور معانی بدل دیں گے۔ ہر شخص پر عقائد اسلامیہ کا جاننا اور ان کا عقیدہ رکھنا نماز کے احکام و مسائل جاننا اور نماز کو سیکھنا اور یاد رکھنا طہارت و نجاست کے مسائل جاننا اور ان تمام احکام کا جاننا جن سے ہر شخص کو روزانہ واسطہ پڑتا ہے یہ فرض عین ہے۔ جو لوگ تجارت کرتے ہیں ان کو تجارت کے مسائل جاننا فرض عین ہے اسی طرح جو لوگ زراعت میں صنعت و حرفت میں ملازمت میں لگے ہوئے ہیں اپنے اپنے مشاغل اور مکاسب کے بارے میں احکام و مسائل سیکھیں جو ان پر فرض عین ہے تاکہ خلاف شرع طریقوں سے مال نہ کمائیں۔ محنت بھی کریں اور مال حرام ملے اور مال کمائے میں خلاف شرع امور کا ارتکاب کر کے گناہ گار ہوں اس سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اپنے کاروبار اور کام کاج کے بارے میں شریعت کے احکام معلوم کریں۔ جن کے پاس مال ہے وہ خصوصیت کے ساتھ وجوب زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے مسائل معلوم کریں۔

لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ غیر قوموں کی طرح اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں زندگی گزار لیتے ہیں نہ میاں بیوی کے حقوق کا پتہ نہ اولاد کی تعلیم و تادیب کی خبر نہ ماں باپ اور دیگر اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کا فکر نہ حلال کمانے کا دھیان۔ یہ طریقہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے۔

فقہ دینی سمجھ کا نام ہے عہد اول میں اس کا مفہوم بہت زیادہ عام تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا معرفة النفس مالها وما عليها کہ ہر شخص کا یہ پہچان لینا کہ میری ذمہ داری کیا ہے۔ میں دنیا اور آخرت میں کن کن چیزوں کا مسئول ہوں اور وہ کیا کیا چیزیں ہیں جن کا انجام دینا میرے ذمے لازم ہے۔ حقوق اللہ ہوں یا حقوق

العباد ان سب کو جانے اور جاننے کے مطابق عمل کرے۔ اس میں پورے دین کا سمجھنا اور اپنی جان پر نافرمان کرنا آ گیا۔ درحقیقت یہ فقہ کی بہت جامع تعریف ہے۔ اور لِيَتَفَقَّهُُوا فِي الدِّينِ کے مفہوم میں یہ سب احکام و مسائل آ جاتے ہیں احکام و مسائل کا جو علم ہے اور جو امور روح قلب اور تزکیہ نفس سے متعلق ہیں اور فقہ ان سب کو شامل ہے۔ حضرت حسنؑ سے کسی نے کچھ دریافت کیا انہوں نے کچھ جواب دے دیا، سائل نے کہا دوسرے فقہاء تو آپ کی مخالفت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا تم نے کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ اس کے بعد فقیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا انما الفقیہ الزاہد فی الدنیا، الراغب فی الآخرۃ، البصیر بدینہ المداوم علی عبادۃ ربہ، الورع الکاف عن اعراض المسلمین العفیف عن اموالہم، الناصح لجماعتہم۔ یعنی فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کی طرف راغب ہو اپنے دین میں بصیرت رکھتا ہو اپنے رب کی عبادت میں لگا رہتا ہو۔ پرہیز گار ہو، مسلمانوں کی بے آبروئی کے درپے نہ رہتا ہو (یعنی انکی غیبتیں نہ کرتا ہو۔ اُن پر تہمت نہ دھرتا ہو) اُن کے مالوں سے دور رہتا ہو اور مسلمانوں کی جماعت کا خیر خواہ ہو (روح المعانی ص ۴۸ ج ۱۱)

فقہ فی الدین بہت بڑی دولت ہے جس کو بھی حاصل ہو جائے وہ بڑا سعادت مند ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ من یُرد اللہ بہ خیر یرفقہ فی الدین کہ اللہ تعالیٰ جس کو خیر سے نوازنے کا ارادہ فرماتے ہیں اسے فقہ فی الدین کی دولت عطا فرماتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ الہی میں یوں عرض کیا اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّینِ۔ کہ اے اللہ اسے فقہ فی الدین نصیب فرما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تفقہوا قبل ان تُسودوا۔ یعنی اس سے پہلے فقیہ بن جاؤ کہ تم کو سرداری سپرد کی جائے یعنی نوعمری ہی سے فقہ میں لگنا چاہئے (صحیح بخاری ص ۱۷ ج ۱)

جو حضرات آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے غیر منصوص مسائل کا استنباط کرتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ نے کیا یہ بھی فقہ فی الدین ہے اور جو لوگ اصلاحِ قلوب اور تزکیہ نفس کے شغل میں لگے ہوئے ہیں اور اُمت کی اصلاح کی اجتماعی اور انفرادی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں وہ بھی فقہ فی الدین میں لگے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ فقہ کا نام سنتے ہی کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور گویا اس کو بدعت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں اس کا حکم دیا ہے اور حدیث شریف میں اسکے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے خیر سے نوازنا چاہیں اسے فقہ فی الدین سے نواز دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فقہ کی کیا ضرورت؟ حدیث دیکھ کر عمل کر لیں گے۔ حالانکہ حدیث پر عمل کرنے کے لئے سمجھ کی ضرورت ہوتی ہے ناخ منسوخ دیکھنا پڑتا ہے ظاہری طور پر جو تعارض ہوا سکے رفع کرنے کیلئے تطبیق بین الاحادیث کی ضرورت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ قال صاحب الدر المختار واعلم ان تعلم العلم یكون فرض عین وهو بقدر ما یتحتاج لدینہ وفرض کفایہ وهو ما زاد علیہ لنفع غیرہ ومن دوبا وهو التبحر فی الفقہ وعلم القلب، وحرام وهو علم الفلسفۃ والشعبۃ والتنجیم والرمل وعلوم الطبیین والسحر والکھانۃ اھ قال الشامی فی حاشیۃ قولہ علم القلب ای علم الاخلاق وهو علم یعرف بہ انواع الفضائل وکیفیۃ اکتسابھا وأنواع الرذائل وکیفیۃ اجتنابھا۔ (صاحب در مختار نے فرمایا

ہے کہ جان لے ایک علم کا حاصل کرنا فرض عین ہے اور وہ علم کی اتنی مقدار ہے جو دین پر عمل کیلئے ضروری ہو اور ایک علم فرض کفایہ ہے اور یہ وہ ہے جو اپنے عمل سے زائد ہو دوسرے کے نفع کے لئے ہو اور ایک منذب ہے اور یہ فقہ میں مہارت حاصل کرنا اور دلوں کا علم ہے۔ اور ایک علم حرام ہے اور یہ فلسفہ شعبہ بازی، نجوم، رمل، مادہ پرستی کا علم اور جادو و کھانہ کا علم ہے۔ علامہ شامی نے حاشیہ میں کہا ہے علم دل سے مراد ہے علم اخلاق اور یہ وہ علم ہے جس سے فضائل کی اقسام اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور برائیوں کی اقسام اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے) (رد المحتار ص ۳۰ ج ۱)

فائدہ: لفظ لِيَتَفَقَّهُوْا باب تفعل سے ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فقہ فقہ سے حاصل ہوگا یعنی اس میں تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اور بغیر محنت اور کوشش کے حاصل نہ ہوگا۔ نیز صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ لِيَتَفَقَّهُوْا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین پڑھانے والے کی غرض ارشاد اور انداز ہونی چاہئے یعنی امور خیر کی تعلیم دے اور گناہوں کی تفصیل بتائے اور ان سے بچنے کی تاکید کرے۔ اور متعلم کا مقصود بھی خوف و خشیت ہو وہ علم حاصل کر کے شریعت پر چلنے کی نیت کرے اور خوف و خشیت کو اپنی زندگی کا وظیفہ بنائے۔ دنیا حاصل کرنے اور بڑا بننے کی نیت سے علم نہ پڑھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس حال میں موت آگئی کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لئے علم طلب کرنے کے لئے علم طلب کر رہا تھا تو اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک ہی درجے کا فرق ہوگا۔ (رواہ الدارمی فی سننہ ص ۸۵ ج ۱)

چونکہ لِيَتَفَقَّهُوْا اِیُّ الدِّیْنِ کے بعد وَلِيَتَذَكَّرُوْا قَوْمَهُمْ بھی فرمایا اس لئے اصحاب علم پر ضروری ہے کہ جو لوگ بھی علم دین حاصل کرنے کیلئے انکے پاس پہنچیں ان کی خیر خواہی، ہمدردی اور دلداری کریں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ لوگ تمہارے تابع ہوں گے۔ (یہ حضرات صحابہ کو خطاب ہے) اور بہت سے لوگ تمہارے پاس زمین کے دو دروازوں گشوں سے آئیں گے۔ تاکہ وہ فقہ فی الدین حاصل کریں۔ سو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے اچھی طرح پیش آنا میں تمہیں اسکی وصیت کرتا ہوں راوی حدیث حضرت ابوسعید خدری کا طریقہ تھا کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس پہنچتا تو فرماتے تھے مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اس طرح پاؤں گے جیسے (سونے چاندی کی) کانیں ہوتی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر مختلف قسم کی قوت اور استعداد رکھی ہے) جاہلیت کے زمانہ میں جو لوگ (مکارم الاخلاق اور محاسن الاعمال کے اعتبار سے) بہتر تھے اسلام میں بھی وہ بہتر ہوں گے۔ جبکہ وہ فقیہ ہو جائیں (رواہ مسلم ص ۳۰) جب اسلام میں داخل ہو کر فقیہ ہوں گے تو اپنی استعداد کو دینی سمجھ کے مطابق خرچ کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فقیہہ واحد اشد علی الشیطان من الف عاہد یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عاہدوں سے بھاری ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم) فقیہ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہزار عاہدوں سے بہتر ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جو شخص صرف عبادت گزار ہو شیطان

کے مکر و فریب اور بہکانے کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا شیطان اُسے آسانی سے ورغلا دیتا ہے اور جو شخص فقیہ ہودہ شیطان کے داؤ گھات مکر و فریب اور بہکانے کے طریقوں کو جانتا پہچانتا ہے۔ وہ اپنے علم و فقہ کے ذریعہ خود بھی شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور اُسے دوسروں تک پہنچا دے۔ کیونکہ بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو اس شخص کو پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث شریفہ کے ظاہری الفاظ سے جو مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کے علاوہ ان میں وہ مسائل بھی ہیں جن کی طرف ہر شخص کا ذہن نہیں پہنچتا جن کو اللہ تعالیٰ نے فقہ کی دولت سے نوازا ہے وہ اُن مسائل اور احکام کو سمجھتے ہیں احادیث کی عبارات اور سیاق کلام طرز بیان و وجہ دلالت سے انہیں وہ چیزیں مل جاتی ہیں جو ان کو نہیں ملتیں جو فقہ سے عاری ہیں۔ اسی فقہ یعنی دینی سمجھ کو کام میں لانے کا نام استنباط ہے۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام میں فقہ فی الدین کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت ہے لیکن اس میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے ایک جماعت تو ایسی ہے جسے فقہ کے نام سے ہی چڑ ہے اور ساتھ ہی ان میں یہ غفلت ہے کہ احادیث شریفہ کی پوری کتابیں بھی نہیں پڑھتے پڑھاتے چند منتخب احادیث یاد کر کے فتوے دینے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ امام بخاری اور امام شافعی اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہے جس نے اساتذہ سے قرآن پڑھا نہ حدیث پڑھی خود رو عالم ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنی سمجھ سے دینی احکام بتانے اور فتوے دینے کا حق ہے ایسے لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں یہ لوگ نہ عربی جانتے ہیں نہ صرف دعو سے واقف ہیں۔ نہ وجہ استنباط سے باخبر ہیں نہ فصاحت و بلاغت کی کتابیں پڑھیں نہ لغات پر حاوی ہیں۔ حروف اصلیہ اور حروف زائدہ کو بھی نہیں جانتے لیکن اپنی جاہلانہ سمجھ سے فتویٰ دینے کو تیار ہیں۔ اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ اجتہاد ختم نہیں ہوا اور اس بات کی لپیٹ میں وہ اپنے کو مجتہد قرار دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اجتہاد کی ایجاد سے بھی واقف نہیں۔ میں نے ان لوگوں کے لئے چند سوال رکھے ہیں۔ عزیز طلبہ سے ان لوگوں کا واسطہ پڑ جائے تو ان سے دریافت کر لیں کہ لُحْمٌ مُّشْنَبُ کیا صیغہ ہے؟ اس کے حروف اصلی کیا ہیں؟ کوئی حرف کم ہوا ہے تو کس اصول سے؟ نیز یَفْتَرُونَ اور یَفْتَرُونَ میں لفظی اور معنوی کیا فرق ہے؟ دونوں کے حروف اصلی بتائیں؟ اور حروف محذوفہ اور زائدہ بیان فرمائیں؟ اور یہ بتائیں کہ یَخْصِمُونَ اور آمَنْ لَا يَهْدِي اور وَاذْكُرْ کیا صیغہ ہے کس باب سے ہے اور یہ بھی واضح کریں کہ فَاسْقِطْهُمْ اور فَلَا تَمَارِقْهُمْ میں کتنے کلمات ہیں؟ ان میں اسم فعل حرف کیا کیا ہیں اور ساتھ ہی معرب و ثنی کی تعیین بھی کرتے چلیں؟

اجتہاد استنباط اور فقہ کوئی طلوہ کا لقمہ نہیں ہے جس کا جی چاہے مجتہد اور فقیہ بن جائے۔ یہ ضروری باتیں دور حاضر کے بے پڑھے مجتہدوں سے اُمت کو محفوظ رکھنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔

آیت بالا کی تفسیر جو اوپر لکھی گئی یہ اس بنیاد پر ہے کہ لِيَتَفَقَّهُوْا اور وَلِيُنْذِرُوْا کی ضمیر اس جماعت کی طرف راجع

ہو جو جہاد کے لئے نکلنے والوں کے ساتھ نہ گئے اور گھروں میں رہ گئے اور اُن کا یہ رہنا اس لئے ہے کہ علم دین حاصل کریں اور مجاہدین واپس ہوں تو ان کو علم سکھائیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بہت سے حضرات نے لَيْتَفَقَّهُوْا اور وَلْيَنْدِرُوْا کی ضمیر اُن لوگوں کی طرف راجع کی ہے جو گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل گئے اس صورت میں باہر نکلنے والوں سے علم کے لئے سفر کر نیوالے مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح جہاد کے لئے جماعتیں جاتی ہیں اسی طرح طلب علم کے لئے بھی اہل ایمان باہر نکلیں اور باہر نکل کر علم حاصل کریں۔ پھر واپس ہو کر ان لوگوں کو دین سکھائیں اور اللہ سے ڈرائیں جو طلب علم کے لئے باہر نہ گئے تھے۔ یہ تفسیر سیاق کلام سے قریب تر ہے۔ صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر لکھ کر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب دیہاتوں میں چلے گئے تھے۔ وہ وہاں کی چیزوں سے مستفیع ہوئے اور ساتھ ہی لوگوں کی ہدایت کے کام میں مشغول رہے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ تم تو ہمارے پاس آ کر بس گئے اور اپنے ساتھیوں کو چھوڑ آئے یہ بات سن کر انہیں رنج ہوا اور دیہات چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس سے ان کی پریشانی دور ہو گئی کیونکہ جو علم حاصل کیا ہے دیہات میں رہ کر اس کا پھیلا نا اور ہدایت دینے کی کوشش کرنا بھی ایمانی تقاضوں میں شامل ہے لَيْتَفَقَّهُوْا اور وَلْيَنْدِرُوْا کا مرجع جو بھی ہو اور ترجمہ اور تفسیر میں جو رخ بھی اختیار کیا جائے ہر حال میں آیت شریفہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک جماعت کا تفقہ فی الدین میں مشغول ہونا ضروری ہے۔ یہ لوگ خود علم دین حاصل کریں اور پھر اپنی قوم کو علمی باتیں بتائیں اور امر و نہی سے آگاہ کریں تاکہ قوم کے افراد گناہگاری سے بچ سکیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا دین اسلام میں بہت پھیلاؤ ہے۔ انسانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اسلام کے تمام علوم کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔ یہ علوم قرآن کریم میں اور احادیث شریف میں کتب تفسیر میں شروح حدیث میں۔ فقہ کی کتابوں میں مدون ہیں۔ پوری امت کی ذمہ داری ہے کہ پورے دین کو علما و عملاً محفوظ رکھے۔ ان علوم کی تعلیم و تدریس ہوتی رہے۔ خود بھی پڑھیں۔ اپنی اولاد کو بھی پڑھائیں۔ اور تمام مسلمانوں کے لئے یہ مواقع فراہم کریں کہ ان علوم میں مشغول ہو سکیں۔ اس میں کتابیں لکھنا بھی ہے مدارس کا قیام بھی ہے اور مدارس کی امداد بھی ہے۔ بعض علاقوں میں کچھ لوگوں نے ایسے مدارس قائم کئے جن کے نصاب سے کتاب المجہاد اور کتاب العتاق وغیرہ کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ ان پر عمل تو نہیں رہا لہذا ان کے پڑھانے کی ضرورت نہیں یہ ان لوگوں کی نادانی ہے۔ عمل ہو یا نہ ہو ہر حال میں پورے دین کو باقی رکھنا اور محفوظ رکھنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اگر بعض علوم کو چھوڑ دیا اور بعض علوم کو نصاب سے خارج کر دیا تو جب بھی حالات پلٹا کھائیں گے اور ان چیزوں پر عمل کرنے کا موقع آ جائے گا جن پر آج عمل کرنے کا موقع نہیں ہے تو اس وقت بھولے ہوئے احکام پر کیسے عمل ہوگا؟ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن احکام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ یہ بھی تو امت ہی کا قصور ہے (نہ جہاد چھوڑتے جو فرض کفایہ ہے) نہ دن دیکھنے میں آتے کہ احکام جہاد و احکام استرقاق و نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ کرتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا

اے ایمان والو! اُن کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں اور جان لو کہ

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ وَاِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اَيْنَكُم زَادَتْهُ هِزَّةٌ

بلاشبہ اللہ پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے

إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَرَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ

ایمان کو بڑھایا سو جو لوگ اہل ایمان ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو بڑھا دیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ۝ أَوَلَا

دلوں میں مرض ہے سو اس سورت نے انکی گندگی پر گندگی بڑھا دی۔ اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہیں کیا وہ نہیں

يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذْكُرُونَ ۝

دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو بار کسی نہ کسی مصیبت میں ڈالے جاتے ہیں پھر وہ رجوع نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرِيكُمْ مِنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۝

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ تمہیں کوئی شخص دیکھ لیا نہیں رہا پھر چل دیتے ہیں

صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بَأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝

اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا۔ اس وجہ سے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔

اُن کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں

تفسیر: ان آیات میں اولاً اہل ایمان کو یہ حکم دیا کہ جو کفار تمہارے آس پاس رہتے ہیں ان سے قتال کرو۔ اور اس انداز سے اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی گزارو (جن میں جنگ کی تیاری کرتے رہنے اور جنگ کا سامان فراہم کرنا بھی داخل ہے) کہ وہ لوگ تمہارے اندر سختی محسوس کریں۔ وہ تمہیں اپنی طرف سے غافل نہ سمجھیں۔ صاحب معالم التزئیل حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ یَلُوحُظُكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ (جو لوگ تم سے قریب ہیں) سے بخوفظہ بنوفضیر اور خیر میں بسنے والے یہودی مراد ہیں اور جو لوگ انکے آس پاس تھے اور بعض جن حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے روم کے لوگ مراد ہیں۔ کیونکہ وہ شام میں تھے اور وہاں قیصر روم کی حکومت قائم تھی اور شام بہ نسبت عراق کے مدینہ منورہ سے قریب تر ہے۔ آیت کی تفسیر میں یہ دونوں قول اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر تھے۔ جیسے جیسے مسلمان مختلف علاقوں میں بڑھتے گئے اُن کے حالات کے اعتبار سے آیت شریفہ کا حکم شامل ہوتا چلا گیا۔ جس زمانہ میں جہاں کہیں بھی مسلمان ہوں ان کافروں سے قتال کریں جو اُن سے قریب تر ہیں۔ قریب والے دے رہیں گے تو اس کا دور والے کافروں پر بھی اثر پڑے گا۔ پھر فرمایا۔ وَلَیْسَ لَکُمْ عَلَيْهِمْ غِلَظٌ اس کے بارے میں صاحب معالم التزئیل لکھتے ہیں شدۃ وحمیۃ کہ کافر لوگ تمہارے اندر شدت اور حمیت اور قوت محسوس کریں پھر حضرت حسنؓ سے غِلَظٌ کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ صبراً علی جہادہم یعنی جب کافروں سے مقابلہ و مقاتلہ ہونے لگے تو جم کر مقابلہ کرو وہ تمہارے اندر نرمی اور کمزوری محسوس نہ کریں۔ بلکہ انہیں یہ محسوس ہو کہ تم لوگ قوت اور شوکت والے ہو۔ ذہبنے والے اور راہ فرا اختیار کر نیوالے نہیں ہو پھر فرمایا: وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (کہ اس بات کو جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے) وہ دشمنوں کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا۔ تقویٰ اختیار کرو۔ گناہوں سے بچو شریعت کے خلاف کام نہ کرو۔ ظلم و زیادتی سے پرہیز کرو۔

منافقوں کی کافرانہ باتیں: اس کے بعد منافقوں کی ایک حرکت بدکا تہ کرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں دل لگی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ اس آیت کے ذریعہ تمہارے ایمان میں کیا ترقی ہوئی۔ اور کیا اضافہ ہوا؟ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ جو اہل ایمان ہیں انکے دلوں میں قرآن کی سورتوں کے نزول سے ترقی ہوتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض یعنی نفاق ہے ان کے دل کی ناپاکی میں اس سے اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے جو سورتیں نازل ہو چکی تھیں اب تک انہیں کے منکر تھے اب جوئی سورت نازل ہو گئی اس کے بھی منکر ہو گئے اور ساتھ ہی اس کا مذاق بھی بنایا لہذا ان کے کفر میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور یہ کفر پر جمنا اور کفر میں ترقی کرتے جانا انکے کفر پر مرنے کا سبب بن گیا۔

پھر فرمایا کیا یہ منافق لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ امراض میں مبتلا ہوتے ہیں جہاد میں جانے کا حکم ہوتا ہے تو پیچھے رہ جاتے ہیں جن سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے۔ اور اسکی وجہ سے رسوا ہوتے ہیں۔ پھر بھی توبہ نہیں کرتے۔ اور نصیحت بھی حاصل نہیں کرتے۔

پھر منافقوں کا ایک اور طریق کار ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو چپکے سے فرار ہونے کے لئے ایک دوسرے کی طرف نکلیں سے دیکھتے ہیں اور اس تاک میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی کھسکتے ہوئے دیکھ نہ لے۔ آپس میں کہتے ہیں کہ دیکھو ہمیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ اگر کوئی مسلمان دیکھ رہا ہوتا تو وہیں مجلس میں بیٹھے رہتے اور جب دیکھا کہ کسی کی بھی نظر نہیں پڑ رہی ہے تو چپکے سے چل دیتے تھے۔ اپنے خیال میں انہوں نے بڑی ہوشیاری کی، لیکن اسکی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دیا، صاحب معالم التزیل لکھتے ہیں کہ یہ اس موقعہ میں ہوتا تھا۔ جب کوئی ایسی آیت نازل ہوتی تھی جس میں منافقین کے بارے میں زبرد تو بخ کا مضمون نازل ہوتا تھا اور منافقین کے عیوب منکشف ہوتے تھے۔

آخر میں فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَفْقَهُوْنَ**۔ کہ ان لوگوں کی یہ حرکتیں اور ان حرکتوں کا انجام بد اس وجہ سے سامنے آیا کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ اگر حق اور حقیقت کو سمجھتے تو نہ منافقت اختیار کرتے نہ ان سے منافقانہ حرکتیں صادر ہوتیں۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ

بلاشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تم میں سے ہے۔ تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لئے نہایت گراں ہے وہ تمہارے نفع کے لئے حریص ہے

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا رتاؤ کرنے والا ہے۔ سوا کر لوگ نہ رکھائی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے

رسول اللہ ﷺ کی صفات عالیہ اور اخلاق حسنہ کا بیان

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں جن پر سورہ توبہ ختم ہو رہی ہے۔ پہلی آیت میں سیدنا خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی

بعض صفات بیان فرمائیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ تمہارے پاس ایک رسول آیا جو بڑے مرتبہ والا رسول ہے (اس پر سُؤنی کی تکمیل دلالت کرتی ہے) اور یہ رسول تمہیں میں سے ہے اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ بشر ہے تمہاری جنس میں سے ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب سے ہے جو مخاطبینِ اولین ہیں اُن کا ہم زبان ہے وہ اسکی باتوں کو سمجھتے ہیں اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ نسب کے اعتبار سے اور مل جل کر رہنے کے اعتبار سے تمہیں میں سے ہے اس کے نسب کو اسکی ذات کو اور اسکی صفات کو اچھی طرح سے جانتے ہو۔ مفسر ابن کثیر (ص ۴۰۳ ج ۲) لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی کے سامنے اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کسریٰ کے سامنے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا ان اللہ بعث فینا رسولاً منا نعرفہ نسبہ و صفتہ و مدخلہ و مخرجہ و صدقہ و امانتہ۔ (اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا ہے جو ہم میں سے ہے ہم اس کے نسب کو اور اس کے حالات کو جانتے ہیں ہم ہر طرح سے اس کی سچائی و امانت کو جانتے ہیں) آپ جن لوگوں میں پیدا ہوئے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد بھی انہیں میں رہے آپ انہیں کی زبان میں بات کرتے تھے جس کی وجہ سے ان لوگوں کے لئے آپ سے استفادہ کرنے اور آپ کی باتیں سننے اور سمجھنے کا خوب موقعہ تھا۔ اگر ان کا نبی ان کی جنس سے نہ ہوتا مثلاً فرشتہ ہوتا یا اُن کی ہم زبان نہ ہوتا یا اپنے رہنے سہنے میں کسی ایسی جگہ رہتا جہاں آنا جانا اور ملنا جلنا دشوار ہوتا تو استفادہ کرنے اور بات سمجھنے میں دشواری ہوتی یہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ انہیں میں سے رسول بھیج دیا۔ کما قال تعالیٰ (فی سورة آل عمران) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں سے ایک رسول بھیج دیا) آپ کی دیگر صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ عَزَّوَجَلَّ عَلَیْكُمْ مَاعِذٌ مِّنْ حَرْصٍ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رِزْقٌ وَرَحْمَةٌ (آپ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور آپ اُمت کے نفع کے لئے حریص ہیں آپ کو یہ بھی حرص ہے کہ جملہ مخاطبینِ ایمان لے آئیں اور یہ بھی حرص ہے کہ اہل ایمان کے تمام حالات درست ہو جائیں اور آپ کو مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت ہے آپ انکے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ کا تعلق صرف ایسا نہیں ہے کہ بات کہہ کر بے تعلق ہو گئے بلکہ آپ کا اپنی اُمت سے قلبی تعلق ہے۔ ظاہراً بھی آپ ان کے ہمدرد ہیں اور باطناً بھی اُمت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ بھی شریک ہوتے تھے اور اُن میں سے کسی کو تکلیف پہنچ جاتی تو آپ کو کڑھن ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا وَ اخْفِضْ جَنْحَکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ (یعنی مؤمنین کے ساتھ آپ نرمی کا برتاؤ کیجئے) ایک مرتبہ رات کو مدینہ منورہ کے باہر سے کوئی آواز آئی اہل مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا چند آدمی جب اسکی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے ہی سے ادھر روانہ ہو چکے تھے۔ یہ لوگ جا رہے تھے تو آپ آ رہے تھے آپ نے فرمایا لَمْ تَوَاعُوا۔ ڈرو نہیں کوئی فکر کی بات نہیں۔ (صحیح بخاری ص ۴۱۷ ج ۱)

حضرات صحابہؓ میں کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے۔ عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ دوائتاتے تھے۔ مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچانے کے لئے اُن امور کی تعلیم دیتے تھے۔ جن سے تکلیف پہنچے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسانوں کو خود ہی بچنا چاہئے لیکن آپ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے۔ اسی لئے آپ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۴۰۴) اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے (مشکوٰۃ ص ۳۶۶)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ گھسا دے کیونکہ اُسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے کہ اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اُس پر زہریلا جانور گزر گیا ہو) (رواہ البخاری و مسلم)

جوتے پہننے کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہوا جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے۔ (رواہ مسلم)

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب چلتے چلتے تمہارے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے جب تک کہ دوسرے چپل کو درست نہ کرے (پھر دونوں کو پہن کر چلے) اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا (رواہ مسلم) آپ اُمت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو اور آپ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا نہ کرو۔ اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲)

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے پتھریں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ) (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲) نیز آپ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں) اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آ جائیں گی جو سراپا شفقت پر مبنی ہیں۔ اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب اس کے چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اس آگ میں آ کر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آ جاتے ہیں اور زبردستی گرتے ہیں یہی میرا حال ہے کہ میں تمہیں دوزخ سے بچانے کے لئے تمہاری کمریوں کو پکڑتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بناتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

پھر فرمایا کہ اگر لوگ روگردانی کریں حق کو قبول نہ کریں۔ محبت شفقت اور رافت و رحمت والے رسول کی تصدیق نہ کریں تو آپ انکی طرف سے ایذا پہنچنے کے بارے میں متفکر نہ ہوں آپ یوں اعلان کر دیں حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (کہ اللہ مجھے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے) تو کل علی اللہ نبیوں کا اور انکے امتوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اس سے مشکل ترین کام آسان ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو برداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص صبح شام سات مرتبہ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ کہہ لے تو اللہ تعالیٰ اسکی تمام فکر مند یوں کی کفایت فرمائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۵ ج ۵)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ .

سورۃ یونس کہ مکرمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ۱۰۹ آیات اور الکرکوع ہیں

الرَّشِيدُ إِلَيْكَ الْكِتَابُ الْحَكِيمُ ① أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ

الذی یہ آیات ہیں کتاب حکیم کی کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی

فِيهِمْ أَنْ تُنذِرَ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ

کہ لوگوں کو ڈرایئے اور ان لوگوں کو بشارت دیجئے جو ایمان لائے یہ کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑا مرتبہ ہے۔

قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا السِّحْرُ مُبِينٌ ۖ إِنَّ رَبَّكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ

کافروں نے کہا کہ بے شک یہ کھلا جادو گر ہے بلاشبہ تمہارا عرب اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں کو

وَالْأَرْضُ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدِيرُ الْأُمُورَ مِنْ شَفِيعِ

اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا وہ ہر کام کا تدبیر فرماتا ہے اس کی اجازت کے

الْأَمِنْ بَعْدَ ذَلِكَ إِلَهُكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝

بغیر کوئی سفارش کرنے والے انہیں وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اسکی عبادت کرو گاتم نصیحت حاصل نہیں کرتے، اسی کی طرف تم سب کو بلو

جَمِيعًا وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا إِنَّهُ سَدُّوا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعَذِّبُ الَّذِينَ آمَنُوا

عانا سے بس نے سجادہ کر رکھا ہے بلاشبہ وہی مخلوق کو اپنے بند فرماتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ لوٹا دے گا تاکہ وہ ان لوگوں کو انصاف کیساتھ دیکھ سکے جو ایمان لائے اور

عَمِلَ الظَّالِمَاتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شُرَكَاءُ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابُكَ

نیک عمل کئے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے سزا ہے کہ کھنکھائی اور دھنک

الْيَوْمَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٤١﴾

عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

توحید و رسالت اور معاد کا اثبات

تفسیر: یہ سورہ یونس کی ابتدائی آیات ہیں۔ اس کی ابتدا اللہ سے ہے۔ جو حروف مقطعات میں سے ہے یہ بحث سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ اس کے بعد فرمایا **تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ** (یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں) مفسرین کرام نے حکیم کے دو معنی لکھے ہیں اول ذو حکمت یعنی حکمت والی کتاب دوم سمعی حکم، پھر حکم کے دو معنی ہیں اول سمعی مضبوط کہ اس کے الفاظ اور کلمات اور طریقہ بیان اور اسلوب کلام نہایت ہی درجہ پختہ ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ

غیر منسوخ ہے۔ جن مفسرین نے یہ معنی لئے ہیں ان کی بات کی بنیاد یہ ہے کہ سورہ یونس میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے لیکن چونکہ صفت مضاف الیہ یعنی الکتاب کی ہے اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے جو ان سورتوں پر بھی مشتمل ہے جن میں آیات منسوخہ الحکم بھی موجود ہیں اس لئے یہاں یہ معنی لینا مناسب نہیں۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۳۳۲ ج ۲) نے لکھا ہے کہ حکیم حاکم کے معنی میں ہے یعنی یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو فیصلہ دینے والی ہیں۔ اس کے بعد لوگوں کے ایک تعجب کا تذکرہ فرمایا اور بطور استفہام انکاری یوں فرمایا اَکَانَ لِلّٰہِ لَیْسَ عَجَبًا (الآیۃ) کیا لوگوں کے لئے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی جو انہیں میں سے ہے؟ یہاں الناس سے کفار عرب اور خاص کراہل مکہ مراد ہیں انہوں نے اول تو اس بات پر تعجب کیا کہ آدمی کو رسول بنایا گیا اور دوسرے انہیں اس پر تعجب ہوا کہ ابوطالب کے یتیم کو رسول بنادیا گیا، ان کے تعجب کی استفہام انکاری کی صورت میں تردید فرمائی کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ انسانوں کی طرف انہیں کی جنس میں سے کسی انسان کو مبعوث فرمانا عقل اور سمجھ کے بالکل موافق ہے تاکہ اپنے جنس کے فرد اس سے مانوس ہوں اس سے قولی اور عملی طور پر احکام سیکھیں اور عمل کریں اس بارے میں مزید توضیح کے لئے سورہ انعام کے پہلے رکوع کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ (انوار البیان ج ۳)

اور دوسرا جو تعجب تھا وہ بھی بے وقوفی پر مبنی تھا، یہ لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی بڑا مالدار رئیس اور چودھری نبی ہونا چاہئے تھا۔ چونکہ اہل دنیا کو دنیا والوں ہی میں بڑائی نظر آتی ہے اور دنیا والوں ہی کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے ایسی جاہلانہ بات کی۔ مال و دولت کو اللہ کا محبوب بندہ ہونے میں کوئی بھی دخل نہیں اور خصوصاً نبوت جو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور خاص عطیہ ہے اس میں یہ دیکھنا کہ جسے نبوت ملی ہے اس کے پاس دنیاوی مال و متاع ہے یا نہیں سراپا حماقت اور جہالت ہے۔

نبی میں اخلاق عالیہ کا ہونا ضروری ہے جن کی دعوت الی الحق کے لئے ضرورت ہے اہل دنیا اخلاق عالیہ سے خالی اور عاری ہوتے ہیں ان کو کیسے نبوت دی جائے پھر جس کو اللہ نے نواز دیا اس سے کون آگے بڑھنے والا ہے۔ اللہ نے جس کو چاہا نبوت و رسالت کے مرتبہ سے سرفراز فرمادیا اس میں کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

یہی ابوطالب کا یتیم جس کی نبوت و رسالت پر عرب کے جاہل معترض ہو رہے تھے اللہ نے اسے اتنی بلندی دی کہ جس کے سامنے فرشتوں کی بلندی بھی نیچے رہ گئی۔ اس یتیم ابوطالب کی دعوت پورے عالم میں پھیلی اس کی امت کے قبضہ میں بڑے ممالک آئے عرب اور عجم نے اس کا دین قبول کیا، قیصر و کسریٰ کے خزانے امت کے قدموں میں حاضر ہو گئے پرانی تمام آسمان کی کتابوں کو اس کتاب نے منسوخ کر دیا جو ابوطالب کے یتیم پر نازل ہوئی اور تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔

یتیہی کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانہ چند ملت ہشت

پھر نبی اکرم ﷺ کو ایسا کام بتایا جو بحیثیت نبی اور رسول ہونے کے آپ کے سپرد کیا گیا تھا اور فرمایا اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ لَهُمْ فَکْرًا مِّمَّ حٰدِی عِنْدَ رَبِّہُمْ۔ کہ جس شخص کی رسالت اور نبوت پر تعجب کر رہے ہیں اسے ہم نے اس بات پر مامور کیا کہ لوگوں کو ڈرائیے (کہ جو نافرمان ہوں گے وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے) اور یہ کہ جو لوگ ایمان قبول کریں انہیں اس بات کی بشارت دیں کہ ان کے رب کے پاس ان کے لئے بڑا مرتبہ ہے لفظ قدم تو پاؤں کے لئے بولا

جاتا ہے چونکہ انسان کی مسلسل سعی اور عمل پیہم میں قدم کو استعمال کیا جاتا ہے اس لئے بلند مرتبہ بنانے کیلئے لفظ قدم صدق استعمال فرمایا، صدق سچائی کو کہتے ہیں ”قدم صدق“ سے سچائی کا قدم یعنی وہ مرتبہ مراد ہے جس کے ملنے میں کوئی شک نہیں۔ سورہ قمر میں ارشاد فرمایا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ مَّقْعَدَ صَدُوقٍ عِنْدَ مَلِكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ کہ بلاشبہ متقی لوگ باغیچوں اور نہروں میں ہوں گے سچائی کے مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ہوں گے وہاں اہل تقویٰ کے مقام کو مقعد صدق سے تعبیر فرمایا ہے۔ سچے ایمان اور سچے اقوال والوں کے لئے قدم صدق اور مقعد صدق ہی ہونا چاہئے۔

پھر فرمایا قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ قَبِيلٌ (جس نبی کو انذار اور تبشیر کا کام سپرد کیا اس کے بارے میں منکرین نے کہہ دیا کہ یہ کھلا ہوا جادوگر ہے) یہ بات ان لوگوں نے قرآن کریم کے اعجاز سے متاثر ہو کر کہی جب قرآن کی فصاحت اور بلاغت سامنے آئی تو اس جیسا بنا کر تو نہ لاسکے لیکن اس کو جادو بتا دیا اور نبی اکرم ﷺ کو جادوگر کہنے لگے قال صاحب الروح (ص ۶۳ ج ۱۱) ان هذا ای ما أوحى اليه ﷺ من الكتاب المنطوى على الانذار والتبشير (الی أن قال) وفي هذا اعتراف بان ما عاينوه خارج عن طوق البشر نازل من حضرة خلاق القوى والقدر الخ. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بے شک یہ یعنی حضور اکرم ﷺ کی طرف ڈرانے اور خوشخبری پر مشتمل جو کتاب نازل کی گئی ہے..... اور اس میں اس بات کا اعتراف ہے کہ جو کتاب وہ دیکھ رہے یہ انسان کی طاقت سے خارج ہے یہ تو اللہ تعالیٰ قوی اور قادر کی طرف سے نازل ہو رہی ہے)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ انکی قوموں کا یہ ہی معاملہ رہا ہے۔ سورہ ذاریات میں فرمایا كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ تَرْسُولٍ إِلَّا قَالُوا أَنَا جَادٌ زُجْنٌ (اسی طرح سے بات ہے ان سے پہلے جو بھی کوئی رسول آیا لوگوں نے اس کے بارے میں یہ ضرور کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا تذکرہ فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا، سورہ فرقان رکوع (۴) میں اور سورہ المجدہ رکوع (۱) میں اور سورہ ق رکوع (۳) میں لفظ وما بينهما کا اضافہ بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ انکے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ شانہ کو ذرا سی دیر میں پلک جھپکنے سے کم مدت میں سارے آسمانوں اور زمینوں اور انکے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کی قدرت ہے لیکن پھر بھی چھ دن میں پیدا فرمایا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں مخلوق کو تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے احوال و اطوار میں جلدی سے کام نہ لیں بلکہ تدریجی طور پر کام کریں۔ قال صاحب الروح (ص ۶۴ ج ۱۱) وفي خلقها مع القدرة التامة على ابداعها في طرفة عين اعتبار للنظار وحث لهم على التأنى في الاحوال والاطوار. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں پلک جھپکنے کی دیر میں آسمان وزمین کو پیدا کرنے کی کامل قدرت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا انہیں تدریجاً پیدا کرنے میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہے اور ان کے لئے احوال و اطوار میں غور و تدبر کی ترغیب ہے)

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ (پھر عرش پر مستوی ہوا) استواء علی العرش کے بارے میں سورہ اعراف کی آیت إِنَّ رَبَّكُمْ اللَّهُ الَّذِي (رکوع ۷) میں ضروری مضمون لکھ دیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ (انوار البیان ص ۴۴۰ ج ۳)

پھر فرمایا يُذَبِّرُ الْأَمْرَ (اللہ تعالیٰ تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے) سورۃ آلہ سجدہ میں فرمایا يُذَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے) یعنی تمام امور اس کی تدبیر کے مطابق اور حکمت کے موافق اور اسی کی قضاء و قدر کے مطابق وجود میں آتے ہیں۔ قال صاحب الروح والمراد به هاهنا التقدير الجاری علی وفق الحکمة والوجه الاہم الاکمل، اخرج ابو الشیخ وغیرہ عن مجاہد ان المعنی یقضی الامر والمراد بالامر امر الکائنات علویہا وسفلیہا حتی العرش الی آخر قال (صاحب روح المعانی) فرماتے ہیں یہاں مراد وہ تقدیر الہی ہے جو کہ حکمت الہی کے موافق تمام وکال طور پر جاری ہے۔ ابو الشیخ وغیرہ نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ امور کا فیصلہ فرماتے ہیں اور امر سے مراد کائنات کا معاملہ خواہ آسمانوں کے یا زمینوں کے معاملات حتیٰ کہ عرش بھی) (ص ۶۵ ج ۱۱)

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهِ (اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی سفارش کرنے والا نہیں ہے) اس کے حضور میں کسی کو سفارش کرنے کی جرأت و ہمت نہیں ہاں وہ جسے اجازت دیدے وہی سفارش کر سکے گا اور یہ سفارش صرف اہل ایمان کے لئے ہوگی۔ سورہ مومن میں فرمایا مَّا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَاجٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے)

پھر فرمایا ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔ اَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) اَلَيْسَ مَوْجِعُكُمْ جَمِيعًا (اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے) وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا (اللہ نے وعدہ فرمایا ہے اس کا وعدہ حق ہے) اس کے علم میں قیامت کا جو وقت مقرر ہے اس وقت آجائے گی سب زندہ ہو جائیں گے پھر پیشیاں ہوں گی۔ حساب دینا ہوگا۔ قیامت کے آنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس دیر کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ وہ نہیں آئے گی اللہ کا وعدہ سچا ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان الآخرة وعد صادق يحكم فيها ملك عادل قادر (بلاشبہ آخرت کا وعدہ سچا وعدہ ہے اس میں وہ بادشاہ فیصلے فرمائے گا جو عادل بھی ہے اور قادر بھی ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۵)

اِنَّ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ یعنی بلاشبہ وہ ابتدا مخلوق کو پیدا فرماتا ہے۔ پھر (موت دے کر) دوبارہ زندہ فرمادے گا۔ اس میں منکرین قیامت کے اس اشکال کا جواب ہے کہ قبروں میں جا کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد کیسے زندہ ہوں گے۔ ان لوگوں کو بتادیا کہ جس نے ابتدا پیدا فرمایا وہی دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا سورہ روم میں فرمایا وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ اَهُونُ عَلَيْهِ (اور وہی اوّل بار پیدا فرماتا ہے پھر دوبارہ زندگی دے گا اور وہ اس کے لئے زیادہ آسان ہے)۔ یہ اعتراض کرنیوالوں کی سمجھ کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ جس نے پہلی بار پیدا فرمایا ہے اسے تو تمہاری سمجھ کے مطابق دوبارہ پیدا کرنا آسان ہونا چاہئے حالانکہ اس کے لئے ابتدا اور اعادہ قدرت کاملہ کی وجہ سے دونوں برابر ہیں۔

اس کے بعد اہل ایمان و اہل کفر کی جزاکا تذکرہ فرمایا: يَجْزِي الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ (تا کہ اللہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے) وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ اَلِيمٌ لِّمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پینے کے لئے ملے گا اور ان کے لئے دردناک

عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے) سورہ محمد میں اس کھولتے ہوئے گرم پانی کے بارے میں فرمایا ہے وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ (اور ان کو گرم پانی پلایا جائے گا۔ جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا)

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ

اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی بنایا اور چاند کو نور بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر فرمادیں تاکہ تم برسوں کی گنتی

السِّنِينَ وَالْحِسَابِ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ

جان لو اور حساب کو معلوم کر لو یہ چیزیں اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں وہ جاننے والوں کے لئے تفصیل کے ساتھ نشانیاں بیان

يَعْلَمُونَ ۚ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

فرماتا ہے بے شک رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا فرمایا ہے

لَايَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴿١٠﴾

ان میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو روشن بنایا، منزلیں مقرر فرمائیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو

تفسیر: ان آیات میں مزید مظاہر قدرت بیان فرمائے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اول آفتاب

کی روشنی کا اور پھر چاند کی روشنی کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو سرپا روشنی بنایا۔ ان کی روشنی کا تذکرہ فرماتے

ہوئے آفتاب کے لئے لفظ ضیاء اور چاند کے لئے لفظ نور استعمال فرمایا۔ علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ ضیاء بڑی اور قوی

روشنی کو کہتے ہیں اور نور قوی اور ضعیف ہر روشنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہذا آفتاب کے لئے لفظ ضیاء استعمال میں لایا

گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آفتاب کو زیادہ قوی روشنی دی جب وہ طلوع ہوتا ہے تو رات چلی جاتی ہے اور دن آ جاتا ہے دن میں

چونکہ چلنے پھرنے اور کاروبار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے دن کو بہت زیادہ روشن بنایا اور رات کو سکون اور آرام کے

لئے بنایا ہے۔ جیسا کہ سورہ قصص میں فرمایا: وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ

(اور اس کی ایک یہ رحمت ہے کہ اس نے دن بنایا اور رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو اور تاکہ تم اللہ کے رزق کو تلاش کرو) چونکہ

آرام و سکون کے لئے دھیمی روشنی کی ضرورت ہے اس لئے چاند کو ضعیف روشنی عطا فرمائی جس کے لئے لفظ نور استعمال فرمایا۔

پھر فرمایا: وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابِ۔ (اور اس کے لئے منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تم برسوں

کی گنتی اور حساب معلوم کر لو) اس میں واحد کی ضمیر استعمال فرمائی ہے بظاہر قَدَرَهُ کی ضمیر مقررہ کی طرف راجع ہے کیونکہ

وہ قریب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قَدَرَهُ میں مفعول کی ضمیر لفظوں میں تو مفرد ہی ہے لیکن شمس و قمر دونوں کی

طرف راجع ہے۔ اور عربی محاورات بتاویل کل واحد اس طرح ضمیریں لوٹانا درست ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر دونوں کی رفتار کے لئے منزلیں مقرر فرمائی ہیں انہیں منزلوں کو وہ طے کرتے ہیں اور ان کے لئے جو حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے آگے نہیں نکل سکتے چاند اپنی منزلیں انتیس یا تیس دنوں میں قطع کرتا ہے اور جب وہ مغرب کی طرف سے بصورت ہلال طلوع ہوتا ہے تو مہینہ شروع ہوتا ہے۔ آفتاب کی بھی منزلیں مقرر ہیں۔ وہ مقررہ حدود کے اندر ہی سفر کر سکتا ہے۔ سورۃ

یونس میں فرمایا: وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْوَةِ الْيُسْرَىٰ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (اور آفتاب اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے یہ مقرر کر دینا ہے اس کا جو زبردست ہے علم والا ہے اور ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے گھوڑ کی پرانی ٹہنی نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں) اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر کو پیدا فرمایا ان کو روشنی دی ان کے لئے منزلیں مقرر فرمائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور وحدانیت کے دلائل میں سے ہے پھر جو منزلیں مقرر فرمائیں اس سے بندوں کا یہ نفع بھی متعلق فرمادیا کہ وہ ان کے ذریعہ یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ فلاں معاملہ یا معاہدہ کو کتنے برس گزر گئے اور میعاد پورا ہونے میں کتنے برس باقی ہیں۔ آفتاب کی منازل کا پتہ تو اہل رصد کو ہی ہو سکتا ہے لیکن چاند کے طلوع اور غروب اور گھٹنے بڑھنے سے عام طور سے تاریخ کا پتہ چل جاتا ہے پڑھا لکھا شہری دیہاتی ہر شخص آسانی سے مہینہ کی ابتداء اور انتہا سمجھ لیتا ہے اور شرعاً احکام شرعیہ میں چاند کے مہینوں ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے زکوٰۃ کی ادائیگی بھی چاند ہی کے اعتبار سے بارہ مہینے گزرنے پر فرض ہوتی ہے اور رمضان کا مہینہ بھی چاند ہی کے حساب سے پہچانا جاتا ہے جو قمری سال کا نوواں مہینہ ہے اور حج بھی چاند ہی کے حساب سے ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے عدت کے مہینوں میں بھی چاند کا اعتبار ہوتا ہے۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ چاند کا حساب باقی رکھنا فرض کفایہ ہے۔ (گو دنیاوی معاملات میں شمس سال سے حساب رکھا جائے تو یہ بھی جائز ہے)

پھر فرمایا: مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں یوں ہی بے فائدہ پیدا نہیں فرمائی ہیں) ان کی تخلیق میں بڑی بڑی محنتیں ہیں۔

يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (اللہ تعالیٰ دانش مندوں کے لئے خوب واضح طریقہ پر دلائل بیان فرماتا ہے) کیونکہ جو بے علم ہیں یا بے علموں کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ ان دلائل سے مستفید نہیں ہوتے پھر فرمایا: إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ آيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (بلاشبہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور ان سب چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمینوں میں پیدا فرمائی ہیں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں) رات کے بعد دن کا آنا دن کے بعد رات کا آنا اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی واضح دلیل موجود ہے۔ اُن کا اُلٹ پھیر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اور اس کے اختیار سے ہے وہ چاہے تو دن سردی ہو جائے یعنی ہمیشہ دن ہی دن رہے اور وہ چاہے تو ہمیشہ رات ہی رات رہے۔ لیکن اس نے بندوں کی مصلحت کے لئے ایسا نہیں کیا آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ پیدا فرمایا ہے اس کا ایک ایک ذرہ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور انکی وحدانیت کی اور تدبیر محکم کی گواہی دیتا ہے ان چیزوں کو دیکھ کر وہ لوگ فصاحت و عبرت حاصل کرتے ہیں جو خالق مالک جل مجدہ سے ڈرتے ہیں

جو منکرین ہیں نہ ان میں تقویٰ ہے، ایمان ہے نہ یقین ہے یہ لوگ دلائل سے متاثر اور مستفید نہیں ہوتے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا بِهَا وَالَّذِينَ

بلاشبہ جو لوگ ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ

هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَفَلُونَ ۚ أُولَٰئِكَ مَا لَهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

جو ہماری آیات سے غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے بے شک جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ

ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا رب انکے ایمان کی وجہ سے انہیں راہ بتا دے گا ان کے نیچے

الْأَنْهَارُ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ۚ دَعُوهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا

نہریں جاری ہوں گی۔ نعت کے باغوں میں ہوں گے ان میں انکی یہ بات ہوگی کہ اے اللہ! تو پاک ہے اور اس میں ان کا تحیہ

سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

سلام ہو گا اور ان کی آخری بات الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ہو گی۔

اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا

تفسیر: ان آیات میں اول تو ان لوگوں کے لئے وعید ذکر فرمائی جنہیں قیامت کا اور وہاں کی پیشی کا کوئی کھٹکا نہیں وہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور پوری طرح دنیا ہی میں جی لگا رکھا ہے۔ اور اس دنیا والی زندگی سے خوش ہیں ایسے لوگ اور وہ لوگ جو اللہ کی آیات سے غافل ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ اپنے اعمال کی وجہ سے یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے دوزخ انکا ٹھکانہ ہے انہوں نے اعمال ہی ایسے کئے جو انہیں دوزخ میں لے جائیں۔ پھر اہل ایمان کو بشارت دی اور فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں جنت کی راہ بتائے گا، یعنی جس طرح انہیں دنیا میں ہدایت دی ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا اسی طرح آخرت میں ان کو جنت میں جانے کا راستہ بتا دے گا وہ اپنی اپنی راہ پر چل کر اپنے اپنے منازل و مسکن میں پہنچ جائیں گے۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جنتی وہاں اپنے اپنے گھروں کا راستہ اس سے زیادہ پہچاننے والے ہونگے جیسا کہ دنیا میں اپنے اپنے گھروں کا راستہ پہچانتے تھے۔ یہ حضرات باغوں میں ہوں گے جو چین اور آرام کے باغ ہوں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا اور آخری بات الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ہوگی ملاقات کے وقت جو دعائے کلمات ادا کئے جاتے ہیں انہیں تحیہ کہا جاتا ہے۔ بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہیں گے اور اللہ کی پاکی بیان کریں گے یعنی سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کہتے رہیں گے اور آخر میں ایک دوسرے سے رخصت ہوں گے تو یوں کہیں گے الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں

جو تمام جہاں کا پروردگار ہے) اہل جنت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید میں ہمیشہ اور ہر وقت مشغول رہیں گے اور وہاں کی زندگی بقاء کا ذریعہ تسبیح اور تحمید ہی ہوگا۔

صحیح مسلم (ص ۲۷۹ ج ۲) میں ہے۔ یلہمون التسبیح والتحمید کما تلہمون النفس انکی تسبیح اور تحمید ایسے جاری ہوگی جیسے (دنیا میں) تمہارا سانس جاری رہتا ہے، یعنی تسبیح و تحمید سے نہ ٹھکیں گے نہ اکتائیں گے نہ نعمتوں کی مشغولیت انہیں تسبیح اور تحمید سے غافل کرے گی، جیسے فرشتے تسبیح و تحمید میں لگے ہوئے تمام کام انجام دیتے ہیں جن کا انہیں حکم ہوتا ہے اسی طرح اہل جنت ہر وقت ہی اللہ کی تسبیح اور تحمید میں مشغول ہوں گے۔ وہاں کی نعمتیں اور عجیب چیزیں معائنہ کریں گے تو ان کے منہ سے سبحان اللہ نکلے گا۔

تفسیر ابن کثیر (ص ۴۰۸ ج ۲) میں حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی پرندہ گزر رہا ہوگا اور اہل جنت کو اس کے کھانے کی خواہش ہوگی تو وہ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کہہ دیں گے ان کی خواہش کے مطابق فرشتہ اسے حاضر کر دے گا اور جب فرشتہ آئے گا تو سلام کے الفاظ ادا کرے گا جس کا وہ حضرات جواب دیں گے جب وہ اپنی خواہش کی چیزیں کھا لیں گے تو اخیر میں اَتَّخَذُوا لِلّٰہِ رَبًّا الْعَالَمِیْنَ کہیں گے۔

لفظ دعویٰ کا ترجمہ مطلق کلام بھی کیا گیا ہے اور بعض مفسرین نے کسی چیز کے طلب کرنے کا معنی بھی لیا ہے اور بعض حضرات نے دعاء کا ترجمہ بھی کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں گے تو اللہ کی تسبیح بیان کریں گے اور دعاء کے ختم پر اَتَّخَذُوا لِلّٰہِ رَبًّا الْعَالَمِیْنَ کہیں گے یہ تینوں معنی لغت عربی کے اعتبار سے درست ہیں اگر دعاء کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کے لئے کسی چیز کی کمی تو نہ ہوگی جو اپنی ضرورت کے لئے دعاء مانگیں لیکن تلذذ کے طور پر اور آداب بندگی بجالانے کے لئے وہ حضرات دعاء مانگا کریں گے۔

یہ جو فرمایا وَقَبِّحْتُهُمْ فِیْہَا سَلَامٌ اس کے عموم الفاظ میں ہر سلام آگیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر سلام آئے گا جیسا کہ سورہ یٰسین میں فرمایا سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِیْمٍ۔ اور فرشتے بھی ان پر سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے جیسا کہ سورہ رعد میں فرمایا: وَلَلَّذِیْنَ یُذْخَلُونَ عَلَیْہُمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ عَصَا صِدْقٍ فَوْنَعُمْ عَقَبِی الدَّارِ۔ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے جنت دار السلام ہے وہاں سلام ہی سلام ہے سورہ واقعہ میں فرمایا لَا یَسْمَعُونَ فِیْہَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِیْمًا اِلَّا رَیًّا سَلَامًا سَلَامًا (وہ اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے وہ سلام ہی سلام سنیں گے)۔

جب جنت میں داخل ہوں گے تو یوں کہیں گے الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَفْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ الَّذِیْ اَحْلَاْنَا ذَا الدُّمَاقَةِ مِنْ فَضْلِہٖ لَا یَسْتَأْذِنُ فِیْہَا نَعْسٌ وَلَا یَسْتَأْذِنُ فِیْہَا لُغُوْبٌ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے نستی کو ہم سے دور فرمادیا ہے شکر ہمارا رب مغفرت فرمانے والا ہے قدر دان ہے جس نے ہمیں رہنے کی جگہ میں اتارا ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف ہوگی اور نہ ٹھکن) (سورہ فاطر)

وَلَوْ یُعِیْلُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعْجَلُوْا بِالْخَیْرِ لَقَضٰی اِلَیْہُمْ اَجَلُہُمْ فَنَذَرَ الَّذِیْنَ

اوتار اگر اللہ لوگوں پر نقصان واقع کرنے میں جلدی کرتا جیسے کہ وہ بھلائی کے لئے جلدی چاہتے ہیں تو ان کا وعدہ پورا ہو چکا ہوتا سو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید

لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ نَافِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَا الْجَنَّةَ

نہیں رکھتے ہم اکی سرکشی میں انہیں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے لیٹے ہوئے

أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ غُصْرَهُ مَرَّكَانُ ۖ لَمْ يَدْعُنَا إِلَى ضَرْبٍ مِمَّا كَذَلِكَ

اور بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے پھر جب ہم اس کی تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو وہ اس حال میں گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے

زَيْنَ الْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۖ

ہمیں کسی تکلیف کے پہنچ جانے پر پکارا ہی نہ تھا اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے انکے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں

وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس انکے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے اور وہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے

الْمُجْرِمِينَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝

ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں پھر ہم نے تمہیں زمین میں ان کے بعد خلیفہ بنادیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟

انسان جلد باز ہے مصیبت میں اللہ کو پکارتا ہے اور عافیت کے وقت بھول جاتا ہے

تفسیر: انسان کے مزاج میں جلد بازی ہے سورہ انبیاء میں فرمایا ہے۔ خَلِقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ (انسان جلدی

سے پیدا کیا گیا ہے) اس کی جلد بازی کا مزاج ہر جگہ کام کرتا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے منکرین کو عذاب کی وعیدیں

سنائیں تو بجائے ایمان قبول کرنے کے یوں کہتے تھے کہ عذاب آ کیوں نہیں جاتا سورہ رعد میں فرمایا وَاسْتَغْنُوا عَنْكَ

بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَقْتُ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلَاتِ (اور یہ لوگ عافیت سے پہلے آپ سے مصیبت کا تقاضا کرتے ہیں

حالانکہ ان سے پہلے واقعات عقوبت گزر چکے ہیں) ان لوگوں کا عذاب آنے کے لئے جلدی کرنا تکذیب اور استہزاء کے

طور پر تھا وعدہ عذاب کو سچا نہیں جانتے تھے اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ شائے حکیم ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق

جب چاہے عذاب بھیجے۔ لوگوں کے جلدی بچانے سے وہ عذاب جلدی نہیں بھیجتا ارشاد فرمایا: وَلَوْ لَعَجَلْتُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعِجْنَا

لَهُمُ بِالْخَيْرِ لَقَضَى إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ۔ اور اگر ان لوگوں پر ان کے جلدی بچانے کے موافق اللہ تعالیٰ جلدی عذاب بھیج دیتا

جیسا کہ وہ خیر کے لئے جلدی بچاتے ہیں (اور ان کے جلدی بچانے پر اللہ تعالیٰ خیر بھیج دیتا ہے) تو عذاب کا وعدہ کبھی کا پورا

ہو چکا ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ ان کے جلدی کرنے پر اسی وقت عذاب نہیں بھیجتا اسی وقت عذاب نہ بھیجنے میں ایک حکمت یہ ہے

کہ سرکشوں کو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں اور یہ بطور استدراج ہوتا ہے تاکہ سر

کشی میں بڑھتے جائیں اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوتے چلے جائیں۔ اس میں واضح طور پر بتادیا کہ عذاب کا مؤخر ہونا اور

عذاب کی جلدی بچانے کے باوجود جلدی نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ عذاب کی وعید سچی نہیں بلکہ وعید سچی ہے لیکن عذاب اس وقت واقع ہوگا جب اللہ تعالیٰ کی حکمت متقاضی ہوگی۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا: وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْ لَّا أَجَلَ مَسْئَةٍ لَّكُنَّ لَهُمُ الْعَذَابُ وَلَئِنِّي أَخْتَرْتُكُمْ يُفَتُّهُ وَهُمْ لَا يُشْعُرُونَ (اور وہ آپ سے جلد عذاب آنے کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آچکا ہوتا اور البتہ وہ ان پر اچانک آجائے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی) اور سورہ ص میں فرمایا: وَكَاذِبُنَا يُحْلِلْنَ كُنَّا قِطْنًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب حساب کے دن سے پہلے ہمارا حصہ ہم کو دیدے) ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر قیامت آتی ہی ہے تو اس کے آنے کے انتظار کی ضرورت نہیں اس وقت جو عذاب دیا جائے گا وہ ہمیں ابھی مطلوب ہے جنہیں ایمان لانا نہیں ہوتا وہ ایسی ہی جاہلانہ باتیں کرتے ہیں۔

اس کے بعد انسان کی ایک اور بے راہی بیان فرمائی جو اسکی طبیعت بنی ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَا نَا لِحَبِئْهِ أَوْ قَاعًا أَوْ قَائِمًا اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں لیٹے ہوئے بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے پکارتا ہے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ غُصَّتَهُ مَرَّكَانَ تَزِيدُ عَنَّا إِلَىٰ ذُوِّ عُنَا إِلَىٰ ذُوِّ عُنَا پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو ایسے گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے تکلیف پہنچ جانے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ یہ مضمون قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی وارد ہوا ہے۔ سورہ زمر میں فرمایا وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَٰهَهُ إِذَا أَخْلَصَ نَفْسَهُ فَمِنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَٰهَ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّلَّذِينَ سَبَّحَهُ (اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے پھر جب وہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو اس سے پہلے جس کے لئے پکار رہا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اللہ کے لئے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرے) پھر انسان کا یہ بھی مزاج ہے کہ حدود سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے گناہ کے کام کرتا ہے اور گناہ کے کاموں کو اچھا بھی سمجھتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے وہ کام مزین کر دیئے گئے جو وہ کرتے ہیں)

فائدہ: آیت شریفہ کے مضمون سے دو باتیں معلوم ہونیں اول یہ کہ شرکی دعا نہیں مانگنی چاہئے انسان شرکی بھی دعا کرتا ہے اور خیر کی بھی دعا کرتا ہے۔ اور دونوں کی قبولیت کے لئے جلدی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق دعائیں قبول فرماتا ہے شرکی دعا جلد قبولیت نہیں پاتی اور خیر کی دعا عموماً جلدی قبول فرمالتا ہے مومن بندوں کو چاہئے کہ

۱۔ قال البغوی فی معالم التنزیل (ص ۳۲۵ ج ۲) معناه لو یعجل اللہ الناس اجابة دعائهم فی الشر والمکروه استعجالهم بالخیر ای کما یحبون استعجالهم بالخیر لقضی الیهم اجلهم ای لا ھلک من دعا علیہ واماتہ اھ وفی روح المعانی (ص ۸ ج ۱۱) والاصل علی ما قال ابو البقاء تعجیلاً مثل تعجیلهم فحذف تعجیلاً وصفته المضافۃ والیہ مقامہا۔ اھ (علامہ بغوی معالم میں لکھتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شر اور تکلیف دہ معاملہ میں بھی ان کی دعا اسی طرح قبول کرتا جیسا کہ یہ بھلائی میں جلدی کرتے ہیں یعنی جیسے یہ بھلائی کے جلدی ملنے کو یہ پسند کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری ہو چکی ہوتی یعنی جس کے خلاف یہ دعا کرتے اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دیتا اور موت دیدیتا۔ اور روح المعانی میں ہے اور ابو البقاء کے قول کے مطابق اصل میں یہ عبارت تھی تعجیلاً مثل یعجیلہم پھر تعجیلاً اور اس کی صفت جو کہ مضاف ہے اسے حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کی جگہ رکھا گیا)

شریعین نقصان مرض و تکلیف کی دعا نہ کریں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اور اپنے اموال کے لئے بددعا نہ کیا کرو ایسا نہ ہو کہ یہ بددعا قبولیت کی گھڑی میں کر بیٹھو اور تمہاری یہ بددعا قبول ہو جائے۔ (رواہ مسلم) دعا ہمیشہ خیر کی کرے اور جلدی نہ چائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے بشرطیکہ گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے جب تک کہ جلدی نہ چائے عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلدی مچانا کیا ہے؟ فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے تو دعا کی پھر دعا کی مجھے تو قبول ہوتی نظر نہیں آتی پھر دعا سے تنگ دل ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے (رواہ مسلم ص ۳۵۲ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ دعا خیر میں برابر لگا رہے تنگ دل ہو کر دعا نہ چھوڑے۔ آیت شریفہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دکھ تکلیف میں مبتلا ہو یا کوئی مصیبت آئی ہوئی آرام راحت اور خیر و خوبی سے مالا مال ہو ہر حال میں دعا کرتے رہنا چاہئے یہ جو بندوں کا طریقہ ہے کہ مصیبت کے وقت بڑی بڑی دعائیں کرتے ہیں وظیفے پڑھتے ہیں تسبیحیں گھس دیتے ہیں اور پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو دعاؤں کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور بالکل ہی بھول جاتے ہیں گویا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا ہی نہ تھا مصیبت آئی تو اللہ کے سامنے گڑگڑائے اور جب اللہ تعالیٰ نے مصیبت دور فرمادی تو اب سارا بھروسہ اسباب پر کر لیا اور ساری خیر و خوبی کو اپنی ہنرمندی اور سمجھداری کی طرف منسوب کر دیا یہ سب آداب عبودیت کے خلاف ہے سورۃ زمر میں فرمایا وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا أَكْثَرَ شُؤْنِهِ نغمۃً وینا قال انما اوتیناہ علی علمہ بل ہی فتنۃ و لکن اکثرنہم لا یعلمون (پھر جس وقت آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو میری تدبیر سے ملی ہے بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں میں اس کی دعا قبول فرمائے اسے چاہئے کہ آسائش کے زمانہ میں زیادہ دعا کیا کرے۔ (رواہ الترمذی)

اس کے بعد فرمایا وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ (الائیتیں) یعنی ہم نے تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا۔ جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور ان لوگوں کے پاس ان کے رسول کھلے ہوئے دلائل لے کر آئے۔ وہ ایمان لانے والے نہ تھے لہذا وہ ایمان نہ لائے (جب وہ ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک فرمادیا) ہم مجرمین کو اس طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اس آیت میں مکررین کو تنبیہ ہے کہ ہمارے ذمیل دینے سے یہ نہ سمجھ لو کہ عذاب نہ آئے گا گزشتہ اقوام کی تاریخ اور انکی سرکشی اور نافرمانی اور پھر ان پر عذاب آنے کے واقعات سے عبرت حاصل کر لو۔ عذاب الہی سے بے فکر ہو جانا بہت بڑی ناگنجی ہے مختلف ممالک میں وقفہ وقفہ سے عذاب آتا رہتا ہے پھر بھی آنکھیں کھولتے۔

پھر فرمایا لَقَدْ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ (پھر ہم نے تمہیں ان لوگوں کے بعد زمین میں خلیفہ بنایا) گزشتہ قومیں ہلاک ہو گئیں ان لوگوں کی حکومتیں سلطنتیں خاک میں مل گئیں تعمیرات برباد ہوئیں منصوبے خاک میں ملے جو دنیاوی ترقیاں کی تھیں وہ سب ختم ہوئیں ان کی جگہ اب موجودہ اقوام دنیا میں آباد ہیں۔ حکومتیں ہیں دولتیں ہیں

یہ لوگ پرانی قوموں کے خلیفہ ہیں یعنی ان کے بعد زمین میں بسے ہیں اور زمین میں انہیں اقتدار ملا ہے۔ یہ خلافت اس لئے نہیں ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھیں اور دنیا ہی کے لئے مریں اور جہنمیں اور دنیا میں فساد کریں یہ خلافت آزمائش کے لئے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ**۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ اگر گزشتہ امتوں کی طرح فساد کیا اللہ کی کتاب کو اللہ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا کفر میں اور بد اعمالیوں میں لگے تو آزمائش میں فیل ہوں گے اور عذاب کے مستحق ہوں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے۔ ہری بھری ہے اور بلاشبہ اللہ اس میں تمہیں پہلے لوگوں کے بعد بسانے والا ہے سو وہ دیکھے گا کہ تم (دنیا میں) کیا کرتے ہو سو تم دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو ظاہر ہوا وہ عورتوں کا فتنہ تھا۔ (رواہ مسلم)

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا انْتِزَاعُ الَّذِينَ غَيْرُ هَٰذَا

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیے

أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي إِنْ أَكْبِرُ إِلَّا مَا يُؤْتَىٰ

یا اس کو بدل دیجئے آپ فرمادیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اسے اپنے پاس سے بدل دوں میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی

إِلَىٰٓ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ

جالی بے شک میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں آپ فرمادیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تم لوگوں پر انکی تلاوت نہ کرتا اور نہ تمہیں اللہ

عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ فَمَنْ

انکی اطلاع دیتا سو میں تمہارے درمیان اس سے پہلے عمر کے ایک بڑے حصہ تک رہ چکا ہوں کیا تم سمجھ نہیں رکھتے سو اس سے

أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ۝

بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر بہتان باندھے یا انکی آیات کو جھٹلائے بے شک بات یہ ہے کہ مجرم کامیاب نہیں ہوتے

منکرین کی اس بات کا جواب کہ

دوسرا قرآن لے آئیے یا اس کو بدل دیجئے

تفسیر: معالم التنزیل (ص ۳۲ ج ۲) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ **وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ** سے مشرکین مکہ مراد ہیں اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ اہل مکہ میں سے پانچ آدمیوں نے آنحضرت سرور عالم ﷺ سے یوں کہا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیں جس میں لات اور عزریٰ اور منات کی عبادت چھوڑنے کا حکم نہ ہو اور ان بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر بھی نہ ہو اگر اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل نہیں کی

ہیں تو آپ اپنے پاس سے بنا دیں یا اس قرآن کو بدل ہی دیں۔ آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت لکھ دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جن پانچ آدمیوں نے یہ بات کہی تھی ان کے نام یہ ہیں (۱) عبد اللہ بن امیہ (۲) ولید بن مغیرہ (۳) مکر بن حفص (۴) عمرو بن عبید اللہ بن ابی قیس (۵) عاص بن عامر بن ہشام ان لوگوں کی اس بات پر آیت بالا نازل ہوئی کہ جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے (یعنی آخرت کو نہیں مانتے) یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیے یا اسکو بدل دیجئے آپ فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ اپنے پاس سے بدل دوں میں تو صرف وحی کا پابند ہوں میری طرف جو وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں نہ اپنے پاس سے کچھ کہہ سکتا ہوں نہ اسے بدل سکتا ہوں۔ وحی کو بدلنا بہت بڑا گناہ ہے میں تمہیں جیسے اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں ایسے ہی اپنے بارے میں ڈراتا ہوں کہ اگر اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بڑے دن کا عذاب پہنچ جائے گا۔ میرا کام صرف پہنچانے کا ہے اپنے پاس سے قرآن بنانے کا نہیں ہے میں تو اللہ کا بندہ ہوں نافرمانی کروں تو عذاب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھتا ہوں میں اللہ کا مامور ہوں اللہ کے حکم دینے پر تم کو اسکی کتاب سناتا ہوں وہ نہ چاہتا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ تمہیں بتاتا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

مخاطبین کو یہ دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ میں عرصہ دراز تک تمہارے اندر رہا ہوں یعنی اسی سرزمین پر چالیس سال تک زندگی گزاری ہے اس دوران میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور مجھ پر اللہ نے کتاب نازل فرمائی ہے۔ اگر میں اپنے پاس سے بنا کر کوئی بات کہتا اور اپنی بات کو اللہ کی طرف منسوب کر کے تمہارے اندر اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا تو اس سے بہت پہلے ایسا کر چکا ہوتا جب یہ میرا کلام نہیں ہے تو اس میں کیسے ترمیم کر دوں؟ تم مجھ سے کیسے کہتے ہو کہ میں اپنے پاس سے بنا کر لے آؤں کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

آخر میں فرمایا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر بہتان باندھے یا اسکی آیات کو جھٹلائے اللہ کا رسول جھوٹ نہیں بول سکتا اور اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ ہاں تم لوگ جو اللہ کی آیات کو جھٹلا رہے ہو یہ ظلم تمہاری اپنی جانوں پر ہے اور سراپا جرم ہے إِنَّكَ لَا يَخْفِيُكَ اللَّهُ يَوْمَئِذٍ (بلاشبہ جرم کرنے والے کا میاں نہیں ہوتے)

فائدہ: یہ جو فرمایا فَقَدْ كَذَبْتَ یعنی مخاطبین کو چیلنج ہے کہ میں نے عمر کا بہت بڑا حصہ تمہارے اندر گزارا ہے اس حصہ میں میں نے تم میں سے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس کے تم گواہ ہو تو پھر میں اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہوں سوال جواب تو قرآن مجید کو بدلنے یا اپنے پاس سے بنانے سے متعلق تھا لیکن الفاظ کے عموم میں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی حیات طیبہ کے اخلاق عالیہ اور افعال جمیلہ اور اعمال صالحہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور بتا دیا کہ مجھے دیکھ چکے ہو ہر طرح سے پرکھ چکے ہو۔ ہمیشہ سے صادق اور امین کہتے آئے ہو اب جب اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں تو کیوں دور بھاگتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو کوئی عہدہ سپرد کیا جائے تو اس کا ماضی دیکھ لیا جائے اب تک اس کا کیا کردار تھا اس کے اعمال کیا تھے اس میں تقویٰ اور رجوع الی اللہ کتنا تھا ان چیزوں کو سامنے رکھ کر کسی عہدہ کا اہل ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا

اور وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان دے سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں

عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتَنْتَبُونَ اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَنَهُ

آپ فرمادیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جسے وہ نہیں جانتا آسمانوں اور زمینوں میں وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک ہے اور برتر ہے

وَتَعْلَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا

اور لوگ پہلے ایک ہی امت تھے پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کر لیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ وَيَقُولُونَ لَوْلَا

اس چیز میں فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں

أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝

نازل کی گئی سو آپ فرمادیجئے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں

مشرکین کی گمراہی اور ان کے قول و عمل کی تردید

تفسیر: ان آیات میں اول تو مشرکین کی گمراہی کا تذکرہ فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ شانہ کی توحید کو چھوڑ کر غیر اللہ کی

عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کرتے ہیں ان میں بعض جاندار بھی ہیں جیسے بعض حیوانات اور بے جان بھی ہیں جیسے

اصنام و اوثان یعنی بت اور یہ ان کے معبودان باطل نفع اور ضرر پہنچانے سے بالکل ہی عاجز ہیں جو نفع ضرر کچھ بھی نہ پہنچا سکے

اس کی عبادت کرنا اور اپنے خالق کو چھوڑنا بہت بڑی حماقت ہے اور بہت دور کی گمراہی ہے۔ جب مشرکین کو انکی گمراہی پر

متنبہ کیا گیا تو انہوں نے اپنی جہالت سے یہ نکتہ نکالا کہ ہمارا اصل مقصود تو اللہ ہی کی عبادت کرنا ہے۔ ہم ان چیزوں کی

عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر دیں گے گمراہی پر جنے اور شرک پر باقی رہنے کے لئے

شیطان نے مشرکین کو یہ نکتہ سمجھایا تا کہ مشرکین یوں سمجھتے رہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو بھی ماننے ہیں اور شرک کرنے سے اس لئے

گناہ گار نہیں کہ ان معبودان باطلہ کو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے ہی پوجتے ہیں۔ حالانکہ سمجھداری کا تقاضا یہ ہے کہ جسے

راضی کیا جائے اسے ان اعمال کے ذریعہ راضی کریں جن سے وہ راضی ہوتا ہو اور جن کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہو

اللہ تعالیٰ شانہ شرک سے بیزار ہے اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ شرک سے منع فرمایا ہے اور اسے سب سے بڑی نافرمانی

قرار دیا ہے اور جن لوگوں کے بارے میں مشرکین نے سفارشی ہونے کا عقیدہ بنایا ہے یہ عقیدہ انہوں نے اپنے پاس سے

تجویز کیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر عقیدہ اور ہر عمل اسی سے معلوم کرے جو اسکی

کتابوں اور رسولوں کے واسطے سے معلوم ہوگا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اسکی مخلوق کو شریک بھی کر دیا پھر انکے بارے میں

سفارشی ہونے کا عقیدہ بھی تراشا یہ سب سراسر گمراہی ہے۔ جن لوگوں نے باطل معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش

کرنے والا مانا اور اپنے پاس سے اس عقیدہ کو تجویز کیا ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ أَنتَ بَشَرٌ مِّثْلُ النَّاسِ ۚ يَتَّبِعُونَ اللَّهَ يَسْمِعُونَ لَهُ ۚ وَكَانَ فِي الْأَفْخِضِ (آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جسے وہ آسمانوں میں اور زمین میں نہیں جانتا) اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے تجویز کردہ معبودوں کو سفارشی نہیں بنایا اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے اس سب کا علم ہے اس کے علم میں تو ان چیزوں کا سفارشی ہونا نہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ سفارشی ہیں۔ جو چیز اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں ہے اور جس کا وجود اس کے علم میں نہیں ہے تم اس کے وجود کے کیسے قائل ہوئے۔ کوئی چیز وجود میں ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو یہ تو محال ہے تم محال کے پیچھے لگے ہو۔ مطلب یہ کہ تم جن لوگوں کو اللہ کے یہاں سفارشی مانتے ہو اللہ تعالیٰ نے تو ان کو سفارشی نہیں بنایا ان کے سفارشی ہونے کا عقیدہ تمہاری اپنی اُجھ اور اپنی تجویز ہے کسی عقیدہ کسی عمل کو خود سے تجویز کر لینا اور اسے اللہ کی رضا مندی کا سبب سمجھ لینا یہ جرم ہے اور گناہ ہے جو عذاب کا سبب ہے یہ چیز نجات دینے والی نہیں دوزخ میں داخل کرانے والی ہے۔

پھر فرمایا: سُبْحٰنَكَ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (وہ ذات پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں) پھر فرمایا: وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ فَاخْتَلَفُوا ۚ اِیْنِی سب لوگ ایک ہی جماعت تھے سو انہوں نے اختلاف کر لیا یعنی بنی آدم کا ایک ہی دین تھا سب موحد تھے دین اسلام پر تھے پھر لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور بہت سے لوگ ایمان کو چھوڑ کر کافر ہو گئے اور بہت سے لوگ کافر ہی نہیں مشرک بھی ہو گئے۔

حضرت قتادہ سے تفسیر درمنثور (ص ۲۳۳ ج ۱) میں نقل کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان جو قرین تھیں یہ سب ہدایت پر حق شریعت پر تھیں پھر لوگوں نے اختلاف کی راہیں نکالیں۔ بہت سے لوگوں نے دین حق کو چھوڑ دیا اور مؤمن و کافر دو جماعتیں ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا وہ جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ان کی بت پرستی اور بتوں کے ناموں کا تذکرہ سورہ نوح (علیہ السلام) میں مذکور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تشریف لانے سے کچھ عرصہ پہلے لوگ مشرک ہو گئے تھے مشرک عذاب کے مستحق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ اجل سے پہلے مشرکین پر عذاب نہیں بھیجا جاتا اس کے بارے میں فرمایا: وَكَوَلَّا كُلَّ جُنْدٍ مِّنْكَ أَن يَسْبِقَكَ ۖ فَرِيقًا مِّنْكَ لَاقُوا بِرَبِّهِمْ ۚ

فَیْمَا فِیْہِ یَخْتَلِفُونَ (اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس چیز میں فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں) وہ کون سی بات ہے جو پہلے سے طے ہو چکی ہے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے جو ایک اجل مقرر فرمادی ہے اس اجل سے پہلے ہلاک نہیں فرمائے گا اور مطلب یہ ہے کہ اگر اجل مقرر نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیتا اور مکذبین (جھٹلانے والوں) پر عذاب بھیج دیتا اور یہی حق اور باطل کا فیصلہ ہوتا یعنی اہل کفر ہلاک ہو جاتے اور اہل ایمان باقی رہ جاتے اور حضرت حسن نے آیت کا مطلب بتاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ بات طے فرمادی ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے ثواب اور عقاب کا فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ یہ فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اس لئے دنیا میں ایسا فیصلہ نہیں کیا جاتا کہ ثواب والوں کو یہیں بدل لیا جائے اور مستحقین عذاب پر یہیں عذاب آجائے تیسرا قول مفسر کیسی سے نقل کیا گیا ہے جو دل کو نہیں لگا لہذا ہم نے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ یہ مضمون سورہ بقرہ کی آیت كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً کے ذیل میں بھی گزر چکا ہے

مراجعة کر لی جائے۔ (دیکھو انوار البیان ج ۱)

پھر فرمایا: وَيَكُونُونَ لَوْلَا اَنْزَلْنَا عَلٰیكَ آيَةً قُرْآنًا (اور وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہ ہوئی) یعنی ہم جو معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں اس کا ظہور کیوں نہیں ہوا؟ چونکہ ایمان لانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے طالب حق کے لئے ایک ہی معجزہ کافی ہے۔

معجزے بہت دیکھے لیکن فراموشی معجزہ چاہتے تھے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کی مرضی کے مطابق معجزے ظاہر فرمائے پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سابقہ امتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ رہا ہے کہ فراموشی معجزہ ظاہر ہونے پر ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیئے گئے۔ لہذا فراموشی کے مطابق معجزہ نہ بھیجنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے پھر فرمایا: فَكُلُّ اِنْسَانٍ لَّغِيْبٌ لِّلّٰهِ فَاَنْتَظِرُوْهُ اِنَّیْۤ اَمَّا مَّا لَمْ يَنْتَظِرُوْهُ (آپ فرمادیتے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں) اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تمہاری فراموشی پوری ہوتی ہے یا نہیں؟

اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ تم نے موجودہ معجزات کی قدر نہ کی اور ایمان نہ لائے بلکہ عناد اور ضد کی وجہ سے فراموشی معجزات کے درپے ہو گئے۔ تمہارا یہ کفر اور عناد نزول عذاب کا باعث ہے غیب کا علم اللہ ہی کو ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ تم پر کب عذاب آجائے لہذا تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

وَ اِذَا اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةًۭ مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءٍ مَّسَّتْهُمْ اِذَا هُم مَّكْرُوْنَ فِیْۤ اٰیَاتِنَا قُلِّ

اور لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد جب ہم انہیں اپنی رحمت چکھادیں تو چاک ہمارى آجوں کے بارے میں مکر کرنے لگتے ہیں آپ فرمادیتے کہ

اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا اِنَّ رُّسُلَنَا یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝۱۰ ۙ هُوَ الَّذِیْ یُسَبِّحُکُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ

بلاشبہ اللہ مکر میں سزا جلدی دینے والا ہے بلاشبہ ہمارے فرشتے تمہارے مکر کے کاموں کو لکھ لیتے ہیں اللہ ہے جو ہمیں سمندر اور خشکی میں چلاتا ہے

حَتّٰی اِذَا اَنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَ جَرٰیْنِ یَہْمُ بِرُحْمٍ طَیْبَةٍ وَ فَرِحُوْا بِمَا جَآءَ تَہَارِیْہُ عَاصِفٌ

یہاں تک کہ جب تم خشکی میں موجود ہو اور کشتی اچھی ہو کہ ساتھ چلے لگے جو لوگ اس میں سوار ہیں وہ اس پر خوش ہو جائیں تو اس کشتی پر ایک سخت ہوا آجائے

وَ جَآءَ ہُمُ الْمَوْجُ مِنْۢ کُلِّ مَکَانٍ وَ ظَنُّوْا اَنَّهُمْ اُحْیِطَ بِہُمْ دَعَا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ

اور ہر جگہ سے ان پر موجیں آنے لگیں اور وہ یقین کر لیں کہ انہیں گیر لیا گیا ہے تو اللہ کو پکارنے لگتے ہیں اس کے لئے خالص اعتقاد رکھ کر

لَہُ الدِّیْنُ ۚ لٰکِنْ اَنْجِیْنَا مِنْۢ ہٰذِہٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشَّکْرِیْنَ ۝۱۱ ۙ فَلَمَّا اَنْجٰہُمْ اِذَا ہُمْ یَبْغُوْنَ

اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے پھر جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک

فِی الْاَرْضِ یَبْغِیْ الْحَقَّ یَاۤ اَیُّہَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغِیْکُمْ عَلٰی اَنْفُسَکُمْ فَمَتَّاعٌ الدُّنْیَا اِنَّکُمْ اِلَیْہَا

وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں اے لوگو تمہاری سرکشی تمہاری ہی جانوں پر ہے دنیاوی زندگی میں فائدہ اٹھا رہے ہو

مَرْجِعُكُمْ فَنَبِّئْكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

پھر ہماری طرف تم کو لوٹ کر آنا ہے سو ہم تمہیں بتادیں گے جو تم کرتے تھے

تفسیر: صاحب روح المعانی (ص ۹۳ ج ۱۱) لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر سات سال تک قحط بھیج دیا تھا، قریب تھا کہ اسکی وجہ سے ہلاک ہو جائیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ خوشحالی کے لئے دعا فرمائیں اگر یہ قحط کی مصیبت دور ہو جائے اور ہمیں خوشحالی مل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اہل مکہ پر رحم فرمایا تو ایمان لانے کی بجائے وہی پرانا ڈھنگ اختیار کر لیا اور اللہ کی آیات میں طعن کرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سے وہی معاندانہ سلوک کرنے لگے جو پہلے کرتے تھے اور ایسی شرارتیں اور حیلہ بازیاں کرنے لگے جن کو انہوں نے قرآن پر ایمان نہ لانے کا بہانہ بنالیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا مژہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی وہ ہماری آیات کے بارے میں مکر کرنے لگتے ہیں۔ یعنی آیات کو نہ ماننے کے بہانے تراش لیتے ہیں اور طعن و تشنیع سے پیش آتے ہیں **قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا** آپ فرمادیجئے کہ مکر کی سزا اللہ تعالیٰ جلد ہی دینے والا ہے جب شرارت و بغاوت پر اتر آئے تو اطمینان سے نہ بیٹھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد ہی اس کا بدلہ مل جائے گا۔ **اِنَّ لِّلّٰهِ اَيُّكُنَّ يَوْمًا مَّا تَكْفُرُوْنَ** (بے شک ہمارے فرشتے لکھ لیتے ہیں جو تم حیلہ سازیاں کرتے ہو) اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہوئے تمہاری حرکتیں اور شرارتیں اور حیلہ سازیاں دفتر میں بھی محفوظ ہیں آیت کریمہ کا سبب نزول خواہ وہی ہو جو صاحب روح نے لکھا ہے لیکن قرآن کریم میں انسانوں کا ایک عام طریقہ کار بیان فرمادیا کہ جب انسان کو دکھ تکلیف کے بعد کوئی نعمت مل جاتی ہے تو وہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے لگتا ہے اور حیلہ سازی اور کٹ چتی پر اترتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ پھر بھی مجھے تکلیف پہنچ سکتی ہے بعض مرتبہ دنیا ہی میں مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور موت بھی تو جلد ہی ہی آتی ہے ہر کافر کا موت کے وقت سے ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے پھر آخرت میں پٹشی ہوگی اعمال نامے سامنے آئیں گے جن میں فرشتوں نے ان لوگوں کی کجروی اور حیلہ سازی کو لکھ لیا تھا یہ اعمال نامے ان پر حجت ہوں گے اور دوزخ میں دائمی آگ میں جلنے کی سزا پائیں گے۔

اس کے بعد اللہ جل شانہ نے اپنے بہت بڑے انعام کا تذکرہ فرمایا: **هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** (الآیہ) اللہ تعالیٰ تمہیں خشکی میں اور سمندر میں چلاتا ہے (خشکی میں تو پاؤں سے اور جانوروں پر اور دوسری سواریوں پر سوار ہو کر چلتے پھرتے ہیں۔ دور دراز کا سفر کر کے اپنی حاجت کی چیزیں فراہم کرتے ہیں اور سمندر کا سفر چھوٹی بڑی کشتیوں میں کرتے ہیں یہ کشتیاں بھی انسان کی حاجت پوری کرنے کا ذریعہ ہیں اس کنارہ سے اس کنارہ، اس شہر سے دوسرے شہر اور اس براعظم سے دوسرے براعظم تک پانی کے جہاز آتے جاتے ہیں اور انسان کی ضروریات فراہم کرتے ہیں۔ زمانہ نزول قرآن میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں۔ ہوا موافق ہوئی تو کشتیاں چلنے لگیں۔ ہوا بند ہوگئی تو کھڑی ہو گئیں (فَيَظِلُّ لَكُمُ الرِّجَالُ عَلَى ظَهْرِهِ) ہوا موافق ہے اور نرم ہے خوشگوار ہے تو خوش ہو رہے ہیں اور اگر تیز ہوا چلنے لگی اور ہر طرف سے موجیں اٹھ اٹھ کر آنے لگیں تو میاں ڈرنے لگے اور یقین کر لیا کہ اب تو گھیرے میں آ گئے اس وقت سوچتے ہیں کہ جان کیسے بچے؟

ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں جاتی جو اس مصیبت سے بچائے اور بھور کو ہٹائے لہذا اللہ کے حضور میں خالص اعتقاد کے ساتھ دعا کرنے لگتے ہیں کہ اے اللہ اگر آپ نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ضرور ضرور آپ کے شکر گزار بندوں میں ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ مصیبت سے بچا دیتا ہے تو پھر وہی اللہ کی زمین میں بغاوت شرارت اور سرکشی کرنے لگتے ہیں جس کا انہیں کوئی حق نہیں۔ اول تو خالق و مالک کی بغاوت ہی ناحق ہے پھر اوپر سے وعدہ کر کے بھول بھلیاں کر دینا اور شکر کے بجائے کفران نعمت میں لگ جانا اور توحید کی بجائے شرک کو اپنا لینا یہ سب بغاوت در بغاوت ہے اور کفر ہی کفر ہے۔ اسی کو فرمایا: فَلَمَّا أَتَتْهُمْ آيَاتُهُمْ إِذْ يَبْتَغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (سو جب اللہ نے انہیں نجات دے دی تو اچانک زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں)۔

پھر فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغَيْتُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ (اے لوگو تمہاری بغاوت اپنی ہی جانوں پر ہے کیونکہ اس کا وبال تمہارے ہی اوپر پڑنے والا ہے) فَتَتَاءَمَّرُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ (تم دنیا والی زندگی میں نفع حاصل کر رہے ہو) یہ تھوڑا سا نفع ہے اور تھوڑے دن کا نفع ہے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ النساء قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ، پھر فرمایا ثُمَّ لَيَأْتِيَنَّكُمْ أَمْرٌ مِّنْكُمْ فَتَنِيكُمْ یہاں کہہ رہا ہے کہ تمہاری طرف تمہارا لوٹنا ہوگا تو ہم تمہیں بتا دیں گے جو کام تم کیا کرتے تھے (تمہارے اعمال تمہارے سامنے آئیں گے محاسبہ اور مواخذہ ہوگا۔ لہذا اسی دنیا میں اپنے اعمال درست کر لو)۔

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا

دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی اتارا پھر اس پانی کی وجہ سے زمین سے نکلنے والی ہری بھری چیزیں جنہیں

يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَاتَّيْنَتْ وَظَنَ أَهْلُهَا

انسان اور مویشی کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلیں یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی رونق کا پورا حصہ لے لیا اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی اور زمین والوں

أَنَّهُمْ قَدَرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْن

نے خیال کر لیا کہ ہم اس پر صاحب قدرت ہو چکے ہیں تو رات کو یادن کو ہمارا حکم آ گیا۔ سو ہم نے اسے ایسا بنا دیا جیسے کٹا ہوا ڈھیر ہو گیا کہ اس کا وجود ہی

بِالْأَمْسِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٣٦﴾

نہ تھا، ہم اس طرح آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں

دنیا کی بے ثباتی کی ایک مثال

تفسیر: اس آیت میں دنیا کی حالت بیان فرمائی ہے۔ دنیا کی ظاہری زیب و زینت اور ٹیپ ٹاپ پر جو لوگ رکتھے جاتے ہیں اور آخرت سے غافل رہتے ہیں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اس تھوڑی سی حقیر دنیا کی وجہ سے آخرت سے غافل نہ ہوں ارشاد فرمایا کہ دنیا کی ایسی مثال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اس پانی کی وجہ سے طرح طرح کے پودے اُگے، سبزیاں نکلیں، گھاس برآمد ہوئی اور ان چیزوں کی وجہ سے زمین ہری بھری اور دیکھنے میں خوب خوشنما ہو

گئی، سبزہ لہلہانے لگا، نظروں کو بھانے لگا، جن لوگوں کی زمینیں تھیں وہ بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ بس اب تو یہ سب کچھ ہمارے قبضہ میں ہے اس سے طرح طرح کے منافع حاصل کریں گے اسی سوچ بچار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رات میں یادن میں کوئی مصیبت آگئی اور اس نے اسے ڈھیر کر دیا۔

اب جب دیکھنے والے نظر ڈالتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہاں کل کچھ بھی نہ تھا اس دنیا میں جو ہری بھری گھاس اور کھیتی کی حالت ہے کہ ابھی تو ہری بھری تھی اور ابھی کچھ بھی نہیں یہ ہی مثال پوری دنیا کی ہے افراد کی بھی یہی مثال ہے اور قوموں کی بھی، حکومتوں کی بھی اور مال و جائیداد کی بھی، کچھ دن لوگ منتفع ہوتے ہیں اور اپنے خیال میں اچھی زندگی گزارتے ہیں پھر افراد کو موت آ جاتی ہے جماعتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ حکومتیں مٹ جاتی ہیں۔ تجارتیں تباہ ہو جاتی ہیں باغ آبڑ جاتے ہیں اور اس سب کے بعد قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور وہاں ابد الابد کے فیصلے ہونے ہیں وہاں کی ابدی زندگی کے سامنے جتنی بھی بڑی زندگی ہو بچ ہے اور جنت کی نعمتوں کے سامنے یہ معمولی سی نعمتیں کچھ بھی نہیں اگر کوئی شخص دوزخ میں چلا گیا (العیاذ باللہ) تو دنیا کے سارے مال اور زینت اور سجاوٹ (جو تھوڑے دن کی تھی) کچھ بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ آخرت کے میدان میں پہنچیں گے تو كُلٌّ لَّهُمْ قَنْطَرٌ مِّمَّا كَانُوا کا مظاہرہ ہوگا اور سمجھ میں آ جائے گا کہ دنیا میں جو کچھ تھا وہ کچھ بھی نہ تھا۔

آخر میں فرمایا كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْقِصَّةَ لِقَوْمٍ كَفَرُوا (ہم اسی طرح آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں) جو فکر کرتے ہیں وہی منتفع اور مستفید ہوتے ہیں جو فکر نہیں کرتے وہ اپنی مستیوں ہی میں لگے رہتے ہیں اور اپنی آخرت کو برباد کرتے ہیں۔

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ الَّذِينَ أَحْسَنُوا

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف نکالتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے جن لوگوں نے اچھائی

الحسنى وزيادة ولا يرهق وجوههم قتر ولا ذلة ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا

کے کام کئے ان کے لئے خوبی ہے اور اس سے زائد بھی ہے اور ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت یہ لوگ جنت والے ہیں

خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَاتِهِمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جن لوگوں نے بُرے کام کئے ان کی برائی کی سزا برائی کے برابر ملے گی اور ان پر ذلت چھا جائے گی

مِنَ النَّارِ مَن عَاصِيَ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وَجُوهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۝ أُولَٰئِكَ

انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا گویا کہ اکٹھے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے

اہل جنت کی نعمتوں اور اہل دوزخ کی بد صورتی اور عذاب دائمی کا تذکرہ

تفسیر: یہ تین آیات ہیں ان میں پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دار السلام (سلامتی کے گھر) یعنی جنت کی طرف نکالتا ہے جو دین اسلام اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور بندوں کے لئے منتخب فرمایا ہے سراپا سلامتی کا راستہ ہے اس میں دنیا میں بھی سلامتی ہے اور آخرت میں بھی چونکہ جنت میں جانے والے ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے وہاں نہ موت آئے گی نہ وہاں سے کہیں جانا ہوگا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی اس لئے اس کا ایک نام دار السلام بھی ہے یعنی ”سلامتی کا گھر“ جنت میں لے جانے والے عقائد اور اعمال کو سُبُلُ السَّلَام فرمایا ہے (کمافی سورۃ المائدہ رکوع ۳) اور اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ آپس میں ملاقات کریں تو السلام علیکم کہیں اور جواب دینے والے ولیم السلام کہیں اس طرح آپس میں ایک دوسرے کو سلامتی کی وعادیں۔ جنت میں بھی آپس کی ملاقات میں ایک دوسرے کو سلامتی کی وعادیں گے کما قال تعالیٰ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کے لئے سلامتی کی خوشخبریاں آتی رہیں گی (کما فی سورۃ یس سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ) فرشتے اہل جنت والوں کے پاس آئیں گے تو وہ بھی سلام پیش کریں گے (کما فی سورۃ الرعد) وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ آلَهُمْ مِنْ أَجْلِ مَا صَدَقْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کے لئے خط لکھا تو تحریر فرمایا اَسْلِمْتُ تَسْلِمُ يَوْمَ تَكُ الْاَحْجَارُ كَمَرَاتٍ۔ تو اسلام لے آ سلامت رہے گا اللہ تجھے دو ہر اجر عطا فرمائے۔ (صحیح بخاری ص ۱۵ ج ۱)

الحاصل اسلام میں سلامتی ہی سلامتی ہے پھر فرمایا: وَيَهْدِي مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ سُبُلًا مُمْتَقِنَةً (اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دے دیتا ہے) سیدھا راستہ جنت کا راستہ ہے جو عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کا جامع ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا لَئِنْ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ جن لوگوں نے اچھے کام کئے ان کے لئے حسنی ہے اور زیادہ انعام ہے حسنی فعلی کے وزن پر ہے جس کا لغوی ترجمہ ”خوبی“ سے کیا گیا ہے۔ حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ حسنی سے جنت مراد ہے اور زیادہ سے دیدار الہی مراد ہے۔ جنت میں ہر طرح کی نعمتیں ہوں گی کسی کی کمی نہ ہوگی۔ وہ خود بہت بڑی جگہ ہے لیکن اس نعمت پر مزید نعمت یہ ہوگی کہ اہل جنت اپنے رب جل مجدہ کا دیدار بھی کریں گے۔ تفسیر درمنثور (ص ۳۰۵) میں حضرت صہیب حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت کعب بن عجرہ اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے متعدد کتب حدیث کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زِيَادَةً کی تفسیر فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ زِيَادَةٌ سے اللہ جل شانہ کا دیدار مراد ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوگا کیا تم کچھ اور چاہتے ہو جو تمہیں عطا کر دوں وہ عرض کریں گے (ہمیں) اور کیا چاہئے (کیا آپ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کر دیئے اور کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا اور کیا آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی (یہ بہت بڑا انعام ہے) اس کے بعد پردہ اٹھا دیا جائے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے

انہیں کوئی بھی ایسی چیز نہ دی جائے گی جو انہیں اپنے رب کے دیدار سے بڑھ کر محبوب ہو اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ (رواہ مسلم ص ۱۰۰ ج ۱)

پھر اہل جنت کے ایک مزید انعام کا تذکرہ فرمایا: وَلَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا نَاقًا (ان کے چہروں پر کدورت چھائی ہوئی نہ ہوگی اور نہ ذلت) یعنی ان کے چہرے بد صورت نہ ہوں گے ان پر ذلت کا کوئی اثر نہ ہوگا سورۃ القیامہ میں فرمایا وَجُوهٌ يُّوْمِنٌ كَأَمْثَلِ النَّجَافِ (اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے) سورۃ المطففین میں فرمایا تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ (اے مخاطب تو ان کے چہروں میں نعمت کی تروتازگی کو پہچانے گا) جو شخص دار السلام میں ہوا اپنے رب کا دیدار کرتا ہو اس کا چہرہ کیوں حسین و جمیل اور پر رونق نہ ہوگا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ساری امتوں کے درمیان سے میں اپنی امت کو اس طرح پہچان لوں گا کہ ان کے چہرے روشن ہوں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے سفید ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰)

پھر فرمایا: أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (یہ لوگ جنت والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) تیسری آیت میں دوزخیوں کا تذکرہ فرمایا وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَكُمْ قَوْلًا اور جن لوگوں نے بُرے کام کئے (جن میں سب سے زیادہ بُرا عمل کفر و شرک ہے) ان کی سزا ان کے اعمال جیسی ہوگی ان پر نہ کوئی ظلم ہوگا نہ زیادتی ہوگی۔ برابر سزا کا بدلہ ہوگا وَتَرَهُمْ فِيهَا زُلْفَىٰ (اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی) مَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ عِلَاقٍ عداوت قیامت کے دن انہیں اللہ سے کوئی پہچانے والا نہ ہوگا۔ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ان کی بد صورتی کا یہ حال ہوگا کہ گویا ان کے چہروں کو اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیا گیا ہے۔ کافر دنیا میں کتنا ہی خوب صورت ہو قیامت کے دن نہایت ہی بدترین صورت میں ہوگا جس کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا ہے سورہ زمر میں فرمایا: وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ مُّسْوَدًّا ۖ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ (اور اے مخاطب تو قیامت کے دن ان لوگوں کو دیکھے گا جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہیں کیا دوزخ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے) سورہ یس میں فرمایا: وَوُجُوهُ يُؤْمِنُونَ ۖ عَلَيْهِمْ غَيْرَةُ ۖ تَرَهُمْ فِيهَا زُلْفَىٰ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَاسِقَةُ۔ (اور اس دن بہت سے چہرے ایسے ہوں گے کہ ان پر بد رونق ہوگی ان پر بد صورتی چھائی ہوئی ہوگی۔ وہ لوگ کافر اور فاجر ہوں گے)

پھر فرمایا: أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ فَرِيقًا بَيْنَهُم

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر پھر سے رو پھر ہم ان

وَقَالَ شُرَكَاءُؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَا تَعْبُدُونَ ۖ فَكُفِّي بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ

کے آپس میں جدائی کر دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے سوا اللہ ہمارے تمہارے درمیان گواہ کافی ہے

كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغْفِيلِينَ ۖ هَٰذَا لِكُتْلَوٰكُلِّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ ۖ وَرُدُّوْا إِلَى اللَّهِ

بے شک بات یہ ہے کہ تم تمہاری عبادت سے غافل تھے اس موقع پر ہم تمہیں اپنے ان کاموں کو جانے لگا جو اس نے پہلے کئے تھے اور وہ اپنے

مَوْلَاهُمْ الْحَقُّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

مالک حقیقی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ تراش رکھا تھا وہ سب غائب ہو جائے گا

باطل معبود اپنے پرستاروں سے کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے

تفسیر: ان آیات میں روز قیامت کا ایک منظر بیان فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ وہ دن قابل ذکر ہے جبکہ ہم سب کو جمع کریں گے۔ جمع ہونے والوں میں موحدین بھی ہوں گے اور مشرکین بھی، مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے وہ بھی حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ شرک کرنے والو! تم اور تمہارے وہ معبود جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کرتے تھے اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ یعنی انتظار کرو اور دیکھو تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کے درمیان جدائی کر دی جائے گی۔ مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے وہ اپنی پرستش کرنے والوں سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہاں ضرور ہم تمہارے پرستار تھے۔ اس پر ان کے معبود کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔ ہم تو تمہاری عبادت سے غافل تھے۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ اشکال کیا ہے کہ وہ دن سچ بولنے کا ہے وہاں اُن سے جھوٹ کیسے صادر ہوگا؟ یہ اشکال بے وزن ہے کیونکہ مشرکین کے جھوٹ بولنے کی تصریح سورۃ الانعام میں موجود ہے پھر اسی ذیل میں یہ بات بھی آگئی کہ وہ جو اللہ تعالیٰ کو اس بات پر گواہ بنائیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے ان کا اللہ تعالیٰ کو گواہی کے طور پر پیش کرنا بھی جھوٹ ہوگا بہر صورت مشرکوں اور ان کے معبودوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ تعلقات منقطع ہو جائیں گے (خواہ ایک ہی طرف سے ہوں جیسا کہ بتوں سے ان کا تعلق تھا اور بت جامد اور نا سمجھ تھے) اور یہ واضح ہو جائے گا کہ مشرکین کا کوئی مددگار نہیں ہے جن لوگوں کو سفاشی بنا کر عبادت کی تھی وہ خود دوزخ میں ہوں گے اور اپنے عبادت گزاروں سے بیزار ہو چکے ہوں گے کافی سورۃ الانعام وَمَا نَدَّيْ مَعَكُمْ شُفَعَاءُ كُفَّ الَّذِينَ نَعَّمْتُمْ أَنَّهُمْ فَنِيَكُمْ شُرَكَاءُ لَقَدْ نَقَضَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (اور ہم تمہارے ہمراہ اُن شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔ واقعی تمہارا آپس کا تعلق ختم ہو گیا اور تمہارا دعویٰ سب گیا گزرا ہو گیا)

آخر میں فرمایا: هَٰذَا إِلَٰهُكُم مَّا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (الآیۃ) وہاں یعنی روز قیامت ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال کو جانچ لے گا۔ یعنی ہر ایک کے اپنے عمل کا نتیجہ سامنے آ جائے گا جس میں مشرکین کے شرک کی حقیقت کھل جائے گی اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم جن کی عبادت کرتے تھے ان سے ہمیں جو نفع کی اُمید تھی وہ غلط تھی وہ تو آج ہمارے خلاف بول رہے ہیں ان لوگوں کی ساری آرزوئیں ختم ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جو حقیقی مولا اور مالک ہے اور جو کچھ باتیں تراشتے تھے غیر اللہ کو معبود جانتے تھے وہ سب کچھ غائب ہو جائے گا۔ اور کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کا مولیٰ یعنی مالک حقیقی ہے۔ اور سورۃ محمد میں جَوَّازُ الْكُفْرَيْنِ لَا مَوْلٰی لَهُمْ فرمایا ہے وہاں مولا مدگار کے

معنی میں ہے یعنی کافروں کا وہاں کوئی مددگار نہ ہوگا۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ

آپ فرمادیجئے وہ کون ہے جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے رزق دیتا ہے زیادہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے اور وہ کون ہے

الْحَيِّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدْبِرُ الْأُمُرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ

جو زندہ کو مہرہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر فرماتا ہے سو وہ ضرور یوں کہیں گے کہ اللہ ہی ہے تو

أَفَلَا تَتَّقُونَ ۚ فَذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّى تُصَرِّفُونَ ۝

آپ فرمادیجئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے ہو سو وہ اللہ تمہارا حقیقی رب ہے سو پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر کہاں پھرے جا رہے ہو

مشترکین سے سوال کہ تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہارے کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے اور تمام کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے؟

تفسیر: دنیا میں جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان سے دریافت فرمائیے کہ آسمان سے اور زمین سے تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہارے سننے کی قوت اور دیکھنے کی قوت کا کون مالک ہے یعنی تمہارے کانوں اور آنکھوں پر کسے پورا اختیار ہے کون ہے جس نے یہ چیزیں تمہیں دی ہیں اور جو ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ وہ چاہتا ہے تو ان کو سلب کر لیتا ہے اور یہ بھی بتاؤ کہ مردہ سے زندہ کو کون نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو کون نکالتا ہے۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ عالم میں جو تصرفات ہیں ان کی تدبیر کون فرماتا ہے جب ان لوگوں سے یہ سوالات کرو گے تو ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی جواب نہ ہوگا کہ ان افعال کا مالک و مختار اور ان صفات سے متصف صرف اللہ ہی ہے۔ جب وہ یہ جواب دیں تو آپ فرمادیجئے کہ پھر تم اس رازق خالق اور مالک سے کیوں نہیں ڈرتے؟ اس کو چھوڑ کر جو دوسروں کی عبادت کرتے ہو وہ تمہارے نزدیک بھی بے اختیار ہیں۔ ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ وہ ذات پاک جس کی یہ صفات ہیں جو اوپر ذکر کی گئیں وہی واقعی اور حقیقی رب ہے۔ اس کے مالک اور رب حقیقی ہونے کا پتہ اگر بھی کرتے ہو اور پھر دوسروں کی عبادت کرتے ہو۔ یہ تو سراپا گمراہی ہے اور حق کے بعد گمراہی کے سوا یہ کیا گیا؟ جانتے بوجھے گمراہی میں پڑنا سب سے بڑی حماقت ہے۔ حق کو چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہو (باطل کو چھوڑ دحق کی طرف واپس آؤ) حق اور ضلال یعنی حق اور گمراہی کے درمیان کوئی اور چیز نہیں ہے جو حق نہ ہو وہ گمراہی ہے۔ دونوں میں تضاد ہے۔ حق اور گمراہی دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ هَلْ

اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات نافرمانوں کے بارے میں ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ آپ فرمادیجئے کیا

مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدُو الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَأَنْتَ

تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پیدا فرمائے پھر اُسے دوبارہ زندہ کرے؟ آپ فرمادیتے کہ اللہ مخلوق کو ابتداء

تَوْفِكُونَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ

پیدا فرماتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟ آپ فرمادیتے کہ اللہ حق کی راہ بتاتا ہے سو جو حق کی

أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يَهْدِي فَمَا لَكُمْ

راہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق۔ یہ یا وہ شخص جو ہدایت نہیں پاتا مگر جبکہ اُسے راہ بتائی جائے سو تمہیں کیا ہوا

كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ وَمَا يَنْبَغُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا

تم کیسی تجویزیں کرتے ہو اور ان میں سے اکثر لوگ صرف اٹکل کے پیچھے چلتے ہیں بلاشبہ اٹکل حق کے بارے میں ذرا بھی مفید نہیں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جاننے والا ہے جن کاموں کو وہ کرتے ہیں۔

مشرکین سے مزید سوالات اور توحید پر آنے کی دعوت

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ مشرکین نے جو شرک کو اپنا رکھا ہے اور سمجھانے کے باوجود توحید پر نہیں آئے اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کے بارے میں مغموم نہ ہوں ان کو ایمان لانا نہیں ہے اس کے بعد فرمایا کہ ان سے دریافت کیجئے کہ وہ کون ہے جو ابتداء مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر موت دے کر دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ اس بات کو جان لو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے اور موت دے کر وہی دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد تم کہاں اُلٹے پھرے جا رہے ہو۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے سوال فرمائیے کہ بتاؤ تمہارے شرکاء میں وہ کون ہے جو حق کا راستہ بتاتا ہے آپ خود ہی فرما دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے جو حق کا راستہ بتائے وہ زیادہ لائق اتباع ہے یا وہ شخص جو خود ہدایت نہیں پاتا مگر یہ کہ اُسے ہدایت دی جائے؟ مطلب یہ کہ اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کی پوجا کرتے ہو وہ تو خود ہی بے راہ ہیں اور اس بات کے محتاج ہیں کہ انہیں راہ بتائی جائے۔ سو تمہیں کیا ہو گیا؟ اللہ کو چھوڑ کر انکی عبادت کرتے ہو۔ اور تم کیسی جاہلانہ تجویزیں کرتے ہو کہ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرتے ہو؟

پھر مشرکین کا حال بیان فرمایا کہ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو محض اٹکل، گمان اور خیال کے پیچھے چلتے ہیں اپنے انہی خیالات کی وجہ سے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔ گمان اور اٹکل سے حق واضح اور ثابت نہیں ہوتا اس کے لئے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے بغیر علم اور بلا دلیل انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے باطل معبود بنا رکھے ہیں۔ جیسا کہ سورہ نجم میں فرمایا: **إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمِيَتْ فِيهَا الْجَنَّةُ وَالْأَرْضُ فَأَنزَلْنَا إِلَهُ الْبَاطِلِ إِنَّ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ**

(یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کر لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ یہ لوگ صرف گمان اور اپنے نفسوں کی خواہشوں پر چل رہے ہیں)

آخر میں فرمایا اِنَّ اللہَ عَلَیْمٌ بِمَا یَفْعَلُوْنَ کہ بلاشبہ اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اپنے علم کے مطابق وہ انہیں سزا دے گا۔

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے جو افتراء کیا گیا ہو اللہ کی طرف سے نہ ہو۔ بلکہ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہیں

بَیِّنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَفْتَرٰہُ

اور احکام ضروریہ کی تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے کیا وہ لوگ

قُلْ فَاتَّبِعُوْا سُوْرَتِیْ وَمِثْلَہٗ وَادْعُوْا مَنْ اَسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ

یوں کہتے ہیں کہ اس کو آپ نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔ آپ فرمادیجئے کہ تم اس جیسی سورت لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو بلا سکتے ہو انہیں بلا لو اگر تم

صٰدِقِیْنَ ۝ بَلْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ حِطُّوْا بِعِلْمِہٖ وَلَکٰی اٰتِیٰہُمْ تَاْوِیْلُہٗ ۚ کَذٰلِکَ کَذَّبَ

سچے ہو۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے اُسے جھٹلایا جسے اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے اور ابھی اس کا نتیجہ اُن کے سامنے نہیں آیا ایسے ہی جھٹلایا اُن

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَمِنْہُمْ مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ

لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے سو دیکھ لیجئے ظالموں کا کیا انجام ہوا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں

وَمِنْہُمْ مَنْ لَا یُؤْمِنُ بِہٖ وَرَبُّکَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِیْنَ ۝ اِنْ کَذَّبُوْکَ فَقُلْ لِّیْ

لائیں گے اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرمادیجئے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے

عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ اَنْتُمْ بِرَبِّکُمْ مَّا اَعْمَلُوْا اَنَا بِرَبِّیْ وَمِمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

تمہارا عمل ہے تم اس سے بری ہو جو میں کام کرتا ہوں اور جن کاموں کو تم کرتے ہو میں اُن سے بری ہوں

قرآن حکیم کی حقانیت پر واضح دلیل اور اس جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج

تفسیر: توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد اب کتاب اللہ کی حقانیت بیان فرمائی جس کے ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی مزید تصدیق ہو گئی۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے بنالیا ہے اول تو ان کی تردید فرمائی کہ یہ ایسی کتاب نہیں ہے کہ جو غیر اللہ کی طرف سے ہو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے جو اس سے پہلے آسمانی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے اور جو احکام اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بھیجے ہیں اس میں اُن کی بھی تفصیل ہے۔ پھر ان لوگوں کو چیلنج کیا اور فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ قرآن اپنے پاس سے بنالیا ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا ساری مخلوق میں

سے اس مقصد کے لئے جس جس سے مدد لے سکتے ہوں سب سے مدد لے لو۔ سورۃ بقرہ کی آیت (رکوع ۳) وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا کی تفسیر کے ذیل میں اس کی تشریح کی جا چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۱) سورۃ ہود (رکوع ۲) میں فرمایا ہے کہ تم اس جیسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ پہلے قرآن کے مقابلہ میں دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا پھر ایک سورت تک بات آگئی آج تک کوئی بھی قرآن کا مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت بھی بنا کر نہیں لاسکا اور نہ کبھی لاسکیں گے۔ جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (آپ فرما دیجئے کہ اگر سارے انسان اور سارے جنات اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ قرآن جیسا بنا کر لے آئیں تو نہیں لاسکیں گے اگرچہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں جائیں)

جب قرآن کی سچائی ثابت ہوگئی تو قرآن لانے والے یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچائی بھی ثابت ہوگئی اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جو ان کے احاطہ علمی میں نہیں ہے۔ قرآن کو سمجھتے نہیں اور نہ سمجھنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ غور کرتے تو اس کی حقیقت اور حقانیت سمجھ میں آ جاتی اب جبکہ جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں تو اس جھٹلانے کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔ یعنی ان کی اس تکذیب کا برا انجام سامنے آئے گا۔ دنیا میں ذلیل اور ہلاک ہوں گے اور کفر پر مرنے کی وجہ سے آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے ان سے پہلے تکذیب کرنے والوں پر عذاب آچکا ہے۔ دیکھ لیجئے ان کا انجام کیا ہوا؟ پھر فرمایا اس میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور کچھ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو شبہ ہے کہ آپ اپنا کام کئے جائیں۔ بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں ایمان لانا نہیں ہے آپ کو دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو ایمان نہ لائے گا اسی سزا بھگت لے گا۔ اللہ تعالیٰ مفسدین کو خوب جانتا ہے۔ وہ ان کے کفر کی سزا دے دے گا۔ مزید فرمایا کہ یہ لوگ جو تکذیب پر مصر ہیں حجت قائم ہونے پر بھی حق کو نہیں مانتے اور آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو آپ ان سے فرما دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے تمہارا عمل تمہارے لئے ہے۔ تم میرے عمل سے بری ہو میں تمہارے عمل سے بری ہوں مجھے میرے عمل کا ثواب ملے گا تم اپنی بد عملی کی سزا بھگتو گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ۖ وَمِنْهُمْ

اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے اگرچہ وہ سمجھ بھی نہ رکھتے ہوں اور ان میں سے بعض وہ ہیں

مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْى وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ

جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں کیا آپ اندھوں کو راہ بتا دیں گے اگرچہ وہ دیکھتے بھی نہ ہوں بلاشبہ اللہ لوگوں پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا

النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ۖ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ ۖ كَأَن لَّمْ يَلْبَسُوا إِلَّا

لیکن لوگ اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں اور جس دن اللہ انہیں جمع فرمائے گا گویا کہ وہ دن کے حصہ میں سے صرف

سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا

ایک گھڑی ٹھہرے ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے بے شک وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور

كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ وَإِنَّا لَنُرِيكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ تَتُوفِّيكَ ۖ وَالْيَنَّا مَرْجِعُهُمْ

وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔ اور اگر ہم اُس میں سے کچھ حصّہ آپ کو دکھادیں جس کا ہم اُن سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو قاتلہ دے دیں تو ہماری طرف ان سب کو لوٹا ہے

ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ ۝ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ

پھر اللہ اس پر گواہ ہے جو کام وہ لوگ کرتے ہیں اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے سو جب اُن کے پاس اُن کا رسول آ جاتا ہے

بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۖ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ

تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم

صَادِقِينَ ۝ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ إِنَّمَا أَشَاءُ اللَّهُ ۖ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ

سچے ہو آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے لئے کسی بھی ضرر یا نفع کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے

إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ

جب اُن کا وقت مقرر آ جاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں آپ فرما دیجئے۔ کہ تم بتاؤ اگر

أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَآئِنًا أَوْ نَهَارًا ۖ مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ۝ أَتُمْذِمُونَ

اللہ کا عذاب رات کے وقت آ جائے یا دن کے وقت آ جائے تو اس میں وہ کون سی چیز ہے جس کی بجز میں جلدی چاہے ہیں کیا پھر جب وہ واقع ہو

أَمْتُمْ بِهِ ۖ أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ آيَاتٌ ۖ فَتَسْتَعْجِلُونَ ۝ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا

عی جائے تو اس پر ایمان لاؤ گے اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم اس کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے تھے پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ بیشک تم

عَذَابَ الْخُلْدِ ۖ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ وَيَسْتَبْشِرُونَكَ أَحَقُّ هُوَ قَوْلٌ

عذاب کچھ لو تمہیں انہیں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جن کی تم کمالی کرتے تھے۔ اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ فرما دیجئے

إِنِّي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝

ہاں میرے رب کی قسم بلاشبہ حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو

تکذیب کرنے والوں کی بے حسی
قیامت کا منظر دنیا میں عذاب آنے کی وعید

تفسیر: گزشتہ آیات میں بکذبین اور معاندین کا ذکر تھا ان آیات میں اُن کے مزید عناد اور تکذیب کا تذکرہ فرمایا۔

اولاً، تو یہ فرمایا کہ ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جو بظاہر آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں لیکن ان میں نہ حق طلبی ہے نہ

ایمان لانے کا ارادہ ہے۔ ان کا سنا اور نہ سنا برابر ہے۔ لہذا ان کی حالت بہرے انسانوں کی طرح ہوگئی۔ جیسے بہروں کو سنانا فائدہ مند نہیں ہو سکتا اسی طرح ان کو سنانا اور نہ سنانا برابر ہے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ بہروں کی مانند ہیں بلکہ سمجھ سے بھی محروم ہیں۔ انہیں کان لگانے والوں کی طرح وہ لوگ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں ان کا ارادہ بھی حق کے قبول کرنے کا نہیں۔ لہذا دیکھا ان کے نزدیک برابر ہے۔ اندھوں میں اور ان میں کوئی فرق نہیں آپ اندھوں کو کیسے ہدایت دیں گے۔ حالانکہ وہ دیکھ ہی نہیں رہے۔ اس مضمون کو سورہ انفال میں یوں بیان فرمایا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (اور تم لوگ اُن لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے) پھر فرمایا: لَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الشَّيْثَانًا وَلَكِنَّ الْبَشَرَ إِنَّمَا يَهْدِي اللَّهُ الْبَشَرَ لِمَا يَشَاءُ (بلاشبہ اللہ لوگوں پر ذرا سا بھی ظلم نہیں فرماتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں) اسی ظلم میں سے یہ ہے کہ فکر و نظر سے کام نہیں لیتے اور اپنے حواس کو استعمال نہیں کرتے اور اگر حق سمجھ میں آجائے تو عناد اُس کی طرف سے منہ موڑ لیتے ہیں یہ سب ان کی جانوں پر ظلم ہے اور وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد قیامت کے دن کا ایک منظر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَيَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ عَنْ عَصَاهُمْ (اور انہیں وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ ان کو جمع فرمائے گا گویا وہ دن کے ایک حصہ میں سے صرف ایک گھڑی ٹھہرے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے) یعنی جب وہاں حاضر ہونگے تو جو دنیا میں لمبی عمر گزری تھی اور برزخ میں جو عرصہ دراز تک رہے تھے اس سارے وقت کو یوں سمجھیں گے کہ گویا ہم صرف ذرا سی ہی دیر دنیا میں اور برزخ میں رہے قیامت کے دن کی سختی کو دیکھ کر دنیا اور برزخ کی مدت دراز کو بھول کر یوں سمجھیں گے کہ گویا دن میں سے صرف ایک گھڑی ہی وہاں گزاری ہے۔

سورہ روم میں فرمایا: وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقَرِّبُهُمُ الْجَبْرُ أَوْ يُبْعِدُهُمْ مَا يَشَاءُ اللَّهُ سَاعَاتٍ (اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین قسمیں کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے) یہ جو فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ یہ صرف پہچانتے ہی کی حد تک ہوگا آپس میں ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ مدد تو گنجائش ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور چھوٹے بڑوں پر اور بڑے چھوٹوں پر پھونکاؤں گے۔ اور سارے تعلقات وہاں ٹوٹ جائیں گے۔ پھر فرمایا: قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَأَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ۔ جن لوگوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی قیامت کے دن کا اور حساب اور جزا سزا کا انکار کیا یہ لوگ نقصان میں پڑ گئے اور اپنی جانوں کو ہلاک کر دیا۔ دنیا میں ہدایت یافتہ نہ ہوئے آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

پھر فرمایا: وَلَا تَرْجِعْكَ بَعْضُ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ تَتَوَكَّلُكَ الْيَمَانُ مَرْجِعُهُمْ (اور جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں اگر اس میں سے تھوڑا سا حصہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے ہی پاس ان سب کو آتا ہے) رسول اللہ ﷺ کی تکذیب پر جو عذاب میں مبتلا کئے جانے کی وعیدیں نازل ہوتی رہتی تھیں ان کے بارے میں فرمایا کہ جس عذاب کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا عذاب اگر ہم آپ کو دکھادیں یعنی آپ کی حیات ہی میں اس کا نزول ہو جائے یا ہم آپ کو اس سے پہلے وفات دے دیں سو یہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ آپ کے سامنے ہی

عذاب آجائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ کے بعد ان پر عذاب آجائے یعنی دنیا میں عذاب آنا لازماً نہیں ہمارے پاس ان کو آنا ہی ہے جو بڑا عذاب ہے (یعنی آخرت کا عذاب) اس میں تو ہر منکر اور کافر کو مبتلا ہونا ہی ہے ثُمَّ اللَّهُ شَهِدًا عَلَى مَا يَفْعَلُونَ پھر یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے سب کاموں کا علم ہے وہ اپنے علم کے مطابق بدلہ دے گا۔

پھر فرمایا: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَمَلٌ فَذُنُوبُهُمْ يُفْضَىٰ إِلَيْهِمْ وَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ کہ قیامت کے دن ہر امت کا رسول موجود ہوگا۔ جو دنیا میں انکی طرف مبعوث ہوا تھا امتیں موجود ہوں گی اور ان کے رسول بھی موجود ہوں گے جو اہل کفر کے کفر اور اہل ایمان کے ایمان پر گواہی دیں گے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ اس آیت کا یہ مفہوم سورۃ نساء کی یہ آیت فَلْيَكْفُرْ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ۔ اور سورۃ زمر کی آیت وَجَاءَ بِالشَّاهِدَةِ وَفُضِيَ إِلَيْهِمْ الْحَقُّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ کے موافق ہے۔ اور بعض مفسرین نے آیت بالا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ دنیا میں جو رسول امتوں کے پاس آئے ان کی انہوں نے جو تکذیب کی اور اس تکذیب پر جو ان پر عذاب آیا اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر امت کے لئے ایک پیغمبر ہے۔ وہ پیغمبر جب ان کے پاس آ جاتا ہے اور احکام پہنچا دیتا ہے پھر اس کے بعد کچھ لوگ مانتے ہیں اور کچھ لوگ نہیں مانتے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اہل ایمان کی نجات ہو جاتی ہے اور کافر ہلاک کر دیئے جاتے ہیں اور کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے اتمام حجت کے بعد ہوتا رہا ہے۔ وَيَكُونُونَ مَعْنَىٰ هَذَا الْوَعْدِ إِنَّ كَلِمَتَهُ صَادِقِينَ۔ جب بار بار عذاب کی وعید سنتے تھے تو منکرین کہتے تھے کہ عذاب کی وعید کہاں تک سنیں، کب ہوگا یہ عذاب؟ ایک مرتبہ آ ہی جائے تو ہم بھی دیکھ لیں کیسا عذاب ہوتا ہے عذاب آنے میں جو دیر محسوس کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ڈھیل تھی اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے مزید تکذیب میں آگے بڑھ جاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو تو اسے پورا کر کے دکھاؤ اور عذاب بھی لے آؤ۔ ان کا یہ قول استفہام انکاری کے طور پر تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: قُلْ لَا أَتْلُو لَكُمْ يُنْفِثُ صَدْرًا وَلَا يَقْعَلُ الْإِنشَاءَ اللَّهُ (آپ فرمادیتے تھے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو کچھ اللہ چاہے) جب اپنے بارے میں میرا یہ حال ہے تو تم پر عذاب لانا یہ میرے اختیار میں کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھ سے تقاضا کرنا جاہلانہ بات ہے۔ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا مقررہ وقت آ پہنچے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں)

عذاب کا وقت آ جانے پر عذاب واقع ہو جائے گا جن امتوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب کا وقت مقرر ہے وہ دونوں میں مبتلائے عذاب ہوں گے اور جن کے لئے دنیا میں عمومی عذاب دینے کا فیصلہ نہیں کیا گیا آخرت میں تو ان کے کفر کی وجہ سے ان کو عذاب ہونا ہی ہے۔ اجل مقرر پر عذاب سامنے آ ہی جائے گا۔ یہ جو جلدی مچاتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ عذاب کب آئے گا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شانہ اپنی مقرر کردہ اجل سے پہلے عذاب نہیں لائے گا۔ ان لوگوں کے قول مَتْنِي هَذَا الْوَعْدُ کا پہلا جواب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ اعلان کرا دیا کہ میرے بس میں عذاب لانا نہیں اور دوسرا جواب یہ دے دیا کہ عذاب اپنے وقت مقرر پر آئے گا۔ تمہارے جلدی مچانے سے اجل مقرر سے پہلے نہیں آئے گا۔

پھر فرمایا: **قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ** (الایہ) آپ ان سے فرمادیجئے یعنی سوال کیجئے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو آ جائے تو عذاب میں ایسی کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے بحر میں عذاب کے جلدی لانے کا تقاضا کر رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ عذاب تو رات یا دن میں کسی وقت بھی نازل ہو سکتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ عذاب سخت چیز ہے اس کے آنے کی جلدی کیوں مچاتے ہیں عذاب میں ایسی کون سی چیز مرغوب ہے جسے جلد بلانا چاہتے ہیں۔ جب حقیقت عذاب مطلوب نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ عذاب لانے کی جلدی مچانے سے وعدہ عذاب کی تکذیب مقصود ہے۔ **أَتَعْتَدُ إِذَا مَا وَقَعَ أَمْنٌ مِّنْهُ** کیا جب عذاب واقع ہو جائے گا اس وقت ایمان لاؤ گے؟ (اس وقت ایمان لانا بے فائدہ ہوگا اور اس وقت تصدیق نافع نہ ہوگی) **أَلَنْ وَكَدَّ كُنْتُمْ بِهِ تَنْتَعِلُونَ** جب عذاب آ جائے گا تو سوال ہوگا کیا اب تصدیق کرتے ہو حالانکہ تم (بqvصد تکذیب) اسکی جلدی مچایا کرتے تھے۔ اس وقت کا ایمان لانا اور تصدیق کرنا فائدہ مند نہ ہوگا **ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْغُلَّةِ** پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ بیشک! والا عذاب چکھو **هَلْ تَجْزُونَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ** تمہیں انہیں کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کسب کرتے تھے (یعنی دنیا میں جن کاموں کو کیا کرتے تھے ان ہی کی جزا ملے گی۔

پھر فرمایا: **وَيَسْتَفْتُونَكَ أَحَلُّ هُوَ** اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا عذاب واقعی چیز ہے؟ **قُلْ إِنْ أَرَادَ رَبِّي أَنْ يَكُونَ** آپ فرمادیجئے کہ ہاں میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ حق ہے واقع ہو جانے والی چیز ہے۔ **وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ** (اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو) یعنی جب عذاب آ جائے گا تو تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے یہ نہ سمجھو کہ جب عذاب آئے گا تو ہم بھاگ نکلیں گے اور کہیں پناہ لے لیں گے۔ سارا ملک اللہ ہی کا ہے کہیں بھی فرار ہو کر نہیں جاسکتے۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا: **وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ** (اور تم آسمان میں اور زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے جو اس کے عذاب سے بچا دے)۔

وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ

ہر وہ شخص جس نے ظلم کیا اگر اس کے لئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ اپنی جان کو عذاب سے چھڑانے کیلئے اس سب کو خرچ کر ڈالے گا۔ اور جب

لَسَارَاوُ الْعَذَابِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝۱۰ إِلَّا إِنْ يَشَاءُ اللَّهُ

وہ عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ خبردار بے شک اللہ ہی کے لئے ہے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا إِنْ يَشَاءُ اللَّهُ حَقُّهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۱ هُوَ يُحْيِي

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے خبردار بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے وہی زندہ فرماتا ہے

وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۱۲

وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ظالم لوگ جان چھڑانے کے لئے زمین بھر کر فدیہ دینے کو تیار ہوں گے اور اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا

تفسیر: منکرین اور معاندین دنیا میں حق کو جھٹلاتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کر کے اور راہ کفر اختیار کر کے اپنی جانوں

پر ظلم کرتے ہیں اسکی آخرت میں سزا ملے گی۔ اور جب وہاں عذاب سامنے آئے گا تو جان کا بدلہ دے کر عذاب سے بچنے کے لئے سب کچھ خرچ کر دینے کو راضی ہوں گے۔ اگر بالفرض انہیں پوری زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب اور اس جیسا اور بھی ان کو مل جائے وہ اس سب کو اپنی جان کے بدلہ دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ وہاں کچھ بھی پاس نہ ہو گا اور اگر بالفرض کچھ پاس ہو اور جان کے بدلہ دینے لگیں تو قبول نہ ہوگا۔ اس مضمون کی تفسیر سورۃ آل عمران کی آیت

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ أَفَلَا يُقْبَلُ مِنْ أَحَدِهِمْ قَوْلٌ إِلَّا لَوْ أَفْتَدَوْا بِمِثْلِ مَا كَفَرُوا أَوْ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَظَلَمُوا إِنَّ الظَّالِمِينَ كَانُوا لَكَاذِبِينَ (انوار البیان ج ۲-۳ ج ۳)

وَاسْتُرُوا عَنكُمُ الْأَعْيُنُ عَنَّا وَإِنِ اتَّخَذْتُمُ الْإِنْسَانَ كُمُوتًا (انوار البیان ج ۲-۳ ج ۳)

قیامت کے دن جب عذاب دیکھیں گے تو ندامت اور پشیمانی کو پوشیدہ

رکھیں گے اور دل ہی دل میں پشیمان ہوتے رہیں گے کہ کاش مومن ہوتے تو آج جتلائے عذاب نہ ہوتے۔ وَفُضِّي بَيْنَهُمْ

يَا قَاضٍ وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (اور اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا)

الْأَرْوَاقُ يَلْوُوهَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ (خبردار اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے) سب

کچھ اس کی ملکیت ہے یہ بحر میں بھی اس کی مخلوق اور ملوک ہیں۔ اُسے ہر طرح تصرف کرنے کا حق ہے۔ بحر میں کو عذاب

دینا اس کے لئے آسان ہے۔ اس کی قدرت اور تصرف ہے کوئی باہر نہیں۔

الْأَرْوَاقُ وَعَدَّ اللَّهُ حَقِّي (خبردار اللہ کا وعدہ سچا ہے) قیامت ضرور آئی ہے۔ انکار کرنے سے اور شک کرنے سے وہ

رک نہ جائے گی۔

وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے جو قیامت کے آنے میں شک کرتے ہیں

وَالْيَوْمِ يُصْعَقُونَ (وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) اس میں منکرین بعثت کے استبعاد

کی تردید ہے جو یوں کہتے تھے کہ موت کے بعد کیسے زندہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور یہ تمہاری

نظروں کے سامنے ہے اسی سے سمجھ لو کہ وہ موت کے بعد بھی زندہ فرما دے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے اور ایسی چیز آئی ہے جس میں سینوں کے لئے شفا ہے اور ہدایت ہے

وَرَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا

اور رحمت ہے مومنین کے لئے آپ فرما دیجئے اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت سے خوش ہو جاؤ۔ سو وہ اس پر خوش ہوں یا اس سے بہتر ہے

مَجْمُوعٌ

جودہ جمع کرتے ہیں۔

قرآن موعظت ہے، سینوں کے لئے شفا ہے، اور ہدایت و رحمت ہے

تفسیر: مشرکین سے خطاب کرنے کے بعد مومنین کو خطاب فرمایا لیکن اُسے یَا أَيُّهَا النَّاسُ سے شروع فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتاب بھیجی ہے اور ہدایت نازل فرمائی ہے وہ تمام انسانوں کے لئے ہے سب انسان اُسے قبول کریں۔ جن لوگوں نے اسے قبول کر لیا ان کے لئے خوشخبری ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور رحمت و اکرام پر خوش ہونا چاہئے کہ ہمیں اللہ نے وہ کچھ عطا فرمایا جس کے مقابلہ میں ساری دنیا بیچ ہے دنیا میں لوگ جو کچھ جمع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن مجید کو موعظت (نصیحت) اور سینوں کے لئے شفا اور مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت بتایا۔ موعظت، نصیحت کو کہتے ہیں جس میں برائیوں کو چھوڑنے اور احکام پر عمل کرنے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اختیار کرنے کی تلقین اور تعلیم ہے اور آخرت کے احوال اور احوال کی تذکیر ہو۔ قرآن مجید میں بار بار ان سب امور کے اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

قرآن مجید کو شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ بھی فرمایا یعنی اس کے ذریعہ دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے اور جو شخص اس کی ہدایت پر عمل کرے اس کا دل روحانی بیماریوں سے شفا یاب ہو جاتا ہے۔ حسد، کینہ، تکبر، بخل، خود پسندی اور حُب دنیا اور وہ سب امور جو انسان کے دل کو تباہ کرتے ہیں قرآن مجید میں ان سب کا علاج ہے اس علاج کو اختیار کرے تو شفا حاصل ہوگی۔ نیز قرآن مجید کو ہدایت اور رحمت بھی فرمایا اس میں لَفْظُ لِّلْمُؤْمِنِينَ کا اضافہ فرمادیا۔ قرآن مجید ہدایت اور رحمت تو سبھی کے لئے ہے لیکن چونکہ اس سے اہل ایمان ہی مستفید ہوتے ہیں اور اسے اپنے لئے ذریعہ ہدایت اور رحمت بنا لیتے ہیں اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں قرآن کے لئے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ فرمایا ہے مزید فرمایا کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہو جائیں۔ صاحب مدارک التنزیل لکھتے ہیں کہ فضل اور رحمت سے کتاب اللہ اور دین اسلام مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فضل فرمایا کہ قرآن مجید نازل فرمایا اور دین اسلام قبول کرنے کی توفیق دی جو رحمت عظیمہ ہے اور انعام برانعام ہے۔ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہونے کا حکم فرمایا کیونکہ یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ ان پر جتنی بھی خوشی کی جائے اور مسرت کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ دنیا میں ہدایت پر ہونا اور آخرت میں نعمتوں سے مالا مال ہونا اس پر خوش ہونا اور چیز ہے اور دنیاوی نعمتوں پر اترانا دوسری چیز ہے پہلی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری چیز سے منع فرمایا ہے۔ دنیاوی مال اور جاہ پر اترانا مست ہونا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھلا دیتا ہے اور اس میں دوسروں کی تحقیر بھی ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے منع فرمایا جیسا کہ سورہ انعام میں ہے حَتَّىٰ اِذَا قَرَأْتَ وَابْنًا اَوْ ثَمَرًا اخَذْتُمُوْهُ بَغْضًا اَوْ سُوْرًا مِّنْهُ لِيُقِيْلَ الْفٰرِثِيْنَ اور سورہ قصص میں فرمایا اِذْ قَالَ لٰكُمُ اللّٰهُ لَا تَقْرَءُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ لَعَلَّكُمْ تَكْفُرُوْا لَآ يَحِبُّ الْفٰرِثِيْنَ آخرت سے متعلقہ اعمال اور نعمتوں پر خوش ہونے میں چونکہ حُب دنیا کا دخل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا ذریعہ ہے اس لئے محمود ہے آیت بالا میں اسی کا حکم فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اہل دنیا جو کچھ جمع کرتے ہیں نعمت اسلام اور نعمت قرآن

کے سامنے اسکی کچھ بھی حیثیت نہیں کیونکہ دنیا تھوڑی ہے اور فانی ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ اللَّهُ

آپ فرمادیجئے کہ تم بتاؤ جو رزق اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمایا تم نے اس میں سے خود ہی بعض کو حرام اور بعض کو حلال تجویز کر لیا۔ آپ فرمادیجئے کہ اللہ نے

أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ

تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا اللہ پر افتراء کرتے ہو اور قیامت کے دن کے بارے میں ان لوگوں کا کیا گمان ہے جو اللہ پر جھوٹ

الْقِيمَةِ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۴﴾

باندھتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن ان میں سے بہت لوگ شکر ادا نہیں کرتے

اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے

تفسیر: اللہ جل شانہ نے بندوں کو پیدا فرمایا ان کو رزق بھی عطا فرمایا۔ ان کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ کے رسولوں اور اللہ کی کتابوں نے احکام بتائے اور حلال و حرام کی وہ تفصیلات بتائیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر دین کو کامل فرمادیا اور آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا قرآن وحدیث میں حرام و حلال کی تفصیلات موجود ہیں۔ مشرکین نے جو اپنی طرف سے حرام و حلال تجویز کر رکھا ہے۔ اس کی بھی تردید فرمائی اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے لئے بھی پیش بندی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے ہٹ کر اپنے طور پر حرام و حلال قرار نہ دیں اور واضح طور پر بتادیا کہ تحلیل و تحریم یعنی حلال و حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بندوں کو اس میں دخل دینا حرام ہے اور اصول بندگی کے خلاف ہے۔

اللہ نے جو رزق نازل فرمایا ہے تم نے اس میں سے بطور خود بعض کو حلال اور بعض کو حرام کیوں قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا حق تم نے کیسے استعمال کر لیا۔ کیا اللہ نے تمہیں تحلیل و تحریم کی اجازت دی ہے۔ یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ حلال وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال قرار دے اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ حرام قرار دے۔ تمہارا اپنے پاس سے یوں کہنا کہ فلاں چیز حلال اور فلاں چیز حرام ہے یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت باندھنا اور افتراء کرنا ہے۔ جو کچھ اس نے حلال و حرام قرار دیا ہے اس کے خلاف جو تم کہتے ہو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ یہ تحلیل و تحریم اللہ نے کی ہے کیونکہ تحلیل و تحریم کا حق اسی کو ہے۔ مخلوق کے حرام کہنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی اور مخلوق کے حلال کہنے سے حرام چیز حلال نہیں ہو جاتی۔ مشرکین عرب نے بعض جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ جس کا ذکر سورۃ مائدہ کی آیت مَنْجَعًا لِّلْإِنسَانِ مِنْ بَٰحِیۡثٍ وَلَا سَآبِیۡہٗ کی تفسیر میں اور سورۃ انعام کی آیت وَقَالُوا لَہٗذَہٗ اَنۡعَامٌ وَّحَرِّثَ جَعْفَرٌ (الآیۃ) کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جنہوں نے تحلیل و تحریم کو دانستہ یا نادانستہ طور اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو عقیدہ تو حلال کو حرام نہیں سمجھتے لیکن ان کا عمل اس کے خلاف ہوتا ہے۔ بعض چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور ان

سے اسی طرح بچتے ہیں جیسے حرام سے بچا جاتا ہے۔ نیاز فاتحہ کا جن لوگوں میں رواج ہے وہ لوگ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ایصال ثواب کے عنوان سے جو کھانا پکاتے ہیں وہ اوّل تو بدعت ہے پھر اس کے بارے میں یہ قانون بنا رکھا ہے کہ اس سے صرف لڑکیاں کھائیں گی، لڑکے نہیں کھائیں گے۔ اللہ کی شریعت میں جو چیز سب کے لئے حلال ہے اسے لڑکوں کے لئے حرام قرار دینا وہی مشرکین والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں تغیر اور تبدل کر دی اور حلال کو اپنے پاس سے حرام قرار دے دیا، اس طرح کی بہت سی چیزیں پیروں، فقیروں اور اہل بدعت میں مروج ہیں۔

دوسری آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اللہ کے قوانین میں تصرف کرتے ہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن کے بارے میں انکا کیا گمان ہے۔ کیا انہیں روز قیامت کا یقین نہیں ہے؟ اسی یقین کے نہ ہونے کی بنیاد پر اللہ کے نازل فرمودہ رزق میں اپنی طرف سے حلت و حرمت تجویز کرتے ہیں ایسے نڈر ہو گئے کہ انہیں آخرت کے مواخذہ کا کچھ بھی دھیان نہیں۔

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَذُو فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرماتا ہے رزق حلال عطا فرماتا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں) حلال کو حرام قرار دے دیتے ہیں۔

اللہ کا یہ فضل بھی ہے کہ اس نے لوگوں کو دولت عقل سے نوازا جینمبر بھیجے کتابیں نازل فرمائیں جنہوں نے حق اور ناحق واضح کر کے بتایا جس میں حرام و حلال کی تفصیلات بھی ہیں لیکن اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے فضل کی قدر دانی نہیں کرتے اور شکر کے بجائے کفران نعمت کی راہ اختیار کرتے ہیں اس کفران نعمت میں معصیت اور کفر و شرک کا اختیار کرنا سب داخل ہے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا

اور آپ جس کسی حال میں بھی ہوں اور قرآن مجید کا جو بھی کوئی حصہ تلاوت کر رہے ہوں اور تم لوگ جو بھی کوئی عمل کرتے ہو

عَلَيْكُمْ شُهُودًا اِذْ تُفِيضُونَ فِيْهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالٍ ذَرَّةٍ فِي

ہم ضرور اس سے باخبر ہوتے ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو اور زمین اور آسمان میں ذرہ کے برابر

الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا اَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱

کوئی چیز ایسی نہیں جو تیرے رب کے علم میں نہ ہو۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو جو کتاب مبین میں نہ ہو

اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے کوئی ذرہ اور اس سے چھوٹی بڑی چیز اور مخلوق کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہ کی صفت علم کو بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ آپ جس حال میں بھی ہوں اور اسی حال میں سے یہ بھی ہے کہ آپ قرآن کے کسی حصہ کی تلاوت کر رہے ہوں اور آپ کے علاوہ دوسرے اشخاص اور افراد جو بھی کوئی

عمل کرتے ہوں یہ سب حالات اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں کسی کی کوئی حالت اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اور آسمان میں اور زمین میں جو بھی ذرہ کے برابر کوئی چیز ہے اللہ تعالیٰ شانہ کو اس کا علم ہے اور اس کے علم سے غائب نہیں ہے آسمان و زمین کے علاوہ بھی مخلوق ہے اور وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ آسمان و زمین کو چونکہ کبھی لوگ جانتے ہیں اور نظروں کے سامنے ہیں اس لئے خصوصی طور پر ان کا ذکر فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ارض و سماء سے علوی اور سفلی دونوں جہتیں مراد لی گئی ہیں۔ مزید فرمایا کہ ذرہ سے کوئی چیز چھوٹی ہو یا کوئی چیز اس سے بڑی ہو کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا علم اس کو محیط ہے جو چیزیں وجود میں آئیں یا بعد میں پیدا ہوں گی ان سب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور جو چیزیں پیدا نہ ہوں گی ان کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے بلکہ اس کو معجزات کا بھی علم ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝

خبردار بلاشبہ جو اولیاء اللہ ہیں ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ

ان کے لئے بشارت ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

یہ بڑی کامیابی ہے

اولیاء اللہ نہ خوف زدہ ہوں گے نہ غمگین

تفسیر: یہ تین آیات ہیں ان میں اولیاء اللہ کی فضیلت اور ولایت کی حقیقت بتائی اور یہ بتایا کہ اولیاء اللہ کے لئے دنیا میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اولیاء ولی کی جمع ہے ولی دوست اور قریب کو کہتے ہیں۔ اولیاء کون لوگ ہیں اس کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا یہ لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ ایمان کے بغیر تو اللہ کا کوئی دوست ہو ہی نہیں سکتا خواہ کیسی ہی ریاضت کرے اور عبادت کے نام سے کچھ بھی عمل کرے۔ کافر اور مشرک اللہ کا مقرب اور مقبول بندہ اور اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ اہل ایمان کے درجات مختلف ہیں۔ ایمان کی صفات کے کم و بیش ہونے اور ایمانی تقاضوں پر عمل کرنے میں اور عبادت، تلاوت، ذکر کی کیفیات اور کمیات کے اختلاف سے فرق مراتب ہو جاتا ہے اور کون شخص کس درجہ کا ولی ہے بندے اس کے ظاہری حالات سے اندازہ لگا سکتے ہیں چونکہ ہر ایک کے ظاہر و باطن کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس لئے فرق مراتب کا صحیح علم بھی اسی کو ہے۔ فرائض اور واجبات کا اہتمام اتباع سنت کا دھیان، نوافل کی کثرت۔ ذکر اللہ کی مشغولیت اور صفت احسان اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ تَمَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ کا حصول۔ خشوع، خضوع، اخلاص، مکارم، اخلاق، محاسن الافعال ان سب چیزوں کے ذریعہ حسب مراتب درجہ بدرجہ اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام ولایت ہے۔ صحیح مسلم (ص ۴۷ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا الایمان بضع و سبعون شعبۃ و افضلها قول لا اله الا الله و ادناها اماطة الاذی عن الطريق و الحیاء شعبۃ من الایمان ستر سے کچھ اوپر ایمان کے شعبے ہیں ان میں سب سے افضل الا اله الا الله کہہ لینا ہے (یعنی سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ طیبہ پر ایمان لانا ہے) اور ان میں سب سے کم درجہ کی بات یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹادی جائے اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

اس میں ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے بتائے ہیں جس میں ادنیٰ شعبہ یہ بتایا ہے کہ راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹادی جائے اور خصوصیت کے ساتھ حیا کو ایمان کے شعبوں میں شمار فرمایا ہے ہر وہ عمل جو ایمان کے تقاضوں کے موافق ہو اور اللہ کی رضا کے لئے ہو وہ سب قرب خداوندی اور رضائے الہی کا ذریعہ ہے۔ اولیاء اللہ کی تعریف میں جو الَّذِينَ آمَنُوا فرمایا یہ ایمان کے تمام تقاضوں کو شامل ہے فرائض سے لے کر مستحبات تک جو بھی کرنے کے کام ہیں وہ سب اللہ کا قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں۔ یہ تو ایمان کے تقاضوں کا ذکر ہوا جن پر عمل کرنا ہے ان کے علاوہ دوسرے تقاضے بھی ہیں جن کا تحقق اُن اعمال سے ہے جن کے ارتکاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کو وَكَانُوا يَتَّقُونَ میں بیان فرمادیا۔ حرام سے لیکر مکروہ تنزیہی تک جو اعمال ترک کرنے کے ہیں اُن سے بچنا بھی رضائے الہی کا ذریعہ ہے۔ اور یہ بھی عبادت ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

اتق المحارم تکن عبد الناس کہ تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچ، ایسا کرنے سے تو دوسروں سے بڑھ کر عبادت گزار ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۰) جو شخص مامورات پر عمل کرتا رہے اور منہیات سے بچتا رہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا اتباع کا اہتمام کرتا رہے جسے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ میں بیان فرمایا ہے ایسے شخص کو اپنے عمل کے اعتبار سے قرب الہی حاصل ہوگا اور اسی درجہ کی ولایت حاصل ہوگی۔ جس درجہ کے اعمال ہوں گے اور جس قدر دنیاوی اشغال و افکار سے ذہن فارغ ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے لوگی ہوگی اسی قدر قرب الہی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان الله تعالى قال من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب وما تقرب الي عبدي بشئ أحب الي مما افترضته عليه وما يزال عبدي يتقرب الي بالنوافل حتى احبته فاذا احبته فكنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها۔ (بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں نے اس سے اعلان جنگ کیا اور میرے بندے کا میرے فرائض کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی کا ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعہ بھی تقرب بڑھتا رہتا ہے ان امور کو سامنے رکھ کر سمجھ لیا جائے کہ ولایت فرائض واجبات اور مستحبات اور مندوبات اور اتباع سنت کے اہتمام اور ترک منہیات کا نام ہے یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ ولی وہ ہے جس سے کوئی کرامت صادر ہو یا صوفیہ کے کسی سلسلہ میں

داخل ہو یا کسی خانقاہ کا گدی نشین ہو یا نسب کے اعتبار سے سید ہو وہ ولی ہے خواہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور کیسا ہی دنیا دار ہو اور کیسا ہی تارک فرائض اور مرتکب محرمات ہو۔ یہ جہالت کی بات ہے جو شخص متبع شریعت نہیں وہ اللہ کا دوست نہیں ہے۔ اب تو گدی یاں عموماً جلب زرہی کے لئے رہ گئی ہیں۔

جہاں کہیں تھوڑا بہت ذکر و شغل اور ریاضت ہے وہ بھی منکرات کے ساتھ ہے۔ قلب جاری ہے لیکن اکل حلال کا اہتمام نہیں۔ بینک میں کام کرتے ہیں پھر بھی صوفی ہیں داڑھی کٹی ہوئی ہے پھر بھی بزرگ ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے اور مریدوں سے کہہ دیتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں پڑھتا ہوں یہی بزرگی کے ڈھنگ رہ گئے ہیں اور ایسے لوگوں کو ولی سمجھا جاتا ہے۔ ولایت اتباع شریعت کا نام ہے اور حضرات صوفیاء کرام اسی کے لئے محنت اور ریاضت کراتے تھے کہ شریعت طبعیت ثانیہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنا آسان ہو جائے۔ اب تو گدی نشینوں کے نزدیک ولایت اور بزرگی کا مفہوم ہی پلٹ گیا۔

یہاں تک تو ولایت کی حقیقت بیان کی گئی جس سے یہ معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کون ہیں اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء اللہ کے لئے جس انعام کا وعدہ فرمایا ہے وہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ہے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب

ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گے) اس آیت سے معلوم ہوا کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کی خوشخبری مؤمنین صالحین کے لئے ہے اور دونوں آیتوں کے ملانے سے ولایت کا مصداق بھی معلوم ہو گیا (جس کی تشریح ہم

اوپر کر چکے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں بہت سے ایسے بندے ہوں گے جو نہ بنی ہیں نہ شہید ہیں قیامت کے دن انبیاء اور شہداء بھی ان کے اس مرتبہ کی وجہ سے جو اللہ

کے نزدیک ہے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے قرآن کی وجہ سے محبت کریں گے ان کی آپس کی یہ محبت نہ آپس کی رشتہ داریوں کی وجہ سے ہو

گی اور نہ اموال کے لین دین کی وجہ سے (یہ محبت صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنیاد پر ہوگی) اللہ کی قسم ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ نور پر بیٹھے ہوں گے جس دن لوگ خوف زدہ ہوں گے۔ یہ خوف زدہ نہ ہوں گے اور جس دن لوگ رنجیدہ

ہوں گے اس دن یہ لوگ رنجیدہ نہ ہوں گے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہی آیت إِلَّا أَنْ أُولَئِكَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ تلاوت فرمائی۔ (رواہ ابوداؤد دکنانی مشکوٰۃ ص ۴۲۶) اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اولیاء

اللہ کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ غم زدہ ہوں گے اس سے قیامت کے دن بے خوف اور باطمینان ہونا مراد ہے لہذا یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خوف لاحق ہوا اور بعض

احوال میں غمگین ہوئے اسی طرح بہت سے اولیاء اللہ پر بعض حالات میں خوف اور حزن یعنی غم طاری ہوا کیونکہ یہ دنیاوی احوال ہیں آخرت میں یہ حضرات خوف و حزن سے محفوظ ہوں گے۔ یہ جو فرمایا کہ حضرات انبیاء اور شہداء بھی ان کا مرتبہ

دیکھ کر ان پر رشک کریں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرات انبیاء اور شہداء خوف زدہ اور غمگین ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے مسائل حل کرنے اور ان کے بارے میں گواہی دینے اور ان کی سفارشیں کرنے میں مشغول ہوں گے اور حضرات شہداء کرام بھی سفارش میں لگے ہوئے ہوں گے اور دوسرے اولیاء اللہ بے فکر بے غم ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ رشک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات اُن لوگوں کی تعریف کریں گے جنہوں نے اللہ کے لئے آپس میں محبت کی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہر مومن کو کچھ نہ کچھ ولایت کا درجہ حاصل ہے اس درجہ کی وجہ سے جنت کا داخلہ مل جائے گا اور جنہوں نے گناہوں کے ذریعہ اس ولایت کو کمزور کر دیا ان میں سے جو شخص سزا پانے کے لئے دوزخ میں جائے گا وہ بھی سزا پا کر اسی حصہ ولایت کی وجہ سے جو اسے حاصل تھا جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اگر اپنی ولایت کی لالچ رکھتا اور گناہوں سے بچتا جس سے اُوچے درجہ کی ولایت حاصل ہوتی تو دوزخ میں نہ بھیجا جاتا۔

اولیاء اللہ کے لئے مزید انعام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ کہ اولیاء کے لئے دنیا والی زندگی میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اس بشارت سے کیا مراد ہے اس بارے میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اس بشارت سے کیا مراد ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی بات کا سوال کیا ہے جو اس سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی دریافت نہیں کی پھر فرمایا کہ اس سے اچھی خوابیں مراد ہیں جنہیں آدمی خود دیکھ لے یا اس کے لئے دیکھ لے جائے (مسند احمد ص ۳۱۵ ج ۵) مطلب یہ ہے کہ مومن بندے ایسے خواب دیکھ لیتے ہیں جن میں ان کے لئے خیر و خوبی کی اور حسن خاتمہ کی اور اعمال کے مقبول عند اللہ ہونے کی نیز جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ کو ایسی خوابیں دکھائی جاتی ہیں جن میں کسی مومن بندے کے لئے بشارت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بشارت کا ایک مصداق بیان فرمادیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ارشاد فرمائیے ایک شخص کوئی خیر کا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اسکی تعریف کرتے ہیں (اسکی وجہ سے اس کا ثواب ختم تو نہیں ہو جاتا جبکہ اس نے وہ عمل اللہ کے لئے کیا ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ تو مومن کے لئے ایک بشارت ہے جو اس دنیا میں اُسے مل گئی۔ (رواہ مسلم ص ۳۳۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ کسی صالح بندہ سے لوگوں کا محبت کرنا ان کی تعریف کرنا اور اُن کو اچھا سمجھنا اس میں اس بات کی بشارت ہے کہ وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کا کسی کو اچھا کہنا یہ اس کے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دنیا کی بشارت یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے بشارت لے کر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خوشخبری سناتے ہیں اور آخرت میں بشارت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ہی روح پرواز کرتی ہے تو اسے عالم بالا کی طرف لے جایا جاتا ہے اور اللہ کی رضامندی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جو ایک طویل حدیث موت اور مابعد الموت کے احوال کے بارے میں مروی ہے اس میں موت کے وقت اللہ کی رضامندی کی بشارت کا ذکر ہے۔ نیز قرآن میں بشارت دیئے جانے کا ذکر بھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲)

حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ اس سے وہ بشارت مراد ہے جس کا اللہ نے مومنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں جنت کا داخلہ نصیب ہوگا اور اُن کے اعمال کا بہت اچھا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ (۳۷) میں فرمایا: وَيُكْتَبُ لَآلِئِنِ اٰمَنُوا

وَعِبِلُوا الصَّلَاتِ أَنْ لَهُمْ حَافِظٌ مِّنْ تَحْتِهَا الْأَكْثَرُ اور سورۃ بقرہ (ع ۱۹) میں وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ اور سورۃ بقرہ (ع ۲۸) میں وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ فرمایا ہے۔ یہ بشارتیں اس دنیا میں دے دی گئیں لَئِنْ تَدِينُوا لِحُكْمِ اللَّهِ الْبَاقِیَاتِ یعنی اللہ کے وعدوں میں کوئی تبدیلی نہیں جو وعدے فرمائے ہیں وہ سب پورے ہوں گے جو بشارتیں دی ہیں وہ سچی ہیں اُن کے مطابق انعام دیا جائے گا۔ ذَلِكُمُ الْقَوْمُ الْعَظِيمُ۔ (یہ بشارت بڑی کامیابی ہے)

وَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ الْإِنِّ لِلَّهِ مَنْ فِي

اور آپ کا ان کی بات رنجیدہ نہ کرنے بلاشبہ ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے وہ سنے والا ہے اور جاننے والا ہے خبردار اس میں شک نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہیں جو

السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِنْ

آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے شرکاء کو پکار رہے ہیں وہ کس چیز کا

يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا

اتباع کر رہے ہیں۔ یہ لوگ صرف گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور صرف اٹکل بچہ گمان کرتے ہیں۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پیدا فرمایا تاکہ

فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ۝ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا

تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دیکھنے کا ذریعہ بنایا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے

سُبْحَنَهُ هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا

وہ اس سے پاک ہے وہ غنی ہے اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل

أَنقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ قُلْ إِنْ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

نہیں ہے کیا تم اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔ آپ فرمادیجئے بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں

لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنْفِخُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ

وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اٹھاتا ہے پھر ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہے پھر ہم ان کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب

بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

بجھائیں گے۔

مشرکین صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں انہوں نے
اللہ کے لئے اولاد تجویز کر کے اللہ پر بہتان باندھا ہے

تفسیر: ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے اور فرمایا ہے کہ آپ ان کی باتیں سن کر غمگین اور دلگیر نہ

ہوں ساری عزت اور ہر طرح کا غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ غالب ہے آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ لَا غَلِبَ لَنَا وَرُدُّنَا إِلَىٰ رَبِّنَا (مجادلہ ع ۳) میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔ وہ انکے اقوال اور اعمال کی سزا دے گا۔ پھر فرمایا: الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ يَدْعُونَ إِلَى الْفُتُونِ (خبردار بلاشبہ جو آسمانوں کے رہنے والے ہیں اور جو زمین میں رہتے ہیں وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں) اس کے قبضہ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ وَمَا يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فُتُونٌ (اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کرتے ہیں وہ کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں) إِنْ يَكُونُوا إِلَّا الظُّلُمُ وَلَا يَخْلُقُ إِلَّا مَن يَشَاءُ یہ لوگ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور محض اٹکل بچہ باتیں کرتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے گمان ہی گمان ہے۔ حالانکہ معبود بنانا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنیاد گمان اور اٹکل پر رکھ لی جائے۔ اس کے لئے واضح دلیل کی ضرورت ہے۔ اور دلیل وہی ہے جو خالق پر مالک جل مجدہ کی طرف سے ملے۔ اول تو اس نے عقل سلیم عطا فرمائی غور و فکر کی صلاحیت دی۔ یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے اگر کوئی شخص اس سے کام لے تو وہ سمجھ سکتا ہے اور یقین کے ساتھ جان سکتا ہے کہ پیدا کرنے والے کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔ پھر اس نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا انہوں نے صرف خالق جل مجدہ کی عبادت کرنے کو راہ مستقیم بنایا اور اسی کی دعوت دی اور بتایا کہ یہ خالق کائنات ہے صرف وہی معبود وحدہ لا شریک ہے۔ مشرکین نہ دلیل عقلی سے کام لیتے ہیں نہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بتانے سے شرک چھوڑتے ہیں۔ صرف گمان کا اتباع کرتے ہیں اور اٹکل کے پیچھے چلتے ہیں۔

پھر فرمایا: هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لَتَسْكُنُوا فِيهَا (اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں آرام کرو) وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (اور دن کو ایسی چیز بنایا جس میں دیکھ بھال کرتے ہو) اس میں چیزیں صاف واضح نظر آتی ہیں۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔ بلاشبہ اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سننے ہیں۔ (یعنی حق کو قبول کرنے کی نیت سے سننے ہیں اور سنی کو اُن سنی نہیں کر دیتے) رات اور دن دونوں ایسی چیزیں ہیں جو نظروں کے سامنے ہیں۔ پوری دنیا ان دونوں وقتوں سے خالی نہیں ہوتی کہیں رات ہوتی ہے کہیں دن ہوتا ہے اور دنیا کے بسنے والوں میں کوئی ایسا نہیں جو رات میں یا دن میں نہ ہو ہر علاقہ میں یہ دونوں یکے بعد دیگرے گزرتے ہیں۔ ان دونوں کا الٹ پھیر کرنے والا اور آگے پیچھے لانے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے آرام کرنے کے لئے بنایا اور دن کو بھی بہت بڑا فائدہ ہے اس میں لوگ چلتے پھرتے ہیں دیکھتے بھالتے ہیں۔ کسب معاش کرتے ہیں یہ سب اوقات اور سب حالات اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں پھر بھی مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وحدہ لا شریک ہونے کی نشانیاں سامنے ہیں وہ ان کے سامنے لائی جاتی ہیں تو انہیں سنا نہیں چاہتے اور سن لیتے ہیں تو ان کے تقاضوں کے مطابق نہیں چلتے حق کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: قَالُوا لَنُحْيِيَنَّ اللَّهُ لَكَ وَأَنبُتْ لَهُ (ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے) وہ اس سے پاک ہے۔ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَلِيُّ (وہ بے نیاز ہے) لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) اول تو وہ بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں کسی معاون و مددگار کی ضرورت نہیں پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جو بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی مخلوق ہے اور اس کی مملوک ہے خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی سببی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ رشتہ

کے لئے ہم ضحیٰ ہونا ضروری ہے۔ لہذا اللہ جل شانہ کے لئے اولاد ہونا ہی محال ہے۔ اس کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کے لئے عیب کی بات تجویز کرنا ہے۔ اور اسکی ذات کو محتاج بنانا ہے حالانکہ وہ ان سب باتوں سے پاک ہے اور بلند و بالا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ صاحب اولاد ہو گیا حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو بنایا اور نہ میں بنایا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۴۴۷ ج ۲) پھر فرمایا: **لَنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ مُّطْعَمٌ** (تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے) بے سند باتیں ہیں خود تراشیدہ خیالات ہیں **اَقُولُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** (کیا تم اللہ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جن کا تم علم نہیں رکھتے) پھر فرمایا: **قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَقْتُلُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْکَذِبَ لَا یُعْطِیْهِمْ** (آپ فرمادیتے کہ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے) **مَتَاعًا فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نَذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ** (دنیا میں تھوڑا سا نفع ہے پھر ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب چکھا دیں گے) اس میں اس شبہ کا جواب ہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ مشرک اور کاذب اور مفتری آرام و راحت میں ہیں۔ ان کے پاس مال بھی ہے حکومتیں بھی ہیں اس طرح تو وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ تھوڑی سی دنیاوی زندگی ہے اس میں تھوڑا سا عیش کر لیں گے۔ پھر ہمارے پاس آئیں گے وہاں کفر کا سخت عذاب چکھیں گے۔ اس عذاب کے سامنے یہ ذرا سا چند روزہ دنیا کا عیش کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا جو دوزخ میں جائے (اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے) وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔

وَ اٰتٰی عَلَیْهِمْ نَبَا نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یَقُوْمِرٰنْ کَانَ کِبْرٌ عَلَیْکُمْ مَّقَامِیْ وَ تَذٰکِیْرٰی

اور آپ ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنائیے جبکہ نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اگر میرا اقیام کرنا

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلٰی اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ فَاَجْبِعُوْا اَمْرَکُمْ وَ شُرَکَآءُکُمْ ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ

اور اللہ کی آیات کی یاد دہانی کرتا ہوں پر بھاری ہے تو میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا سو تم سب لکڑی کے شرکاء کے ساتھ اپنی تدبیر کر لو پھر وہ تمہاری تدبیر ڈھکی چھپی نہ رہے

عَمَّۃٌ ثُمَّ اَقْضُوْا اِلَیَّ وَلَا تُنْظَرُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجَرٰی

پھر تم میرے بارے میں جو چاہو فیصلہ کر لو اور مجھے مہلت نہ دو۔ سو اگر تم روگردانی کرو تو میں نے تم سے کسی معاوضہ کا سوال تو کیا نہیں ہے۔ میرا اجر تو

اِلَّا عَلٰی اللّٰهِ وَاْمَرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۱۱ فَکَذَّبُوْهُ فَتَجٰیبُوْهُ وَ مِّنْ مَّعَاہُ

صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں۔ سو انہوں نے اُن کو جھٹلایا پھر ہم نے اُن کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے

فِی الْفُلْکِ وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلِیْفَہٗ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۝۱۲ فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ

نجات دہندہ اور ہم نے انہیں پہلے لوگوں کے بعد زمین کا آباد کرنے والا بنادیا اور ہم نے اُن لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا سو اسے مخاطب دیکھ لے

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝۱۳

جن کو ڈرایا گیا تھا اُن کا کیسا انجام ہوا

حضرت نوح علیہ السلام کا جرأت کے ساتھ اپنی قوم سے خطاب فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا غرق ہو جانا!

تفسیر: ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے۔ تفصیل کے ساتھ آئندہ سورہ ہود اور سورہ نوح میں مذکور ہے۔ نیز سورہ اعراف (رکوع ۸) میں بھی گزر چکا ہے۔ سورہ اعراف کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیں اور سورہ ہود (رکوع ۳) اور (رکوع ۴) کی تفسیر کا مطالعہ کر لیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال قیام فرمایا ان کو طرح طرح سے سمجھایا تو حید کی دعوت دی شرک کی شاعت اور قباحات بیان فرمائی لیکن وہ لوگ برابر مخالفت کرتے رہے اور دشمنی پر اتر آئے اور یہاں تک کہہ دیا **لَیْن لَّمْ تَنْتَهِیْنَاهُمْ لِنُؤْمِرَنَّ لَكَ نَحْنُ مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ** (کہ اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو تم سنگسار کئے جانے والے آدمیوں میں سے ہو جاؤ گے) حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم اور تمہارے شرکاء (جن کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو) سب مل کر میرے خلاف منصوبہ بنا لو اور ایسا منصوبہ ہو جو ڈھکا چھپا نہ ہو پھر تم اپنے اس منصوبہ کے موافق میری ایذا رسانی کے لئے جو چاہو فیصلہ کر لو۔ مجھے تم سے کوئی ڈر نہیں۔ میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا اور مجھے تم سے کوئی لالچ بھی نہیں۔ اگر مجھے تم سے کچھ لالچ ہوتا تو مجھے یہ خیال ہوتا کہ تم ناراض ہو جاؤ گے تو جس نفع کی امید ہے وہ حاصل نہ ہو گا تم اگر رُگردانی کرو اور اپنے اعراض پر باقی رہو تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میرا اجر تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے رہوں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ برابر جھلاتے رہے اور انہوں نے صاف کہہ دیا **فَاٰتَيْنَاهُمَا اَعْدًا لِّاَنَّ كُنْتُمْ مِنَ الظَّالِمِیْنَ** (کہ جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے ہو تو اسے لے آؤ) حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی اور اپنے گھر والوں کو اور اہل ایمان کو اپنے ساتھ کشتی میں بٹھالیا زبردست پانی کا طوفان آیا جس میں سارے کافر غرق ہو گئے (ان میں حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور ایک بیٹا بھی تھا) اور تمام اہل ایمان نے نجات پائی۔ کافروں کی ہلاکت کے بعد یہ نجات پانے والے اہل ایمان دنیا کے آباد کرنے والے بنے۔ **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَدَبِّرِیْنَ** اب دیکھنے والے دیکھ لیں اور غور کر لیں کہ جن لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا وہ اپنے کفر پر جتے رہے اور ہلاک ہوئے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِہٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِہِمۡ فَجَاءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِلْیُؤْمِنِیْنَ اٰیٰمًا

پھر ہم نے نوح کے بعد کتنے ہی پیغمبر بھیجے جو اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ سو وہ ان کے پاس مکمل ہوئی دلیلیں لے کر آئے سو وہ ایسے نہ تھے

کَذٰٓبُوْا بِہٖ مِنْ قَبْلِ کٰذٰلِکَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِہِمۡ

کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لے آئیں۔ ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر پھر لگا دیتے ہیں۔ پھر ان کے بعد

مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۳۵۸﴾

ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۳۵۹﴾ قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ

سو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آگیا تو کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ جب تمہارے پاس حق آگیا

لَمَّا جَاءَكُمْ السَّحَرُ هَذَا أَوْ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ﴿۳۶۰﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَكَ وَأَجِدْنَا

تو کیا تم کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادو کرنا لے کا میاں نہیں ہوتے۔ وہ کہنے لگے کہ تمہارے پاس اس لئے آیا ہے کہ جس چیز پر

عَلَيْهِ أَبَاءُنَا وَتَكُونُ لَكُمْ الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمْ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۶۱﴾ وَقَالَ

ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے تو ہمیں اس سے ہٹا دے۔ اور زمین میں تم دونوں کو سرداری مل جائے اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور

فِرْعَوْنُ أَتُوتُنِي بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ﴿۳۶۲﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمُ مُوسَىٰ أَلْقُوا

فرعون نے کہا کہ میرے پاس ہر جادوگر کو لے آؤ جو خوب جاننے والا ہو۔ سو جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا ڈال دو

مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿۳۶۳﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ إِلَّا السَّحَرُ إِنَّ اللَّهَ

تم جو کچھ ڈالنے والے ہو۔ سو جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا کہ تم جو کچھ لائے ہو یہ جادو ہے بلاشبہ عنقریب اللہ

سَيَبْطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۳۶۴﴾ وَيُحَقِّقُ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ وَلَوْ كَرِهَ

اُسے باطل کر دے گا۔ بیشک اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں بنے دیتا اور اللہ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ

الْمُجْرِمُونَ ﴿۳۶۵﴾

مجرمین نہ مانتیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف مبعوث ہونا

اور ان کے مقابلہ میں جادوگروں کا شکست کھانا

تفسیر: ان آیات میں اول تو اجمالی طور پر ان پیغمبروں کی آمد اور تبلیغ اور قوموں کی تکذیب کا حال بیان فرمایا جو

حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان تھے۔ جب لوگوں کے پاس حق آیا تو پہلے سے جس کفر پر جیسے

ہوئے تھے اسی پر جیسے رہے اور حق کو قبول نہ کیا ان لوگوں کے عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ لہذا حق کو

قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بعثت کا تذکرہ فرمایا کہ ان دونوں کو ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے

سرداروں کی طرف بھیجا جو ہماری آیات و معجزات لے کر پہنچے جب فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس ان دونوں حضرات نے حق پیش کیا اور توحید کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت چھوڑنے کا حکم فرمایا تو ان لوگوں نے تکبر کیا اور حق قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا جیسا کہ سورہ مومنون نے ان کا قول نقل فرمایا ہے۔ اَنْفُسُنَا لِبَشَرٍ مِّثْلِنَا وَقَوْمُهُمْ لَتَأْخُذُنَا (کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ اُن کی قوم ہمارے زیرِ حکم ہے) یہ لوگ پہلے سے مجرم تھے کافر تھے اور کفر ہی پر جھرے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حجت بازی کی اُن سے کہا کہ اپنے رسول ہونے کی نشانی پیش کرو انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو بہت زیادہ سفید تھا اور اپنی لاشی زمین پر ڈال دی تو وہ اڑ دھا بن گئی اس پر وہ لوگ تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم حق کو جادو کہتے ہو۔ ہوش کی دوا کرو۔ کیا یہ جادو ہے؟ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جادو گر کامیاب نہیں ہوتے۔ وہ تو دنیا میں بھی ذلیل رہتے ہیں اور آخرت میں بھی اُن کے لئے تباہی ہے اور خاص کر جو شخص جادو کے ذریعہ نبوت کا دعویٰ کرے وہ تو اپنے دعویٰ میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس میں یہ بات بیان فرمائی کہ دیکھو میں تو کامیاب ہوں اور کامیاب رہوں گا اور جو شخص میرے مقابلہ میں آئے گا وہ ناکام ہوگا۔

فرعون اور اس کے درباری کہنے لگے جی ہاں ہم نے سمجھ لیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے اس سے تم ہمیں ہٹا دو اور جب ہم تم پر ایمان لے آئیں تو پھر زمین میں تمہارا ہی حکم چلے اور تمہیں ہی سرداری مل جائے اور تم ہی صاحب اقتدار ہو جاؤ۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اہل دنیا دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور جس طرح خود دنیا کے طالب ہوتے ہیں اسی طرح دوسروں کے بارے میں ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی طالب دنیا ہے۔ اور اسکی ساری محنت کوشش اس لئے ہے کہ اسے ملک مل جائے۔ آخرت کی بڑائی اور بلندی ان کے سامنے ہوتی ہی نہیں۔ فرعون نے اور اس کی جماعت نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے یہی کہا کہ تم دنیا کے طالب ہو سرزمین مصر کی حکومت چاہتے ہو (والعیاذ باللہ)

چونکہ انکی لاشی والا معجزہ دیکھ کر فرعون اور اس کے درباریوں نے یوں کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے اس لئے جادو کا مقابلہ کرانے کے لئے جادو گروں کو طلب کرنے کی سوجھی۔ فرعون نے کہا میری قلم رو میں جتنے بھی ماہر جادو گر ہیں سب کو بلا لو۔ چنانچہ جادو گر بلائے گئے اور مقابلہ کی بات چلی جب وہ لوگ سامنے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ بولے آپ اپنی لاشی ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ڈالو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاشیاں ڈالیں جو اُن کے جادو کی وجہ سے دوڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشی ڈالی تو وہ اڑ دھا بن گئی۔ اور اُن کی ڈالی ہوئی چیزوں کو اس نے چٹ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ دیکھو تم جو کچھ لے کر آئے ہو جادو ہے اور میں جو کچھ لے کر آیا ہوں وہ جادو نہیں ہے۔ فرعون اسے جادو کہہ رہا ہے۔ بلاشبہ ابھی ابھی اللہ تمہارے جادو کو باطل قرار دے گا۔ چنانچہ سب نے دیکھ لیا کہ جادو گر اپنی جادوگری میں ناکام ہوئے پھر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ موسیٰ کے پاس ہے وہ جادو نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِلُّ عَمَّا يَهْتَدِيْهِنَّ (بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں بنے دیتا) اللہ کے نبی کے مقابلہ میں جو شخص آئے گا وہ فساد ہی ہو گا وہ مقابلہ میں ٹک نہیں سکتا وَيُضِلُّ اللّٰهُ الْمُفِضِّیْنَ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا اَمْرَ الْمُکْفِرِیْنَ (اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ مجرمین کو یہ ناگوار ہو)
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ کا وعدہ تھا اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی وہ پورا ہوا۔ فرعون اور فرعونوں کو اور جادو گروں کو شکست
فاش ہوئی۔ فالحمد للہ علی ما قضی۔

فَاٰمَنَ لِّمُوسٰی الْاٰذْرِیَّةُ ۖ مِّنْ قَوْمٍ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ اَنْ

سوموسیٰ پر ان کی قوم میں تھوڑے سے لوگ ایمان لائے وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں

یَقْتُلْهُمْ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّہٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ ۝۳۶۰ وَقَالَ

قتلے میں نہ ڈالے اور بلاشبہ فرعون اُس زمین میں بلندی والا تھا اور اس میں شک نہیں کہ وہ حد سے آگے بڑھ جانے والوں میں سے تھا اور موسیٰ نے کہا

مُوسٰی یَقُوْمُ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلِیْہِ تَوَكَّلُوْا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ۝۳۶۱

کہ اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو

فَقَالُوْا عَلٰی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۳۶۲ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِکَ

انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے رب تو ہمیں ظالم قوم کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے

مِّنَ الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝۳۶۳ وَاَوْحِیْنَا اِلٰی مُّوسٰی وَاٰخِرِہٖ اَنْ تَبُوَ الْقَوْمَ کَمَا یُبْصِرُ یُّوْسٰی

ہمیں کافر قوم سے نجات دے اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو

وَاَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَةً وَّاَقِمْوُا الصَّلٰوۃَ وَاَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۳۶۴

اور اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو اور نماز قائم کرو اور مومنین کو خوشخبری دو

مصر میں بنی اسرائیل کا بے بس ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا انہیں توکل کی

تلقین فرمانا اور گھروں میں نمازیں پڑھنے کا اہتمام کرنے کا حکم دینا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے اپنی قوم کی طرف بھی مبعوث ہوئے تھے جیسا کہ فرعون اور اُن کی طرف بھی انکی بعثت ہوئی تھی۔ فرعون کی قوم میں سے ایک شخص نے ایمان قبول کیا جس کا ذکر سورۃ موسیٰ میں ہے اور فرعون کی بیوی بھی مسلمان ہو گئی تھی جس کا سورۃ تحریم میں ذکر ہے اور بعض لوگوں نے ملاحظہ (فرعون کی لڑکی کی نکاح کرنے والی) اور اس کے خزانچی اور اس کی بیوی کے مومن ہونے کا بھی ذکر کیا ہے بنی اسرائیل میں سے بھی کچھ لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ مسلمان تو ہو گئے لیکن فرعون سے اور اس کی قوم کے سرداروں سے ڈرتے تھے کہ کہیں انہیں فتنے میں نہ ڈال دے۔ یعنی جو دین حق انہوں نے قبول کر لیا ہے اس سے ہٹانہ دے۔ فرعون کو زمین میں اقتدار حاصل

تھا۔ متکبر بھی تھا اور ظالم بھی، جن لوگوں کو سزا دیتا تھا وہ بہت سخت سزا ہوتی تھی۔ ہاتھوں میں کیلیں گاڑ دیتا تھا۔ اسی لئے اسے سورہ والفجر میں ذُو الْاَوْتَادِ فرمایا ہے۔

تکبر اور تجبر میں اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ اپنے بارے میں اَنَّا بِكُمْ الْاَعْلٰی کہتا تھا جو لوگ مومن ہوئے وہ اس سے ڈرتے رہتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قوم سے فرمایا اگر تم واقعی اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم فرمانبردار ہو۔ اُن لوگوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا پھر یوں دعا کی کہ اے اللہ ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ بنا جو ہمیں تکلیف دیں اور تختہ مشق بنائیں اور ہم پر رحم فرما کا فرقہ سے نجات دے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دُعا کرنے والے کو اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔ توکل ہوگا تو دُعا کی قبولیت کی اُمید زیادہ بندھ جاتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توکل دُعا کے منافی نہیں ہے۔ توکل کا معنی یہ ہے کہ اسباب عادیہ پر نظر نہ رہے اور صرف خالق الاسباب پر بھروسہ ہو جائے۔ اور دعا بھی اُسی ذات پاک سے مانگی جاتی ہے جس پر بھروسہ ہے اس لئے دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے لئے مصر ہی میں گھر بنائے رکھو اور گھروں ہی میں نمازیں پڑھتے رہو۔ یہ گھر ہی تمہارے لئے مسجدیں ہیں چونکہ فرعون کے ظلم کی وجہ سے باہر مسجدیں نہیں بنا سکتے تھے اور کھل کر نماز پڑھنے کا موقع نہ تھا اس لئے یہ حکم دیا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھیں۔ اور نماز قائم رکھیں۔ (اس سے نماز کی اہمیت معلوم ہوئی کہ جہاں بھی ہوں مظلومیت کے جن حالات سے بھی گزر رہے ہوں نماز قائم کرنے میں سستی نہ کریں)۔

آخر میں فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (اہل ایمان کو بشارت دے دو) اللہ تعالیٰ ان کی دُعا قبول فرمائے گا انہیں ظالموں سے نجات دے گا اور دشمن کے مقابلہ میں ان کی مدد فرمائے گا۔ اور اُن کی مظلومیت کی جو حالت ہے اس سے نجات دے گا۔ (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے)

وَقَالَ مُوسٰی رَبَّنَا اِنَّكَ اَتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَآئِهٖ زَيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحٰیٰوةِ الدُّنْیَا

اور موسیٰ نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! بے شک آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیاوی زندگی میں زینت اور اموال دیئے ہیں

رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ رَبَّنَا اَظْهِسْ عَلٰی اَمْوَالِہُمْ وَاَشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِہُمْ

اے ہمارے رب! یہاں لئے ہیں کہ وہ آپ کے راستے سے ہٹا کر لیں اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے۔

فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یُرُوْا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝۱۰ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَعْوُکُمْ فَاَسْتَقِیْبَا

سو وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی سو تم دونوں ثابت قدم رہو

وَلَا تَتَّبِعَنَّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۱ وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ

اور اُن لوگوں کے راستہ کا ہرگز اتباع نہ کرو جو نہیں جانتے اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار دیا پھر

فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ

بغوات اور زیادتی کرتے ہوئے فرعون اور اس کا لشکر ان کے پیچھے ہو گیا یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں

إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَءِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ الْتَنَ وَقَدْ عَصَيْتَ

کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں کیا اب ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ اس سے

قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ قَالَ يَوْمَ نُنتِجُكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ

پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے ہے سو آج بجائے دیتے ہیں ہم تیرے بدن کو تاکہ ہووے تو اپنے پیچھلوں کے واسطے

آيَةٌ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَفُلُونَ ۝

نشانی اور ہینک بہت لوگ ہماری قدرتوں پر توجہ نہیں کرتے

فرعون اور آل فرعون کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا فرعون کا غرق ہونا اور عبرت کے لئے اس کی نعش کا باقی رکھا جانا

تفسیر: فرعون اور اس کی قوم مصر میں صاحب اقتدار تھے ان کے پاس اموال تھے زیب و زینت کے ساتھ رہتے تھے اور بنی اسرائیل جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر جا کر آباد ہو گئے تھے وہ وہاں پر دیسی تھے اور چونکہ اہل مصر یعنی قبطیوں کی قوم میں سے نہ تھے اس لئے ان سے محنت کے کام لئے جاتے تھے بلکہ ان سے بیگاریں لیتے تھے۔ بنی اسرائیل مال کے اعتبار سے بھی بہت کمزور تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! آپ نے ان لوگوں کو دنیاوی ساز و سامان دیا ہے جو اس بات کا ذریعہ بن رہا ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے راستہ سے ہٹائیں اور گمراہ کریں۔ آپ انکے مالوں کو ختم فرما دیجئے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے تاکہ یہ دردناک عذاب دیکھنے تک ایمان نہ لائیں اور کفر کی سزا دنیا میں اور آخرت میں چکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے جاتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے۔ دعا کرنے والے کی دعا پر آمین کہنا بھی دُعا میں شریک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔ سو تم ثابت قدم رہو اور استقامت کے ساتھ کارِ مفوضہ انجام دیتے رہو یعنی تبلیغ حق کا کام کرتے رہو اور جو لوگ نادان ہیں انکی راہ کا اتباع نہ کرو (تمہاری مدد کا وعدہ تو ہے لیکن اس کے ظہور میں جو دیر لگے اس دیر سے مت گھبرانا جیسا کہ وہ لوگ گھبر جاتے ہیں جو عادیہ اللہ کو نہیں جانتے اور جن کی اللہ کی حکمتوں پر نظر نہیں ہوتی) صاحب روح المعانی نے فَاسْتَقِيمُوا وَلَا تَلْبِسُوا حَنِّ سَبِيلِ الَّذِينَ لَا يَتَّقُونَ کی یہی تفسیر کی ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن جریجؓ اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے کہ چالیس سال کے بعد اس دعا کا نتیجہ ظاہر ہوا۔ فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہوا اور بنی اسرائیل نے ان کے شر سے نجات پائی۔

جب دعاء کی قبولیت یعنی اس کا اثر ظاہر ہونے کا وقت آیا تو حسب فرمان باری تعالیٰ شانہ، حضرت موسیٰؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چل دیئے اور سمندر پر پہنچ گئے۔ سمندر پر لاشی ماری تو سمندر ٹھہر گیا اور اس کے کٹڑے ہو گئے یعنی اس میں راستے نکل آئے۔ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر اس میں سے گزر گئے۔ فرعون اور اس کی قوم کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ بنی اسرائیل کو مصر چھوڑ کر صحیح سالم جانے دیں۔ یہ لوگ سینکڑوں سال سے بنی اسرائیل پر ظلم و زیادتی کرتے آ رہے تھے ان کے چلے جانے سے متفکر ہوتے تھے کہ اب ہماری خدمت کون کرے گا ان کا تعاقب کرنے کے لئے فرعون اپنا لشکر لے کر آیا۔ یہ لوگ بنی اسرائیل کے پیچھے سمندر کے راستوں میں گھس گئے (جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیئے تھے) اور بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے سمندر کو ملا دیا سارے راستے ختم ہو گئے اور سارا سمندر ایک ہو گیا۔ لہذا فرعون اور اس کے لشکری سب اس میں ڈوب گئے جیسا کہ سورہ طہ اور سورہ شعراء اور سورہ دخان میں بیان فرمایا ہے۔

سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنا انعام یاد دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْنَطُوا لِقَوْمٍ أَلْفَبِتْنَاكُم وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا۔ سو ہم نے تمہیں نجات دے دی اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور حالت یہ تھی کہ تم دیکھ رہے تھے)

جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ بنی اسرائیل جس ذات کے معبود ہونے پر ایمان لائے میں اسی ذات پر ایمان لاتا ہوں اور میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں اس کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کے دین کو قبول کر کے میں بھی غرق ہونے سے بچ جاؤں جیسا کہ یہ لوگ بچ گئے، لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جب موت کے احوال نظر آنے لگیں اس وقت کا ایمان معتبر نہیں لہذا اس وقت اس کا ایمان لانا اس کے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو یہ خطاب کیا گیا الَّذِينَ وَقَعَتْ عَصِيَّتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (کیا اب تو ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے ہے) روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس بات کے کہنے والے حضرت جبرائیل یا حضرت میکائیل علیہ السلام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرعون کو یہ بھی کہا گیا: قَالِ يَوْمَ تَتُوبُ إِلَيْنَا إِنِّي لَكُنْ خَلْقُكَ آيَةً۔ سو آج ہم تیرے بدن کو نجات دے دیتے ہیں۔ یعنی تیری لاش کو پانی میں بہا دینے کی بجائے پانی کے اوپر تیرا دیتے ہیں تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانی بن جائے۔ بعد میں آنے والے تجھ سے عبرت لیں اور دیکھیں کہ اللہ کے باغی کا کیا انجام ہوا۔ اور یہ بھی سمجھ لیں کہ دنیا میں کوئی شخص کیسا ہی سلطنت اور دبدبہ والا ہو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔ کوئی شخص اپنی سلطنت پر گھمنڈ نہ کرے۔

وَلَنْ يَكْفُرَ الْكَافِرُونَ (اور بلاشبہ بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں) جو فکر نہیں کرتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اس آیت سے اتنا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا اور اس کی نعش کو پانی میں بہنے سے اور دریائی جانوروں کے کھانے سے محفوظ فرما دیا۔ اس نعش کو لوگوں نے دیکھا اور اس سے لوگوں کو بھی عبرت ہوئی کہ جو شخص اپنے کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور جسے معبود سمجھا جاتا تھا اس کا یہ انجام ہوا۔ سارا اقتدار تخت و تاج محلات سب دھرے رہ گئے اور سمندر میں ڈوب کر نہ صرف وہ تنہا بلکہ اس کے لشکر بھی ہلاک ہو گئے۔ بنی اسرائیل کو بھی یقین آ گیا کہ ہمارا جو دشمن تھا وہ غرق ہو گیا اور جس کے ڈر سے بھاگے تھے اسکی ڈوبی ہوئی نعش کو نظروں کے سامنے دیکھ لیا اور حضرت موسیٰؑ

اور ہارون علیہما السلام نے جو دعاء کی تھی اس کی قبولیت واضح طور پر نظروں کے سامنے آگئی۔

لفظ **خَلَقْنَاكَ** جو فرمایا (جس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ تیرے پیچھے ہیں تو ان کے لئے عبرت بن جائے) اس کا عموم اس وقت کے موجودہ لوگوں کو بھی شامل ہے اور بعد میں آنے والوں کو بھی۔ لیکن قرآن مجید میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ کتنے عرصہ تک اس کی نعرش کو محفوظ رکھا گیا۔ اُس زمانہ کے لوگوں کو عبرت حاصل ہونے کے بعد اس کی نعرش محفوظ نہ رہی ہو تو اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں اور اگر زمانہ دراز تک باقی رہی ہو تو یہ بھی ممکن ہے۔ اہل مصر کو نعرشوں پر مصالحہ لگا کر باقی رکھنے کا شوق تھا اور اس کا مصالحہ لگا کر باقی رکھتے تھے اس مصالحہ کو مٹی کہا جاتا تھا۔ تقریباً تین سو سال سے مٹی لگائی ہوئی بہت سی نعرشیں مصر میں نکل چکی ہیں اور اُن میں فرعون کی نعرش بھی بتائی جاتی ہے جو قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ یقینی طور پر ایسا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں فرعون کی نعرش بھی ہے جو حضرت موسیٰ کا تعاقب کرتے ہوئے غرق ہوا تھا۔ کیونکہ شرعی سند سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے مگر بعضے ریسرچ کرنے والوں کا بیان ہے کہ مذکورہ عجائب گھر میں جو نعرشیں محفوظ ہیں اُن میں ایک نعرش اس فرعون کی بھی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور آل فرعون کے لئے جو بد دعاء کی کہ یہ لوگ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھیں۔

اس کے بارے میں یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ وہ تو ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اپنے مخاطبین کے لئے گمراہی پر مرنے کی بد دعاء کیسے فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرعون اور آل فرعون پر تبلیغ کی محنت کرنے اور اُن سے ناامید ہو جانے کے بعد کی بات ہے اور یہ بد دعاء ایسی ہی ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے بد دعاء کی تھی۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا ۙ وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ۖ ذَكَرْنَاكَ (اے رب زمین پر ایک بھی کافر باشندہ مت چھوڑ)

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ مَبْوَءَاصِدُكُمْ وَارْتَفَضْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کا اچھا ٹھکانہ دیا اور انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا

حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ

یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن اُن چیزوں میں ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

يَخْتَلِفُونَ ۖ فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يُقْرَأُونَ الْكُتُبَ

سو اگر آپ کو اس میں شک ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتارا تو آپ ان لوگوں سے دریافت کر لیجئے جو آپ سے پہلے کتاب

مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۖ وَلَا

پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے رب کے پاس سے آپ کے پاس حق آ گیا ہے۔ سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں اور ان

تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُونَ مِنَ الْخُسِرَانِ ۖ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ

یہ لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جائیں جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور نہ آپ تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے بے شک جن لوگوں پر

عَلَيْهِمْ كَلِمَتٌ رَّبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ

آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اگرچہ ان کے پاس تمام دلیلیں آجائیں۔ جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو

الْأَلِيمَ ۝

ندیکہ لیں

بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ اور پاکیزہ رزق ملنا

تفسیر: فرعون اور اس کے لشکر تو ڈوب دیئے گئے اور بنی اسرائیل سمندر پار کر کے اپنے علاقہ فلسطین کے لئے روانہ ہو گئے۔ اپنی شرارتوں کی وجہ سے چالیس سال میدان تیرہ میں گھومتے رہے اس کے بعد انہیں اپنے وطن میں ٹھکانہ مل گیا اور یہ لوگ وہاں صاحب اقتدار ہو گئے۔ ٹھکانہ بھی اچھا ملا اور کھانے پینے کے لئے پاکیزہ چیزیں نصیب ہوئیں۔ اللہ کی ان عظیم نعمتوں پر انہیں زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہئے تھا۔ لیکن انہوں نے دین میں اختلاف شروع کر دیا اور جہل کی وجہ سے نہیں بلکہ علم پہنچنے کے بعد آپس میں اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ رَبَّكَ يَعْصِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ۔ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن اُن امور میں فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ صاحب معاملہ التزویل لکھتے ہیں کہ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھے پہلے سے یہ لوگ آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں تھے۔ جب آپ تشریف لے آئے اور قرآن مجید کو سن لیا اور آپ کے بارے میں یہ جان لیا کہ آپ ہی اللہ کے آخری نبی ہیں، ہم جن کے انتظار میں تھے تو اختلاف کر بیٹھے۔ اکثر نے تو تکذیب کی اور معدودے چند ہی مسلمان ہوئے اللہ تعالیٰ شانہ قیامت کے دن فیصلہ فرمادے گا۔ مذبذب آتش دوزخ میں داخل ہوں گے اور اہل ایمان نجات پائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ (الآيتين)۔ اس میں بظاہر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو آپ کے بارے میں اور قرآن مجید کے بارے میں شک کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو وحی میں شک ہونے کا احتمال نہیں تھا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ اور يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ کہہ کر خطاب فرمایا ان میں صورت خطاب تو آپ کو ہے لیکن معنوی طور پر خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اسی طرح آیت بالا میں ظاہری خطاب آپ کو ہے اور مقصود وہ لوگ ہیں جو شک کی دلدل میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شک کرنے والے ان لوگوں سے پوچھ لیں جو پہلے سے کتاب پڑھتے تھے یعنی یہود و نصاریٰ سے معلوم کر لیں کہ تمہاری کتابوں میں بنی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کی خبر ہے یا نہیں۔ اور اس بارے میں جو تمہارے پاس علم ہے اس کے مطابق آپ پر وہ صفات منطبق ہوتی ہیں یا نہیں؟ جو تم پڑھتے آئے ہو۔ اگر وہ ضد اور عناد کو چھوڑ کر حقیقت واقعہ کے مطابق بتائیں گے۔ تو یہی بتائیں گے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور آپ پر جو کتاب نازل ہوئی واقعی اللہ کی کتاب ہے۔ بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ فَإِنْ كُنْتَ میں جو خطاب ہے اس سے عام انسان مراد ہیں اور مطلب یہ ہے

کہ اے انسان اگر تجھے اس وحی میں شک ہے جو بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ تیری طرف بھیجی ہے تو ان لوگوں سے دریافت کر لے جو اس سے پہلے اللہ کی کتاب یعنی توریت انجیل پڑھتے آ رہے ہیں وہ تجھے بتا دیں گے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نے آپ کی بعثت کی بشارتیں دی ہیں۔ اور انکی کتابوں میں آپ کی تشریف آوری کی خبر موجود ہے۔ یہ بات دل کو زیادہ لگتی ہے۔

لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (بلاشبہ تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آ گیا اسو
ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو ولا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُوا مِنَ الْخَاسِرِينَ - اور ہرگز اُن لوگوں
میں سے نہ ہو جا جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور نہ تو تباہ کاروں میں سے ہوگا)

پھر فرمایا: **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَيْهِمْ كَذِبَةٌ** رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ بلاشبہ جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ **وَلَوْ جَاءَهُمْ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَأْتِيَنَّكَ الْيَوْمَ** اگرچہ اُن کے پاس تمام دلیلیں آجائیں جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھیں (اُس وقت ایمان لانا معتبر نہ ہوگا اور اس وقت کا ایمان عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ جیسا کہ فرعون نے ڈوبتے وقت یوں کہا کہ میں اسی معبود پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے لیکن اس کا یہ ایمان اس کے لئے کچھ کام نہ آیا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ أَمِتٌ فَنَفَعَهَا إِيْمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَنَا أَمْنُوا كَشَفْنَا

سو کوئی بہتی ایمان نہ لائی جس کا ایمان لانا اُسے نفع دیتا مگر پونس کی قوم کہ جب وہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی

عَنْهُمْ عَذَابَ الْخُزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١٤﴾

والا عذاب دنیا والی زندگی میں ان سے ہٹا دیا۔ اور انہیں ہم نے ایک وقت تک فائدہ پہنچایا

عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام
کی قوم کا ایمان لانا اور عذاب سے بچ جانا

تفسیر: اس سے پہلے فرعون کے تذکرہ میں فرمایا کہ وہ دُوبنے لگا تو ایمان لے آیا، لیکن اس کا ایمان لانانا مقبول ہوا۔

دوسری آیات میں واضح طور پر بتایا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ سورہ ہود میں فرمایا: **يَقْدُرُ قَوْلُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَاوَرُكَ هُمْ الْكَافِرُ** (وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں دوزخ میں داخل کر دے گا) اور سورہ والنزعات میں فرمایا: **فَاُخِذَ بِهِ اللَّهُ نَكَالَ الْعِصْرِ وَالْأُولَى**۔ (سوال اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا) اور سورہ قصص میں

فرمایا: فَآخِذْنَاهُ وَجُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝ وَجَعَلْنَاهُمْ لِبَنَاتٍ حِجَابًا وَبَدْعُونَ إِلَى التَّارِكِ ۝ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يُنْصَرُونَ ۝ وَآتَبَعْنَاهُمْ فِي هَٰذَا الدُّنْيَا لَعْنَةً ۝ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ۝ (ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔ سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے اُن لوگوں کو ایسا پیشوا بنایا تھا جو دوزخ کی

طرف بلاتے رہے۔ اور قیامت کے روز کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور دنیا میں بھی ہم نے اُن کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ بد حال لوگوں میں سے ہوں گے)

اور سورہ الذاریات میں فرمایا: فَآخِذْ نَفْسَكَ بِحُكْمٍ وَتَبَرَّكَ فِي الْبُيُوتِ وَهُوَ مُؤْمِلٌ (سوہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا) اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب عذاب نظر آ جائے اس وقت ایمان قبول نہیں ہوتا۔ سورہ مومن میں فرمایا: فَكُلُّكُمْ يَكْفُرُ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (سوان کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر فرمایا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اُس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے) اس قانون سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا استثناء فرمایا۔ ان لوگوں نے جب عذاب دیکھا تو ایمان قبول کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا اور اس کے بعد ایک زمانہ تک وہ لوگ زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی چیزوں کے ذریعہ فائدہ پہنچایا، ان میں سے ہر شخص اپنی اپنی موت پر مرتا رہا اور عذاب کے ذریعہ اجتماعی طور پر جو ہلاکت کا معاملہ ہو۔ وہ ختم ہو گیا۔ آیت بالا میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام غنیوی بستی کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو موصل کی سرزمین (عراق) میں ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام ان پر محنت کرتے رہے ایمان کی دعوت دیتے رہے۔ انہوں نے ایمان قبول نہ کیا بالآخر حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تین دن کے اندر تم پر عذاب آ جائے گا وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ تو بولا نہیں ہمیں دیکھنا ہے کہ تیسری رات کو یہ یہاں رہتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ رات کو رہ گئے تو ہم سمجھیں گے کہ عذاب کچھ نہیں صرف دھمکی ہے اور اگر انہوں نے ہمارے ساتھ رات نہ گزاری تو ہم سمجھ لیں گے کہ صبح کو عذاب آنے والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اسی رات میں وہاں سے نکل گئے جب صبح ہوئی تو انکی قوم نے اپنی آنکھوں سے عذاب کے آثار دیکھ لئے۔ آسمان پر سخت سیاہ بادل چھا گئے اور دھواں نازل ہونے لگا جو انکی بستی اور ان کے گھروں کی چھتوں پر چھا گیا۔ جب ہلاکت کا یقین ہو گیا تو ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا لیکن کہیں نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو توبہ کی طرف متوجہ فرمادیا۔ وہ اپنی جانوں، عورتوں، بچوں اور جانوروں کو لے کر میدان میں نکل گئے۔ ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی اور ایمان قبول کیا اور خوب زیادہ چیخے چلائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کے ساتھ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ یونس جو کچھ لے کر آئے تھے ہم اس پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی دعا قبول فرمائی اور عذاب روک دیا، ادھر یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ عذاب سے قوم ہلاک نہ ہوئی تو قوم کے سامنے آنے میں حجاب محسوس ہوا۔ لہذا وہاں سے چلے گئے۔ دریا کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی حرکت کرنے لگی۔ ملاحوں نے کہا کہ تم لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ آیا ہے لہذا ہم قمرے ڈال لیتے ہیں جس کا نام نکلے گا اُسے دریا میں ڈال دیں گے۔ تین مرتبہ قمرے ڈالا تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا انہوں نے فرمایا کہ میں وہ غلام ہوں جو اپنے آقا کے فرمان کا انتظار کئے بغیر بھاگ آیا ہوں لہذا انہوں نے اپنی جان کو سمندر میں ڈال دیا (چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کو چھوڑ کر چلے جانے کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ عبد آبق (بھاگنے والا غلام) میں ہی ہوں۔ کشتی کے سارے

سواروں کو بچانے کے لئے مجھے ہی اپنی جان کو سمندر میں ڈال دینا چاہئے۔ لہذا سمندر میں خود سے چھلانگ لگادی اور ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ وہیں اللہ کو یاد کرتے رہے اور تسبیح میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں آپ کی حفاظت فرمائی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں کسی جگہ ذُو النُّونِ اور کسی جگہ صَاحِبُ الْخُوتِ فرمایا ہے (دونوں کا ترجمہ ہے مچھلی والا) ان کا مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا واقعہ سورۃ انبیاء (ع ۶۱) اور سورہ صافات (ع ۵) اور سورہ ن والقلم (ع ۲۴) میں مذکور ہے۔ سورہ صافات میں کشتی میں سوار ہونے اور قرعہ ڈالنے پھر سمندر سے باہر ڈال دیئے جانے اور اُن کے اوپر کدو کا درخت اُگادینے کا تذکرہ ہے اور وہاں یوں فرمایا ہے کَانُوا فِی الْکُفْرِ عَمٰلًا حٰنِیْن۔ جیسا کہ یہاں ایمان لانے پر عذاب ٹل جانے اور بعد میں آئندہ کچھ زمانہ تک دنیا سے نفع حاصل کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے تفصیل کے لئے سورہ انبیاء اور سورہ الصافات کی تفسیر دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ نے عذاب کے آثار دیکھنے پر بھی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں عذاب سے ہلاک نہ فرمایا۔ اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے اُسے پورا اختیار ہے کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے ٹکوینی اور شر بھی قانون نافذ فرمائے اور جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے نجات دے۔

قال صاحب الروح (ص ۱۹۳ ج ۱۱) و ظاهر الآیۃ يستدعی أن القوم شاهدوا العذاب لمكان (كشفنا) وهو الذى يقتضيه أكثر الاخبار وإليه ذهب كثير من المفسرين ونفع الايمان لهم بعد المشاهدة من خصوصياتهم فان ايمان الكفار بعد مشاهدة ما وعدوا به ايمان باس غير نافع لا رتفاع التكليف حينئذ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں آیت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انہوں نے عذاب دیکھا تھا لفظ ”کشفنا“ کی وجہ سے اور اکثر احادیث بھی اسی کا تقاضا کرتی ہیں اور اکثر مفسرین کی رائے بھی یہی ہے اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان کا نافع ہونا اسی قوم کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ عذاب موعود کے مشاہدہ کے بعد کافروں کا ایمان لانا ایمان بااس ہے جو کف نفع مند نہیں ہے کہ اس وقت شرعی تکلیف ختم ہو جاتی ہے)

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعًا ۖ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے بھی لوگ ہیں سارے کے سارے ایمان لے آتے، کیا آپ لوگوں پر زبردتی کریں گے تاکہ وہ

يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۚ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ

مومن ہو جائیں اور کسی شخص سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے اور اللہ ان لوگوں پر گندگی

عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۚ قُلْ أَنْظَرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا

واقع فرماتا ہے جو سمجھ نہیں رکھتے آپ فرما دیجئے دیکھ لو آسمانوں میں اور زمین میں

۱۔ اس میں یہ بتایا کہ جو لوگ عقل کو کام میں نہیں لاتے کفر پر جے رہنے ہی کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت ان کے ایمان سے متعلق نہیں ہوتی کما قال تعالیٰ فَلَمَّا رَأَوْهُمُ آخِزًا غَاثًا عَالًا فَلَظُنُّهُمْ۔

تُغْنِي الْآيَاتُ وَالتَّذِيرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ

کیا چیزیں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں دلائل اور ڈرانے والی چیزیں نفع نہیں دیتیں سو کیا وہ یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس انہیں

أَيَّامٍ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿١١﴾

لوگوں کے واقعات آجائیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کرو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ حَقَّقْنَا لِنُفِخِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢﴾

پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور اسی طرح ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیں گے

اگر اللہ چاہتا تو سب ایمان قبول کر لیتے!

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مومن بھی رہیں گے۔ کافر بھی رہیں گے۔ اللہ کی حکمت کا یہی تقاضا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو زمین کے بسے والے سب لوگ ایمان لے آتے۔ جب اللہ کی حکمت اسی میں ہے کہ زمین پر کافر بھی بسیں اور مومن بھی رہیں تو آپ کو اس پر اصرار نہ ہونا چاہئے کہ سب لوگ مومن ہو جائیں۔ کیا آپ زبردستی کر کے لوگوں کو مومن بنائیں گے؟ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ زبردستی کر کے لوگوں کو مومن بنالیں۔ جو شخص مومن ہوتا ہے اللہ کے اذن یعنی اسکی مشیت سے مومن ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات بھی ہے کہ جو لوگ عقل کو کام میں نہیں لاتے ایمان کی خوبی اور برتری انہیں ناپسند ہے اللہ تعالیٰ ان پر کفر کی گندگی واقع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم غور کرو اور دیکھ لو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں؟ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی توحید پر کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔ دلیلیں بھی ہیں اور ڈرانے والی وعیدیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ پہنچی ہیں لیکن جو لوگ ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے ان کو یہ چیزیں فائدہ نہیں دیتیں۔ اب جبکہ دلائل سامنے آ کر بھی ایمان نہیں لاتے تو انہیں کس چیز کا انتظار ہے؟ کیا وہ اس انتظار میں ہیں کہ ایسے واقعات ان کے سامنے آجائیں جو ان سے پہلی امتوں کے واقعات گزر چکے ہیں۔ انہوں نے تکذیب کی اور کفر کو اختیار کیا۔ پھر عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کر کے فرمایا قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ (آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کرتے رہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں) تکذیب کرنے والوں کا جو برہان حال بے گادہ سامنے آ جائے گا۔

آخر میں فرمایا ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ۔ جب ہمارا عذاب آتا ہے تو ہم مکذبین کو ہلاک کر دیتے ہیں پھر اپنے رسولوں کو نجات دے دیتے ہیں اور اہل ایمان کو بھی اسی طرح نجات دیتے ہیں حَقَّقْنَا لِنُفِخِ الْمُؤْمِنِينَ (ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اہل ایمان کو نجات دیتے ہیں) اس میں اہل ایمان کو خوشخبری ہے اور مواقع عذاب سے نجات پانے کی بشارت ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو سو میں ان لوگوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو

مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ

لیکن میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے ہو جاؤں

الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۴

اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اپنی ذات کو اس دین کی طرف اس طرح سے متوجہ رکھوں کہ دھڑے سب طریقوں سے ملحدہ ہوں اور یہ کہ ہرگز مشرکوں میں سے مت ہو جائوں

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝۵

اور تو اللہ کے سوا کسی کو مت پکار جو تجھے نفع نہ دے سکے اور نہ ضرر دے سکے سوا اگر تو نے ایسا کیا تو بلاشبہ تو ظالموں میں سے ہو جائیگا

وَلَنْ يَسْئُرَكَ اللَّهُ يَضُرَّ وَلَا كَاشِفٌ لَهْ الْأُحْوَ وَإِنْ يُرْذِكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچادے تو اللہ کے سوا اُسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے تو اُس کے فضل کو

يُصِيبُ بِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝۶

کوئی بھی ہٹانے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فضل سے نواز دے اور وہ غفور رحیم ہے

اللہ تعالیٰ ہی لائق عبادت ہے وہی خیر اور ضرر کا مالک ہے اس کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا

تفسیر: ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرمادیں کہ تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہے تو یہ تمہاری جہالت اور گمراہی ہے حق میں شک کرتے ہو اور شرک سے چپکے ہوئے ہو تمہارے اس شک کا مجھ پر کوئی اثر کبھی بھی ہونے والا نہیں ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو میں کبھی بھی ان کی عبادت نہیں کر سکتا۔ اگر تم اس بھول میں ہو کہ میں کبھی العیاذ باللہ تمہارا دین قبول کر لوں گا تو یہ تمہاری گمراہی اور خام خیالی ہے میں تو اس ذات پاک کی عبادت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جو تمہیں موت دیتا ہے۔ تم اپنی جان کو عذاب سے بچانے کے لئے فکر کرو اگر تم نے دین تو حید کو قبول نہ کیا اور دین شرک اور کفر پر تمہاری موت آگئی تو تمہارا موت کے بعد کیا بنے گا؟ اس پر غور کرو اور اس بارے میں بھی غور کر لو کہ خالق اور مالک کی عبادت چھوڑ کر مخلوق کو معبود بنانا بے سمجھی اور نا عقل کی بات ہے۔ یَتَوَفَّاكُمْ فرمایا اور یَتَوَفَّانِي نہیں فرمایا کیونکہ جو لوگ مخاطب تھے انہیں احساس دلانا تھا کہ تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا نہیں ہے مرنا بھی ہے۔

ان کو بتانا یہ مقصود تھا کہ تم مرد گے اور موت کے بعد زندہ کئے جاؤ گے اور کفر کی سزا پاؤ گے۔ اس کے بعد فرمایا وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کیا گیا ہے کہ میں اللہ کے ان بندوں میں شامل

رہوں جو اہل ایمان ہیں۔ لہذا میں ایمان کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم کفر کو چھوڑ دو۔ وَأَنْ أَقْبَهُ وَجْهَكَ لِلدِّينَيْنِ حَنِيفًا اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اپنی ذات کو اس دین (یعنی دین توحید) کی طرف اس طرح متوجہ رکھوں کہ دوسرے سب طریقوں سے علیحدہ رہوں۔ لہذا میں تمہاری طرف نہ مائل ہو سکتا ہوں اور نہ تم سے کوئی اونچ نیچ کر کے مصالحت اور مسامحت ہو سکتی ہے۔ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (اور میرے رب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہرگز مشرکین میں سے مت ہو جانا) لہذا میں تو ہمیشہ موحد ہی رہوں گا۔ وَهَذَا كَمَا فِي سُورَةِ الْأَنْعَامِ قُلْ إِنِّي نَهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَعُوذُ بِكُمْ قُلْ ضَلَلْتُ إِذْ أَمَرْتُ أَنْ آتَا مِنَ الْهَيْتِ كَيْدِنَ۔ (آپ فرمادیجئے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو آپ فرمادیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا کیونکہ اس حال میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پر نہ رہوں گا)

اس کے بعد یوں فرمایا: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ (اور اے مخاطب اُسے مت پکار جو تجھے نفع نہ دے سکے اور نہ ضرر) جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس میں انکی بے وقوفی اور حماقت بیان فرمائی، نفع اور ضرر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو شخص غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے اس نے غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے جو ذرا بھی نفع یا ضرر نہیں دے سکتے۔ مزید فرمایا: فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مَنَّ الظَّالِمِينَ۔ (سوا اگر تو نے ایسا کیا یعنی غیر اللہ کی عبادت کی جو نفع اور ضرر کا مالک نہیں تو تو ظالموں میں سے ہو جائے گا) مشرک اپنی جان پر ظلم کرتا ہے جس کی سزا دوزخ کا عذاب ہے اور اپنی عقل و فہم پر بھی ظلم کرتا ہے۔ مشرکین کا اتباع کرتا ہے اور اپنی عقل سے نہیں سوچتا کہ میں کس کو پوجتا ہوں مجھے اس سے کیا فائدہ ہے؟ اور اس کی عبادت نہ کروں تو مجھے کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ خالق اور مالک کو چھوڑ کر اپنے سے بھی کم حیثیت والی مخلوق کی عبادت کرنا جو نہ بولے اور نہ سنے اور جو اپنی تراشی اور بنائی ہوئی ہے۔ یہ اپنی جان اور اپنی عقل و فہم پر ظلم کرنا نہیں ہے تو کیا ہے؟ پھر فرمایا: وَإِنْ يَسْتَسْكِنُ اللَّهُ بِضُرِّكَ لَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ (اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی ضرر پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں)

وَأَنْ يُؤْذِيَكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَدَّ لِفَضْلِهِ (اور اگر وہ تجھے کوئی خیر پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی بھی رد کرنے والا نہیں ہے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بتایا ہے کہ جسے اللہ کی طرف سے جو بھی کوئی خیر پہنچ جائے وہ محض اللہ کا فضل ہے۔ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ يُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچا دے) فضل کا عموم دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں کو شامل ہے۔ پھر فرمایا: وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (اور وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے)۔

مغفرت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اُس سے آخرت کی نجات ہوتی ہے۔ نیز حصول جنت کا ذریعہ ہے۔ جس سے بڑی کوئی نعمت نہیں اور وہ رحیم بھی ہے۔ رحمت کے عموم میں دنیاوی نعمتوں کا اور ہر دکھ تکلیف سے بچانے کا تذکرہ آ گیا۔ اس میں بھی مشرکین پر تعریض ہے کہ ایسے غفور اور رحیم کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہو جن سے کچھ بھی ملنے والا نہیں نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَكْتَسِبُ لِنَفْسِهِ

آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے سو جو شخص ہدایت پائے وہ اپنی ہی جان کے لئے ہدایت پاتا ہے

وَمَنْ ضَلَّ فَاتِّمِضْ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۖ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ

اور جو شخص گمراہی میں رہے تو اس کی گمراہی اسی کے نفس پر پڑنے والی ہے۔ اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا اور آپ اس کا اتباع کیجئے جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے

وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَخُضُّكَ اللَّهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝

اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرمائے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

ہدایت کا نفع اور گمراہی کا نقصان انسان کو ذاتی طور پر خود پہنچتا ہے

تفسیر: یہ سورہ یونس کی آخری دو آیات ہیں اس سے چار آیات پہلے تمام انسانوں کو خطاب تھا۔ اور اب سورت کے ختم پر آنحضرت سرور عالم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں سے فرمادیں کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آپہنچا ہے اسے قبول کرو اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا ہوں کہ تم سے قبول کروا کے چھوڑ دوں جو شخص قبول کرے گا ہدایت کی طرف آئے گا اس کا نفع اس کی جان ہی کو ہوگا اور جو شخص گمراہی پر جمار ہے اور حق کا اتباع نہ کرے اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا۔ ہدایت پر آنا یا گمراہی پر جمار ہنا یہ ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے ہدایت کا نفع ہدایت والے ہی کو پہنچے گا۔ وہ آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہوگا اور جو شخص گمراہ ہوگا اسکی گمراہی اسے دوزخ میں پہنچا دے گی لہذا اپنا نفع نقصان ہر شخص خود ہی سمجھ لے اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے۔ اس کا اتباع کیجئے اتباع وحی میں دعوت و تبلیغ کا کام بھی ہے اس کام کے کرنے پر لوگوں سے تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ آپ ان تکلیفوں پر صبر کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کیجئے وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے جو لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و عدل کے مطابق ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ دنیا میں اور آخرت میں یا صرف آخرت میں مبتلائے عذاب ہوں گے۔

قال صاحب الروح (ص ۴۰۴ ج ۱۱) ولا يخفى ما في هذه الآيات من الموعظة الحسنة وتسلية النبي ﷺ ووعد المؤمنين والوعيد للكافرين والحمد لله تعالى رب العلمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، الذي يونس ذكره قلوب الموحدين، وعلى اله وصحبه اجمعين. (صاحب روح المعاني فرماتے ہیں ان آیات میں جو عمدہ نصیحت ہے اور حضور اکرم ﷺ کے لئے تسلی ہے اور مومنوں کے لئے وعدہ اور کافروں کے لئے وعید ہے وہ واضح ہے)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورہ ہود مکہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ۱۲۳ آیات اور ۸ رکوع ہیں

الرَّحْمَنُ أُنْكَبْتُ إِلَيْهِ ثُمَّ فَضَّلْتُ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَيْرٍ ۝ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ

الز یہ کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئیں پھر واضح طور پر بیان کی گئی ہیں حکمت والے باخبر کی طرف سے ہے یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو

إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ۝ وَأَنْ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ

بیٹک میں تمہیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں اور یہ بات کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو

يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۖ

وہ تمہیں مقرر کردہ اجل تک خوش عیش زندگی دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کا ثواب عطایت

وَأِنْ تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۝ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ

فرمائے گا اور اگر تم اعراض کرو تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں تم کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ يَشْنُونَ صُدُورُهُمْ لَيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۖ

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے خبردار وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپالیں خبردار جب وہ اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیتے ہیں

الْأَحْيَيْنَ يَسْتَخْفُونَ ثِيَابَهُمْ لِيَعْلَمُوا مَا يُسْرُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ

وہ اس وقت سب باتیں جانتا ہے جو پوشیدہ طور پر کرتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں بلاشبہ وہ سینوں کے اندر کی چیزوں کو

الصُّدُورِ ۝

جانتا ہے

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اسکے حضور توبہ کرنے پر

انعام کا وعدہ اور اعراض کرنیوالوں کے لئے وعید

تفسیر: یہاں سے سورہ ہود شروع ہے اس کا پیشتر حصہ (از رکوع ۳ تا رکوع ۸) متعدد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام

اور انکی قوموں کے واقعات پر مشتمل ہے یہ قومیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی اور ایمان قبول نہ کرنے کی

وجہ سے ہلاک ہوئیں ان کے واقعات میں امت حاضرہ کے لئے بڑی عبرت ہے ان واقعات کے شروع کرنے سے پہلے

توحید کی دعوت دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق و ایجاد کا اور منکرین کی ہٹ دھرمی کا تذکرہ فرمایا ہے اور آخرت کے

عذاب سے ڈرایا اور اہل ایمان کو بشارت دی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب ایسی ہے جس کی آیات محکم کی گئی ہیں پھر ان

آیات کو واضح طریقے پر بیان کر دیا گیا ہے اور اس کتاب کی توضیح ایسی ذات پاک کی طرف کی گئی ہے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے اس کتاب میں خوب زیادہ واضح طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور ساتھ ہی نبی ﷺ کا کام بھی بتا دیا جن پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے یعنی یہ کہ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ فَخُذُوا مِنْ دُونِهِ حِسَابًا (بلاشبہ میں تمہیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں) مزید فرمایا وَأَنْتُمْ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ (اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو) یعنی کفر کو چھوڑو اور اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کے حضور میں اعمال صالحہ پیش کرتے رہو اور گناہوں سے بچتے رہو جب کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کرو پھر توبہ واستغفار کا دنیاوی اور اخروی فائدہ بتایا۔ يُمْتَعِكُمْ فِتْنًا عَاصِيًا (اللہ تمہیں خوش عیش اچھی زندگی عطا فرمائے گا) یہ خوش عیش زندگی ایک وقت مقررہ تک ہوگی جب تقدیر کے مطابق اجل آجائے گی اور موت واقع ہوگی اس وقت تک یہ عمدہ زندگی ہی رہے گی اور آخرت میں تو اہل ایمان کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ پھر فرمایا وَيُؤْتِي كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ (اور ہر فضیلت والے کو جو زیادہ عمل صالح کرے اس کے اعمال فاضلہ کا بدلہ عطا فرمادے گا) اس میں آخرت کے اجر و ثواب کا ذکر ہے۔ ثواب تو تھوڑے سے عمل کا بھی ملے گا لیکن زیادہ عمل والے کا خصوصیت کے ساتھ جو ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نے بہت نیک عمل کر لئے اب آگے کیا نیک عمل کروں جو جس قدر زیادہ عمل کرے گا اسی قدر ثواب پائے گا۔ واضح رہے کہ خوش زندگی کے لئے پیسہ زیادہ ہونا ضروری نہیں۔ اصل راحت دل کی راحت اور دل کا اطمینان ہے وہ اہل ایمان کو ہمیشہ نصیب ہوتا ہے اور یہ بہت بڑی زندگی ہے پھر اس زندگی میں اہل ایمان کو جو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں ان کا ثواب آخرت میں ملے گا۔ ان تکلیفوں کے پہنچنے سے بھی آیت کا مضمون پر اشکال نہ کیا جائے کیونکہ اہل ایمان ان میں بھی لذت محسوس کرتے ہیں اور ان کا اجر و ثواب جو آخرت میں موعود ہے اس کا یقین رکھنے کی وجہ سے روحانی تکلیف ہوتی ہی نہیں البتہ کبھی کبھی جسمانی تکلیف ہو جاتی ہے نیز یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ يُمْتَعِكُمْ فرمایا ہے۔

يَمْتَعُكُمْ نہیں فرمایا اور فِي كُلِّ الْأَزْمَانِ وَالْأَحْوَالِ نہیں فرمایا۔ لہذا اگر کبھی کبھی کسی کسی کو تکلیف پہنچ جائے تو یہ آیت کے مفہوم کے معارض نہیں۔ برخلاف اس کے آخرت کے ثواب کا ذکر فرماتے ہوئے يُؤْتِي كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ۔ فرمایا یعنی ہر زیادہ علم کرنے والے کو زیادہ ثواب ملے گا اس میں لفظ ”کُل“ کا اضافہ ہے۔ پھر فرمایا وَأَنْتُمْ تَكُونُونَ خَائِفِينَ (اور تم اس سے اعراض کرو جو میں نے تم کو بتایا نہ تو حید کو مانو نہ بشارت کو قبول کرو۔ نہ ڈرانے کا اثر لو تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ يَوْمَ كَيْدٍ (بڑے دن) سے قیامت کا دن مراد ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے دنیاوی عذاب مراد ہے۔

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) اُسے سب کو لوٹانے پر بھی قدرت ہے اور ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دینے پر بھی قدرت ہے۔

أَلَا إِنَّهُمْ يَخْشَوْنَ صَلَواتِ رَبِّهِمْ كَخَشْيَةِ إِحْسَابٍ (الایہ) اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے معالم التنزیل (ص ۳۷۴ ج ۲) میں عبد اللہ بن شداد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ایک

منافق کے بارے میں نازل ہوئی جس کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب سے گزرتا تھا تو اپنا سینہ پھیر کر اور کمر کو خم دے کر اور سر کو جھکا کر اور چہرہ کو ڈھک کر جاتا تھا تاکہ آنحضرت ﷺ اُسے نہ دیکھ سکیں اور حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ منافقین اپنے سینوں کو پھیر کر بیٹھتے تھے تاکہ اللہ کی کتاب نہ سن پائیں اور اللہ کا ذکر اُن کے کانوں میں نہ آ جائے اور بعض حضرات سے یوں بھی نقل کیا ہے کہ بعض کافر گھر میں داخل ہو کر پردہ ڈال کر اپنی کمر کو موڑ اور کپڑا اوڑھ کر لیٹ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا اللہ کو اب بھی معلوم ہوگا جو کچھ میرے دل میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خبردار وہ لوگ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ اللہ سے چھپ جائیں۔ خوب سمجھ لیں کہ جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

اقوال اور افعال جو ظاہری چیزیں ہیں وہ ان کو اور دلوں کے ارادوں اور وسوسوں کو اور سب کو جانتا ہے آخری الفاظ یعنی إِنَّمَا عَلَيَّ الْيُزُومَاتُ الضُّمُورِ۔ میں بتا دیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں بغض اور کینہ میں مرے جاتے ہیں اسلام کے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں اور تدبیریں سوچتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ہر ایک کے ٹھکانہ کو جانتا ہے وہ ٹھکانہ زیادہ عرصہ رہنے کا ہو یا چند دن رہنے کا ہو

كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ

سب کچھ کتاب مبین میں ہے اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور اس کا

عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّكُمْ مَعْبُودُونَ مِنْ

عرش پانی پر تھا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے اور اگر آپ ان سے کہیں کہ بیشک تم

بَعْدَ الْمَوْتِ لَيَقُولُنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمْ

موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر لوگ ضرور یوں کہیں گے کہ بس یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور اگر ہم تھوڑی سی مدت تک ان سے

الْعَذَابِ إِلَى أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۝ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا

عذاب کو مؤخر کر دیں تو وہ ضرور یوں کہیں گے کہ عذاب کو کون سی چیز روک رہی ہے خبردار جس دن ان کے پاس عذاب آ جائے گا تو

عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِآيِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

وہ ان سے ہٹایا نہ جائے گا اور جس کا وہ مذاق بنایا کرتے تھے وہ ان کو گھیر لے گا۔

زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے
ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے

تفسیر: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بتایا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ان آیات میں رزاقیت اور خالقیت بیان فرمائی ارشاد فرمایا کہ زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں۔ انسان ہوں یا حیوان چھوٹے ہوں موٹے جانور ہوں کیتڑے موڑے ہوں ان سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے یعنی ان کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لگا لیا ہے یہ اس کا فضل و کرم ہے مہربانی ہے کیونکہ اس پر کسی کا کوئی حق اور رزق واجب نہیں ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والی ساری مخلوق کا رزق اپنے ذمہ بتا کر ارشاد فرمایا: وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا۔ کہ جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں ان سب کے جو ٹھکانے ہیں اُسے سب کا علم ہے اور اُسے سب کے رہنے کی جگہوں کا پتہ ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کو بھول گیا وہ اپنے علم کے موافق اپنی ساری مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ پہاڑوں کے اندر رہنے والے کیتڑے اور زمین کے سوراخوں میں آباد ہونے والی چوٹیاں اور دوسری مخلوق اور سمندروں کی تہوں میں رہنے والے جانور سب اس کے علم میں ہیں وہ سب کو روزی پہنچاتا ہے۔

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کی تفسیر: مستقر و مستودع۔ کی تفسیر کئی طرح سے کی گئی ہے۔ ہم نے جو ترجمہ میں ان دونوں کا معنی اختیار کیا ہے وہ شانِ رازقیت کی توضیح سے قریب تر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین پر رہنے والوں کے ٹھکانے

دو طرح کے ہیں کچھ تو وہ ہیں جن میں اُنکا مستقل قیام ہے اور کچھ عارضی ٹھکانے ہیں جہاں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں ٹھکانوں پر رزق پہنچاتا ہے۔ بعض چیزیں ایک برا عظم میں پیدا ہو رہی ہیں اور دوسرے برا عظم کے لوگ کھا رہے ہیں یہ سب کے سامنے ہے اور یہ روزانہ کا مشاہدہ ہے صاحب روح المعانی نے بحوالہ مستدرک حاکم حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ مُسْتَقَرّ سے ماں کا رحم اور مُسْتَوْذَغ سے موت آنے کے مواقع مراد ہیں اور مطلب اس کا یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر رزق پانے والے کی ابتدائی حالت کا علم ہے کہ اُسے کس وقت سے رزق کی حاجت ہوتی ہے اور اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ اُسکی حاجت کب ختم ہوگی یعنی موت کے وقت رزق کی حاجت ختم ہو جائے گی اور موت کب ہوگی کہاں ہوگی اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ رزق پانے والے کی زندگی جس جگہ ختم ہوگی اس جگہ کا اسکو علم ہے وہ اس کے وہاں پہنچنے تک اس کو رزق دیتا رہے گا۔

رزق مقدر پورا کئے بغیر کسی کو موت نہ آئے گی: اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے جتنا رزق مقدر فرما دیا ہے اسکو پورا کئے بغیر وہ دنیا سے نہیں جاسکتا جتنا رزق مقدر ہے وہ مل کر ہی رہے گا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میرے دل میں جبریل امین نے یہ بات ڈال دی ہے کہ اُس وقت تک کسی شخص کو موت نہ آئے گی۔ جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے سو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور رزق طلب کرنے میں خوبی کا خیال رکھو اور رزق ملنے میں دیر ہو جائے تو اللہ کی نافرمانیوں کے ذریعہ طلب نہ کرو کیونکہ اللہ کا فضل اسکی نافرمانی کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ (رواہ الحاکم کما فی الترغیب ص ۵۳۵ ج ۳)

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ رزق بندہ کو اسی طرح طلب کر لیتا ہے جس طرح سے موت طلب کر لیتی ہے۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ والہو ارکمانی الترغیب ص ۵۳۵ ج ۲)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے تو وہ اسے پکڑ لے گا جیسا کہ اُسے موت پکڑ لے گی۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط والصحیح باسناد حسن کما فی الترغیب ص ۵۳۶ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی آپ نے اُسے لے لیا وہاں پر ایک سائل موجود تھا وہ کھجور آپ نے اُسے عطا فرمادی اور فرمایا کہ خبردار اگر تو اس کے پاس نہ آتا تو یہ تیرے پاس آ جاتی۔ (رواہ الطبرانی باسناد جید کما فی الترغیب ص ۵۳۶ ج ۲)

اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے وہ کافروں کو بھی رزق دیتا ہے اور فاسقوں کو بھی ممکن ہے کہ کسی کو یہ اشکال ہو کہ بہت سے لوگوں کو فاقے ہو جاتے ہیں اور بہت سے لوگ فاقہ کشی میں مر جاتے ہیں اُس وقت اُن کا رزق کیوں نہیں پہنچتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا رزق مقرر اور مقدر فرمایا ہے رزق کی جو مقدار مقرر ہے وہ ضرور پہنچے گی زندگی بھر میں ہر ایک کا رزق مقرر پورا پہنچ جائے گا۔ ہر وقت ملے اور ہمیشہ ملے اس کا وعدہ نہیں ہے اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مر جائے تو اس کا رزق مقرر اس سے پہلے ختم ہو چکا ہے اور موت کے وقت تک جس کسی کا رزق باقی ہے وہ اُسے پہنچ جاتا ہے بعض انسان کھاتے کھاتے مر جاتے ہیں اور بعض مرنے والوں کے منہ میں حاضرین پانی وغیرہ دے دیتے ہیں پھر فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ - (اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا) یہ

مضمون سورۃ الاعراف کے ساتویں رکوع میں اور سورۃ یونس کے پہلے رکوع میں گزر چکا ہے۔ پھر فرمایا: وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ (اور اس کا عرش پانی پر تھا) یعنی جب اس نے آسمان وزمین پیدا فرمائے اس کا عرش پانی پر تھا۔ معلوم ہوا کہ پانی اور عرش دونوں آسمان اور زمین کی پیدائش سے پہلے پیدا ہوئے۔

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا: پھر فرمایا لِيُبَيِّنَ لَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ اچھا عمل کرنے والا کون ہے) آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا ان کا وجود ہی خالق کو پہچاننے کے لئے کافی ہے پھر ان میں طرح طرح کی دوسری جو مخلوق ہے جن میں انسان بھی ہیں انکے مختلف حالات اور حاجات پورا کرنے کا سامان یہ سب چیزیں خالق مالک اور مدبر الامر اور حکیم اور قادر مطلق کی ذاتِ عالی اور اسکی صفاتِ جلیلہ پر دلالت کرتی ہیں۔ جب کوئی شخص غور کرے گا تو خالق کی توحید پر ایمان لانے کے لئے اپنی عقل کے فیصلے کے مطابق مجبور ہوگا۔ اور جب خالق جل مجدہ پر ایمان لائے گا تو اسکی عبادت بھی کرے گا اور ایسے اخلاق اور اعمال اختیار کرے گا جو اس کے خالق اور مالک کو پسندیدہ ہوں خالق جل مجدہ کی معرفت اُسے خالق تعالیٰ شانہ کی عبادت پر متوجہ کرے گی پھر معرفت والوں کے بھی درجات مختلف ہیں اور عبادت کرنے والوں کے بھی لہذا عمل کرنے والوں کے اعمال اچھائی اور خوبی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس تقریر سے لِيُبَيِّنَ لَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کا مطلب اور ماقبل سے ربط واضح ہو گیا۔ حاصل مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کو دیکھ کر توحید پر استدلال کرو اور اس نے جو تمہاری حاجات پورا کرنے کا سامان پیدا فرمایا ہے اس سے متشغ ہو کر اس کا شکر ادا کرو اور اعمالِ صالحہ میں لگو اور اچھے سے اچھے عمل کی کوشش کرو۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق تمہاری جانچ اور امتحان کے لئے ہے۔ (قال صاحب روح المعانی ص ۱۰ ج ۱۲)

أَيُّ خَلَقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِمَا مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ الَّتِي مِنْ جُمْلَتِهَا أَنْتُمْ وَرَبُّ فِيهِمَا جَمِيعَ مَا تَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ مِنْ مَبَادِي وَجُودِكُمْ وَأَسْبَابِ مَعَاشِكُمْ وَأَوْدَعَ فِي تَصَاغِفِهِمَا مَا تَسْتَدِلُّونَ بِهِ مِنْ تَعَاجِبِ الصَّنَائِعِ وَالْعَبَرِ عَلَى مَطَالِبِكُمُ الدُّنْيَا لِيُعَامِلَكُمْ مُعَامَلَةً مَنْ يَخْتَبِرُكُمْ (اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا) فَيَجَازِيَكُمْ حَسَبَ اَعْمَالِكُمْ.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین اور ان میں بسنے والی مخلوقات پیدا فرمائی جس میں تم بھی ہو اور آسمان وزمین میں تمہارے وجود کی ضروریات اور تمہارے معاش وغیرہ اور تمہاری تمام ضروریات ترتیب سے رکھ دیں۔ اور ان دونوں میں چیزیں ایسے طریقہ سے رکھیں جن سے تم مختلف قسم کی کاریگریاں اخذ کرتے ہو اور دینی فرائض کی انجام دہی میں عبرت پکڑتے ہو تاکہ وہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو تم اس آدمی سے کرتے ہو جس کا امتحان مقصود ہوتا ہے تاکہ دیکھے کہ تم میں سے کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔ پھر تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزاء دے)

کثرتِ عمل سے زیادہ حسنِ عمل کی کوشش کی جائے: اَحْسَنُ عَمَلًا فرمایا اور اَكْثَرُ عَمَلًا نہیں فرمایا بعض اکابر نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ عمل اچھے سے اچھا ہونا چاہئے اگرچہ مقدار میں کم ہو اور ہر عمل میں اچھائی

دو طرح سے آتی ہے اس میں اخلاص ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو دوم یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق ہو بہت سے لوگ عمل زیادہ کرتے ہیں لیکن اخلاص نہیں ہوتا یا اپنے خیال میں مخلص ہوتے ہیں لیکن عمل اس طریقہ کے مطابق نہیں ہوتا جو شرعاً مطلوب ہو یہ دونوں چیزیں ثواب کو کھودینے والی ہیں، حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب آنحضرت ﷺ نے یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے آپ نے فرمایا اَخْلِصْ دِيْنَكَ بِحَفِيْكَ الْعَمَلُ الْقَلِيْلُ (تو اپنے دین میں اخلاص رکھ تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بُرا چور وہ ہے جو اپنی نماز سے چوری کرتا ہے عرض کیا گیا۔ کہ اپنی نماز سے کیسے چراتا ہے؟ فرمایا اس کا رکوع سجدہ پورا نہیں کرتا (الترغیب والترہیب (ص ۳۳۸ ج ۱) عن الطبرانی وغیرہ) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کی نماز کی طرف توجہ نہیں فرماتا جو رکوع اور سجدے کے درمیان کمر کو سیدھی نہیں کرتا۔ (الترغیب ص ۳۳۸ ج ۱ عن احمد)

معلوم ہوا کہ نماز ٹھیک پڑھنا اچھی طرح پڑھنا یہ نماز کی خوبی ہے۔ لپ چھپ جلدی جلدی رکوع سجدہ کر کے نماز کو خراب نہ کرے قرآن میں بھی اس کا دھیان رکھے اور غیر فرض میں بھی نفلوں کی زیادہ رکعتیں جلدی جلدی رکوع اور سجدہ کر کے ناقص پڑھنے سے یہ بہتر ہے کہ رکعتیں کم ہوں۔ اور نماز سنت کے مطابق ہو۔ نماز کے بارے میں یہ ہدایات فرمائی ہیں کہ پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز نہ پڑھے اور کھانا کھانے کا تقاضا ہو تو پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے اور تہجد گزاروں کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ نیند کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز نہ پڑھیں یہ ہدایات اس لئے ہیں کہ اچھی نماز ہو جس طرح نماز میں عمدگی اختیار کرنا لازم ہے اسی طرح اسلام کے دیگر اعمال میں عمدگی اور خوبی کو اختیار کرے کثرت عمل کو نہ دیکھے حسن عمل کو دیکھے وضو بھی خوبی کے ساتھ کرے یعنی پانی اچھی طرح پہنچائے اور لپ چھپ نہ کرے غور کرنے سے حسن عمل کی بہت سی صورتیں سمجھ میں آ جائیں گی۔

اس تشریح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عمل کم کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اچھا عمل کرے خوبی کے ساتھ انجام دے اچھا عمل اگر زیادہ ہو تو یہ اور اچھی بات ہے اور یہ کثرت حد و شریعت کے اندر ہو۔

اس کے بعد فرمایا وَلٰكِنْ قُلْتُ اِنَّكُمْ فَبَعُوْنَ مَنْ يُّعَذِّبُ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (الآیہ) اگر آپ اُن سے کہیں کہ تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے (اور اس بارے میں قرآنی آیات اُنکے کانوں میں پڑیں گی) تو کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے قرآن کے الفاظ اور معانی سے مخاطبین متاثر ہوتے تھے لیکن اُسے قبول کرنے کی بجائے یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ جادو ہے حق سے منہ موڑنے کے لئے انہوں نے یہ ایک بہانہ نکالا تھا۔

پھر کافروں کی مزید جاسات کا ذکر فرمایا وَلٰكِنْ اَعْرَضْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ اِلٰى اٰمَةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لِّیَقُوْلَنَّ مَا یُسِیْرُ (اور اگر ہم مدت معلومہ تک عذاب کو ملتوی کر دیں تو یہ لوگ یوں کہیں گے کہ اس کو کس نے روک رکھا ہے) اس بات کے کہنے سے اُنکے دو مقصد تھے۔ ایک تو وعید کو جھٹلایا اور مطلب یہ تھا کہ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ عذاب آئے گا اور ہمیں مورد عذاب ٹھراتے ہیں تو وہ آ کیوں نہیں رہا اُسے کس نے روک رکھا ہے۔ دوسرے آخرت کے بارے میں مطلب یہ تھا کہ جیسے دنیا میں عذاب کی وعیدیں سناتے ہیں اور عذاب نہیں آتا ایسے ہی موت کے بعد اٹھایا جانا اور عذاب ہونا یہ بھی ایسی ہی بات

ہے جو واقع ہونے والی نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا۔ **اَلْاَيُّومَ يَلِيْنُهُمْ لَيْسَ مَصْرُوْعًا عَلَيْنَا** (خبردار جس دن اُنکے پاس عذاب آجائے گا تو اسے ہٹایا نہ جائے گا) **وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا يَدْعُوْنَ** (اور وہ چیز انہیں گھیر لے گی جس کا مذاق بناتے تھے) اللہ تعالیٰ نے عذاب مؤخر کر رکھا ہے اس کا وقت معین ہے حکمت کے مطابق وقت معین پر اللہ تعالیٰ بھیج دے گا جب عذاب بھیج دے گا تو ملے گا نہیں اور یہ جو کچھ اس کا مذاق بناتے ہیں اس کا انجام دیکھ لیں گے۔

وَلَيْنِ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِتَارِحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَكِيْۤؤُسٌ كَفُوْرٌ ۝۱ وَلَيْنِ اَذَقْنَاهُ

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت چکھادیں پھر ہم اُسے اس سے چھین لیں تو وہ ناامید نا شکر ہو جاتا ہے اور اگر کسی تکلیف کے بعد جو اُسے پہنچے گی ہم اُسے

نُعْمًاۤءَۢ بَعْدُ صَرَآءَۢ مَسْتَهٗ لَيَقُوْلُنَّ ذَهَبَ السَّيِّاَتُ عَلٰى اِنَّهٗ لَفَرَحٌ فُخُوْرٌ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا

نعمت چکھادیں تو وہ کہتا ہے کہ میری ساری بدحالیاں دفع ہو گئیں بے شک وہ اترانے لگتا ہے شئی بگھارتا ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کو اختیار کیا

وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ ۝۳ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۝۴ وَاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۵

اور نیک کام کرتے رہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے

ناامیدی، ناشکری، اترانا، ششی بگھارنا انسان کا خاص مزاج ہے

تفسیر: ان دو آیتوں میں انسان کا مزاج اور اس کا طرز عمل بیان فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم انسان کو اپنی رحمت اور مہربانی کا مزہ چکھادیں اور پھر اس سے چھین لیں تو وہ ناامید بھی ہو جاتا ہے اور نا شکر بھی، نعمت کے چلے جانے کی وجہ سے داوایلا کرتا ہے صبر کر کے آئندہ بھلائی اور خیر کی جو امید ہونی چاہئے تھی اُسے بالکل ختم کر دیتا ہے اور نہ صرف یہ کہ آئندہ کے لئے ناامید ہو جاتا ہے بلکہ اس سے پہلے جن نعمتوں میں تھا ان کا شکر بھی ادا نہیں کرتا اور جو موجودہ نعمتیں ہیں ان کے شکر سے بھی باز رہتا ہے انسان کے طرز عمل کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جب اُسے دکھ تکلیف کے بعد نعمت مل جائے تو اس نعمت کا مزہ چکھنے کے بعد کہتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا اب تو میں نعمتوں ہی میں رہوں گا اور اپنے وہم میں یہ بات بھی نہیں لاتا کہ یہ نعمتیں چھینی جاسکتی ہیں اور رخصت ہو سکتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ناشکری میں لگ جاتا ہے اور پھولا نہیں ساتا۔ اترانے لگتا ہے ششی بگھارتا ہے دوسروں کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے یہ انسانوں کا عام مزاج ہے۔ البتہ کچھ لوگ مستثنیٰ بھی ہوتے ہیں جنہیں **اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ** میں بیان فرمایا ہے یعنی انسانوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو صبر کرتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں یہ لوگ نعمت جانے پر اور مصیبت کے آنے پر صبر کرتے ہیں اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی ہے وہ نیک اعمال میں لگے رہتے ہیں خوشحالی اور دکھ تکلیف کی حالت میں اعمال صالحہ کو نہیں چھوڑتے نہ اللہ تعالیٰ سے ناامید ہوتے ہیں نہ نعمتوں پر اتراتے ہیں نہ ششی بگھارتے ہیں نہ دوسروں کو حقیر جانتے ہیں صبر و توکل کی شان سے متصف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے خوشحالی کی امید رکھتے ہیں ایسے لوگوں کا انعام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۝۴ وَاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۵** ان کے لئے عظیم مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے جو ابدی نعمتوں کی صورت میں انہیں ملے گا۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضُ مَا يُوْحٰى إِلَيْكَ وَضَآئِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا الْوَلَا نُزِّلَ

سوالیا ہونے والا تو نہیں ہے کہ آپ ان احکام میں سے بعض احکام کو چھوڑ دیں جو آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں اور اس بات سے آپ کا دل تنگ ہو رہا ہے

عَلَيْهِ كُنْزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۖ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿۱۷﴾ اَمْ

کہہ یوں کہہ رہے ہیں کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں کیا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا اختیار رکھنے والا ہے کیا

يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيَتٍ ۖ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

وہ یوں کہتے ہیں کہ اس نے خود سے بنا لیا ہے آپ فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں لے آؤ جو بنائی ہوئی ہوں اور اللہ کے سوا

مَنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۸﴾ ۖ وَاللَّهُ يَسْتَجِيبُ الْكُفْرَ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَنْزَلَ بِعِلْمِهِ

جس کو بھی بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو سوا اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو یقین کر لو کہ یہ اللہ کے علم کے مطابق اتارا گیا ہے اور یہ کہ

اللَّهُ وَأَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۹﴾

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو کیا تم اسلام قبول کرنے والے ہو۔

منکرین کو چیلنج کہ قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر لائیں

تفسیر: شروع سورت میں اللہ تعالیٰ کی توحید بیان فرمائی اور اسکی صفت قدرت صفت رازقیت اور صفت خالقیت کو بیان فرمایا پھر بعث بعد الموت کے منکرین کی تردید فرمائی۔ پھر انسان کا مزاج بتایا کہ وہ نعمتوں کے چلے جانے پر ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور نعمتیں ملنے پر شیشی بگھارتا ہے اور فخر و غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کی یہ صفات آخرت پر ایمان نہیں لانے دیتی ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ توحید کی بھی دعوت دی اور آخرت پر ایمان لانے کا بھی حکم فرمایا لیکن یہ لوگ نہ اللہ کے رسول کو مانتے تھے اور نہ اللہ کی کتاب پر ایمان لاتے تھے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کے لئے انہوں نے یہ بات نکالی تھی کہ یہ کیسے رسول ہیں نہ کوئی خزانہ ان کو دیا گیا اور نہ انکے ساتھ کوئی فرشتہ آیا جو انکی تصدیق کرتا ان باتوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو دکھ ہوتا تھا اور قلبی اذیت پہنچتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ تنگدلی کی وجہ سے بعض اُن چیزوں کو چھوڑ دو نہ بیٹھیں گے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہیں اور وہ کافروں کو ناگوار ہیں اور چونکہ آپ ایسا نہیں کر سکتے لہذا تنگ دل ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔

پھر فرمایا **إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ** (آپ صرف ڈرانے والے ہیں) اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ آپ نے اللہ کی بات پہنچادی آپ کی ذمہ داری اتنی ہی ہے۔ **وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ** (اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا اختیار ہے) یہ لوگ جو معجزات کی فرمائش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ انکی مرضی کے مطابق معجزات ظاہر فرمائے یا ظاہر نہ فرمائے جو معجزات سامنے ہیں وہ کیا کم ہیں جسے ماننا نہیں وہ فرمائشی معجزہ دیکھ کر بھی نہ مانے گا انکے سامنے جو معجزات موجود ہیں ان میں قرآن مجید بہت بڑا معجزہ ہے اس قرآن کے بارے میں کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے خود سے بنا لیا ہے

آپ ان سے فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں اپنی بنائی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو چاہو اپنی مدد کے لئے بلاؤ اور اسکے مقابلہ میں پیش کرو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ محمد (ﷺ) کا بنایا ہوا ہے۔ محمد (ﷺ) تو تم ہی میں سے ایک فرد ہیں جنہوں نے کسی سے کچھ بھی نہیں پڑھا تم فصحاء بلغاء ہو قرآن جیسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور دو چار دس افراد نہیں جس جس کو بھی چاہو اس کام کے لئے بلاؤ اور اپنے ساتھ لگا لویہ بہت بڑا چیلنج ہے جسے آج تک کوئی بھی قبول نہیں کر سکا جسکے سامنے بات آئی ہر ایک اپنا سامنہ لے کر رہ گیا پہلے دس سورتیں بنانے کا چیلنج کیا گیا تھا پھر ایک سورت بنا کر لانے کے لئے فرمایا گیا کسی سے کچھ نہ ہو سکا درحقیقت قرآن بہت بڑا معجزہ ہے اور دائمی معجزہ ہے۔ آخر میں فرمایا: فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ (الآیۃ) جن جن کو قرآن جیسی سورت بنانے کی دعوت دو۔ وہ جتنے بھی ہوں جہاں بھی ہوں اگر وہ تمہاری بات کو قبول نہ کریں اور اس بارے میں تمہاری مدد کے لئے کھڑے نہ ہوں (تو سمجھ لو کہ تمہارا یہ کہنا جھوٹ ہے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) نے بنایا ہے) فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَنْزَلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَآن لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سَومِ جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ حقیقت ثابت اور واضح ہونے کے بعد اسلام میں داخل ہوتے ہو یا نہیں؟

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝

جو شخص دنیا کو اور اسکی زینت کو چاہتا ہے ہم اس کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دے دیں گے۔ اور اس میں ان پر

يُبْخَسُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحِطَّ مَا صَنَعُوا فِيهَا

ظلم نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور دنیا میں انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سب برباد ہو گیا۔

وَبَطُلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ يَكِينَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ

اور جو کچھ کرتے تھے وہ سب باطل ہو گیا جو شخص قرآن پر قائم ہے جو اس کے رب کے پاس سے آیا ہے اور اس کے ساتھ اسی میں سے گواہ بھی ہے اور

قَبْلِهِ كَتَبَ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِّن

اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی کیا منکر آدمی اس کے برابر ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جماعتوں میں سے جو شخص اس کا منکر ہو

الْأَحْزَابِ ۚ فَالْآثَرُ مُوعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ

سورۃ غاس کی جگہ ہے جس میں اس کے بھیجے کا وعدہ ہے۔ سوائے مخاطب تو اس کے بارے میں شک میں نہ پڑے شک وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے اور لیکن بہت سے

النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

لوگ ایمان نہیں لاتے۔

کافروں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے آخرت میں کوئی ثواب نہ ملے گا

تفسیر: ان آیات میں اول تو اُن لوگوں کی مذمت فرمائی جو دنیا کے طالب ہیں دنیا ہی ان کا مقصود ہے اور دنیا کو مقصود بنا لینے کی وجہ سے آخرت کے طلب گار نہیں وہ ایمان لانے کے برادر نہیں دنیا اور دنیا کی زینت ہی اُن کے نزدیک سب سے بڑی چیز ہے ایسے لوگ جو کچھ ایسے اعمال کر لیتے ہیں جو نیکی کے دائرہ میں آ سکتے ہیں مثلاً صلہ رحمی یا فقراء و مساکین پر خرچ کرنا وغیرہ دنیا ہی میں ان کا بدلہ دے دیا جائے گا اور جب یہ اعمال آخرت میں حبط ہو جائیں گے یعنی اُن کے عوض کچھ نہ ملے گا۔ اور دنیا داری کے اصول پر جو کام کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان میں ہماری کامیابی ہے وہ بھی وہاں بے فائدہ اور ناکارہ ثابت ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کسی مؤمن کی ایک نیکی کے عوض میں بھی کمی نہ فرمائے گا اس کی وجہ سے دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی دے گا لیکن کافر نے جو نیکیاں کیں جن میں اللہ کی رضا کا دھیان رکھا ان نیکیوں کے عوض اللہ تعالیٰ اُسے دنیا ہی میں دے دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جب آخرت میں پہنچے گا اُس کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہوگی جس پر اُسے ثواب دیا جائے (رواہ مسلم)

کافر جو دنیا میں کچھ ایسے عمل کرتے ہیں جو نیکی کی فہرست میں آ سکتے ہیں مثلاً مریضوں کا مفت علاج کر دیا۔ شفا خانے بنوا دیئے سڑکیں تیار کر دیں پانی کی سبیلیں لگا دیں ان کی وجہ سے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں آخرت میں ان چیزوں کا ثواب ملے گا بلکہ مسلمانوں کی زبان سے جو یہ سنتے ہیں کہ جو مسلمان نہیں اُسے آخرت میں دائمی عذاب ہوگا تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کو ماننے ہیں اور اللہ کی رضا کے لئے ایسے کام کرتے ہیں پھر ہمیں عذاب کیوں ہوگا؟ ان لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ دنیا میں جو نیک عمل ہیں اُن کا بدلہ تمہیں دنیا ہی میں دے دیا جائے گا اور کفر اور محصیت کی وجہ سے تمہارے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔

ایک جاہلانہ اعتراض کا جواب: اس سے بہت سے مسلمانوں کی اس غلط فہمی کا بھی جواب ہو گیا کہ کافروں کو مزے اُڑاتے ہیں اور ہم تکلیف میں ہیں اول تو نہ سارے مسلمان تکلیف میں ہیں اور نہ سارے کافر راحت میں ہیں دوسرے کافر کو آخرت میں آرام ملتا ہی نہیں اُسکے اعمال کا بدلہ نہیں دیا جا رہا ہے اور تمہارے اعمال کا بدلہ محفوظ کر لیا گیا ہے۔ پھر جو تکلیفیں ہیں اُن پر بھی ثواب ملے گا پھر کس چیز کا داویلا ہے اللہ تعالیٰ کے قانون کو سمجھو کافروں کو دیکھ کر کیوں رال ٹپکاتے ہو بعض جاہل کہہ دیتے ہیں جو بجلی گرتی ہے وہ مسلمان ہی کے آشیانہ کو تلاش کرتی ہے اور بعض جاہل کہتے ہیں کہ غیروں کے لئے محلات اور قصور اور مسلمانوں سے صرف وعدہ خوریہ گمراہی کی باتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے قانون پر اعتراض ہے قصداً اعتراض کرے تو کفر عائد ہو جاتا ہے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے اس وقت آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے نیچے کوئی پتھر نہ تھا اور آپ کے جسم میں چٹائی کی بناوٹ کے نشان پڑ گئے تھے اور نکیہ بھی چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنه فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ دعا کیجئے تاکہ وہ آپ کی امت کو مالی وسعت عطا فرما دے۔ کیونکہ فارس و روم کے لوگوں کو مالی وسعت دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے آپ ﷺ نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے تم ابھی تک ان ہی خیالات میں مبتلا ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی مرغوب چیزیں انہیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ کیا تم لوگ اس پر راضی نہیں ہو کہ مرغوب چیزیں انکے لئے دنیا میں ہوں اور ہمارے لئے آخرت میں ہوں۔ (رواہ البخاری کما فی المسئلہ ص ۳۷۷)

پھر فرمایا اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ يَدَيْنِهِ مِثْرًا (الآیہ) اس کے شروع میں جو ہمزہ استفہام ہے یہ استفہام انکاری کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو قرآن کو تھامے ہوئے ہے اسکی سچائی کا عقیدہ رکھتا ہے اور اس کے پاس قرآن کی سچائی کے دو گواہ موجود ہیں ایک تو خود قرآن کے اندر ہی ہے یعنی اس کا اعجاز اور اسکی فصاحت و بلاغت اور دوسرا گواہ دنیا میں قرآن کے آنے سے پہلے ہی موجود ہے یعنی تورات شریف جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے وہ امام بھی ہے اور احکام قرآنیہ کی تصدیق کرتی ہے اور امتثال اوامر پر جو ثواب ملنے کے اللہ تعالیٰ نے وعدے فرمائے ہیں۔ وہ تورات میں بھی ہیں اور قرآن مجید میں بھی ہیں تورات انکی تصدیق کرتی ہے لہذا وہ سراپا رحمت ہے۔ تورات شریف کی گواہی بھی قرآن کی سچائی کے لئے کافی ہے۔ اب سمجھ لیا جائے کہ جو شخص قرآن کو تھامے ہوئے ہے اور دلیل اور حجت کے ساتھ اس پر قائم ہے۔ کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو قرآن کا منکر ہے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا۔

یہاں عبارت قرآنی میں حذف ہے مفسرین کرام نے کئی طرح سے عبارت مقدار مانی ہے ہم نے مختصر الفاظ میں مفہوم لکھ دیا ہے۔

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ۔ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ ان ایمان لانے والوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ تمام افراد مسلمان مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ كَالَّذِي أَطْمَعُ (اور کافروں کی جماعتوں اور گروہوں میں سے جو شخص قرآن کا منکر ہو اس سے یہ وعدہ ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگا) فَلَا تَأْكُلُ فِي مِزَانٍ مِّنْهُ (تو اے مخاطب تو قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑ) إِنَّهُ السَّخِيُّ مِنَ رَبِّكَ (بے شک وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے) وَلَكِنَّ أَكْثَر النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ (لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے)

اس میں واضح طور پر بتا دیا کہ اہل اسلام کے علاوہ جتنے بھی گروہ اور جماعتیں ہیں وہ سب دوزخ میں جانے والے ہیں خواہ ظاہر کیسے ہی اچھے عمل کرتے ہوں اور خواہ اپنے دین کو آسمانی دین بتاتے ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اُس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے میرے نبی ہونے کی خبر جس کسی انسان کو بھی پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین میں لے کر بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا چاہے یہودی ہو یا نصرانی (رواہ مسلم) یہود اور نصاریٰ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ وہ اپنے پاس دین سادہ کے مدعی ہیں۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یہ لوگ اپنے رب پر پیش کئے جائیں گے اور گواہی دینے

الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥﴾ الَّذِينَ

والے کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی طرف نسبت کر کے جھوٹ بولا خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے

يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿١٦﴾ أُولَٰئِكَ

جو اللہ کی راہ سے روکتے رہے اور اس میں کجی تلاش کرتے رہے اور یہ لوگ آخرت کے منکر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں

لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ يُضَعِفُ

جو زمین میں عاجز کر دیوالے نہ تھے اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ ان کو دہرا

لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

عذاب کر دیا جائے گا یہ لوگ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ دیکھتے تھے یہ وہ لوگ ہیں

خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٨﴾ لَأَجْرَمَ أَنَّهُمْ فِي

جو اپنی جانوں کو برباد کر بیٹھے اور وہ جو کچھ انہوں نے جھوٹ بتایا تھا وہ سب غائب ہو گیا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ

الْآخِرَةِ هُمْ الْآخَسَرُونَ ﴿١٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآخَبَتُوا

آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں ہوں گے بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اپنے

إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٠﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ

رب کی طرف جھکے یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں فریق کی مثال ایسی ہے جیسا اندھا ہوا اور بہرا ہو

وَالْأَصْمَىٰ وَالْبَصِيرَ ۚ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢١﴾

اور دیکھنے والا ہو اور سننے والا ہو کیا دونوں حالت کے اعتبار سے برابر ہوں گے؟ کیا تم نہیں سمجھتے!

ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے اور اہل ایمان
کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کا انعام ہے

تفسیر: مشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور اس کے لئے شریک ٹھہراتے تھے اور جب انہیں اس بارے میں نصیحت کی جاتی تھی تو کہتے تھے۔ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے لئے سفارش کر دیں

گے) اور یوں بھی کہتے تھے۔ مَا تَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيَقَرَّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى (کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے) ظاہر ہے کہ یہ باتیں انہوں نے خود ہی تجویز کر لیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کی خبر نہ دی گئی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا یہ افتراء ہے اور بہتان ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کرنا پھر یہ کہنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر دیں گے یا یہ کہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے اس کا معنی یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ بات بتادی گئی ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کر رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں بتائی گئی بلکہ اللہ کی کتابیں اور اللہ کے نبیؑ اسکے خلاف بتاتے رہے لہذا ان لوگوں کے یہ سب دعوے اللہ تعالیٰ پر بہتان ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر افتراء کرے اور اس ملک قدوس پر جھوٹ باندھے؟ ان لوگوں کی رسوائی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا أُولَٰئِكَ يَفْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ (کہ یہ لوگ اللہ پر پیش کئے جائیں گے اس وقت ان کے دعووں اور احوال و اقوال کا حساب لیا جائے گا) وَيَقُولُ الْكَافِرُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَّبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ (اور وہاں جو گواہ ہوں گے وہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا) گواہوں سے حضرات انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دیگر مؤمنین مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان کے اعضاء اور جوارح مراد ہیں جو انکے خلاف گواہی دیں گے یہ گواہی دینے والے حضرات یہ اعلان بھی فرمائیں گے کہ: أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے) پھر ان ظالموں کی بُری حرکتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستہ سے روکتے رہے) وَيَقُولُ هَٰؤُلَاءِ عِوَجًا (اور اللہ کے راستہ کے بارے میں کجی تلاش کرتے تھے) مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین میں عیب نکالتے تھے اُس سے خود بھی بچتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر چکے ان کو بھی اس سے ہٹانا چاہتے تھے وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ (اور وہ آخرت کے منکر ہیں) پھر فرمایا أُولَٰئِكَ لَا يَكُونُوا آمِنِينَ فِي الْأَرْضِ (یہ لوگ زمین میں اللہ کو عاجز کرنے والے نہ تھے) کہ کہیں جا کر چھپ جاتے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہو جاتے اور موت سے بچ جاتے جب دنیا میں اللہ کو عاجز کر کے کہیں نہیں جاسکتے تھے تو آخرت میں کیسے چھوٹ کر جاسکتے ہیں۔ جہاں حساب کے لئے جمع کئے جائیں گے۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ قَرْنٌ دُونَ اللَّهِ مِنَ الْإِلَٰهَاتِ (اور ان لوگوں کے لئے اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا) جن لوگوں کو سفارشی سمجھا تھا وہ کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ (انکے لئے دوہرا عذاب کر دیا جائے گا) ایک عذاب اُنکے اپنے کفر کا اور دوسرا عذاب دوسروں کو ایمان سے روکنے کا اور کفر پر جمائے رکھنے کا وَمَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ۔ (یہ لوگ سن نہیں سکتے تھے) یعنی حق سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی باتیں سننے کو اس قدر مکروہ جانتے تھے کہ گویا اپنی قوت سامعہ ہی ختم کر چکے تھے۔ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ (اور دیکھ نہیں پاتے تھے) یعنی اللہ کی معرفت کی نشانیاں جو خود ان کے اندر موجود ہیں اور جو دوسری مخلوق میں ہیں اُن سے قصد و ارادۂ اندھے بن جاتے تھے (انکی ضد اور عناد اور حق سے دور بھاگنے کی کوشش نے انہیں ایمان قبول نہ کرنے دیا)

پھر فرمایا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کا خسارہ کر بیٹھے) دنیاوی تجارت میں تو لوگوں کو اموال کا نقصان ہوتا ہے۔ لیکن انکی تجارت ایسی برباد ہوئی کہ انہیں اپنی جانوں ہی کا خسارہ ہو گیا انہوں نے

ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور آخرت کے بدلے دنیا لے لی اور اس طرح اپنی جانوں ہی کو گنوا بیٹھے۔ اگر کسی کے دل میں یہ سوال اٹھے کہ خسارہ تو جب ہوتا ہے جب جانیں ختم ہو جاتیں اور ان کا وجود ہی نہ رہتا لیکن کافر کی جان دنیا میں بھی موجود ہے اور آخرت میں بھی موجود رہے گی پھر بھی جان کا خسارہ کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کافر دوزخ میں جائے گا جو وہ موت سے بھی بدتر ہے جو جان برابر ہمیشہ کے لئے عذاب میں ہے وہ جان ہلاک بھی ہے اور برباد بھی ہے اور جان کہنے کے لائق بھی نہیں اسی لئے تو فرمایا ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ زندہ رہے گا) پھر فرمایا وَضَلَّ عَنْهُمْ مَنَآكِلُهُمْ فَكَانُوا يُفْتَرُونَ۔ (اور ان سے وہ سب کچھ گم ہو گیا جو وہ جھوٹ باندھا کرتے تھے) یعنی مجبورانِ باطلہ کی سفارش کا جو گمان کر رکھا تھا۔ وہ جھوٹا خیال تھا اُس نے کچھ کام نہ دیا۔ پھر فرمایا: لَا جَزَاءَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْخَاسِرُونَ (یہ لازمی بات ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں خسارہ میں سب سے زیادہ بڑھ کر ہیں) اہل کفر کا انجام بتانے کے بعد اہل ایمان کا انعام و ثواب بتایا۔ ارشاد ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآخَبْتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور اپنے رب کی طرف جھکے یہ لوگ اہل جنت ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

اہل ایمان کا انعام اور اہل کفر کا انجام بیان فرمانے کے بعد دونوں فریق کی مثال بیان فرمائی: مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْآخِطَىٰ وَالْأَخْضَرِ وَالْأَصْفَرِ وَالنَّاصِبِ (دونوں فریق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص آندھا اور بہرا ہو اور دوسرا شخص دیکھنے والا اور سننے والا ہو) پہلی مثال کافر کی ہے۔ جو حق کی طرف سے آندھا اور بہرا بنتا ہے اور دوسری مثال مؤمن کی ہے جو دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے اور حق کو قبول کرتا ہے اُس نے اپنی سننے اور دیکھنے کی قوت ضائع نہیں کی هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا کیا یہ دونوں فریق اپنی حالت کے اعتبار سے برابر ہیں یعنی برابر نہیں ہیں جس طرح آندھا اور بہرا دیکھنے اور سننے والے کے برابر نہیں اسی طرح سے کافر اور مؤمن برابر نہیں أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) جس طرح دنیا میں دیکھنے والے اور سننے والے کو اچھے حال میں جانتے ہو اور اسے کامیاب سمجھتے ہو اور اندھے بہرے کو نامراد سمجھتے ہو اسی طرح کافر کو برباد اور مؤمن کو کامیاب سمجھو۔

فائدہ: قیامت کے دن کافروں کی رسوائی ہوگی اسی طرح اہل ایمان کا اعزاز و اکرام ہوگا ان پر اللہ تعالیٰ شانہ کرم فرمائے گا اور انکی پردہ پوشی فرمائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن اپنے رب سے قریب ہوگا اور اللہ تعالیٰ شانہ اسکی پردہ پوشی فرمائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ کہ تجھے اپنا فلاں فلاں گناہ یاد ہے وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر لے گا۔ اور وہ اپنے دل میں یہ سمجھ لے گا کہ میں تو ہلاک ہو گیا (یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے بندہ کے درمیان ہوگا گناہوں کا اعلان نہیں کیا جائے گا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور آج ان گناہوں کو بخشا ہوں اس کے بعد اسکی نیکیوں کا اعمال نامہ اُسے دیدیا جائے گا۔ (جو داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ اسکے جنتی ہونے کی دلیل ہوگی) رہے کافر اور منافق تو انکے بارے میں گواہی دینے والے گواہی دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (رواہ البخاری ص ۳۳۰ ج ۱)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۖ أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا کہ میں تمہیں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بلکہ اللہ ہی تمہارے

عَلَيْكُمْ عَذَابٌ يَوْمَ الْيَوْمِ ۝ فَقَالَ الْبَلَاءُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرِيكَ إِلَّا بَشَرًا

بارے میں ایک بڑے تکلیف دینے والا دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں اس پر سر داروں نے کہا جو کافر تھے کہ ہم تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی

مِثْلَنَا وَمَا نَرِيكَ إِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ أَرَادُوا لَنَا بِأَدَى الرَّأْيِ وَمَا نَرِي لَكَ

دیکھ رہے ہیں اور جو لوگ تمہارا اتباع کرنے والے ہیں ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہم میں بذیل ترین لوگ ہیں جو سرری رائے میں تمہارے ساتھ ہوئے ہیں۔ اور ہم اپنے اوپر

عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ۝ قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ

تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں انہوں نے جواب میں کہا کہ اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں

مِنْ رَبِّي وَإِنِّي رَحْمَةٌ مِّنْ عِنْدِي ۝ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمْوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا

اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی ہو پھر وہ تم کو کھالی نندیتی ہو کیا ہم اسے تم پر پکادیں گے حالانکہ تم اس سے نفرت کرنے والے ہو حالانکہ تم اسے

كِرْهُونَ ۝ وَيَقَوْمِ لَا تَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَا لَالِإِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدٍ

برا جان رہے ہو اور اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی مال طلب نہیں کرتا میرا اجر صرف اللہ ہی پر ہے

الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُّثَقَوْنَ رَبَّهُمْ وَلَكِنِّي أَرَأَيْتُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ۝ وَيَقَوْمِ مَنْ

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں میں انکو ہٹانے والا نہیں ہوں۔ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت کر رہے ہو اور اے میری قوم

يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتُهُمْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ

اگر میں ان کو ہٹا دوں تو مجھے اللہ کے کو اغذہ سے کون بچائے گا کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟ اور میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب کو نہیں جانتا

اللَّهُ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ

میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت کے ساتھ دیکھ رہی ہیں میں ان کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہرگز انہیں

يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۝ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ ۝ إِنِّي إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝

خیر عطا نہ فرمائے گا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ اللہ خوب جانتے والا ہے اگر میں ایسا کروں تو میں بیشک ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا

اور قوم کا ہٹ دھرمی کیساتھ معارضہ کرنا

تفسیر: سیدنا حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دس قرونوں کے بعد تشریف لائے۔ ایک قرن سو سال کی ہوتی تھی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بت پرستی آچکی تھی انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور

بُت پرستی چھوڑنے کو فرمایا اُن لوگوں نے ضد و عناد پر کمر باندھ لی اور بُت پرستی سے باز نہ آئے اور طرح طرح کی بے تکلی باتیں کرتے رہے اُن کا واقعہ سورہ اعراف (۸ع) میں گزر چکا ہے وہاں ہم نے اُن کی قوم کی بہت سی باتیں متعدد آیات قرآنیہ کی روشنی میں نقل کر دی ہیں یہاں بعض مضامین زائد ہیں جو وہاں بیان نہیں ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم میں تمہیں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تمہارے بارے میں ایک بڑے تکلیف دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں تم نے اگر توحید اختیار نہ کی اور خالص اللہ کی عبادت نہ کی تو عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے اُن لوگوں نے حق قبول کرنے کی بجائے اُلٹے جواب دینے شروع کر دیئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے مخاطبین میں بہت کم لوگ مسلمان ہوئے جو لوگ سرداران قوم تھے انہوں نے جاہلانہ جواب دیئے (کسی قوم کے سردار ہی عموماً شر میں آگے بڑھا کرتے ہیں اور قوم اُنکے پیچھے چلتی ہے اگر سردار راہ حق پر آجائیں تو باقی قوم کا حق قبول کرنا آسان ہو جاتا ہے) اُن سرداروں نے پہلی بات یہ کہی کہ اے (نوح علیہ السلام) تم ہمارے ہی جیسے آدمی ہو ہم تمہارے اندر کوئی ایسی خصوصیت نہیں دیکھتے جن کی وجہ سے تم نبوت سے سرفراز ہوئے ہو تمہارا نبی ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور دوسری بات یہ کہی کہ جن لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ہے وہ ہم سے سب سے زیادہ بڑھ کر رذیل اور گھٹیا ہیں پھر وہ لوگ جو تمہارے ساتھ لگ گئے ہیں وہ بھی کوئی سوچ سمجھ کر ساتھ نہیں لگے یوں ہی بے سوچے سمجھے ساتھ ہو لئے ہیں ان کا آپ کے ساتھ لگ لینا ہمارے لئے کوئی حجت نہیں اور تیسری بات انہوں نے یہ کہی کہ اے نوح تم اور تمہارے متبعین کو ہم پر کوئی فضیلت حاصل ہو۔ ایسی کوئی بات ہمیں تو نظر نہیں آتی نہ پہلے تمہیں کوئی برتری حاصل تھی اور نہ اب حاصل ہے یہ باتیں کہتے ہوئے انہوں نے علی الاعلان تکذیب کر دی اور یوں کہہ دیا بَلْ نَحْنُ كَذِبٌ (کہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں) انکی باتیں سن کر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے میری قوم تم ہی بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے حجت پر ہوں اور اس نے اپنی طرف سے رحمت (نبوت) عطا فرمادی اور وہ تم سے پوشیدہ کر دی گئی۔ (جسے تم اپنی جاہلانہ سمجھ کی وجہ سے جھٹلا رہے ہو) تو میں کیا کر سکتا ہوں میرا کام تو پہنچا دینا بتا دینا اور واضح کر دینا ہے میں تمہیں پہنچاتا ہوں اور تم دور بھاگتے ہو کیا ہم تم پر اس کو چکا دیں اور تمہارے سر منڈھ دیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ اے میری قوم میں جو تمہیں تبلیغ کرتا ہوں اور توحید کی جو دعوت دیتا ہوں اس سے میری کوئی دنیاوی منفعت مقصود نہیں ہے اپنی کسی دنیاوی لالچ کے لئے وہ تمہیں تبلیغ کرنے کے لئے کھڑا نہیں ہوا یہ کام میں اللہ کے حکم سے کرتا ہوں مجھے اسی سے ثواب لینا ہے اور میرا اجرا اسی کے ذمہ ہے اگر میں تم سے کچھ مال طلب کرتا تو تم یہ کہہ سکتے تھے کہ اپنی دنیا بٹانے اور مال جمع کرنے کے لئے ہمارے پیچھے پڑا ہے اب جبکہ میں بے لوث ہوں تو تمہیں غور کرنا چاہئے کہ اس کوتاہی محنت کرنے اور مشقت کے کام میں لگنے کی کیا ضرورت ہے؟

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اُن لوگوں کے بارے میں فرمایا جو ایمان لائے تھے اور دنیاوی اعتبار سے اونچے درجہ کے افراد نہ تھے (اور قوم کے بڑے لوگ چاہتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام انہیں اپنے پاس سے ہٹا دیں) وَمَا أَكْبَرُ الَّذِينَ آمَنُوا (جو لوگ ایمان لائے میں انہیں نہیں ہٹا سکتا) اِنَّهُمْ لِقَوْمٍ اَشِدَّةٍ (بے شک وہ اپنے رب

سے ملاقات کرنے والے ہیں) یعنی وہ اللہ کے مقرب بندے ہیں کامیاب ہیں اُن کا ایمان اللہ کے نزدیک معتبر ہے جس کی وہ انہیں جزا دے گا میں انہیں اپنے پاس سے ہٹا کر اللہ کو کیوں ناراض کروں۔ وَلَکِنِّیْ اَرٰیْکُمْ قَوْمًا مَّیْجُنُوْنَ (میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت کی باتیں کرتے ہو) اور ایمان قبول نہیں کرتے جو سب سے بڑا شرف ہے اور اپنی حقیر دنیا کے پیش نظر اہل ایمان کو ازل اور گھٹیا بنا رہے ہو۔ مزید فرمایا وَلَیْقُوْرُ مَنْ یَّتَصَوَّرُ مَنِ اللّٰہُ اِنْ طَرَدْتُمْہُمْ اَفَلَا تَذٰکُرُوْنَ (اے میری قوم! میں مومنین کو اپنے پاس سے ہٹا دوں اور دور کر دوں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو جائے گا پھر اس کی ناراضگی کو کوئی دفع کرنے والا نہ ہوگا) تم اپنی جہالت پر مصر ہو سمجھتے کیوں نہیں صاحب روح المعانی (ص ۴۱ ج ۲) لکھتے ہیں۔ اُن لوگوں نے صاف تو نہ کہا تھا کہ ان لوگوں کو ہٹا دیں لیکن اُن کے کلام سے یہ مفہوم ہو رہا تھا کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم ایمان لا سکتے ہیں اس لئے ان کی اس بات کی تردید فرمادی فَکَانَ ذٰلِکَ التَّمَاْسَا مِنْہُمْ بِطَرَدِہُمْ وَتَعْلِیْقًا لَا یَمَانِہُمْ بِہِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِذٰلِکَ الْاَفْئۃِ مِنَ الْاِنْتِظَامِ مَعِہُمْ فِی سُلْکٍ وَاحِدٍ (پس سرداروں کی طرف سے غریبوں کو دور کرنے کا مطالبہ حضور ﷺ پر سرداروں کے ایمان لانے کی شرط کے طور پر تھا اس لئے کہ وہ ان غریبوں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے) (روح المعانی ص ۴۱ ج ۱۲)

ان لوگوں نے جو یہ کہا تھا کہ تم ہماری طرح کے آدمی ہو اور یہ کہ ہم تمہارے اندر کوئی اپنے سے زیادہ بات نہیں دیکھتے اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم نبی ہوتے تو تمہارے پاس مال بہت ہونا چاہئے تھا جو دنیا میں برتری کا ذریعہ ہے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں دنیا زیادہ ہونا اللہ کے یہاں فضیلت کی کوئی چیز نہیں ہے جس کی بنیاد پر نبوت دی جائے وہ تو اللہ کا فضل اور عطیہ ہے جسے چاہے عطا فرمادے نبی کی نبوت ماننے کے لئے جو تم اسکے پاس مال تلاش کرتے ہو اللہ کے قانون میں اسکی کوئی حیثیت نہیں نبوت کا تعلق مالدار ہونے سے نہیں ہے۔

وہ لوگ نبی کے اندر غیب دانی کی صفت بھی دیکھنا چاہتے تھے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بھی صاف فرمادیا کہ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ (میں غیب نہیں جانتا) اور غیب کا جاننا بھی اُن امور میں سے نہیں ہے جن کی بنیاد پر نبوت دی جاتی۔ یہ جو انہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھ رہے ہیں اُس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم نبی ہوتے تو ہماری طرح سے کیوں ہوتے بشری صفات سے خالی ہوتے تمہارے اندر فرشتوں جیسی صفات ہوتیں حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا بھی جواب دے دیا اور فرمایا: وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ (میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) نبی ہونے کے لئے نہ فرشتہ ہونا ضروری ہے۔ نہ بشریت موانع نبوت میں سے ہے جو چیزیں آلازم نبوت میں سے نہیں ہیں اُن کے ذریعے میرے دعوائے نبوت کو کیوں پرکھتے ہو؟

حضرت نوح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے مکررین اُن کو حقیر بھی جانتے تھے اور یوں بھی کہتے تھے کہ یہ لوگ یوں ہی بے سمجھے سرسری طور پر تمہارے ساتھ لگ لئے ہیں دل سے آپ پر ایمان نہیں لائے اس کے جواب میں فرمایا وَلَا اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزِدُّہِیْ اَعِیْبُکُمْ لَنْ یُّؤْمِنَہُمُ اللّٰہُ حَتّٰی ا (کہ تمہاری نظریں جن بے سرمایہ مسکین لوگوں کو جو حقارت کی نظر سے دیکھ رہی ہیں اور انکے بارے میں تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ یہ دل سے ایمان نہیں لائے میں ان کے بارے میں تمہاری موافقت نہیں کر سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انہیں کوئی خیر نہیں دے گا) میں تو انہیں مؤمن سمجھتا ہوں اُن کا ظاہر اچھا ہے اللہ

سے اُن کے لئے خیر و ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ ایمان کا تعلق مال و دولت سے نہیں ہے بلکہ اخلاص کے ساتھ دل سے قبول کرنے سے ہے اللّٰهُ اَعْلَمُ سِرِّهَا (اللہ کو خوب معلوم ہے جو ان کے دلوں میں ہے) وہ اپنے علم کے مطابق جزا دے گا اِنِّیْ اِذَا لَیِّنَ الظَّالِمِیْنَ (اگر میں انکے بارے میں ایسی بات کہہ دوں کہ اللہ انہیں ثواب عطا نہ فرمائے گا تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا) اس میں اُن پر بھی ظلم ہوگا کہ ان کا مرتبہ گھٹانے کی بات کر دی اور اپنی جان پر بھی ظلم ہوگا کہ جو بات کہنے کی نہ تھی وہ کہہ دی۔

دُنیاوی مال اور عہدہ عند اللہ مقبول ہونے کی دلیل نہیں: اہل دنیا کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جس کے پاس دنیا دیکھتے ہیں اسی کو بڑا سمجھتے ہیں جس کے پاس دولت نہ ہو اُسے حقیر جانتے ہیں۔ خواہ وہ اپنے ایمان اور اخلاص اور اخلاق حسنا اور علم و عمل کے اعتبار سے کتنا ہی بلند ہو اصل بڑائی تو ایمان اور اخلاق کی ہے دنیا فانی ہے پیسہ آنے جانے والی چیز ہے اس سے کسی انسان میں شرافت اور بلندی نہیں آتی چونکہ مالداروں میں اپنی دنیا اور مال کا گھمنڈ ہوتا ہے اور باوجودیکہ ان کے اخلاق پست ہوتے ہیں تکبر میں بدست ہوتے ہیں پھر بھی اپنے آپ کو اُوں نچا سمجھتے ہیں اُن کا یہ غرور اور مال ملک انہیں حق نہیں قبول کرنے دیتا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتے تھے تو عموماً پہلے غریب لوگ ان پر ایمان لے آتے تھے۔ مالداروں کے غرور کا یہ حال تھا کہ ان کے نزدیک معیار حق خود ان کی ذات تھی وہ کہتے تھے کہ جسے ہم قبول کر لیں۔ وہی حق ہے۔ کوئی غریب آدمی اگر حق قبول کر لیتا تو کہتے تھے کہ یہ اسلئے حق نہیں کہ ہم نے قبول نہیں کیا (کما ذِکر اللہ تعالیٰ) (وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَوْ کَانَ خَیْرًا لِّمَا سَبَقُوْنَا اِلَیْهِ) (سورۃ الاحقاف رکوع ۲) جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے یوں کہا کہ تمہارے ساتھ گھنٹیا لوگ لگ لئے ہیں دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتیں بھی یہ طعن کرتی رہی ہیں۔ جب حضرت خاتم النبیین سیدنا الانبیاء والمرسلین ﷺ نے ایمان کی دعوت دی جس کی ابتداء مکہ معظمہ میں ہوئی تھی تو سرداران قریش نے اُولا اسلام قبول نہیں کیا اور برابر مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ ان میں سے ستر آدمی غزوہ میں مقتول ہو گئے۔ جو لوگ غلام تھے پر دیسی تھے۔ بے پیسہ والے تھے ابتداء میں وہی لوگ اسلام کی طرف بڑھے جن میں حضرت بلال حضرت عمار بن یاسر حضرت خباب اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب قیصر کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو وہ اُسے بیت المقدس میں ملا اُس نے دریافت کیا کہ یہاں عربوں میں سے کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اس وقت وہاں کفار قریش کی ایک جماعت تجارت کے لئے پہنچی ہوئی تھی قیصر نے ان لوگوں کو بلایا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بہت سی باتیں پوچھیں (اس وقت وہ مسلمان نہیں تھے) اُن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ جنہوں نے مجھے یہ خط لکھا ہے اور نبوت کا دعویٰ کیا ہے بڑے بڑے لوگ اُن کا اتباع کرتے ہیں یا کم حیثیت کے لوگ؟ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ کم حیثیت کے لوگ اُن کا اتباع کرتے ہیں) اس پر قیصر نے کہا کہ اللہ کے رسولوں کے پیچھے چلنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں (یعنی عموماً شروع میں یہی لوگ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرتے ہیں) قیصر نے یہ بھی پوچھا کہ اُن کے دین کے قبول کرنے کے بعد کیا کوئی شخص مرتد بھی ہو جاتا ہے؟ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ ایسا نہیں! یہ سن کر قیصر نے کہا کہ جب ایمان کی بنیاد دلوں میں رچ جاتی ہے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے (یعنی بنیاد ایمانیہ حاصل ہونے کے بعد کوئی شخص اسلام سے نہیں پھرتا) یہ تو پرانی باتیں ہیں لیکن تاریخ اپنے کو دہرائی

ہے آج بھی امیروں و وزیروں اور مالداروں میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن قرآن حدیث پڑھنے والوں کو اور مدرسوں کے طلباء کو اماموں کو اور مؤذنین کو اور غریب نمازیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے کو بلند اور برتر سمجھتے ہیں اپنے فسق و فجور پر نظر نہیں موت کی فکر نہیں اور صالحین پر پھبتیاں کتے ہیں۔ ہداہم اللہ تعالیٰ الیٰی ما یحب و یرضی۔

قَالُوا اِنُّوْهُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاَتِنَا بِمَاتَعْدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ

وہ کہنے لگے کہ اے نوح تم ہم سے جھگڑے اور تم نے ہم سے زیادہ جھگڑا کر لیا۔ لہذا ہمارے پاس وہ لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر

الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِہِ اللّٰہُ اِنْ شَاءَ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝

تم سچے ہو۔ نوح نے جواب دیا کہ اُس چیز کو تمہارے پاس اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو

وَلَا یَنْفَعُکُمْ نَصْحِیْ اِنْ اَرَدْتُ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ اِنْ کَانَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ

اور میری خیر خواہی تمہیں فائدہ نہیں دے سکتی اگر میں تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کروں اگر اللہ کا یہ ارادہ ہو کہ

یُغْوِیْکُمْ ۚ هُوَ رَبُّکُمْ وَتَنْفَعُکُمْ ۚ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝

وہ تمہیں گمراہ کرے وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قوم کا مزید عناد اور عذاب کا مطالبہ اور حضرت نوح علیہ السلام کا جواب

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال اپنی قوم میں رہتے اور انہیں سمجھاتے رہے۔ خوب سمجھایا اور بہت سمجھایا آپ جیسے جیسے ان کو سمجھاتے تھے وہ ضد و عناد میں آگے بڑھتے چلے جاتے تھے کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے۔ کپڑے اوڑھ لیتے تھے تاکہ آپ کی آواز کانوں میں نہ پڑے ایک مرتبہ کہنے لگے کہ تم ہم سے بہت جھگڑا لیتے اور بہت زیادہ جھگڑا کر چکے جھگڑا بھی کرتے ہو اور یوں بھی کہتے ہو کہ تم نے توحید کو قبول نہ کیا اور شرک چھوڑ کر تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نہ لگے تو عذاب آجائے گا اب بات یہ ہے کہ جھگڑے چھوڑو عذاب ہی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ میں تو اللہ کی طرف سے مامور ہوں۔ عذاب کی وعید بھی میں نے اسی کی طرف سے سنائی ہے میں خود عذاب نہیں لاسکتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے گا تو تم پر عذاب لے آئے گا اور جب عذاب آئے گا تو تم اُسے عاجز نہیں کر سکو گے یعنی نہ عذاب کو دفع کر سکو گے نہ بھاگ سکو گے، میں نے تمہیں بہت کچھ سمجھایا، تمہاری خیر خواہی کی لیکن میری خیر خواہی کا تم اثر نہیں لیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ تمہیں گمراہی پر ہی رکھے (جس کی وجہ تمہارا عناد و استکبار ہے) تو میری نصیحت تمہیں کوئی کارگر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے مالک ہے تم اس کے ساتھ شرک کر کے مجرم بنے ہوئے ہو اور پھر مرنے کے بعد بھی تمہیں اسی کی طرف جانا ہے اپنے مالک کے حقوق ضائع کرنے والے ہو دنیا میں بھی عذاب آ سکتا ہے اور آخرت میں تو بہر حال منکرین کے لئے عذاب ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان لوگوں کو جواب دیدیا کہ میں عذاب نہیں لاسکتا۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو عذاب لائے گا۔ پھر اُن کے لئے بددعا کردی اور پانی کے طوفان نے انہیں گھیر کر ہلاک کر دیا جیسا کہ سورہ نوح علیہ السلام کے آخری رکوع میں مذکور ہے اور یہاں بھی آئندہ رکوع میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ إِجْرَائِي وَأَنَا بِرِسِّي وَمِمَّا يُخْرِجُونَ ۝

کیا کہتے ہیں کہ اس نے قرآن کاپنے پاس سے بنالیا آپ فرمائیجئے کہ اگر میں نے اس کاپنے پاس سے بنالیا ہے تو مجھے ہی پرہیزگارم ہے جس میں اس سے بری ہوں جو جرم کرتے ہو

قرآن کو افتراء بتانے والوں کا جواب

تفسیر: اس آیت کے بارے میں مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ نوح علیہ السلام اور انکی قوم کے سوال و جواب کا تتمہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اُن لوگوں نے یوں کہا تھا کہ نوح علیہ السلام نے جو دعویٰ نبوت کیا ہے یہ انکی بنائی ہوئی بات ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح (علیہ السلام) کو ارشاد ہوا کہ آپ انہیں جواب دے دیں کہ اگر بالفرض میں نے اپنے پاس سے کوئی بات بنائی ہو تو یہ میرا جرم ہے جو مجھ پر عائد ہے اور تم میرے جرم سے بری ہو تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات کہی ہے مجھ پر بہتان لگا رہے ہو یہ تمہارا جرم ہے میں تمہارے جرم سے بری ہوں اس کی سزا تم خود بھگت لو گے۔

صاحب روح المعانی کا رجحان یہی ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے مکالمہ کا تتمہ ہے جو انکی قوم سے ہوا صاحب معالم التنزیل نے بھی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں مشرکین مکہ کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یوں کہتے تھے کہ یہ قرآن انہوں نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ بالفرض اگر یہ قرآن میں نے اپنے پاس سے بنالیا ہے تو میرا یہ جرم مجھ پر ہوگا اور میں تمہارے جرم سے بری ہوں، مجھ پر اس کا کوئی وبال نہیں۔ تم جو ظلم کرتے ہو۔ شرک میں لگے ہوئے ہو حق کو قبول نہیں کرتے تم اس کے وبال سے ڈرو کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانے والوں پر عذاب آیا کرتا ہے۔ میں تمہارے جرم سے بری ہوں اور ہزار ہوں۔ مفسر ابن کثیر نے (ص ۴۴۴ ج ۲) اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بطور جملہ معترضہ کے فرمایا ہے جو حضرت نوح (علیہ السلام) کے قصہ کے درمیان ذکر کر دیا گیا حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے بھی اسی کو اپنی تفسیر میں لیا ہے۔

وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بلاشبہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی شخص ہرگز ایمان نہ لائے گا سو یہ لوگ

بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ وَأَصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِّينَا وَلَا تَخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ

جو کام کرتے تھے آپ انکی وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں اور ہمارے حکم سے کشتی بنا لیجئے اور ظالموں کے بارے میں مجھ

ظَلَمُوا أَنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ۝ وَيَصْنَعُ الْفُلُكُ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا

سے خطاب نہ کرنا بلاشبہ یہ لوگ غرق کئے جانے والے ہیں اور وہ کشتی بنا رہے تھے اور جب انکی قوم کے سرداران پر گزرتے تھے تو ان سے ہنسی

مِنْهُ ۝ قَالَ إِنَّ تَسْخَرُوا مِنِّي فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ لَا

کرتے تھے وہ جواب دیتے تھے کہ اگر تم ہم پر ہنس رہے ہو تو بلاشبہ ہم تم پر نہیں گے جیسا کہ تم ہنسی کر رہے ہو سو غرق یہ تم جان لو گے

مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

کہ کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اُس کو زسوا کر دے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوگا

حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم اور کشتی کی تیاری کے وقت سرداران قوم کا تمسخر

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام نے بہت زیادہ محنت کی اور طرح طرح سے اپنی قوم کو سمجھایا تو حید کی دعوت دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی انکی محنت اور دعوت سے صرف چند افراد مسلمان ہوئے اور قوم کی طرف سے عذاب لانے کی فرمائش ہوتی رہی۔ بالا خر ظالموں پر عذاب آ گیا اور ایمان والے محفوظ رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے اب ان کے علاوہ کوئی شخص ایمان نہ لائے گا آپ انکے حال پر غمگین نہ ہوں کیونکہ توقع کی چیز کے واقع نہ ہونے سے رنج ہوتا ہے۔ جب اُن سے ایمان لانے کی توقع ہی اُٹھ گئی تو کیوں غم کیا جائے۔ کافروں پر عذاب آنا تھا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے نوح تم ہمارے سامنے ہمارے حکم سے ایک کشتی لو جس میں سوار ہو کر اہل ایمان ڈوبنے سے محفوظ ہو جائیں گے اور کافر سب غرق ہوں گے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا کہ ظالموں (یعنی کافروں) کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرنا۔ ان کو ڈوبنا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنانے کیلئے تختے لئے اُن میں کیلیں ٹھونکتے رہے جیسا کہ سورۃ القمر میں فرمایا۔ وَصَلَّٰنَا عَلَىٰ ذَاتِ الْأَوْبَاقِ وَذُرِّيَّتِهِ (اور ہم نے نوح کو تختوں والی کشتی پر سوار کر دیا)۔

ادھر تو کشتی تیار ہو رہی تھی اور ادھر انکی قوم کے سردار اور چودھری گزرتے تھے چونکہ انہیں عذاب آنے کا یقین نہیں تھا اس لئے حضرت نوح علیہ السلام پر ہنستے تھے اور ٹھٹھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جی ہاں تم تو اس کشتی میں بیٹھ کر محفوظ ہو جاؤ گے، کبھی کہتے تھے کہ یہ کشتی خشکی میں کیسے چلے گی (کیونکہ وہ خشکی میں بنائی جا رہی تھی) کبھی کہتے تھے کہ اے نوح (علیہ السلام) ابھی تو تم نبی تھے اب تم بوہی ہو گئے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اگر آج تم ہم پر ہنس رہے ہو تو سمجھ لو کہ وہ دن بھی آنے والا ہے کہ تم ہم پر نہیں گے جیسا کہ آج تم ہم پر ہنس رہے ہو۔ غرق یہ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر زسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۖ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور سے پانی اُبلنے لگا تو ہم نے کہا اس کشتی میں ایک ایک نر ایک ایک مادہ (یعنی ہر جنس سے دو عدد) سوار کر دو

وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝۱۰

اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر دو جو اس کے جس کے بارے میں پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے اور اُن کو بھی سوار کر دو جو ایمان لائے ہیں اور ان کے ساتھ کم آدمی ایمان لائے

وَقَالَ اذْكُبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ حَجْرَيْهَا وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۱ وَهِيَ

اور نوح نے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا بلاشبہ میرا رب بالیقین بخشنے والا ہے۔ مہربان ہے۔ اور وہ

تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۖ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ ۖ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ

کشتی اُن کو لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی اور وہ اُن سے ہٹا ہوا تھا کہ اے میرے چھوٹے سے بیٹے

مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۝۱۲ قَالَ سَأُوۡبَىٰٓ اِلَىٰ جَبَلٍ يَّعِصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ

ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ مت ہوؤ کہ میں غریب کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا۔ جو مجھے پانی سے بچالے گا تو نوح نے جواب دیا

لَا عَصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالٌ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ

کہ آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں مگر وہی جس پر وہی رحم فرمائے اور ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی۔ سو وہ

الْبُعْرُقَيْنِ ۝۱۳

غرق کئے جانے والوں میں سے ہو گیا۔

پانی کا طوفان، کافروں کی غرقابی اور اہل ایمان کی نجات

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنا کر تیار کر لی پانی کا طوفان آنا تھا اسکی ابتداء ہو گئی اہل ایمان کو غرق ہونے سے

بچانا تھا اور چوپائے اور درند پرند کی بھی تسلیں چلائی تھیں اور بعد میں دنیا بھی آباد ہونی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ

الصلوة والسلام کو حکم دیا کہ جو لوگ اہل ایمان ہیں انہیں اور اپنے گھر والوں کو کشتی میں سوار کر دو ہاں تمہارے گھر والوں میں جن

کا ڈوبنا قضاء و قدر میں طے ہو چکا ہے ان کو سوار مت کرو اُن میں اُن کا ایک لڑکا تھا جو ایمان نہیں لایا تھا اور ایک بیوی تھی وہ

بھی ایمان نہیں لائی تھی ان دونوں کے کفر کی وجہ سے ان کے ڈوب جانے اور نجات نہ پانے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی

سے فیصلہ ہو چکا تھا جو حضرات ایمان لائے تھے اُنکی تعداد کم تھی یہ کتنے افراد تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں جو کسی

صحیح سند سے ثابت نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ اسی افراد تھے جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی

تھیں ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے اور اُن بیٹیوں کی تینوں بیویاں تھیں حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا جو

کافر تھا اُسے کشتی میں سوار نہیں کیا گیا۔ حضرت نوح کی بیوی کو سورۃ التحریم کے آخری رکوع میں کافروں میں شمار فرمایا۔

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگئی بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ اُن کی دو بیویاں تھیں ایک مؤمنہ تھی اور دوسری کافرہ۔ کافرہ غرق ہوئی اور مؤمنہ کشتی میں سوار کر لی گئی تھی وہ بھی ڈوبنے سے محفوظ کر لی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ ظالموں (یعنی کافروں) کے بارے میں مجھ سے خطاب نہ کرنا۔ لہذا کافروں کے لئے سفارش کرنے اور نجات کی دُعا کرنے کا موقع نہ تھا۔

بنی آدم اہل ایمان جو کشتی میں سوار ہوئے تھے اُن کے علاوہ بحکم خداوندی چرند اور پرند میں ایک ایک جوڑا بھی حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ پانی آیا جو پہلے تنور سے آبلنا شروع ہوا بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تنور سے پانی آبلنا ابتدائے طوفان کی نشانی کے طور پر تھا حضرت نوح علیہ السلام کو بتا دیا گیا تھا کہ جب تنور سے پانی اُٹنے لگے تو سمجھ لو کہ اب طوفان کی ابتداء ہوگئی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ سارا پانی تنور ہی سے نکلا کیونکہ سورہ قمر میں فرمایا فَفُتِحْنَا الْاَبْوَابُ السَّمَاءِ بِمَا كُنْهُمْ فِيهِ سَوِيْدًا ۝ وَفُتِحْنَا الْاَرْضُ عَيْنُونَا فَالتَّقَى الْمَاءُ عَلَى اَمْرٍ ذُو قُوَّةٍ سو ہم نے خوب بنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر پانی اُس کام کے لئے مل گیا جو پہلے سے تجویز ہو چکا تھا۔ یعنی آسمان کا پانی اور زمین کا پانی دونوں مل گئے اور کافروں کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا تھا پانی کی طغیانی کے ذریعے وہ فیصلہ پورا ہو گیا۔ یہ پانی بہت زیادہ تھا جس سے محفوظ رہنے کا اہل کفر کے لئے کوئی ذریعہ نہ تھا۔ سورہ حاقہ میں فرمایا: اِنَّا كُنَّا طَافًا لِّلْاَنْفٰكُمۡ فِی الْبَارِیَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكُرَةً وَتَعِيَةً اَذُنًا وَّاَعْبَادًا ۝ بیشک جب پانی میں طغیانی آگئی تو ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے آباؤ اجداد کو تم جن کی پشتوں میں تھے) کشتی میں سوار کر دیا تاکہ اُسے ہم تمہارے لئے نصیحت بنا دیں اور تاکہ اُسے یاد کرنے والے کان یاد رکھیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے (یعنی اہل ایمان سے) فرمایا کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا (یعنی اس کے چلنے کی ابتداء اللہ کے نام سے ہے اور اس کا ٹھہر جانا بھی اللہ ہی کے نام سے ہوگا) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ دوران طوفان جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی کو روکنا چاہتے تھے تو بسم اللہ کہہ دیتے تھے اور جب چاہتے تھے کہ چل پڑے تو بسم اللہ کہہ دیتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلِ فَقُلِ الْوَحْدُ الَّذِیْ یُجْعَلُنَا مِنْ الْقَوٰمِ الْخٰلِیِّیْنَ۔ (سو جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر بیٹھ جائیں تو یوں کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی) اور دُعا کی تلقین فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا وَقُلْ رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَکًا وَاَنْتَ خٰیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (کہ دعا میں یوں کہئے کہ اے رب مجھے برکت والی جگہ میں اُتار اور تو بہترین اُتارنے والوں میں سے ہے) کشتی سے اترتے وقت کیا دعا کریں اس کے لئے یہ دُعا تلقین فرمائی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا موج کے لپیٹ میں: کشتی چل رہی ہے پہاڑوں کی طرح موجیں ہیں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا موجوں کے تھیرنوں سے دوچار ہو رہا ہے قریب ہے کہ ڈوب جائے وہ اُن سے علیحدہ تھا کشتی میں سوار نہ تھا اور ایمانی اعتبار سے بھی انکے ساتھ نہ تھا۔ آپ نے اُسے آواز دی اے بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا کافروں کے ساتھ نہ ہو اُن کے دین کو چھوڑ دے لیکن اُس نے نہ مانا اور کہنے لگا میں کسی پہاڑ پر ٹھکانہ پکڑ لوں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا اس کا خیال تھا کہ جیسے عام طور سے سیلاب آتے ہیں اسی طرح سے یہ بھی ایک سیلاب

ہے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا تو بچ جاؤں گا کیونکہ عام طور سے سیلاب پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں جاتا وہ چونکہ ایمان نہیں لایا تھا اس لئے یہ بات مانتا ہی نہ تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے عذاب ہے جب اللہ کی طرف سے عذاب آجائے تو کہیں پر بھی نہیں بچ سکتا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں اُسے نجات نہیں دے سکتیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہاں جس پر اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے وہی بچ سکتا ہے لیکن کافروں پر وہ رحم نہیں فرمائے گا ان سب کو ڈوبنا ہی ڈوبنا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک موج آئی جو دونوں باپ بیٹوں کے درمیان حائل ہو گئی سو وہ غرق کئے جانے والوں میں سے ہو گیا۔

وَقِيلَ يَا اَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَسْمَاءُ اَقْلَعِي وَغِيضَ الْمَاءِ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ

اور حکم ہوا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی کم ہو گیا اور فیصلہ کر دیا گیا اور کشتی

عَلَى الْجُودَى وَقِيلَ بُعْدَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝۱۱ وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ

جو دی پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ کافروں کے لئے دوری ہے اور (نوح علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا اے میرے رب بے شک

ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكُمُ الْحَكِيمِينَ ۝۱۲ قَالَ يُنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ

میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح بلاشبہ وہ تیرے

مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ

اہل میں سے نہیں ہے۔ بیشک اس کا عمل درست نہیں سو تو مجھ سے اُس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت کرتا ہوں

أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝۱۳ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا

کہناؤں میں شامل نہ ہونا نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب بیشک میں اس بات کی آپ سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں آپ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر آپ نے

تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝۱۴ قِيلَ يُنُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ

میری بخشش نہ فرمائی تو میں خسارہ والوں میں سے ہو جاؤں گا حکم ہوا کہ اے نوح تم اتر جاؤ سلامتی کے ساتھ جو ہماری طرف سے ہے اور برکتوں کے ساتھ

وَعَلَى الْإِمَامِ مَعَكَ ۖ وَأُمُّهُمُ سَمَتْهُمُ ثُمَّ لِيَسْهُمْ مِثْلُ آبٍ إِلَيْهِمْ ۝۱۵

جو تم پر اور ان جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں اور بہت سی جماعتیں لگی ہیں جنہیں ہم نے تم پر پناہ دی ہے پھر انہیں ہماری طرف سے درناک عذاب پہنچا

طوفان کا ختم ہونا اور کشتی کا جو دی پہاڑ پر ٹھہرنا

تفسیر: پانی کا طوفان آیا جو خوب زیادہ تھا پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی اوپر پانی پہنچ گیا اور اسکی موجیں بھی پہاڑوں کی طرح تھیں اتنے کثیر پانی سے کون بچ سکتا تھا۔ سوائے ان مومن مخلص بندوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں

سوار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا یہ طوفان کتنے دن رہا اس کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کشتی ایک سو پچاس دن تک پانی پر رہی اور ایک قول یہ ہے کہ وہ چھ مہینے تیرتی رہی صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے پھر جب اللہ تعالیٰ کو طوفان ختم کرنا منظور ہوا تو زمین کو حکم دے دیا کہ اپنے پانی کو ٹنگل لے اور آسمان کو حکم دیا پانی برساتا بند کر دے لہذا پانی کم ہو گیا اور اہل کفر کی غرقابی کا جو اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا اس کے مطابق وہ سب ہلاک ہو گئے کشتی چلتے چلتے جو دی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ اللہ پاک کی طرف سے عدا دیدی گئی کہ ظالموں کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے کشتی تو پہاڑ پر ٹھہر گئی لیکن اس سے اترنا کب ہوا؟ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک ماہ تک جو دی پہاڑ پر رہے جب حضرت نوح علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ پانی ختم ہو گیا ہے اور زمین اس لائق ہو گئی کہ اس پر قیام کیا جائے تو وہاں سے نچوٹ شریف لے آئے اور پھر ان سے دنیا بستی شروع ہوئی اور ان کے تینوں بیٹوں سے (جو کشتی میں ساتھ تھے) آگے دنیا میں نسل چلی جن کے یہ نام مشہور ہیں۔ سام، حام، یافث۔

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک لڑکا جو کافر ہونے کی وجہ سے غرق ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں انہوں نے بارگاہ الہی میں یوں عرض کیا کہ إِنِّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي کہ میرا بیٹا میرے رائل میں سے ہے وَأَنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ اور بیشک آپ کا وعدہ سچا ہے۔ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ۔ اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انکے اہل و عیال کو نجات دینے کا وعدہ فرمایا تھا اس پر انہوں نے یہ دعا کی دُعا میں ادب کو ملحوظ رکھا یوں نہیں کہا کہ میرے لڑکے کو نجات دے دیجئے بلکہ یوں کہا میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے (جن کے نجات دینے کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے) یہاں مفسرین نے یہ سوال اٹھایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو اہل ایمان کو نجات دینے کا وعدہ فرمایا تھا جن میں ان کے اہل و عیال بھی تھے پھر انہوں نے اپنے کافر بیٹے کو نجات کے وعدہ میں کیسے شامل سمجھا؟ اس کے متعدد جواب لکھے گئے ہیں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ گویہ لڑکا سر دست ایمان والا اور مستحق نجات نہیں ہے۔ لیکن یا اللہ اگر آپ چاہیں تو اس کو مؤمن بنادیں تاکہ یہ بھی وعدہ نجات کا محل بن جائے خلاصہ معروض کا اس کے مؤمن ہونے کے لئے دُعا کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے انہیں جواب دیا گیا کہ اے نوح (علیہ السلام) تمہارا بیٹا ہمارے علم ازل میں تمہارے اُن گھر والوں میں سے نہیں جو ایمان لا کر نجات پائیں گے۔ اس کے اعمال دُست نہیں ہیں اور انہیں اعمال میں سے یہ ہے کہ اُسے کفر پر اصرار ہے اس کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا نہیں تو اس کے لئے نجات کی دُعا کرنے کا بھی کوئی موقع نہیں۔ فَلَا تَسْتَعِزُّ مَّا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ۔ (سوائے نوح مجھ سے اس بات کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں) تم جو یہ سمجھ رہے ہو کہ اس کے ایمان لا کر نجات پانے کا احتمال ہے قضاء و قدر کے فیصلہ کے مطابق یہ سمجھ لینا صحیح نہیں ہے۔ إِنِّي أَعْطِيكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُجْلِبِينَ (بے شک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور جاہلوں میں سے مت بنو) قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَتِلَّكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ (نوح علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس بات سے آ پکی پناہ مانگتا ہوں کہ اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے) وَلَا تَغْتَرَبَنِي وَتَرْجُمَنِي أَكُنْ مِنَ الْغَائِبِينَ (اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں تباہ کاروں میں سے ہو جاؤں گا)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیٹے کی نجات کی دُعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب اور عتاب غرق ہونے کے

بعد تھا تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ انہوں نے اس کے ایمان لانے کے لئے دُعا کی تھی تاکہ ایمان لانے والوں میں شمار ہو کر نجات پا جائے کیونکہ اس کا موقع رہا ہی نہ تھا اور اگر اسکے غرق ہونے سے پہلے یہ دُعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب مل گیا تھا کہ اسے کفر پر مرنے سے روک دیا ہے تو بیٹے سے یہ کیوں فرمایا ایمان لا کر ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔

احقر کے خیال میں اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ دُعا اور سوال و جواب بیٹے کے جواب سَاوِیْ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْغَاسِقِ اور اس کے غرق ہونے کے درمیانی وقفہ میں تھا کیونکہ ابھی موج ہی حائل ہوئی تھی اس کے غرق ہونے کا پتہ نہ چلا تھا بعد میں وہ غرق ہوا اور وَلَا تَخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا جو فرمایا تھا اس کا یہ مطلب تھا کہ کسی کافر کے کفر پر رہتے ہوئے اس کی نجات کا سوال نہ کرنا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اہل ایمان کا باسلامت کشتی سے اُترنا: قِيلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَکَاتٍ عَلَیْكَ وَکَلِّ اِمْرًا مِّنْ مَّعَكَ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ سلامتی کے ساتھ اتر جاؤ اور برکتوں کے ساتھ اتر جاؤ جو تم پر ہوں گی اور ان جماعتوں پر ہوں گی جو تمہارے ساتھ ہیں۔

جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور پانی اُتر گیا جس کی وجہ سے زمین میں بسنے کی صورت حال پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ پہاڑ سے اُترو تمہارے لئے ہماری طرف سے سلامتی ہے اور برکتیں ہیں اور جو جماعتیں تمہارے ساتھ ہیں ان پر بھی ہماری برکتیں ہیں۔ وَامْرَاَتُکَیْمَا وَبَنُوکَیْمَا اَنْزَلْنٰکُمْ مِنْہُمْ بِسَلَامٍ عَلَیْکُمْ۔ اور بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہوں گی جو آگے چل کر دائرہ ایمان سے نکل جائیں گی ان لوگوں کو ہم دنیا میں ایسی زندگی دیں گے جس سے فائدہ اٹھالیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا۔ پہلے سے بتا دیا تھا اس وقت جو زمین پر تم اُتر رہے ہو سب مسلمان ہو لیکن ان اترنے والوں کی نسلوں میں سے پھر اہل کفر پیدا ہوں گے ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا آخرت میں تو ہر کافر کے لئے سخت عذاب ہے اور بعض اُمتوں کو دنیا میں بھی اجتماعی عذاب ہوگا۔

تِلْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہَا لَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُہَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ ہٰذَا

یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے۔ آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ ان کو نہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم مانتی تھی

فَاَصْبِرْؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝

سو آپ صبر کیجئے بلاشبہ انجام کار متقین ہی کے لئے ہے

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ عبرت اور

نصیحت ہے اور خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور ان کے ساتھ اہل ایمان کی نجات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہیں اے محمد ﷺ آپ اور آپ کی قوم ان خبروں سے واقف نہیں تھے ان خبروں کا آپ کو علم ہونا جبکہ

آپ نے کسی سے پڑھا بھی نہیں پرانی قوموں کے واقعات کسی نے بتائے بھی نہیں یہ سمجھ دار انسان کے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر آپ کو مطلع فرمایا ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ اہل ایمان کی نجات پانے سے آپ کو تسلی ہونی چاہئے آپ صبر کریں جیسے انبیاء سابقین علیہم السلام صبر کرتے رہے ہیں اور انجام کار یہی ہوا کہ جو لوگ متقی تھے یعنی کفر اور شرک سے بچتے تھے انہوں نے نجات پائی اور ان کے دشمن ہلاک ہوئے اسی طرح آپ کے لئے بھی حسن عاقبت ہے اور آپ کے اصحاب کے لئے بھی۔ اہل مکہ اور دوسرے لوگ جو آپ کے مخالف ہیں ان کو بھی عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ چند دن کا کھانا پینا اور عیش کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ انجام اچھا ہونا چاہئے۔ جو متقین ہی کا حصہ ہے۔

فوائد ضروریہ

۱- حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کے بارے میں مشہور یہی ہے کہ طوفان نے ساری زمین کو گھیر لیا تھا جمہور کا یہی قول ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعا کی تھی۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَلَا يَكُفِّرُنِي دُكَّانًا۔ (اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک بھی باشندہ مت چھوڑ) اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری زمین کو طوفان نے گھیر لیا تھا لیکن بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ طوفان صرف اس علاقہ میں آیا تھا جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ یہ ایک شاذ قول ہے۔ جو جمہور کے خلاف ہے جن علماء نے اسے اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک سورۃ نوح کی آیت میں جو الْأَرْضُ آیا ہے اور جو سورۃ قمر میں وَفَجَعَلْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فرمایا ہے ان دونوں میں الف لام عہد کے لئے ہے یہ احتمال بعید نہیں ہے لہذا ان کے قول کی یقین کے ساتھ ان کے قول کی تعلیل بھی نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ اس کی تحقیق سے کوئی شرعی حکم متعلق نہیں لہذا کاوش میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں قصہ بیان کرنے کا مقصد ہر طرح حاصل ہے یعنی نصیحت اور عبرت و وعظت ہر طرح حاصل ہے اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت ارض معصورہ ہی تھوڑی سی تھی جتنی زمین پر انسانوں کی آبادی تھی اتنے ہی حصہ پر طوفان آیا اور چونکہ تھوڑے سے اہل ایمان کے علاوہ سب ہی بنی آدم ہلاک کر دیئے گئے تھے اس لئے اسکو عالمی طوفان کہنا بھی صحیح ہے مگرین کو ہلاک فرمانا تھا وہ اتنی زمین پر طوفان آنے سے ہلاک ہو گئے جتنی زمین پر آباد تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲- حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لئے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا إِنَّكَ لَكَيْسٌ مِّنْ أَهْلِكَ (کہ وہ تمہارے اہل میں سے نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ مومن اور کافر میں کوئی رشتہ نہیں اگر نسبی اعتبار سے قرابت کا رشتہ ہو تو اسکی کوئی حیثیت نہیں کسی نبی یا ولی کا بیٹا ہو اور اس کے عقائد کفریہ ہوں تو اس کا رشتہ اُسے کوئی کام نہیں دے سکتا اور اس کے رشتہ کا اعتبار بھی نہیں حضرات مہاجرین کرام کا یہی جذبہ تھا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں خونی رشتے کے لوگ سامنے آئے لیکن چونکہ وہ کافر تھے اس لئے انہیں قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا جیسا کہ کافروں نے بھی ان رشتہ داروں پر تلوار کشی کی جو اہل ایمان میں سے تھے بلکہ غزوہ بدر میں تو یہ ہوا کہ بعض انصار مقابلہ کے لئے نکلے تو مشرکین مکہ میں سے بعض افراد نے کہا کہ لَا تَرِيدُ هَؤُلَاءِ وَلَكِنْ نَبَارَ زُبْنِي عَمَّا مِنْ بَنِي عَبْدِ الْمُطَلَبِ (کہ ہم ان کے مقابلہ کا ارادہ نہیں رکھتے ہم تو بنی عبدالمطلب سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے چچا کے بیٹے ہیں) اس پر حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم نکلے جن میں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید بن عتبہ کو اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

بعد تھا تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ انہوں نے اس کے ایمان لانے کے لئے دُعا کی تھی تاکہ ایمان لانے والوں میں شمار ہو کر نجات پا جائے کیونکہ اسکا موقع رہا ہی نہ تھا اور اگر اسکے غرق ہونے سے پہلے یہ دُعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب مل گیا تھا کہ اسے کفر پر مرنے سے تو بیٹھے سے یہ کیوں فرمایا ایمان لا کر ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔

احقر کے خیال میں اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ دُعا اور سوال و جواب بیٹھے کے جواب سَاوِیْ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصُمْنِی مِنَ الْمَاءِ اور اس کے غرق ہونے کے درمیانی وقفہ میں تھا کیونکہ ابھی موج ہی حائل ہوئی تھی اس کے غرق ہونے کا پتہ نہ چلا تھا بعد میں وہ غرق ہوا اور وَلَا تَخْطِیْ بِنِیِّیْ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا جو فرمایا تھا اس کا یہ مطلب تھا کہ کسی کافر کے کفر پر رہتے ہوئے اسکی نجات کا سوال نہ کرنا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اہل ایمان کا باسلامت کشتی سے اُترنا: قِیْلَ یٰۤاٰیُّوْہُ اٰمِطْ سِلَکَہُ فَاَنْتَ وَبَرِّکَتِ عَلَیْکَ وَکَلٰی اَیُّوْہُ فَمِنْ مَّعَکَ - اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ سلامتی کے ساتھ اتر جاؤ اور برکتوں کے ساتھ اتر جاؤ جو تم پر ہوں گی اور ان جماعتوں پر ہوں گی جو تمہارے ساتھ ہیں۔

جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور پانی اُتر گیا جس کی وجہ سے زمین میں بسنے کی صورت حال پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ پہاڑ سے اُتر تمہارے لئے ہماری طرف سے سلامتی ہے اور برکتیں ہیں اور جو جماعتیں تمہارے ساتھ ہیں ان پر بھی ہماری برکتیں ہیں۔ وَ اَمْرٌ مِّنْ عِنْدِہُمْ ثُمَّ یَنْتَہُ فَاَنْتَ عَلٰی الْکُرْسِیِّ - اور بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہوں گی جو آگے چل کر دائرہ ایمان سے نکل جائیں گی ان لوگوں کو ہم دنیا میں ایسی زندگی دیں گے جس سے فائدہ اٹھالیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا۔ پہلے سے بتا دیا تھا اس وقت جو زمین پر تم اُتر رہے ہو سب مسلمان ہو لیکن ان اترنے والوں کی نسلوں میں سے پھر اہل کفر پیدا ہوں گے ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا آخرت میں تو ہر کافر کے لئے سخت عذاب ہے اور بعض اُمتوں کو دنیا میں بھی اجتماعی عذاب ہوگا۔

تِلْکَ مِنْ اَنْبِیَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہَا اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُہَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ ہٰذَا

یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے۔ آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ ان کو نہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم مانتی تھی

فَاَصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَۃَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۹﴾

سو آپ صبر کیجئے بلاشبہ انجام کار متقین ہی کے لئے ہے

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ عبرت اور

نصیحت ہے اور خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور ان کے ساتھ اہل ایمان کی نجات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہیں اے محمد ﷺ آپ اور آپ کی قوم ان خبروں سے واقف نہیں تھے ان خبروں کا آپ کو علم ہونا جبکہ

آپ نے کسی سے پڑھا بھی نہیں، پرانی قوموں کے واقعات کسی نے بتائے بھی نہیں یہ سمجھ دار انسان کے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر آپ کو مطلع فرمایا ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ اہل ایمان کی نجات پانے سے آپ کو تسلی ہونی چاہئے آپ صبر کریں جیسے انبیاء سابقین علیہم السلام صبر کرتے رہے ہیں اور انجام کار یہی ہوا کہ جو لوگ متقی تھے یعنی کفر اور شرک سے بچتے تھے انہوں نے نجات پائی اور ان کے دشمن ہلاک ہوئے اسی طرح آپ کے لئے بھی حسن عاقبت ہے اور آپ کے اصحاب کے لئے بھی۔ اہل مکہ اور دوسرے لوگ جو آپ کے مخالف ہیں ان کو بھی عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ چند دن کا کھانا پینا اور عیش کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ انجام اچھا ہونا چاہئے۔ جو متقین ہی کا حصہ ہے۔

فوائد ضروریہ

۱- حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کے بارے میں مشہور یہی ہے کہ طوفان نے ساری زمین کو گھیر لیا تھا جمہور کا یہی قول ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعا کی تھی۔ رَبِّ اَلَّذِیْ رَزَقَنَا الْاَرْضَ مِنَ الْکُفْرِ نِیْنِ دِیْکَارَا۔ (اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک بھی باشندہ مت چھوڑ) اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری زمین کو طوفان نے گھیر لیا تھا لیکن بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ طوفان صرف اس علاقہ میں آیا تھا جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ یہ ایک شاذ قول ہے۔ جو جمہور کے خلاف ہے جن علماء نے اسے اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک سورۃ نوح کی آیت میں جو الْاَرْضُ آیا ہے اور جو سورۃ قمر میں وَفَجَزَا الْاَرْضَ عِیْوُنَا فرمایا ہے ان دونوں میں الف لام عہد کے لئے ہے یہ احتمال بعید نہیں ہے لہذا ان کے قول کی یقین کے ساتھ ان کے قول کی تعلیل بھی نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ اس کی تحقیق سے کوئی شرعی حکم متعلق نہیں لہذا کاوش میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں قصہ بیان کرنے کا مقصد ہر طرح حاصل ہے یعنی نصیحت اور عبرت و وعظت ہر طرح حاصل ہے اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت ارض معمرہ ہی تھوڑی سی تھی جتنی زمین پر انسانوں کی آبادی تھی اُسے ہی حصہ پر طوفان آیا اور چونکہ تھوڑے سے اہل ایمان کے علاوہ سب ہی بنی آدم ہلاک کر دیئے گئے تھے اس لئے اسکو عالمی طوفان کہنا بھی صحیح ہے، منکرین کو ہلاک فرمانا تھا وہ اتنی زمین پر طوفان آنے سے ہلاک ہو گئے جتنی زمین پر آباد تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲- حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اٰہِلِکَ (کہ وہ تمہارے اہل میں سے نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ مومن اور کافر میں کوئی رشتہ نہیں اگر نسب اعتبار سے قربت کا رشتہ ہو تو اسکی کوئی حیثیت نہیں کسی نبی یا ولی کا بیٹا ہو اور اس کے عقائد کفریہ ہوں تو اس کا رشتہ اُسے کوئی کام نہیں دے سکتا اور اس کے رشتہ کا اعتبار بھی نہیں حضرات مہاجرین کرام کا یہی جذبہ تھا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں خونی رشتے کے لوگ سامنے آئے لیکن چونکہ وہ کافر تھے اس لئے انہیں قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا جیسا کہ کافروں نے بھی ان رشتہ داروں پر تلوار کشی کی جو اہل ایمان میں سے تھے بلکہ غزوہ بدر میں تو یہ ہوا کہ بعض انصار مقابلہ کے لئے نکلے تو مشرکین مکہ میں سے بعض افراد نے کہا کہ لا نرید ہؤلاء ولكن نبار زبنی عنما من بنی عبدالمطلب (کہ ہم ان کے مقابلہ کا ارادہ نہیں رکھتے ہم تو بنی عبدالمطلب سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے چچا کے بیٹے ہیں) اس پر حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم نکلے جن میں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید بن عتبہ کو اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے (بدر میں زخمی ہوئے تھے پھر مدینہ منورہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں وفات ہو گئی) لیکن انکے شہید کرنے والے کو (جس کا نام عقبہ تھا) بعد میں حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے قتل کر دیا۔ (البدایہ)

جب کافروں کے جذبہ عداوت کا یہ حال ہے کہ قتل کرنے کے لئے اپنے عزیزوں کو خصوصیت کے ساتھ طلب کرتے ہیں تو اہل ایمان کیوں اہل کفر سے دشمنی نہ رکھیں اور کافروں کو اپنا کیوں سمجھیں۔ کوئی کافر اپنا نہیں خواہ کیسا ہی رشتہ دار ہو **إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ** میں اس کو واضح الفاظ میں واضح فرمایا ہے۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔ فرماتے ہیں یہ ہے۔

پس نوح بابت بابت خاندان نبوت گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند بچے نیکاں گرفت مردم شد

۳- جودی پہاڑ کہاں ہے جس پر کشتی ٹھہری تھی اس کے بارے میں معجم البلدان میں لکھا ہے کہ یہ ایک پہاڑ ہے جو مدینہ سے مشرقی جانب ہے جزیرہ ابن عمر پر محیط ہے اور یہ شہر موصل کے مضافات میں ہے (جو عراق کے شہروں میں سے ہے) یہ جزیرہ ابن عمر برقعہ کی طرف منسوب ہے۔ محقق ابن جزری امام التاجید والقرآنہ کی نسبت بھی اسی کی طرف ہے۔

۴- آیت کریمہ **وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ** میں نصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بہت سی وجوہ اعجاز ہیں جن کو علامہ سکا کی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے جمع کیا ہے پھر حافظ شمس الدین ابن الجزری صاحب مقدمہ الجزریہ نے کفایۃ الالسمعی فی آیۃ یا ارض ابْلَعِ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں علامہ سکا کی کی بیان کردہ وجوہ اعجاز پر اضافہ کیا۔ (ذکرہ حاجی خلیفہ فی کشف الظنون)

وَالِی عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنْ أَنْتُمْ

اور قوم عاد کی طرف ہم نے انکے بھائی ہود کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں تم صرف

الْمُفْتَرُونَ ۚ يَقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجَبْتُمْ إِلَّا عَمَلِيَ الَّذِي فُطِرْتُمْ

جھوٹ بولتے ہو اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی مزدوری طلب نہیں کرتا۔ میرا جز صرف اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا کیا تم سمجھ نہیں رکھتے

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۚ وَيَقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ

اور اے میری قوم تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کے حضور میں توبہ کرو وہ تم پر خوب بارشیں بھیج دے گا

مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا حُرْمِينَ ۚ قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْتَنَا

اور تمہیں جو قوت حاصل ہے اس سے زیادہ قوت عطا فرمائے گا اور تم مجرم بن کر روگردانی کرنے والے نہ بنو کہ کہنے لگے کہ اے ہود تم ہمارے پاس

بِسَيِّئَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۚ

کوئی دلیل نہیں لائے اور ہم تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں

إِنْ تَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوِّ قَالِ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدْ وَ

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں کوئی خرابی پہنچادی ہے۔ ہود نے کہا کہ بیشک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم گواہ ہو جاؤ کہ

أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۴۵﴾ مِنْ دُونِهِ فَلَكَيدٌ وَنِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظَرُونَ ﴿۴۶﴾ إِنِّي

بیشک میں اُن چیزوں سے بری ہوں جنہیں تم اللہ کے علاوہ شریک قرار دیتے ہو۔ تو سب لکیر میرے بارے میں تدبیریں کر لو پھر مجھے مہلت نہ دو بیشک

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي

میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی پیشانی اسکی گرفت میں نہ ہو بیشک میرا رب

عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴۷﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ

صراطِ مستقیم پر ہے سو اگر تم روگردانی کرو تو میں سب کچھ پہنچا چکا ہوں جو پیغام دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے اور

رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا إِنَّ رَبِّي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيزٌ ﴿۴۸﴾

میرا رب تمہارے سوا کسی دوسری قوم کو تمہارے قائم مقام کر دے گا اور تم اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے بیشک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَاهُمْ هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ

اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو اور اُن لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لا کر اُن کے ساتھ تھے اور ہم نے انہیں

عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿۴۹﴾ وَتِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نُرْسِلُكَ فِيهَا وَنُخَوِّفُكَ بِهَا الْقَوْمَ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۵۰﴾

سخت عذاب سے نجات دے دی اور یہ تھے قوم عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور

كُلَّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿۵۱﴾ وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا إِنَّ

ہر سرکش ضدی کی بات کا اتباع کیا اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی خبردار بلاشبہ

عَادًا الْكَافِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا بَعْدَ الْعَادِ قَوْمُ هُودٍ ﴿۵۲﴾

قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا خبردار عاد کے لئے دوری ہے جو ہود کی قوم ہے

قوم عاد کو حضرت ہود علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا

اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا ہلاک ہونا

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام کی سرکشی اور ضد و عناد اور کفر و تکذیب کی سزا کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم یعنی قوم عاد کی سرکشی و نافرمانی اور ضد و عناد کی تکذیب کا تذکرہ فرمایا یہ لوگ بڑی قوت والے اور بڑے ذلیل ڈول والے تھے ان

کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ سورۃ الفجر میں ہے اَلَمْ تَرْكِبْ فَعَلَّ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرْضَاتِ الْعِمَادِ اَلَيْسَى لَمْ يُخْلَقْ وَمَثَلُهَا فِي الْبِلَادِ (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کی قد و قامت ستون جیسی تھی جن کے شہروں میں ان جیسا پیدا نہیں کیا گیا)

اور سورہ حم سجدہ میں ان کے غرور اور گھمنڈ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ فَاتَّكَأُ عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْاَرْضِ يَغْدُو الْغَدَى وَقَالُوا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً لیکن قوم عاد نے زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے کہا کہ زور آوری میں ہم سے زیادہ بڑھ کر کون ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوَلَمْ يَدْرُوا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے انہیں پیدا فرمایا ان سے بڑھ کر قوت والا ہے) حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد ہی میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو انکی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں تبلیغ کی تو حید کی دعوت دی شرک سے باز آنے کی تلقین فرمائی اور ان سے فرمایا کہ دیکھو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرو اسی پر ایمان لاؤ اور اسی کی عبادت کرو اور یہ جو تم نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں ان کو تم اللہ کا شریک بتاتے ہو یہ تمہارا افتراء ہے اور جھوٹ ہے۔ سورہ اعراف میں ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ کی نعمتیں بھی یاد دلائیں اور ان سے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین میں بسایا ہے اُنکے بعد تم زمین میں رہتے رہتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذیل ذول بھی خوب دیا ہے تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو لیکن انہوں نے کہا کہ تم تو بے وقوف آدمی ہو اور ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ (سورہ اعراف رکوع ۹) اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم ہمارے پاس کوئی دلیل و حجت تو لائے نہیں ہو جسکی وجہ سے ہم تمہیں اللہ کا رسول مانیں (یہ انہوں نے عناداً کہا) اور ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ یعنی آسیب وغیرہ پہنچا کر دیوانہ بنا دیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں اور میں اس پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ ہو اور یہ بھی فرمایا کہ دیکھو اب تو میرے اور تمہارے درمیان کھل کر دشمنی ہو گئی تم میرے دشمن ہو اپنی دشمنی میں کوئی کسر نہ اٹھا کر رکھو مجھے دکھ پہنچانے میں تم سے جو کچھ مکر حیلہ سازی ہو سکے تم سب مل کر اس پر عمل کرو پھر مجھے ذرا سی بھی مہلت نہ دو دیکھو تم میرا کیا بازو کتے ہو؟ میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے تم اتنے سارے ہو قوت و شوکت والے ہو میں اکیلا ہوں اللہ کا توکل وہ چیز ہے جسے یہ چیز حاصل ہو جائے اُس کے سامنے مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہذا میں تمہیں کچھ نہیں سمجھتا۔ زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں ان سب کی پیشانی اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ مالک ہے قادر ہے قاہر ہے تم بھی زمین پر چلتے پھرتے تم بھی اسکی مخلوق ہو اور مقہور و مجبور ہو تمہیں اس سے ڈرنا چاہئے بیشک میرے رب کی رضا صراطِ مستقیم پر چلنے میں ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتیں بھی یاد دلائیں اور آئندہ نعمتیں ملنے کا عملی طریقہ بتایا اور وہ یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو یعنی ایمان لاؤ تمہارا گزشتہ سب کچھ معاف ہو جائے گا اسکے حضور میں توبہ بھی کرو اللہ تعالیٰ تم پر خوب بارش بھیج دے گا جو ضرورت کے وقت خوب برسی رہے گی اور تمہاری جو موجودہ قوت و طاقت و زور آوری ہے اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ بڑھا دے گا۔ صاحب معالم التذیل نے لکھا ہے کہ تین سال تک بارشیں نہیں ہوئی تھیں اور عورتیں بانجھ ہو گئی تھیں اولاد پیدا نہ ہوتی تھی مال و اولاد نہ ہونے سے قوت میں کمی ہو رہی تھی حضرت

ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی طرف رجوع کرو مال بھی ملے گا اور اولاد بھی ہوگی اور ان دونوں کے ذریعے تمہاری قوت میں اضافہ ہوگا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے واضح طور پر فرمادیا کہ دیکھو اگر تم زور گردانی کرو گے اور جو پیغام میں لے کر آیا ہوں اسے نہ مانو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور تمہارے بعد اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو زمین میں بसा دے گا اپنے زور و قوت پر جو تمہیں گھمنڈ ہے یہ بیجا ہے اللہ تعالیٰ عذاب بھیج دے گا تم اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے اور یہ نہ سمجھنا کہ جب عذاب آئے گا تو سب پر آئے گا عذاب کافروں پر آئے گا اہل ایمان محفوظ رہیں گے اِنْ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ (بے شک میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔ وہ اہل ایمان کو بچالے گا) اُن کی قوم نے کہا کہ تم ہمیں یہ پیغام دے رہے ہو کہ ہم صرف تمہا اللہ کی عبادت کریں اور اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (یہ ہم سے نہیں ہو سکتا) تم جو یہ بار بار کہتے ہو کہ عذاب آئے گا عذاب آئے گا اگر تم سچے ہو تو عذاب لے آؤ۔ ایک تو انہوں نے کفر و شرک کو نہیں چھوڑا دوسرے اپنے منہ سے عذاب طلب کیا۔ لہذا حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا قَدْ وُقِعَ عَلَیْکُمْ مِّنْ رَبِّکُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ (تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ نازل ہونے کا فیصلہ ہو چکا) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان پر عذاب آیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں یعنی اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی اور باقی قوم کو سخت عذاب میں مبتلا فرمایا جس سے وہ ہلاک ہو گئے اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی بھیجی جو سات رات اور آٹھ دن تک برابر چلتی رہی اور وہ ایسے رہ گئے گویا خالی کھجوروں کے تنے ہوں جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے اور سورۃ احقاف میں فرمایا قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّطِیْرٌ ۙ

بَلْ هُوَ اَسْتَحْجِلُتُمْ بِطَبَیْعِہٖ فِیْہَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ اَلَمْ یَرْکُبُوْا نَارَہَا فَاَصْبَحُوْا لَا یَذَرٰی اِلَّا سَکِیْنٌ مُّخْذِلٌ ۚ کَذٰلِکَ یَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ (سو جب انہوں نے بادل کو دیکھا جو اُن کی وادیوں کے سامنے آ رہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہے جو ہم پر پانی برسانے والا ہے یہ بات نہیں کہ وہ پانی برسائے گا بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی۔ سو وہ لوگ صبح کے وقت اس حال میں ہو گئے کہ اُن کے رہنے کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا ہم اسی طرح مجرمین کو بدلہ دیا کرتے ہیں) سورۃ حم سجده اور سورۃ الذاریات اور سورۃ الحاقہ میں بھی قوم عاد پر سخت ہو عذاب آنے کا ذکر ہے۔ واقعہ عذاب بتا کر ارشاد فرمایا وَاتَّبِعُوا فِیْ ہٰذِہِ الدُّنْیَا نَعْتَةً وَّیَوْمَ الْقِیَمَۃِ (اور اس دنیا میں اُنکے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی) یعنی وہ دنیا میں بھی ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی ان پر لعنت ہوگی اَلَا اِنَّ عَادًا کَفَرُوْا رَبَّہُمْ (خبردار عادنے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا) اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ۔ (خبردار اللہ کی رحمت سے قوم عاد کے لئے دوری ہے جو ہود کی قوم تھی) قوم ہود کی تکذیب اور ضد و عناد اور ہلاکت و بربادی کا واقعہ سورۃ اعراف رکوع نمبر ۹ میں بھی گزر چکا ہے وہاں بھی دیکھ لیا جائے۔

وَالِیْ شُوْدَ اَخَاہُمْ صُلْحًا ۚ قَالَ یَقُوْمُ اَعْبُدُوْا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِہٖ ۚ ہُوَ

اور ہم نے قوم شود کی طرف اُنکے بھائی صالح کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں

اَنْتُمْ اَنْتُمْ مِّنْ اَرْضٍ وَّاسْتَعْمَرْتُمْ فِیْہَا فَاسْتَغْفِرُوْہُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْہِ طٰتِرًا رَّبِّیْ

اس نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور تمہیں اس میں آباد فرمایا سو تم اس سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو۔ بیشک میرا رب

قَرِيبٌ مُّحِيبٌ ۝۱۰ قَالُوا يٰصَلِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ

قریب ہے قول کرنے والا ہے وہ کہنے لگے کہ اے صالح اس سے پہلے تو ہمیں تم سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں کیا تم ہمیں ان چیزوں کی عبادت کرنے سے روکتے ہو

لَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٌ ۝۱۱ قَالِ يٰقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن

جن کی عبادت ہمارے باپ لاکھ کر تے تھے بلاشبہ ہم بات کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ تم ہمیں دعوت دیتے ہو یہ شک نہ تو میں ڈالنے والا ہے نہ صالح نے کہا کہ اے میری قوم

كُنْتَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَاتَّبِعْنِي مِنهٗ رَحْمَةًۦ فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِن

تم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہے پھر وہ کون ہے جو مجھے اللہ سے

عَصِيَّةٌۭ فَمَا تَزِيدُ مِنِّي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝۱۲ وَيَقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌۦ فَذَرُوهَا

بچالے گا اگر میں اسکی نافرمانی کروں؟ سو تم میرے لئے نقصان ہی کو بڑھا رہے ہو اور اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے یہ بطور نشانی کے ہے سو تم

تَأْكُلْ فِي۟ اَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُوْهَا سُوًۗءًۭۭ فَيَاْخُذْكُمْ عَذَابٌۭ قَرِيبٌ ۝۱۳ فَعَقَرُوهَا

اسے چھوڑ دے کہو اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے بُرائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا پھر تمہیں جلد آنے والا عذاب پکڑ لے گا سو انہوں نے اس کو مار ڈالا

فَقَالِ تَسْتَعْوِا۟ فِي۟ دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍۭ ذٰلِكَ وَعَدُّ غَيْرُ مَكْدُوْبٍ ۝۱۴ فَلَمَّا جَاءَ

اس پر صالح نے کہا کہ تم تین دن اپنے گھروں میں بسر کرو یہ ایسا وعدہ ہے جو چھوٹا ہونے والا نہیں ہے پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا

اَمْرُنَا نَجِيْبًا صٰلِحًاۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُۥ بِرَحْمَةٍۭ مِنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمٍۭ ذٰلِكَۙ اِنَّ

تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ اہل ایمان تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے نجات دی بیشک

رَبُّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝۱۵ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْغَةَ فَاصْبَحُوْا فِي۟ دِيَارِهِمْ

تیرا رب قوت والا ہے اور زبردست ہے اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہیں جج نے پکڑ لیا۔ سو وہ اپنے گھروں میں لوٹے۔ منہ پڑے ہوئے رہ گئے جیسا کہ ان گھروں میں

جٰثِيْنَ ۝۱۶ كَاٰنَ لَمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَا اِنَّ شُؤْدَا۟ كُفْرًاۙ وَارْتِهَادًاۙ اِلَّاۤ اِبْعَدَ الشُّؤْدُ ۝۱۷

بھی بے ہی نہ تھے خبردار قوم شہود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا خبردار دوری ہے شہود کے لئے

قوم شہود کو حضرت صالح علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا

اور قوم کا نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہونا

تفسیر: سورہ اعراف کے رکوع میں حضرت صالح (علیہ السلام) اور انکی قوم شہود کا واقعہ تفصیل کیساتھ بیان کیا جا چکا

ہے وہاں مراجعت فرمالیں مختصر طریقے پر یہاں بھی لکھا جاتا ہے حضرت صالح (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ قوم عاد کے بعد تھی سورہ اعراف میں ہے کہ حضرت صالح (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا: وَادْكُرُوا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأْنَاكُمْ فِي الْاَرْضِ فَتَحِلُّونَ مِنْ سُهُولِهَا فُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا فَاذْكُرُوا اِلٰهَ اللّٰهِ وَلَا تَعْبُوا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِينَ (اور تم یاد کرو جبکہ اللہ نے تمہیں قوم عاد کے بعد آباد کیا اور زمین میں تمہیں رہنے کو ٹھکانہ دیا تم نرم زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے ہو سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت مچاؤ)۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو استغفار کرنے کے لئے یعنی ایمان لانے کے لئے فرمایا اور آئندہ باقی زندگی میں اللہ کی طرف رجوع کرنے اور توبہ کرنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ میرا رب قریب ہے جو دعا کرو گے سنے گا اور عجیب بھی ہے دعا کو قبول فرمائے گا اور انہیں بتا دیا کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے ان لوگوں نے ضد و عناد پر کمر باندھ لیا اور حضرت صالح (علیہ السلام) سے کہنے لگے کہ میاں تم توبہ بے سمجھدار ہونہار تھے ہم تم کو اپنا سردار بناتے اور اپنے کاموں میں تمہیں آگے آگے رکھتے تم نے جو یہ باتیں نکالی ہیں کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور باپ دادے جتنی عبادت کرتے تھے انہیں یکسر چھوڑ بیٹھیں یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں تم ہمیں جس بات کی دعوت دے رہے ہو ہمیں تو اسکے صحیح ہونے میں شک ہے شک بھی معمولی نہیں بڑا شک ہے جو بڑے تذبذب اور تردد میں ڈالنے والا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت دی ہے یعنی نبوت عطا فرمائی ہے اگر میں تمہاری جاہلانہ باتوں کا اتباع کروں تو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو جاؤں گا اگر اللہ تعالیٰ نے اس نافرمانی میں میرا مواخذہ فرمایا تو اللہ کے سوا کون میری مدد کرے گا۔ تمہارا اتباع کرنے سے برابر میرا نقصان ہی ہوتا رہے گا۔ ان لوگوں نے بڑی بیہودہ اور بے ٹکی باتیں کیں اور یوں بھی کہا کہ اچھا اگر تم پیغمبروں میں سے ہو تو عذاب لا کر دکھا دو جس سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو (کمافی سورۃ الاعراف) نیز انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ پہاڑ سے اگر اونٹنی نکل آئے تو ہم مان لیں گے کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اونٹنی نکال دی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو نشانی کے طور پر ہے اس کو چھوڑ دو تا کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور یہ بھی فرمایا کہ اس اونٹنی کے پانی پینے اور تمہارے مویشیوں کے پانی پینے کے لئے باری مقرر کی جاتی ہے۔ (وَلْيَسْمَعُوا اَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلَّ شَرْبٍ مَّخْتَصِرٌ) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ تم اس اونٹنی کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا یعنی اس کے درپے آزار نہ ہونا اور اسے قتل مت کرنا اگر تم نے ایسا کیا تو جلد ہی عذاب آ جائے گا۔

ان لوگوں نے اول تو خود اپنے منہ سے فرما کر مجرہ طلب کیا پھر مجرہ ظاہر ہو گیا تو ایمان نہ لائے بلکہ اوپر سے اس اونٹنی کے قتل کے مشورے کرنے لگے آپس میں مشورہ کر کے ایک آدمی کو تیار کیا کہ اس اونٹنی کو بارڈالو چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا (فَنَادُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَسَ)۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ دیکھو تم تین دن اپنے گھروں میں رہ لو اس کے بعد عذاب آ جائے گا یہ وعدہ جھوٹ نہیں ہے۔

تین دن گزرنے کے بعد عذاب آ گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح (علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھیوں کو جو اہل

ایمان تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے بھی نجات دے دی کیونکہ جس قوم پر اللہ کا عذاب آتا ہے۔ وہ ذلیل و رسوا بھی ہوتی ہے یہ اہل ایمان عذاب سے بھی محفوظ رہے اور ذلت سے بھی محفوظ رہے۔

قوم پر جو عذاب آیا اس کے لئے فرمایا: **وَ أَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثِيمِينَ** جن لوگوں نے ظلم کیا انکو چیخ نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے گویا کہ ان میں رہے ہی نہ تھے **أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ** (خبردار قوم ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا) **أَلَا بَعْدَ الْقَمُودِ** (خبردار دوری ہے ثمود کے لئے) یہ قوم دنیا میں بھی اللہ کی رحمت سے دور ہوئی اور آخرت میں بھی۔

فائدہ: سورہ اعراف میں ہے کہ ان لوگوں پر رزقہ یعنی زلزلے کا عذاب آیا تھا اور یہاں چیخ سے ہلاک ہونے کا ذکر ہے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے زلزلہ اور چیخ دونوں ہی جمع ہو گئے تھے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اوپر سے چیخ آئی اور نیچے سے زلزلہ آیا دونوں اُنکی ہلاکت کا سبب بنے۔ مفسر بغوی معالم التنزیل (ص ۳۹۱ ج ۲) میں لکھتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک زوردار چیخ ماری جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے انہوں نے سلام کے الفاظ بولے ابراہیم نے سلام کا جواب دیا پھر دیر نہ لگائی کہ ایک تلا ہوا

بِعِجْلٍ حَمِيدٍ ۝ فَلَمَّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكَرَهُمْ وَأَوَّجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۝

پھر اُلے آئے۔ سو جب ابراہیم نے دیکھا کہ اُن کے ہاتھ اسکی طرف نہیں پہنچ رہے ہیں تو اُن کی طرف سے خوفزدہ ہو گئے

قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَى قَوْمِ لُوطٍ ۝ وَأَمْرَاتُ قَائِمَةٌ فَضْحِكْتَ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ ۝

انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں بیشک ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اُنکی بیوی کھڑی ہوئی تھی سو بس پڑی سو ہم نے اُسے اسحاق کی

وَمِنْ وَرَاءِ الْإِسْحَاقَ يُعْقُوبَ ۝ قَالَتْ يُونُكُمْنِي ءَالِدٌ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا ۝

اور اسحق کے پیچھے یعقوب کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی وہ کہنے لگی ہائے خاک پڑے میں بچہ جنوں کی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بڑے میاں ہیں

إِنَّ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمْتُ اللَّهُ وَبَرَكَتُهُ ۝

بیشک یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ وہ کہنے لگے کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے اے اہل بیت تم پر

عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مُجِيدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ

اللہ کی رحمت ہو اور اسکی برکتیں ہوں بلاشبہ اللہ مستحق حمد ہے بڑائی والا ہے پھر جب ابراہیم کا خوف جاتا رہا اور اس کے پاس

الْبُشْرَى مُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ۝ يَا إِبْرَاهِيمُ

خوشخبری آگئی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں جدال شروع کر دیا بیشک ابراہیم بڑا با زرحم دل رجوع کرنے والے تھے اے ابراہیم

أَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ لِإِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مُرْدُوْدٍ ﴿۴۰۸﴾

اس بات سے اعراض کرو بیشک تمہارے رب کا حکم آچکا ہے اور بیشک اُن پر عذاب آنے والا ہے جو واپس نہ ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتوں کا

حاضر ہونا اور فرشتوں کا بیٹے اور پوتے کی بشارت دینا

تفسیر: حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا وطن ایران اور عراق کے درمیان تھا اُنکی قوم بت پرست تھی نمرود کی حکمت تھی وہاں انہوں نے توحید کی دعوت دی قوم نے مخالفت کی دشمنی پر اتر آئے حتیٰ کہ آپ کے باپ نے بھی یوں کہہ دیا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَأَكْفِرَنَّ بِكَ وَأَهْمُرُنِي بِكَ (اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار دوں گا اور تو مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے) ان لوگوں نے آگ میں ڈال دیا اللہ نے آگ اُن پر ٹھنڈی کر دی اور وہ اس میں سے صحیح سلامت باہر نکل آئے اور پھر اپنا وطن چھوڑ کر ملک شام کے علاقہ فلسطین میں آباد ہو گئے۔ حضرت لوط (علیہ السلام) اُنکے بھتیجے تھے وہ بھی ساتھ آ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی نیز حضرت لوط (علیہ السلام) کو بھی نبوت سے نوازا تھا۔ شام ہی کے علاقہ میں حضرت لوط (علیہ السلام) کی قوم آباد ہوئی تھی جہاں آجکل بحریت ہے اُنکی قوم نے بڑی سرکشی کی اور یہود کی اور بد فعلی اور بد کاری کو اپنا مقصد زندگی بنا رکھا تھا جب اُن کی قوم پر عذاب بھیجے گا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا تو فرشتے اول حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس آئے جو انسانی صورتوں میں تھے انہوں نے آ کر سلام کیا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جواب دیا اور جلدی سے اندر تشریف لے گئے اور بھنا ہوا پچھڑے کا گوشت اُن کے لئے مہمانی کے طور پر لے آئے یہ پچھڑا فریبہ اور موٹا تازہ تھا جیسا کہ سورۃ الذریات میں فرمایا ہے بِعَجَلٍ سَمِعْنَا حَدِيثَ شَرِيفٍ مِّنْ رَبِّكَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مہمانی کی (اول الناس ضيف الضيف كما في المشكوة ص ۲۸۵) آنے والے مہمان فرشتے تھے وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ گوشت سامنے رکھا ہوا ہے لیکن اُن کے ہاتھ اسکی طرف نہیں بڑھتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جب یہ ماجرا دیکھا تو خوف زدہ ہو گئے کہ یہ کون لوگ ہیں عجیب سے لوگ معلوم ہوتے ہیں کھانا سامنے رکھا ہے کھاتے نہیں ہیں نہ صرف دل سے خوف زدہ ہوئے بلکہ زبان سے بھی کہہ دیا اِنَّا مِنْكُمْ وَاجِلُوْنَ (کہ ہمیں تم سے ڈر لگ رہا ہے) فرشتوں نے کہا کہ ڈرو نہیں ہم تمہیں ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو صاحب علم ہوگا بیٹا ہونے کی بشارت دی اور اس کے ساتھ ہی پوتا ہونے کی بھی بشارت دیدی یہ بیٹا اسحق اور پوتا یعقوب (علیہما السلام) تھے۔ بیٹے کی بشارت سنی تو کہنے لگے اَبَشْرُ تَمُوْنِيْ عَلٰی اَنْ فَتَسْنِيْ الْاَكْبَرُ فِیْمَ تُبْکِرُوْنَ (کیا تم مجھے اس حالت میں بشارت دے رہے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا آچکا ہے سو کس چیز کی بشارت دے رہے ہو) قَالَ اَبَشْرُ نَاٰکَ بِاٰتِیِّیْ فَلَا تَحْزَنْ مِنْ الْفَاقِطِیْنَ (انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بشارت دی ہے سو تم ناامید ہو جانے والوں میں سے مت بنو) نیز ان فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ہم قوم لوط (علیہ السلام) کی طرف بھیجے گئے ہیں (تاکہ ان پر عذاب لے کر آئیں) وہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ بھی کھڑی تھیں انہیں ہنسی آ گئی ہنسی کس بات پر آئی اسکے بارے میں صاحب معالم التنزیل نے کئی قول نقل کئے ہیں اس میں سے ایک قول یہ ہے کہ انہیں اس بات پر ہنسی آئی کہ ہم ان مہمانوں کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں ان کو کھانا پیش کیا لیکن کھاتے ہی نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ چونکہ فرشتوں نے یوں بھی کہہ دیا تھا کہ ہم قوم لوط علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے ہیں اس لئے مومنہ خاتون کو اُن کی غفلت پر ہنسی آ گئی کہ دیکھو

وہ لوگ کیسے غافل ہیں عذاب قریب آچکا اور وہ اپنی مستیوں میں لگے ہوئے ہیں فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو بھی بشارت دی اور کہا کہ تم سے لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام اسحق (علیہ السلام) ہوگا اور پھر اُس لڑکے کا لڑکا ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہوگا وہ کہنے لگیں ہائے خاک پڑے (عورتیں تعجب کے وقت یہ لفظ بولا کرتی ہیں) کیا میں اب جنوں گی جب بڑھیا ہو چکی ہوں اور نہ صرف یہ کہ میں بڑھیا ہوں میرے یہ شوہر جو بیٹھے ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں بوڑھے مرد بوڑھی عورت سے اولاد پیدا ہو یہ تو عجیب بات ہے فرشتوں نے کہا ہم تو تمہیں اللہ کی طرف سے بشارت دے رہے ہیں تمہیں اللہ کے حکم پر تعجب ہو رہا ہے وہ جس سے چاہے اور جب چاہے اولاد پیدا فرما سکتا ہے اس کے بعد فرشتوں نے اللہ کی رحمت اور اس کی برکتوں کی دعا دی اور کہا کہ رَحِمْتُ اللّٰهُ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَہْلَ الْبَیْتِ (کہ اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں) اِنَّکُمْ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ۔ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام تعریفوں کا مستحق ہے اور بزرگ ہے)۔

اس کے بعد اُسی بیوی سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اسحق (علیہ السلام) رکھا گیا اور بعد میں اس صاحبزادہ کا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یعقوب (علیہ السلام) رکھا گیا۔ اس بیوی کا نام سارہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی لڑکی تھی اور ہجرت کر کے ہمراہ آئی تھی۔ دوسری بیوی کا نام ہاجرہ تھا اُس سے حضرت اسمعیل (علیہ السلام) پیدا ہوئے۔ ہاجرہ اور اسمعیل دینی دونوں ماں بیٹے ہیں جنہیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) مکہ معظمہ کے چٹیل میدان میں چھوڑ گئے تھے جس کا واقعہ سورہ بقرہ کی آیت اِنَّ الصّٰفَا وَالْمَرْوَةَ کی آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ (انوار البیان ج ۱)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف جاتا رہا تو اب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ شانہ سے یہ دعائاں گئے لگے کہ ان کو ہلاک نہ کیا جائے کیونکہ ان کے اندر لوط علیہ السلام موجود ہیں اُس کو یَجَادِلُنَا سے تعبیر فرمایا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ جدال فرشتوں سے تھا کیونکہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے اس لئے یوں فرمایا کہ وہ ہم سے جدال کرنے لگے سورہ عنکبوت میں ہے کہ جب فرشتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّ فِیْہَا لَظُلُمًا (اس بستی میں لوط موجود ہیں) اس پر فرشتوں نے جواب دیا مَنْ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْہَا ہمیں اُن سب کا خوب علم ہے جو اس بستی میں ہیں لَنْ نَّیْقِیْکَہٗ وَاَہْلَکَہٗ اِلَّا اَمْرًا اَنْتَ کَانَتَ مِنَ الْمُنْذَرِیْنَ (ہم لوط اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے بجز اسکی بیوی کے وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش تھی کہ عذاب نہ آئے انہوں نے عذاب رکوانے کے لئے وہاں لوط علیہ السلام کے موجود ہونے کو رحم لانے کے لئے پیش کیا اُن کے اسی جذبہ کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ اِبْرٰہِیْمَ سَلَّمَ اَوْ اَوْ اَمْنِیْبٌ (کہ بلاشبہ ابراہیم (علیہ السلام) بُر دبار رحم دل تھے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے) اللہ کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کو ہلاک کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا اور اسی لئے فرشتے آئے تھے انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) سے کہا کہ اس بات کو جانے دو تمہارے رب کا فیصلہ ہو چکا ہے ان پر عذاب ضرور آئے گا جو بٹنے اور واپس ہونے والا نہیں ہے۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا بَیِّنًاۙ اٰیٰتِہُمْ وَضَاقَ بِہُمْ ذَرْعًاۙ وَاٰلَ ہٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌۙ

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ انکی وجہ سے رنجیدہ ہوئے اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے آج کا دن مصیبت کا دن ہے

وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۖ قَالَ يَقَوْمِ هَؤُلَاءِ

اور انکی قوم کے لوگ ان کے پاس جلدی جلدی دوڑتے ہوئے آ گئے اور وہ اس سے پہلے بڑے کام کیا کرتے تھے لوط نے کہا اے میری قوم

بنائی ہوں اظہر لکم فاتقوا اللہ ولا تمخزونی فی ضیعی ۖ اکیس منکم رجلاً

یہ میری بیٹیاں ہیں وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا

رشیّد ۱۵۰ قالوا لقد علمت ما لنا فی بناتک من حق ورائک لتعلم ما نرید ۱۵۱

مانس نہیں ہے کہنے لگے کہ تمہیں تو معلوم ہے کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اور تم تو جانتے ہو ہمارا کیا مطلب ہے

قال لو ان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید ۱۵۲ قالوا یلوط اننا رسل ربک

لوط نے کہا کاش میرا تم پر زور چلتا ہوتا یا میں کسی مضبوط پائے کی پناہ لے لیتا۔ فرشتوں نے کہا اے نوح بیٹک ہم تیرے رب کے بھیجے

لن یصلوا الیک فاسر باہلک بقطعہ من النیل ولا یلتفت منکم احد الا امراتک ۱۵۳

ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچیں گے سو تم اہلک کے قطعہ سے نکل کر نیل کے کنارے جاؤ اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے نہ گھومے کہانی یہی کہتا تھا نہ لے جانا

انہ مضیبتہما ما اصابہم ان موعدهم الصبح اکیس الصبح یقریب ۱۵۴ فلما

بیٹک اُسے وہی عذاب پہنچے گا۔ بیٹک صبح کا وقت ان کے عذاب کے لئے مقرر ہے کیا صبح قریب نہیں ہے۔

جاء امرنا جعلنا علیہا سافلہا وامطرنا علیہا حجارة من سخیلہ منضودہ ۱۵۵ مسوۃ

سو جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے زمین کے اوپر کے تختے کو پتھر کر دیا اور ہم نے اس زمین پر نکلنے کے پتھر برسا دیئے جو لگا تار گر رہے تھے جن پر

عند ربک وما ہی من الظالمین یبعید ۱۵۶

آپ کے رب کے پاس سے نشان لگائے ہوئے تھے اور یہ بستیوں ان ظالموں سے دور نہیں

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا انکی

بدکار قوم کا ہلاک ہونا اور اہل ایمان کا نجات پانا

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے جو فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے تھے وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام)

کو بشارت دے کر اور ان کے مکالمہ اور مجادلہ سے فارغ ہو کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے جو انسانی شکلوں میں تھے

حضرت لوط (علیہ السلام) کی قوم کو لڑکوں اور مردوں کے ساتھ بد فعلی کی عادت تھی وہ منع کرتے تھے تو باز نہ آتے تھے اور اُلٹا

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو طعنہ دیتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ بڑے

پاک باز بنتے ہیں (جیسا کہ سورہ اعراف کے رکوع ۱۰) میں گذر چکا ہے۔ فرشتے حسین اور خوبصورت مردوں کی صورت میں آئے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو رنج ہوا اور تنگ دل ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ مہمانوں کے ساتھ حرکت بد کرنے کا ارادہ کریں گے جب وہ لوگ جلدی جلدی دوڑے ہوئے آئے تو حضرت لوط (علیہ السلام) نے اُن سے کہا کہ دیکھو یہ میری بیٹیاں ہیں یعنی وہ عورتیں جو میری اُمت میں ہیں یہ تمہارے لئے بہتر ہیں ان سے نکاح کرو اور اپنا کام چلاؤ، ان پاکیزہ عورتوں کو چھوڑ کر ایسے کام کا ارادہ نہ کرو جو اللہ کی ناراضگی لانے والا کام ہے، پھر یہ بھی دیکھ لو کہ یہ میرے مہمان ہیں تم ان سے اپنے مطلب برآری کا ارادہ کر کے مجھے ان میں رسوا نہ کرو کیا تم سبھی کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے کیا تم میں کوئی اچھا آدمی صحیح رائے والا نہیں ہے؟

ان کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی مطلب اور سروکار نہیں ہمارا جو مطلب ہے وہ تم جانتے ہو۔ حضرت لوط (علیہ السلام) نے جب انکی ضد دیکھی اور انکی طرف سے نصیحت قبول کرنے سے ناامید ہو گئے تو کہنے لگے کہ کاش تمہارے مقابلہ میں مجھے قوت حاصل ہوتی یا میں کسی مضبوط پائے کی طرف ٹھکانہ پکڑ لیتا یعنی میں کسی ایسی قوم کا فرد ہوتا جو کنبہ اور قبیلہ اور جتھہ والی ہوتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت لوط (علیہ السلام) کے بعد اللہ نے جو بھی کوئی نبی بھیجا وہ عزت اور زور آور اور عزت والی قوم میں سے تھا۔ (درمنثور ص ۳۳۳ ج ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ لوط پر رحمت فرمائے وہ مضبوط پائے کی طرف ٹھکانہ پکڑ رہے تھے۔ (رواہ البخاری ص ۸۷ ج ۱)

فرشتوں نے جب حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی دیکھی تو انہوں نے کہہ دیا کہ بیشک ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ تمہارا کچھ نہ کر سکیں گے۔ آپ تک انکی رسائی ہرگز نہ ہوگی اور یہ تو خود ہلاک ہونے والے ہیں ہم ان کی ہلاکت کے لئے بھیجے گئے ہیں اور چونکہ اہل ایمان کو محفوظ رکھنا (اور اہل ایمان صرف حضرت لوط کے گھر والے ہی تھے) ضروری ہے اس لئے آپ رات کے وقت میں انہیں لے کر باہر چلے جائیے اور برابر چلتے جائیں تم میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے مگر آپ کی جو بیوی ہے وہ ساتھ نہ جائے گی (وہ کافرہ تھی) اس پر بھی وہی عذاب آنے والا ہے جو بستی کے دوسرے لوگوں پر آئے گا اور یہ عذاب صبح کے وقت میں نازل ہوگا، حضرت لوط علیہ السلام چونکہ بہت ہی زیادہ تنگ آ چکے تھے اس لئے انہوں نے صبح تک مہلت دینا گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ ابھی عذاب آ جائے (کما ذکر فی الدر المنثور عن ابن عباسؓ) فرشتوں نے کہا اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ (کیا صبح قریب نہیں ہے) جب صبح ہوئی تو اللہ کا حکم آ گیا جو فرشتے عذاب کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے اُن بستیوں کا تختہ اٹھا کر پلٹ دیا۔ نیچے کی زمین اوپر اور اوپر کی زمین نیچے ہو گئی وہ سب لوگ اس میں دب کر مر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اوپر سے پتھر بھی برسادیئے جو کنکر کے پتھر تھے وہ لگاتار برس رہے تھے اور ان پر نشان بھی لگے ہوئے تھے بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے ہر پتھر جس شخص پر پڑتا تھا اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اس کو مُسَوَّمَةٌ یعنی نشان زدہ فرمایا (کما ذکرہ فی معالم التنزیل وفيہ اقوال آخر)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اُس علاقہ میں موجود تھے اُن پر زمین اُلٹنے کا عذاب آیا اور جو لوگ ادھر ادھر نکلے ہوئے تھے ان پر پتھر برسے اور وہ پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہد تابعیؒ سے کسی نے پوچھا کیا قوم لوط

میں سے کوئی رہ گیا تھا انہوں نے جواب دیا کوئی باقی نہ رہا تھا ہاں ایک شخص زندہ بچ گیا تھا جو مکہ معظمہ میں تجارت کے لئے گیا ہوا تھا وہ چالیس دن کے بعد حرم سے نکلا تو اس کو بھی پتھر لگ گیا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا اِيْ عَلٰى شَذَاذِهَا وَمَسَافِرِهَا یعنی ان میں سے جو لوگ مسافر تھے ادھر ادھر نکلے ہوئے تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی بارش بھیج دی جس سے وہ ہلاک ہو گئے پھر لکھا ہے۔ وَقِيلَ بَعْدَ مَا قَلْبُهَا اَمَطَ عَلَيَّهَا (یعنی جب تختہ الٹ دیا تو اوپر سے پتھر برسا دیئے گئے) یہ قول صحیح ہے جو قرآن کے سیاق کے مطابق ہے۔ اور یہ اس کے معارض نہیں کہ جو لوگ ادھر ادھر گئے ہوئے تھے ان پر بھی پتھر آئے ہوں اور وہ پتھروں کے ذریعہ ہلاک کئے گئے ہوں ان لوگوں پر جو پتھر آئے تھے اُن کے بارے میں مِنْ سَجِيلٍ فرمایا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ لفظ معرب ہے سنگ اور گل سے مرکب ہے فارسی میں سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ پتھر ایسے تھے جو مٹی سے بنائے ہوئے تھے اسی لئے اس کا ترجمہ نکل کر کیا گیا ہے حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے بیان القرآن میں فرمایا ہے کہ اس سے جھانواہ مراد ہے جو پک کر مثل پتھر کے ہو جاتا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے چند بستیاں تھیں جن کے نام مفسرین نے مبعہ، صعرہ، عصہ، دوما، سدوم، بتائے ہیں ان کے ناموں کے بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں ان میں سب سے بڑی ہستی سدوم تھی حضرت لوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے انکی قوم کے اعمال بد کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ یہ بستیاں نہر اُردن کے قریب تھیں۔ ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ بحریت جاری کر دیا گیا۔ جو آج بھی موجود ہے یہ پانی کہیں دوسری جگہ سے نہیں آتا صرف ان بستیوں کے حدود میں رہتا ہے۔ یہ پانی بدبودار ہے جس سے انسانوں کو یا جانوروں کو یا کھیتوں کو کسی قسم کا انتشار نہیں ہوتا۔ سورہ حجر میں زمین کا تختہ اٹھنے کے تذکرہ سے پہلے یہ بھی فرمایا: فَآخِذْهُمْ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ (سورج نکلنے نکلنے نہیں چیخنے پکڑ لیا) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا، چیخنے نے بھی پکڑا اور اُن کی زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا اور ان پر پتھر بھی برسائے گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا فرہ تھی وہ بھی ہلاک کر دی گئی بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ نکلی تھی نہ تھی جب پوری قوم پر عذاب آیا تو وہ بھی اُنہی میں ہلاک ہو گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ ساتھ تو نکلی تھی لیکن جب اُس نے عذاب آنے کی آہٹ سنی تو پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی اور اپنی قوم کی ہلاکت کا یقین کرتے ہوئے یوں کہا ”ہائے میری قوم“ اُس وقت اُسے ایک پتھر آ کر لگا جس سے وہ ہلاک ہو گئی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ ہم نے تفصیل سے سورہ انعام (ع ۱۰) کی تفصیل کے ذیل میں بیان کیا ہے وہاں بھی ملاحظہ فرمائیں (انوار البیان ج ۳) وہاں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والا اعلیٰ کرنے والوں کی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے علماء نے کیا سزا بتائی ہے قصہ کے ختم ہونے پر فرمایا وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ بِبَعِيدٍ (یہ بستیاں ظالموں سے دور نہیں ہیں) یعنی جو لوگ ایمان نہیں رکھتے کفر پر مُصر ہیں اُن لوگوں کو حضرت لوط والے واقعہ سے عبرت لینا چاہئے یہ بستیاں اُن سے دور نہیں ہیں سورہ حجر میں فرمایا وَانْجَاكَ السَّيِّئِلُ مُتَقِئِبٍ (یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ہیں) عرب کے لوگ جب تجارت کے لئے شام کو جاتے تھے تو ان تباہ شدہ بستیوں کے پاس سے گزرتے تھے اُن کو دیکھ کر

عبرت حاصل کرنا لازم تھا سورہ صافات میں فرمایا وَانْجَاكَ السَّيِّئِلُ مُتَقِئِبٍ (اور تم اُن پر صبح کے

وقت اور رات کے وقت گزرا کرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے)

وَالِی مَدِیْنٍ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُهُ وَلَا تَتَّقُوا

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اُس کے سوا کوئی

الٰہِکِیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْ اُرِکُمْ مَّخِیْرًا وَّ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ۝۱۱

معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کی نہ کرو بیشک میں تمہیں دکھاہوں گا سودہ حال ہو بیشک میں تم پر ایک ایسا دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں جو گھیر لینے والا ہوگا

وَلِیَقَوْمٌ اَوْفُوا بِالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَاءَ هُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا فِی

اور اے میری قوم انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو اور لوگوں کو چیزیں گھٹا کر نہ دو اور

الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝۱۲ بَقِیَّتِ اللّٰهُ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ؕ وَمَا اَنَا عَلَیْکُمْ

زمین میں فساد مچانے والے نہ ہوں۔ اللہ کا دیا ہوا جو کچھ بچ جائے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تم پر

بَحْفِیْظٍ ۝۱۳ قَالُوا یَشْعِبُ اَصْلُوْکَ تَاْمُرُکَ اَنْ تَتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ

بہرہ دینے والا نہیں ہوں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ بتاتی ہے کہ ہم اُن چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں یا یہ کہ ہم

فِیْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَآءُ اِنَّکَ لَکُنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ۝۱۴

اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا چھوڑ دیں بیشک تم تو بڑے بردبار ہو نیک چلن ہو

مدین والوں کو حضرت شعیب علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا

اور اُن لوگوں کا اُلٹے جواب دینا اور استہزاء کرنا

تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث فرمایا تھا اصحاب ایکہ کا ذکر سورۃ الشرا (ع ۱۰) میں ہے اور سورۃ اعراف (ع ۱۱) میں اور یہاں سورۃ ہود میں اور سورۃ عنکبوت (ع ۴) میں اصحاب مدین کا ذکر ہے۔

یہ لوگ بھی مشرک تھے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور لوگوں کو جو مال بیچتے تھے تو ناپ تول میں کمی کرتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن کو تبلیغ کی اور اُن سے فرمایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اُس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے نیز یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کو اُن کے مال پورے پورے انصاف کے ساتھ دو ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ اللہ کا دیا ہوا جو حلال مال بچ جائے تمہارے لئے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کٹوتی کرتے ہو۔ حلال میں برکت ہوتی ہے اگرچہ کم ہو اور حرام اگرچہ زیادہ ہو بے برکت ہوتا ہے اور آخرت میں جہنم میں لے جانے والا ہے لہذا تم حلال پر اکتفا کرو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ

اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں تمہارا پہرہ دار نہیں ہوں کہ تم سے جبراً وہ عمل کروا کر ہی چھوڑوں جس کا میں حکم دے رہا ہوں۔ وہ لوگ بیہودگی پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ واہ میاں تم بڑے نمازی آئے کیا تمہاری نماز یہی بتاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کی عبادت چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے ہوئے آئے ہیں نماز کا ذکر انہوں نے استہزاء اور مسخر کے طور پر کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تمہاری نماز عجیب ہے، ہم جو سامان بیچتے ہیں اس پر پابندی لگاتی ہے ہمارا مال ہے جیسے چاہیں بیچیں پورا ناپ تول کر دیں یا ناپ تول میں کمی کر کے دیں تمہیں اور تمہاری نماز کو اس سے کیا سروکار ہے تم تو بڑے بُر دار نیک چلن معلوم ہوتے ہو یہ بھی انہوں نے بطور تمسخر کہا یہ جو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا مال ہے ہم اس میں جو چاہیں تصرف کریں۔ یہی بات اس زمانہ کے لوگ بھی کہہ دیتے ہیں جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ سود نہ لو اور سود نہ دو۔ رشوت کا لین دین نہ کرو بیمہ کمپنی میں رقم جمع نہ کرو۔ گناہ کی چیزیں نہ خریدو اور نہ انہیں فروخت کرو تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ مولویوں کا عجیب ڈھنگ ہے ہر شخص کا اپنا مال ہے جیسے چاہے تصرف کرے مولویوں کو لوگوں کے معاملات میں بولنے اور زیادہ مال کمانے کے سلسلہ میں روڑے اٹکانے کی کیا ضرورت ہے یہ لوگ اول تو یہ بات غلط کہتے ہیں کہ مال ہمارا ہے تمہارا مال کہاں سے ہو گا تم خود اپنے نہیں ہوتے اور تمہارے اموال سب اللہ کی مخلوق اور مملوک ہیں ان پر تمہیں مجازی مالک بنادیا تو تم اپنا مال کہنے لگے جس نے تمہیں اور تمہارے اموال کو پیدا فرمایا اُسے اختیار ہے کہ جو چاہے احکام نافذ فرمائے اور جس چیز سے چاہے منع کرے اور جس چیز کی چاہے اجازت دے اور جس عمل سے چاہے روکے۔ مولوی اپنے پاس سے کچھ کہیں تو قصور وار ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔

قَالَ يَقَوْمِ اَرَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيْتِنَا مِّنْ سَرِيٍّ وَرَرَقِنِي مِنْهُ رُرُقًا حَسَنًا ۖ

شعب نے کہا کہ اے میری قوم تم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے ایک بڑی دولت عطا فرمادی ہے تو میں تمہیں حق کی دعوت دینا

وَمَا اُرِيدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهَكُمْ عَنْهُ ۚ اِنْ اُرِيدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ

کیسے چھوڑ دوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اس طرح تمہاری مخالفت کروں کہ جن کاموں سے روکتا ہوں انہیں خود کرنے لگوں میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک مجھ سے ہو سکے

وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ وَيَقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي ۚ

اور جو کچھ مجھے توفیق ہے وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور میں اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں اور اے میری قوم میری تمہیں مخالفت اس پر مادہ نہ کر دے

اَنْ يُصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَا اَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ اَوْ قَوْمَ هُودٍ اَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ

کہ تمہیں اس طرح کا عذاب پہنچ جائے جو قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچا۔ اور قوم

لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا لَكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ ۚ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَدُوْدٌ ۝

لوط تم سے دور نہیں ہے اور تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو بیشک میرا رب رحم فرمانے والا ہے بڑی محبت فرمانے والا ہے

حضرت شعیب کا قوم سے فرمانا کہ جہاں تک ہو سکے میں اصلاح چاہتا ہوں اور میری مخالفت تم پر عذاب آنے کا سبب نہ بن جائے

تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام نے جب مدین والوں کو حق کی طرف بلایا تو حید کی دعوت دی اور فرمایا کہ زمین میں فساد مت مچاؤ تو ان لوگوں نے اُن کا مذاق بنایا اور بے تکے جواب دیئے اور تو حید قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی بتاؤ اگر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل پر ہوں حق بات کہتا ہوں اور حق کی طرف بلاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی رحمت یعنی نبوت سے نوازا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تبلیغ کرنا اور حق کی دعوت دینا چھوڑ دوں اور پھر یہ بھی سمجھ لو کہ میں جو کچھ بتاتا ہوں خود اس کے خلاف نہیں کرتا، اگر میرا قول و فعل ایک دوسرے کے مخالف ہوتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ دیکھو دوسرے کو نصیحت اپنے کو نصیحت، لیکن میں تمہیں وہی بات بتاتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں میرا مقصد تمہاری ہمدردی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ جہاں تک میرے امکان میں ہے اصلاح کرتا ہوں اور جو کچھ میں نیک کام کرتا ہوں (جس میں نماز پڑھنا بھی داخل ہے) اور جو کچھ تبلیغ کرتا ہوں یہ سب اللہ کی توفیق سے ہے میں نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے مزید فرمایا دیکھو تم ضد نہ کرو عناد پر کمر بستہ نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میری یہ مخالفت تمہارے لئے عذاب آنے کا ذریعہ نہ بن جائے جیسے قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ان پر عذاب آیا، ان ہلاک شدہ قوموں میں سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بھی تھی جسے زیادہ زمانہ نہیں گزرا ان کے عذاب کے واقعات تمہیں معلوم ہیں اُن سے عبرت حاصل کرو بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ وَمَا قَوْمٌ لُّوطٍ مِّنْكُمْ بَبَعِيدٍ سے دونوں مطلب لئے جاسکتے ہیں یعنی زمانے کے لحاظ سے بھی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم دور نہیں اور نطفہ ارضی کے اعتبار سے بھی۔ کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام کا علاقہ اصحاب مدین کے علاقے سے دور نہیں تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ اپنے رب سے استغفار کرو۔ کفر کو چھوڑو ایمان پر آؤ۔ پھر باقی زندگی بھی اسی طرح سے گزارو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہو اور اس کے حضور میں توبہ کیا کرو إِنَّ رَبِّيَ رَحِيمٌ وَذُوْدٌ (بیشک میرا رب بہت زیادہ رحمت اور بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے) جو شخص اس کے حضور میں توبہ کرے اُس پر رحم فرماتا ہے اور اسے دوست رکھتا ہے۔

فائدہ: وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا کی ایک تفسیر تو وہی ہے کہ میرے رب نے مجھے بڑی دولت یعنی نبوت عطا فرمائی ہے اور بعض مفسرین نے اس کا معنی متبادل لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حلال مال عطا فرمایا ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر بھی ہوں اور اللہ نے مجھے حلال مال بھی عطا فرمایا ہے اور یہ حلال مال کسی طرح کی خیانت کئے بغیر مجھے مل گیا ہے نہ میں ناپ تول میں کمی کرتا ہوں نہ کسی طرح سے

کسی کا حق مارتا ہوں تو اس صورت میں میرے لئے یہ کیسے درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کروں اور تمہارے کاموں کی موافقت کروں۔

قَالُوا شَعِيبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرِيكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْ لَا رَهْطُكَ

وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے بہت سی باتیں ہم نہیں سمجھتے اور بلاشبہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے درمیان

لَرَجْمَتِكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۝ قَالَ يَقَوْمِ أَهْطِ اعْزُّوْا عَلَیْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَاتَّخِذُوا ثَمُوَّةَ

کمزور اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے مگر اسے دیکھ تم کچھ عزت والے نہیں ہو شعیب نے کہا کہ اے میری قوم کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک عزت میں ہے؟ اللہ سے زیادہ ہے

وَرَأَآءُكُمْ ظَهْرِيًّا إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ فَحِيطٌ ۝ وَيَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۝

اور تم نے اسے پس پشت ڈال دیا بلاشبہ میرا اب ان کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جنہیں تم کرتے ہو اور اے میری قوم تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو

سَوْفَ تَعْمَلُونَ مِّنْ يُأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۝ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ

میں بھی عمل کر رہا ہوں تم غمگین جان لو گے کہ کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور یہ بھی جان لو گے وہ کون شخص ہے جو

رَقِيبٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شَعِيبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَآخَذَتِ الَّذِينَ

جھوٹا ہے۔ انتظار کرو بیشک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب کو اور ان لوگوں کو

ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثَيْنٍ ۝ كَانَ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا إِلَّا بَعْدَ الْمَدِينِ

نجات دیدی جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہیں سخت آواز نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے گرے ہوئے لگے گویا کہ وہ ان میں رہے ہی نہ تھے خبردار مدین کے لئے

كَمَا بَعَدَتْ ثَمُودُ ۝

دوری ہے جیسا کہ ثمود دور ہوئے

اہل مدین کا بری طرح جواب دینا اور ہلاک ہونا

تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت برابر جاری رہی تو قوم کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ لوگ اپنے اپنے کفر و شرک پر جیسے رہے انہوں نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو جواب دیئے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ یہ بات انہوں نے استہزاء یا تحقیر کہی جس کا مطلب یہ تھا کہ تمہاری باتیں سمجھنے کے قابل نہیں ہیں۔ اور ممکن ہے کہ بعض باتیں نہ سمجھتے ہوں کیونکہ توجہ کے ساتھ سنتے ہی نہ تھے۔ اپنی اس بیہودہ بات کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا تم ہماری جماعت کے سامنے کمزور آدمی ہو لیکن تمہارے خاندان کے لوگ جو ہمارے ہم مذہب ہیں انکی پاس داری ہے اگر ان کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے گو کہ تمہاری کچھ عزت اور وقعت ہمارے نزدیک نہیں ہے تمہارے خاندان کا خیال ہے جس کی وجہ سے ہم حملہ کرنے سے رُکے ہوئے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جو تمہیں تبلیغ کرتا ہوں یہ اس بناء پر ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جو میری نسبت ہے (کہ میں اس کا نبی ہوں) اس کا تمہیں کچھ خیال نہیں اور میرے خاندان کا تمہیں خیال ہے اگر میرا خاندان نہ ہوتا تو تم مجھے ہلاک کر دیتے کیا تمہارے نزدیک میرا خاندان اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ عزت والا ہے تم نے میرے خاندان کا تو خیال کیا اور اللہ تعالیٰ کو تم نے پس پشت ڈال دیا اُسے راضی رکھنے کا تمہیں بالکل خیال نہ آیا بلاشبہ میرا رب تمہارے سب اعمال کو جانتا ہے تم عذاب کے مستحق ہو چکے ہو جب تم ایمان نہیں لاتے تو اب عذاب آنے ہی کو ہے وہ ایسا عذاب ہوگا جو سوا کر دے گا اور بتا دے گا کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچا تم مجھے دعوائے نبوت میں جھوٹا بتا رہے ہو عذاب آنے سے واضح ہو جائے گا کہ میں جھوٹا نہیں ہوں تم جھوٹے ہو۔ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں اپنی جگہ اعمال میں مشغول ہوں تم بھی منتظر ہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں کہ دیکھیں عذاب کب آتا ہے اور کس پر آتا ہے؟

ان لوگوں کے لئے عذاب کا فیصلہ ہو چکا تھا اللہ کا عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو انکے ہمراہ اہل ایمان تھے اپنی مہربانی سے بچالیا اور ظالموں کو جہنم کے پکڑ لیا اس جہنم کی وجہ سے سب ہلاک ہو گئے یہ لوگ بھی اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے منہ پڑے رہ گئے کہ گویا وہ ان میں رہے ہی نہ تھے یہ لوگ بھی اللہ کی رحمت سے دور ہوئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمانا اور انہیں دیگر نصیحتیں فرمانا پھر ان لوگوں کے سوال و جواب اور بالآخر ان کی ہلاکت اور بربادی کا مفصل واقعہ سورہ اعراف (۱۱) میں گزر چکا ہے وہاں بعض باتیں زائد ہیں جو یہاں مذکور نہیں اسکو بھی ملاحظہ کر لیا جائے ایک یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ وہاں فرمایا ہے **أَخَذْتَهُمُ الرُّجْفَةُ** (انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا) اور یہاں فرمایا ہے **وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الضَّيْقَةَ** (ظالموں کو جہنم نے پکڑ لیا) لیکن اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے کیونکہ ان پر دونوں طرح کا عذاب آیا تھا زبردست جہنم آئی اور زلزلہ بھی آیا ناپ تول میں کمی کے بارے میں جو بعض احادیث مروی ہیں وہ سورہ اعراف کی تفسیر میں ذکر کر دی گئی ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۖ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوْا

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا سو ان لوگوں نے

أَمْرُ فِرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۖ يَقْدُومُ قَوْمُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ

فرعون کی بات کا اتباع کیا اور فرعون کی بات صحیح نہ تھی قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر وہ ان کو

النَّارِ وَيُسْ أَوْرَدَ الْمُورُودُ ۖ وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُسْ

دوزخ میں اتار دے گا اور وہ بھی جگہ ہے جس میں ان لوگوں کا آثر رہے گا اور ان کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی ان پر لعنت ہوگی۔

الرُّفْدُ الْمَرْفُودُ ۖ

مرد انعام ہے جو انہیں دیا گیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت فرعون اور آل فرعون کی بغاوت اور دنیا و آخرت میں آل فرعون پر لعنت

تفسیر: ان آیات میں فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی بربادی کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انکی طرف بھیجا وہ ان لوگوں کے پاس معجزات اور روشن دلیل لیکر آئے ان کے یہ معجزات سورہ اعراف کے رکوع (۱۳، ۱۴) میں مذکور ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث تو ہوئے تھے فرعون کی پوری ہی قوم کے لئے لیکن خاص طور سے فرعون اور اسکی قوم کے سرداروں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ قوموں کے سردار ہی اصل ہوتے ہیں عامۃ الناس انہیں کے پیچھے چلتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حق قبول کر لیتے ہیں تو عوام بھی حق کو مان لیتے ہیں قوم کے سردار اگر حق کے منکر ہوں تو عوام دو وجہ سے حق قبول نہیں کرتے اول تو اس وجہ سے کہ سردار لوگ انہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے اگر وہ حق قبول کریں تو یہ لوگ ان پر سختی کرتے ہیں اور انہیں اس سے باز رکھتے ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ عامۃ الناس یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بڑے جس راہ پر ہیں ہمیں بھی اس راہ پر ہونا چاہئے اگرچہ ہوتا یہ ہی رہا ہے کہ ضعفاء قوم ہی پہلے حق کی طرف بڑھتے ہیں لیکن یہ لوگ دوسروں کے مقابلہ میں تعداد کے اعتبار سے کم ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ سرداروں کو خطاب کریں تاکہ وہ ہدایت قبول کر لیں اور عوام بھی ان کے ساتھ ہدایت پر آجائیں۔

فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون کی ہی بات مانی اور اسی کی رائے پر چلتے رہے ان کے عوام بھی انہیں کے پیچھے رہے فرعون ہی سب کا قائد تھا دنیا میں کفر و ضلال کا قائد بنا قیامت کے دن بھی اپنی قوم کا قائد بنے گا یعنی انہیں آگے لے کر چلے گا خود بھی دوزخ میں جائے گا اور اپنی قوم کو بھی دوزخ میں اتار دے گا۔ یہ لوگ دنیا میں ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی ملعون ہوں گے یہ لعنت بُر الانعام ہے جو انہیں دیا گیا فرعون اور اہل فرعون کی ہلاکت کا واقعہ سورہ بقرہ ع ۴ اور سورہ اعراف ۱۶ میں اور سورہ یونس (۹۷) میں گزر چکا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے معجزات اور روشن دلیل دے کر بھیجا۔ اس میں روشن دلیل سے بعض حضرات نے انکی عصا اور بعض حضرات نے ید بیضاء مراد لیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْقُرٰى نَقِصُّهُ عَلَيْكَ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيْدٌ ۝۶۰ وَكَانَ ظُلْمُهُمْ وَلٰكِنْ

یہ بستیوں کی خبریں ہیں جن کو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض بستیوں قائم ہیں اور بعض بالکل ختم ہو گئیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن ان لوگوں نے

ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَمَا اَغْنَتْ عَنْهُمْ اِلٰهَتُهُمُ الَّذِي يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

اپنی جانوں پر ظلم کیا ان کے معبودوں نے جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ جب آپ کے رب کا حکم آ گیا اور انہوں نے ہلاکت کے علاوہ

شَيْءٍ لَّمْ يَسْجُدْ اَمْرٌ رَّبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتٰبٍ ۝۶۱

کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا اور آپ کے رب کا پکڑنا ہی طرح ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جب کہ وہ ظالم ہوں بیشک اس کا پکڑنا روناک ہے سخت ہے

اللہ تعالیٰ ظالموں کی گرفت فرماتا ہے اسکی گرفت دردناک اور سخت ہے

تفسیر: سورہ ہود کے رکوع ۳ سے لیکر یہاں تک ۱۱ انبیاء کرام علیہم السلام کی اُمتوں کی بربادی کا حال بیان فرمانے کے بعد یہاں فرمایا کہ ہم آپ کو ان بستیوں کی خبریں سناتے ہیں۔ ان ہلاک شدہ بستیوں سے بعض بستیاں دنیا میں موجود ہیں کچھ تو کھنڈروں کی صورت میں ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ اُن کے رہنے والوں کی ہلاکت کے بعد دوسرے لوگ ان میں رہنے لگے وَسَكُنْتُمْ فِي مَنَازِلِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ اور کچھ ایسی بستیاں ہیں جن کا بالکل خاتمہ ہو گیا جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں تھیں۔ ان قوموں کی ہلاکت کے واقعات مخاطبین نے پہلے بھی سن رکھے ہیں اور آپ نے بھی بتادیئے اور صرف زبانی کہا سنا نہیں ہے ان میں سے بعض بستیوں کے آثار موجود ہیں اور یہ لوگ ادھر کو گزرتے بھی ہیں انہیں اُن سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا اور جب عذاب کا وقت آ گیا تو انکے معبودوں نے جسکی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا اور ذرا بھی انکے کام نہ آئے ان کی عقیدت اور تعظیم اور عبادت کی وجہ سے ان کے پرستاروں کو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ملا انکی عبادت کی وجہ سے اسباب ہلاکت میں اضافہ ہی ہوتا رہا بالآخر ہلاک اور برباد ہوئے۔

وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقَرْيَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ﴿۱۱﴾

اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں بیشک اُس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی بلاشبہ

فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّمَن خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لِّلنَّاسِ وَذَلِكَ

اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو۔ یہ ایسا دن ہوگا جس میں تمام آدمی جمع کئے جائیں گے اور یہ

يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴿۱۲﴾ وَمَا تُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدُّودٍ ﴿۱۳﴾ يَوْمَ يَأْتُ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ

وہ دن ہوگا جو سب کی حاضری کا دن ہے اور ہم اسے مؤخر نہیں کر رہے ہیں مگر تھوڑی سی مدت کے لئے جس وقت وہ دن آئے گا کوئی شخص اللہ کی

فِيهِمْ شِقَئٌ وَسَعِيدٌ ﴿۱۴﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُّوا فِي الدَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَوْفِيرٌ وَشَهيقٌ ﴿۱۵﴾

اجازت کے بغیر بات نہ کر سکے گا سوائے شقی ہوں گے اور سعید ہوں گے سو جو لوگ شقی ہوں گے وہ دوزخ میں ہوں گے اس میں انکی چیخ و پکار ہوگی

خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ

وہ اس میں ہمیشہ ٹھہرے رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم رہیں الا یہ کہ آپ کے رب کی مشیت ہوئے شک آپ کا رب جو کچھ

لِّمَآ يُرِيدُ ﴿۱۶﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ سَعَدُوا فِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ

چاہے پورے طور سے کر سکتا ہے اور لیکن وہ لوگ جو سعید ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان

وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُوذٍ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هَؤُلَاءِ

وزمین قائم رہیں لایہ کہ آپ کے رب کی مشیت ہو یہ بخشش بھی منقطع نہ ہوگی سوائے مخاطب جس چیز کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں تو اس کے بارے میں شک میں

مَآ يَعْبُدُونَ إِلَّا الْكَافِرُ يَأْبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَإِنَّا لَنُوقُوهُمْ نَصِيبُهُمْ غَيْرُ

نہ پڑنا یہ لوگ اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسا کہ پہلے انکے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور ہم ان کو ان کا پورا پورا حصہ دے دیں گے جس میں کچھ بھی

مَنْقُوصٌ ﴿۱۹﴾

کی نہ ہوگی

قیامت کے دن سب جمع ہونگے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ گزشتہ امتوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو پھر یہ فرمایا کہ آخرت کے دن میں سب لوگ جمع ہوں گے اور یہ حاضری کا دن ہے یہ جبری حاضری ہوگی کوئی شخص اس کو یہ چاہے کہ میں حاضر نہ ہوں تو ایسا نہیں سکتا حاضر ہونا ہی پڑے گا مزید فرمایا کہ ہم اس دن کو تھوڑی مدت کے لئے مؤخر کر رہے ہیں جس وقت اس کا آنا اللہ تعالیٰ کے علم میں متعین ہے اس وقت آ جائے گی اس سے پہلے نہیں آئے گی لیکن فوری اور ابھی نہ آنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ آئی ہی نہیں اس میں ان جاہلوں کی تردید ہے جو یوں کہتے ہیں کہ سینکڑوں سال سے سن رہے ہیں کہ قیامت ایک دن آئے گی۔ ابھی تک تو آئی نہیں یہ بات کہہ کر جاہل لوگ قیامت کے دن کا انکار کرنا چاہتے ہیں یہ ان لوگوں کی جہالت ہے کسی چیز کا اپنے مقرر وقت تک مؤخر ہو جانا اگرچہ تاخیر زیادہ ہو جائے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وقوع نہ ہوگا پھر فرمایا یَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ (جس وقت وہ دن آجائے گا تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بات نہ کر سکے گا) یہ ابتدائی حالت کا بیان ہے جیسے ہی صور پھونکا جائیگا لوگ حیران پریشان اور بیہوش ہو جائیں گے اس وقت کی ہیبت ایسی ہوگی کہ کسی کو بھی بولنے کی تاب نہ ہوگی سورہ ابراہیم میں فرمایا إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۚ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِينَ رُءُوفِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَخِذْ تُفَهُمُ ۚ (وہ انہیں اسی دن کے لئے مؤخر فرما رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے اپنے سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے اُن کی نظر اُن کی طرف واپس نہ لوٹے گی اور اُنکے دل بالکل ہوا ہوں گے)

پھر جب حساب کتاب شروع ہوگا تو بولنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ لہذا اس آیت میں اور اُن دیگر آیات میں کوئی تعارض نہیں جن میں انکار کرنے پھر اقرار کرنے اور معذرت پیش کرنے کا ذکر ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علماء اور شہداء اجازت ملنے کے بعد سفارش کریں گے اسکے بعد حاضرین محشر کی دو قسمیں بتائیں اور وہ یہ ہیں کہ

بہت سے لوگ شقی یعنی بد بخت ہوں گے اور بہت سے لوگ سعید یعنی نیک بخت ہوں گے پھر ہر فریق کا مقام بتایا جو لوگ بد بخت ہوں گے اُن کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائیں گے جس میں وہ چیخ پکار کرتے ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ”چیخ و پکار“ زفر اور شہیق کا ترجمہ کیا گیا ہے زفر گدھے کی ابتدائی آواز کو اور شہیق اسکی آخری آواز کو کہا جاتا ہے معلوم ہوا کہ انکا چیخنا پکارنا گدھوں کی آواز کی طرح ہوگا۔ اور نیک بختوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں ہوں گے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اہل جنت کو جو کچھ عطا فرمایا جائے گا وہ دائمی ہوگا کبھی منقطع نہ ہوگا۔

آخر میں فرمایا کہ اے مخاطب جس چیز کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں یعنی غیر اللہ کو پوجتے ہیں اُنکے اس عمل کے موجب سزا ہونے کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہ کرنا یہ لوگ اسی طرح عبادت کرتے ہیں۔ جیسے اُنکے باپ دادا ان سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے یہ جو کچھ دنیا میں کر رہے ہیں اُس کا بدلہ انہیں پورا پورا مل جائے گا جس میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔

فوائد ضروریہ

(۱) آیت بالا سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی دو ہی قسمیں ہوں گی کچھ لوگ شقی (بد بخت) اور کچھ لوگ سعید (نیک بخت) ہوں گے یعنی ایک جماعت اہل ایمان کی اور دوسری اہل کفر کی ہوگی۔ اہل ایمان سعید یعنی نیک بخت ہوں گے اور اہل کفر شقی یعنی بد بخت ہوں گے سورۃ شوریٰ میں فرمایا: فَرِئِقٌ فِي الْيَمِينِ وَفَرِئِقٌ فِي السَّعِيرِ (ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت دوزخ میں ہے) اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں ہوں گے۔ اہل کفر تو کبھی دوزخ سے نہ نکلیں گے۔ البتہ جو اہل ایمان اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں چلے جائیں گے وہ اس میں سے نکال لئے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے جس کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معاف نہ فرمایا ہوگا اور بہت سے گنہگار وہ ہوں گے جن کی معافی عذاب بھگتے بغیر ہی ہو جائے گی اللہ تعالیٰ بلا شفاعت ہی معاف فرمائیں گے۔ اور شفاعتیں بھی قبول فرمائیں گے انجام کے اعتبار سے سارے مومن جنت میں اور سارے کافر دوزخ میں رہ جائیں گے۔ کافر کبھی بھی دوزخ سے نہ نکالے جائیں گے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں فرمایا: وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ اور اہل جنت شروع داخلہ سے لیکر ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے نہ اس میں سے نکالے جائیں گے نہ اس میں سے کہیں جانا پسند کریں گے۔ سورۃ حجر میں فرمایا: لَا يَسْتَمِعُونَ فِيهَا اصْوَاطَ مَا لَهُمْ قُرُونٌ فِيهَا يُنْفَخُ فِيهَا اور سورہ کہف میں فرمایا: خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا جب سارے اہل ایمان جنت میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائیگا اور یہ نہادیدی جائے گی کہ يا اهل الجنة خلود لا موت ويا اهل النار خلود لا موت۔ کہ اے جنتیو! اب موت نہیں اور اے دوزخیو! اب موت نہیں۔ (رواہ البخاری ص ۶۹۱ ج ۲ و مسلم ص ۳۸۲ ج ۲)

قرآن مجید میں جیسے اہل جنت کے بارے میں خَالِدِينَ فِيهَا اہل دوزخ کے بارے میں بھی فرمایا ہے (دیکھو سورۃ نساء رکوع ۲۳) اور سورۃ احزاب (رکوع ۸) اور سورۃ جن (رکوع ۲) بعض لوگوں کو اہل کفر سے ہمدردی پیدا ہوگئی اور انہوں نے خواہ مخواہ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کا انکار کر کے اپنی جان کو گمراہی میں پھنسا دیا۔ بہت سے لوگ اس گمراہی کی تائید کے لئے لکیر پیٹ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ کافر کبھی نہ کبھی دوزخ سے نجات پا

جائیں گے۔ اور دوزخ ختم ہو جائے گی۔ یہ لوگ قرآن مجید کو جھٹلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ دے۔ (آمین)

(۲) آیت بالا میں اہل شقاوت کی سزا اور اہل سعادت کی جزایاں کرنے کے بعد دونوں جگہ خَلِيدِينَ فِيهَا کے ساتھ مَا ذَاكَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ بھی فرمایا ہے اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے یہ اہل عرب کے محاورہ کے مطابق ہے اہل عرب یہ الفاظ بول کر دوام اور بیشکی مراد لیا کرتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے جنت دوزخ کے آسمان و زمین مراد ہیں جو چیز ان کے نیچے ہوگی اس سے زمین مراد لی ہے اور جو چیز ان کے اوپر سقف یعنی چھت کے طور پر ہوگی اس سے آسمان مراد لیا ہے جنت و دوزخ کے آسمان و زمین ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان میں داخل ہونے والے بھی ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بات کسی درجہ میں سمجھ میں آتی تو ہے کیونکہ جنت کے لئے ارض کا لفظ قرآن میں بھی وارد ہوا ہے۔ (کافی سورۃ الزمر وَأَوْزَنَّا الْأَرْضَ نَبْتَوُّا مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ اور ہر دوں کے اوپر جو کچھ ہو گا اُسے اوپر ہونے کی وجہ سے سماء بھی کہا جاسکتا ہے لَإِنَّ كُلَّ مَا أَظْلَمَكَ فَهُوَ سَمَاءٌ لیکن چونکہ سَمُوتٌ جمع کے صیغے کے ساتھ وارد ہوا ہے اس لئے جب تک وہاں تعدد سماء ثابت نہ ہو اس وقت تک اس بات کے سمجھنے میں تاہل ہے)

(۳) مَا ذَاكَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ کے ساتھ دونوں جگہ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ بھی فرمایا ہے۔ حضرات مفسرین کرام نے یہاں بڑی بحث کی ہے مستثنیٰ منہ کون ہے استثناء متصل ہے یا منقطع؟ اور استثناء کا مطلب کیا ہے احقر کے نزدیک سب سے زیادہ رائج بات وہ ہے جو علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل (ص ۳۰۲ ج ۲) میں فرمائی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ هَذَا اسْتِثْنَاءٌ اسْتِثْنَاءُ اللَّهِ وَلَا يَقَعُ لَهُ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خلود سے استثناء تو ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اہل دوزخ کو دوزخ سے اور اہل جنت کو جنت سے نکال لے لیکن وہ نکالے گا نہیں (کیونکہ ہر فریق کے خلود و دوام کا فیصلہ فرمادیا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں جگہ جگہ موجود ہے) فرمائی ہے کہ اس قول کو صاحب روح المعانی نے بھی بحوالہ امام بغوی نقل کیا ہے پھر بعض افاضل سے نقل کیا ہے کہ اس استثناء کا یہ فائدہ ہے کہ کوئی شخص یوں نہ سمجھ لے کہ دوزخیوں کو عذاب دینا اور جنتیوں کو جنت میں نعمتیں دینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہے اس کے ذمہ کچھ بھی واجب نہیں وہ جو چاہے کرے نہ وہ عذاب دینے پر مجبور ہے اور نہ اکرام و انعام پر اگر وہ کسی دوزخی کو دوزخ سے نکالے یا کسی جنتی کو جنت سے باہر لائے تو وہ یہ کر سکتا ہے اسکی مشیت اور ارادہ اور اختیار کبھی نہ سلب ہو نہ سلب ہوگا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۖ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر اللہ کی طرف سے ایک بات طے شدہ نہ ہوتی تو اس کے درمیان فیصلہ کر دیا

بَيْنَهُمْ ۚ وَانَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۚ ۝۱۰ وَإِنْ كُلُّ لَأَلٍ لِّيُوقِيَهُمْ رَّبُّكَ أَعْمَالَهُم ۚ إِنَّهُ

گیا ہوتا اور بلاشبہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں جو زوڈ میں ڈالنے والا ہے۔ اور بیشک جتنے لوگ ہیں آپ کا رب انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیدیگا بے شک

بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۚ ۝۱۱ فَاسْتَقِمْ كَمَا أَمَرْتُ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۚ ۝۱۲

وہ انکے اعمال سے باخبر ہے سو آپ استقامت پر رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ توبہ کر کے آپ کے ساتھی ہیں وہ بھی استقامت پر رہیں

وَلَا تَرْكُنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ

اور حد سے آگے نہ بڑھو بیشک وہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور ان لوگوں کی طرف مت بھجو جنہوں نے ظلم کیا ایسا کرو گے تو تمہیں آگ پہلے لے گی اور تمہارے لئے اللہ

أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۱۵﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ

کے سوا کوئی مددگار نہیں پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی اور دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے بیشک

الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلَّذِينَ أَكْرَبُوا ﴿۱۶﴾ وَأَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ

نیکیاں مومنوں کو دور کر دیتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے اور آپ صبر کیجئے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اللہ اچھے کام والوں کا

أَجْرُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۷﴾

اجر صالح نہیں فرماتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت شریف کا تذکرہ

آنحضرت ﷺ اور آپ کے متبعین کو استقامت پر رہنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اولاً موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے انہیں کتاب دی تھی (یعنی توریت شریف) اس میں اختلاف کیا گیا کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی دی ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں اگر لوگ اختلاف کر رہے ہیں کوئی ماننا ہے کوئی نہیں ماننا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے بھی ایسا ہوتا رہا موسیٰ علیہ السلام پر ہم نے کتاب نازل کی تو اُسے بھی کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا۔

پھر فرمایا وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ (آپ کے رب کی طرف سے اگر پہلے سے ایک بات طے کی ہوئی نہ ہوتی تو اس کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق جو عذاب بھیجے کی ایک اجل مقرر فرما رکھی ہے۔ اگر اس کا تعین نہ کر دیا گیا ہوتا تو جلدی عذاب بھیج کر ان کا فیصلہ کر دیا جاتا اور معذاب اور ہلاک ہو چکے ہوتے۔

وَاللَّهُمَّ لَعْنُ شَيْطَانُكَ مُرِيْبٌ (اور بلاشبہ یہ لوگ قرآن کی طرف سے بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے تذبذب اور تردد میں ڈال رکھا ہے) ان کا وہی حال ہے جو ان لوگوں کا تھا جن کے لئے توریت شریف نازل کی گئی لہذا آپ رنج نہ کریں۔ پھر فرمایا۔ وَلَئِنْ كُنَّا لَنَاقُوهُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (اور بیشک آپ کا رب ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دے گا) لَئِنْ كُنَّا لَنَاقُوهُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (بیشک وہ ان کے اعمال سے باخبر ہے) طاعات اور معاصی کی سب تفصیلات اُسے معلوم ہیں۔ اُس کے علم سے کسی کا کوئی عمل باہر نہیں وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے مصاحبین کو خطاب فرمایا فَاسْتَقِيمُوا كَمَا كُنتُمْ وَمَنْ تَابَ مَعَكُمْ (سو آپ استقامت پر رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ توبہ کر کے آپ کے ساتھی ہیں وہ بھی استقامت پر رہیں) صحیح طور پر قائم رہنے کو استقامت کہا

جاتا ہے اور سیدھے راستہ کو صراطِ مُسْتَقِیْمَ کہتے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومن بندوں کو اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے بتایا ہے۔ اور اس پر حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انکے متبعین چلتے رہے ہیں صراطِ مستقیم کو پوری طرح پکڑ لینا اور تمام احکامِ الہیہ کو پوری طرح بجالانا ادھر اُدھر مائل نہ ہونا اور برابر آخر دم تک اس پر چلتے رہنا استقامت ہے اس آیت میں سید المرسلین ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے بالکل اسی طرح اہتمام اور پابندی کے ساتھ چلتے رہیں اور ساتھ ہی وَمَنْ تَابَ مَعَهُ بھی فرمایا کہ جن لوگوں نے شرک و کفر سے توبہ کی ہے اور ایمان کو قبول کیا ہے وہ لوگ بھی استقامت کے ساتھ چلتے رہیں رسول اللہ ﷺ تو با استقامت تھے ہی پھر بھی آپ کو اس کا تاکید حکم فرمایا اور آپ کے ساتھیوں کو بھی مامور فرمایا کہ استقامت اختیار کریں ہمیشہ پابندی سے معمولات پر عمل کریں اور منہیات سے بچیں۔ قال صاحب الروح (ص ۱۵۳ ج ۱۲) وہی کلمۃ جامعۃ لکل ما يتعلق بالعلم والعمل و سائر الاخلاق فتشمل العقائد والاعمال المشتركة بينه صلى الله عليه وسلم وبين سائر المؤمنين والامور الخاصة به عليه الصلوة والسلام من تبليغ الاحكام والقيام بوظائف النبوة وتحمل اعباء الرسالة وغير ذلك. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ استقامت کا لفظ علم و عمل اور اخلاق کے تمام تعلقات کو جامع ہے پس یہ عقائد اور اعمال جو حضور ﷺ اور تمام مومنین میں مشترک ہیں ان کو بھی شامل ہے اور احکام کی تبلیغ اور نبوت کے وظائف اور رسالت کی ذمہ داریوں جیسے حضور ﷺ کے مخصوص امور کو بھی شامل ہے) درحقیقت استقامت بہت بڑی چیز ہے اور کام بھی سخت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف جو لوگ بڑھتے ہیں اور استقامت کو چاہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو جاتی ہے ہر مومن بندہ کو اس کے لئے فکر مند رہنا چاہئے۔

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے دین اسلام سے متعلق کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ مجھے آپ کے بعد کسی اور سے دریافت کرنا نہ پڑے آپ (ﷺ) نے فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہ تو آمنت باللہ کہہ دے (یعنی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دے) پھر اپنی اس بات پر استقامت رکھ یعنی اس پر مضبوطی کے ساتھ جمارہ اور اسلام کے تقاضوں کو پورا کرتا رہ (رواہ مسلم) سوال بھی مختصر تھا اور جواب بھی مختصر لیکن اختصار کے ساتھ اس میں سارا دین بیان فرمایا۔ درمنثور (ص ۳۵۱ ج ۳) میں ہے کہ حضرت حسن نے بیان فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شَمِّرُوا وَاشْمُرُوا (تیار ہو جاؤ تیار ہو جاؤ) نیز حضرت حسن نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بعد ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔

سنن ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے (یعنی آپ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے) آپ نے فرمایا سورہ ہود اور سورہ واقعہ اور سورہ والمرسلات اور سورہ عم یقما لون اور سورہ اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا (مکھوۃ المصانع ص ۲۵۸) ان سورتوں میں قیامت کے احوال اور احوال مذکور ہیں۔ ان احوال کی فکر مندی نے آپ کو اتنا متاثر کیا۔

روح المعانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اس آیت سے زیادہ شدید کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ بعض اکابر سے اس سلسلہ میں ایک خواب بھی نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو

خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے سورۃ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا سورۃ ہود میں ایسی کون سی بات ہے جس کی وجہ سے آپ بوڑھے ہو گئے آپ نے فرمایا اس میں جو استقامت کا حکم ہے اس نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ (راجع حافیۃ مشکوٰۃ) یہ خواب اس کے معارض نہیں ہے کہ سورۃ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں میں جو قیامت کے دن کے احوال اور احوال مذکور ہیں اُن کی وجہ سے بوڑھا پا گیا کیونکہ وہ سب امور اور امر بالاستقامت سب بڑھاپے کا سبب بن سکتے ہیں۔

خشیت الہی کا غلبہ تھا استقامت کے باوجود آپ کو یہ فکر لاحق ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے جیسی استقامت کا حکم دیا ہے۔ وہ پوری نہیں ہوئی اس فکر مندی نے آپ کی صحت کو متاثر کر دیا۔

حد سے آگے بڑھنے کی ممانعت: پھر فرمایا وَلَا تَطْفُوا یا اس میں حد سے زیادہ جانے کی ممانعت فرمائی استقامت کا حکم دے کر یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود سے آگے بڑھو گے تو اس سے استقامت میں فرق آئے گا۔ یہ حدود سے آگے بڑھ جانا ہی تو بدعات اعتقاد یہ اور بدعات اعمالیہ میں مبتلا کرتا ہے اور اس حد سے نکلنے ہی کو غلو کہا جاتا ہے اسی غلو نے تو نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خدا اور خدا کا بیٹا ہونے کے اعتقاد پر آمادہ کر دیا اور بہت سے مدعیان اسلام کو اس پر آمادہ کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کریں جبکہ قرآن کریم میں آپ کے بشر ہونے کی تصریح ہے۔ یہ بدعت اعتقادی کی مثال ہے اور بدعات اعمالیہ بھی لوگوں میں بہت زیادہ رائج ہے جو انہوں نے اپنی طبیعت سے وضع کی ہیں اور انہیں دین بنا کر اور دین سمجھ کر مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔

آیت کے ختم پر فرمایا: اِنَّا كُنَّا نَعْمَلُكُمْ بَصَائِدًا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے) کہ وہ اہل استقامت کو پورا پورا بدلہ دے گا اور حد سے بڑھ جانے والے (اہل اعتدال اور اہل ابتداء) کے مستحق ہیں اللہ کے معاملہ علی سے کوئی باہر نہیں۔

ظالموں کی طرف جھکنے کی ممانعت: پھر فرمایا: وَلَا تَزِرُ كَيْفًا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَانْتَسِبْكُمْ الْكَافَرُ (اور اُن لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا ایسا کرو گے تو تمہیں آگ پکڑ لے گی) اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو ایک بہت بڑی نصیحت فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ ظالموں کی طرف نہ جھکو نہ جھکنا تمہیں جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا سبب بنے گا کسی کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کی جتنی بھی صورتیں تصور ہو سکتی ہیں آیت کا مفہوم اُن سب کو شامل ہے اگر کوئی شخص کافروں مجذوموں زندقیوں کی طرف مائل ہو جائے اور اُن کے کسی کفر والے اعتقاد کو اپنالے تو یہ دوزخ کے دائمی عذاب کا سبب ہے (الا ان یعوب قبل موقہ - مگر یہ کہ موت سے پہلے توبہ کر لے) چونکہ انسان مردوں کی صحبت سے بُرا ہو جاتا ہے زندقیوں کی صحبت میں زندقہ ہو جاتا ہے اسی لئے ایسے لوگوں کی صحبت سے سختی سے منع کیا جاتا ہے اعتقادات کے علاوہ اعمال میں بھی کافروں اور فاسقوں کی طرف جھکنے اور مائل ہونے سے پرہیز کرنا لازم ہے اُن لوگوں کی دوستی اور مصاحبت رنگ لائے بغیر نہیں رہتی۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے فساق و فجار کی صحبت فاسق فاجر بنا کر چھوڑتی ہے فاسقوں کے ساتھ رہ کر اُن جیسا بننا پڑتا ہے اور اُن کی صحبت اختیار کرنے والے عموماً گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ یہ مشابہت بھی دوزخ میں لے جانے والی ہے کافروں فاسقوں جیسا لباس پہننا اُن کی طرح شکل و صورت بنانا اُن کی معاشرت اختیار کرنا سیاست میں اُن کے طور طریق اپنانا جمہوریت جاہلیہ کا معتقد ہونا کافروں کے وضع کردہ طور طریق

اور اُنکے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق چلنا اور ان کے مطابق حکومت کرنا ان سب میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے آیت شریفہ کی خلاف ورزی ہے اس قسم کے سب لوگ اپنی آخرت کی فکر کریں۔

آیت کے ختم پر فرمایا وَمَا لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبٍ اَللّٰهُ مِنْ اَوْلٰی اَمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی) اس میں تنبیہ اور تہدید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کی فکر کرو اللہ کی گرفت سے کوئی بچانے والا نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا وَاقْبِلُ الصَّلٰوةَ طَرَفَی النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنْ الْیَلِ (اور دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے) حضرات مفسرین کرام نے اس سے پانچوں نمازیں مراد لی ہیں حضرت مجاہد تابعیؒ نے فرمایا کہ دن کے دونوں طرفوں سے صبح اور ظہر اور عصر مراد ہے اور رات کے حصوں سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فجر اور ظہر سے دن کے ایک طرف کی نمازیں مراد ہیں اور عصر اور مغرب سے دن کی دوسری طرف کی نمازیں مراد ہیں اور زُلْفَا مِنْ الْیَلِ سے عشاء کی نماز مراد ہے اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ آیت شریفہ میں صرف فجر اور عصر کا ذکر ہو چونکہ فجر کو اٹھنے میں دشواری ہوتی ہے اور عصر کاروبار کا وقت ہوتا ہے اس لئے انکی پابندی کا خصوصی ذکر فرمایا اور زُلْفَا مِنْ الْیَلِ سے عشاء کی نماز بھی مراد ہو سکتی ہے اور اس کی تاکید اسلئے فرمائی کہ یہ سونے کا وقت ہے اور نماز تہجد بھی مراد لی جاسکتی ہے کیونکہ وہ رات کے مختلف حصوں میں ادا کی جاتی ہے ضروری نہیں کہ آیت میں پانچوں ہی نمازوں کا ذکر ہو بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں سورۃ روم کی آیت فَتَبٰیْنُ اللّٰہِ جِیْنَ مُتَبٰیْنٌ وَجِیْنَ مُتَبٰیْنٌ میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ طَرَفَی النَّهَارِ سے صبح اور عصر کی نماز اور زُلْفَا مِنْ الْیَلِ سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور ظہر کی نماز سورۃ الاسراء کی آیت: اَقْبِلْ الصَّلٰوةَ اِلٰی لَوٰحِ الشَّحَنِسِ میں مذکور ہے۔

نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں: پھر فرمایا: اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ کہ میں نے مدینے کے دور والے حصہ میں ایک عورت سے چھیڑ چھاڑ کی ہے اور یہ چھیڑنا جماع کرنے کی حد تک نہیں پہنچا میں حاضر ہوں آپ میرے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمادیں۔ حضرت عمروؓ میں موجود تھے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری پردہ پوشی فرمائی تو بھی اپنی پردہ پوشی کر لیتا تو اچھا تھا (لیکن) رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا وہ شخص وہاں سے اٹھ کر چلا گیا آنحضرت ﷺ نے اسکے پیچھے ایک آدمی بھیجا وہ اسے بلا کر لایا آپ نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنا دی۔ وَاقْبِلُ الصَّلٰوةَ طَرَفَی النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنْ الْیَلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلَّذِیْنَ (ترجمہ اوپر دیکھ لیں) حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اسی کے لئے خاص ہے؟ آپ نے فرمایا بلکہ یہ تمام لوگوں کے لئے ہیں (رواہ مسلم کما فی مشکوٰۃ ص ۵۸) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں تو ہر نیکی گناہوں کے معاف ہونے کا سبب ہے جو بھی کوئی نیکی کر سکتا ہو کرتا رہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کی کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈر اور گناہوں کے بعد نیکی کرو وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲) اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس

کے بعد کوئی نہ کوئی نیکی بھی کرے اور توبہ بھی کرے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے ایک بڑا گناہ ہو گیا ہے کیا میرے لئے توبہ کا موقع ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تیری والدہ ہے؟ عرض کیا نہیں! فرمایا کیا تیری خالہ ہے؟ عرض کیا ہاں ہے۔ فرمایا تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۰) توبہ تو اصل اسی کا نام ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد ہو اور گزشتہ گناہوں میں پچھتاوا ہو اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی پختہ نیت ہو لیکن نیکیاں توبہ کی قبولیت میں معاون ہو جاتی ہیں اسی لئے توبہ کے لئے نماز مشروع کی گئی ہے یوں تو ہر نیکی گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن اس بارے میں بعض نیکیوں کا خصوصی تذکرہ بھی احادیث شریفہ میں آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر ہو جس میں وہ پانچ وقت غسل کرتا ہو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہ جائے گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اس صورت میں تو اس کے بدن پر ذرا بھی میل نہیں رہے گا آپ نے فرمایا یہی مثال ہے پانچوں نمازوں کی اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۷ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین کرتے ہوئے شب قدر میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے رمضان کی راتوں میں ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین رکھتے ہوئے قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۶۹ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کے لئے حج کیا سو اس میں فحش باتیں نہ کہیں اور گناہ نہ کئے تو ایسا واپس ہو گیا جیسا اس دن (گناہوں سے پاک و صاف) تھا جس دن اسکی ماں نے جنا تھا۔ (صحیح البخاری ص ۲۰۶ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرے عمرہ تک جو گناہ ہو جائیں یہ دونوں عمرے اُن کا کفارہ ہو جاتے ہیں اور حج مبرور (جو مقبول ہو جائے) اسکی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔ (صحیح البخاری ص ۲۳۸ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک اُن گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جو ان کے درمیان ہو جائیں جبکہ گناہ کبیرہ نہ کئے جائیں۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح پانی پہنچایا پھر فرض نماز کے لئے چلا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ معاف فرما دے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی مسلمان کی موجودگی میں نماز کا وقت ہو گیا پھر اُس نے اُس کا وضو اچھی طرح سے کیا اور اس کا رکوع سجدہ اچھی طرح کیا تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ جب تک کہ بڑے گناہوں سے بچتا رہے اور یہ ثواب ہمیشہ (یعنی ہر نماز کے موقع پر) ملتا رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۱ ج ۱)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھی طرح کیا تو اس کے جسم سے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے تک سے نکل جائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۵ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کر کے پھر مسجد میں آئے اور اس کا یہ عمل کرنا صرف نماز ہی کے لئے ہو تو جو بھی قدم رکھے گا اسکی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند ہوگا اور اس کا ایک گناہ ختم کر دیا جائے گا۔ مسجد میں داخل ہونے تک (اس کو یہی ثواب ملے گا) (صحیح مسلم ص ۲۲۲ ج ۱)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کر دیئے جائیں گے۔ (نسائی ص ۱۹۱ ج ۱)

فائدہ: جن حدیثوں میں گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے اس سے چھوٹے گناہ مراد ہیں اور صحیح مسلم کی بعض روایات میں مَا لَمْ يُوْتِ كَجِبْرَةٍ کے الفاظ بھی آئے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے گناہوں کا کفارہ نیکیوں سے نہیں ہوتا ہے۔
فائدہ: علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کے چھوٹے گناہ کم ہوں اور نیکیاں بہت زیادہ ہوں تو پھر چھوٹے گناہوں کے کفارہ کے بعد اسکے بڑے گناہ کی تخفیف کر دی جاتی ہے۔ اگر بڑے گناہ نہ ہوں یا بہت تھوڑے ہوں کہ خفیف ہوتے ہوتے معاف ہو چکے ہوں تو پھر نیکیوں کے ذریعہ درجات بلند ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: ذَلِكَ ذِكْرِي لِلَّذِينَ (یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے) یعنی یہ قرآن اُن لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ذلک سے سورت کے مضامین کی طرف اشارہ ہے جن میں گزشتہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات بھی ہیں اور قیامت، جنت اور دوزخ کا تذکرہ بھی ہے اور نماز قائم کرنے کا حکم بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں، جنہیں نصیحت ماننے کی طرف توجہ ہے وہی نصیحت مانتے ہیں اور جو لوگ کٹ جیتی کرتے ہیں اُن کے حق میں نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔

آخر میں فرمایا: وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔ کہ آپ صبر کیجئے جو کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے اُسے انجام دیتے رہئے آپ کی دعوت کوئی قبول کرے یا نہ کرے آپ تو برابر اجر کے مستحق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ عَنِ الْفَسَادِ فِي

سو جو امتیں تم سے پہلے گزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے

الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا

بجز چند آدمیوں کے جن کو ہم نے عذاب سے بچالیا اور جن لوگوں نے ظلم کی راہ اختیار کی وہ اس بیش و عشرت کے پیچھے پڑے رہے جس میں وہ تھے اور یہ

مُجْرِمِينَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْطَحُونَ ۝ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ

لوگ مجرم تھے اور آپ کا رب ایسا نہیں ہے جو بستیوں کو بطور ظلم کے ہلاک فرما دے حالانکہ ان کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں اور اگر

لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُ النَّونُ مُخْتَلِفِينَ ۝ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۖ

آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی جماعت بنا دیتا اور وہ برابر اختلاف میں رہیں گے مگر جس پر آپ کا رب

وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْإِنْسَانِ وَالنَّاسِ

رحم فرمائے اور اللہ نے انہیں اسی لئے پیدا فرمایا اور آپ کے رب کی بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے دونوں

أَجْمَعِينَ ۝

جماعتوں سے بھر دوں گا۔

گزشتہ امتیں جو ہلاک ہوئیں ان میں اہل بصیرت
نہ تھے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ جو گزشتہ امتیں گزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار بصیرت والے کیوں نہ ہوئے

جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے ہاں ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو فساد سے روکنے کے کام میں لگے انہیں ہم نے

نجات دے دی یہ ترجمہ اُس صورت میں ہے جبکہ لَوْلَا اپنے اصلی معنی میں ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لَوْلَا نفی کے معنی

میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں ایسے اہل رائے اور اہل فہم نہ تھے جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکتے

ان میں صرف تھوڑے سے لوگ تھے جنہوں نے یہ کام کیا ادھر تو نبی عن امکنہ کرنے والوں کا فقدان اور ادھر مال والوں

کے پاس مال کی فراوانی ان لوگوں نے ظلم کی راہ اختیار کی یعنی کفر اختیار کیا اور اپنی مستیوں اور لذتوں میں پڑے رہے اور

جرم کا ارتکاب کرتے رہے لہذا ان کو ہلاک کر دیا گیا بس چند ہی آدمی بچے جنہیں ہم نے نجات دیدی یہ لوگ ایمان پر اور

ایمانی تقاضوں پر قائم تھے منکرات سے بچتے تھے اور دوسروں کو بھی برائیوں سے روکتے تھے۔ اس میں اس امت حاضرہ کو

تنبیہ ہے کہ وہ اپنی سمجھ اور بصیرت کو کام میں لائیں اور لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکیں۔ علامہ قرطبی تفسیر (ص ۱۱۲)

ج ۹) میں لکھتے ہیں: أُولُوا بِقِيَّةِ أَيْ أَصْحَاب طَاعَةِ وَدِينٍ وَعَقْلٍ وَبَصِيرَةٍ يَنْهَوْنَ قَوْمَهُمْ عَنِ الْفَسَادِ فِي

الْأَرْضِ لِمَا أَعْطَاهُمُ اللَّهُ تَعَالَى مِنَ الْمَعْقُولِ وَأَرَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ وَهَذَا تَوْبِيخٌ لِكُفَّارٍ وَقِيلَ لَوْلَا هُنَا

لِلنَّفْيِ أَيْ مَا كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (أُولُوا بِقِيَّةٍ یعنی فرمانبردار و دیندار و عقلمند بصیرت والے جو قوم کو زمین میں فساد پھیلانے

سے روکتے تھے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھ عطا کی تھی اور انہیں نشانیاں دکھائی تھیں اور یہ کافروں کے لئے تنبیہ ہے۔ بعض نے کہا لو لا یہاں پر نفی کے لئے ہے یعنی تم سے پہلے نہیں تھے

پھر فرمایا: **وَمَا كَانَ رِزْقُ الْبِلَاقِ الْقَرَىٰ يَظْلِمُ وَأَهْلُهَا مُصْبِحُونَ** یعنی آپ کا رب ایسا نہیں ہے کہ لوگوں پر ظلم کرے وہ جو عذاب دیتا ہے اور ہلاک کرتا ہے اس کا سبب کفر اور شرک ہوتا ہے اور کبھی معاصی بھی ہوتے ہیں ان معاصی میں سے یہ بھی ہے کہ جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہوں قدرت ہوتے ہوئے انہیں نہ روکا جائے جب لوگ اصلاح کے کام میں لگے ہوئے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نہیں آئے گا ورنہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس کسی بھی قوم میں کوئی ایسا شخص ہو جو ان میں رہتے ہوئے گناہوں میں مبتلا ہو اور وہ قدرت ہوتے ہوئے اسکی حالت کو نہ بدلیں تو مرنے سے پہلے اللہ ان پر عذاب بھیجے گا۔

(رواہ ابوداؤد ص ۲۴۰ ج ۲)

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی قوم میں گناہ کئے جاتے ہوں پھر وہ قدرت ہوتے ہوئے گناہگاروں کی حالت نہ بدلیں تو اللہ ان سب پر عام عذاب بھیج دے گا۔

(رواہ ابوداؤد ص ۲۴۰ ج ۲)

آیت کا معنی اور مفہوم بتانے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ احقر نے جو مطلب ترجمہ و تفسیر میں اختیار کیا ہے وہ اقرب الی الفہم ہے اس آیت کا دوسرا مفہوم علامہ قرطبی نے زجاج سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: قال الزجاج يجوز ان يكون المعنى ما كان ربك ليهلك احدا وهو يظلمه وان كان على نهاية الصلاح لانه تصرف في ملكه اهـ۔ (زجاج نے کہا ہے ہو سکتا ہے یہ معنی ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ہلاک کرتا ہے تو یہ ظلم نہیں ہے اگرچہ وہ آدمی انتہائی نیک ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت میں تصرف کیا ہے)

اس کے بعد فرمایا: **وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَاحِدَةً**۔ (الایۃ) مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور سب ایک ہی دین پر ہوتے دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوتا اور سب تکوینی طور پر قہر و جبراً مسلمان ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ حق اور باطل دونوں راستے بیان کر دیئے جائیں اور جسے ایمان قبول کرنا ہو وہ اپنے اختیار سے قبول کرے اور جسے کفر پر رہنا ہو وہ اپنے اختیار سے کفر پر رہے جیسا کہ سورۃ کہف میں فرمایا **وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا** (اور آپ فرما دیجئے کہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے بیشک ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کی ہے) پس جب حق قبول کرنے پر جبر نہیں کیا با اختیار بنا دیا تو شیاطین کی کوششوں اور نفوس انسانیت کے تقاضوں پر چلنے والے کافر رہیں گے اور اس طرح سے اہل حق اور اہل باطل میں ہمیشہ اختلاف رہے گا ہاں جس پر اللہ کی مہربانی ہو وہ حق ہی کو اختیار کرے گا اور حق ہی پر رہے گا **وَلِئَلَّا يَكْفُرَ الْكَافِرُ** (اور لوگوں کو اسی لئے پیدا فرمایا کہ وہ مختلف رہیں) اور اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک فریق جنت میں ایک فریق دوزخ میں ہوگا جیسا کہ سورۃ شوریٰ میں فرمایا: **فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ** (الایۃ) (ایک فریق جنت میں اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا)

آخر میں فرمایا **وَتَكُنَّ كَلِمَةً يُرَىٰكَ (الآیۃ)** اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دوں گا جس میں سب دوزخی موجود ہوں گے۔

اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو سورہ آلہ سجده میں فرمایا ہے۔ **وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ** (اور اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو ہدایت دے دیتے لیکن میرا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دوں گا جو اس میں اکٹھے موجود ہوں گے) جب یہ فیصلہ ہے تو اہل کفر کا وجود بھی تکنوی طور پر ضروری ہے کفر والے انسانوں میں سے بھی ہونگے اور جنات میں سے بھی ہوں گے دونوں جماعتوں کے کافروں سے جہنم بھر دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں اور سورہ ص میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو خطاب کر کے فرمایا کہ **لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَّا وَمِنَ بَعْدِيهِمْ أَجْمَعِينَ** (میں تجھ سے اور ان سب جنات اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دوں گا جو تیرا اتباع کریں گے)

وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَبِّئْتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۖ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ

اور رسولوں کے قصوں میں سے یہ قصے ہم ایسے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں میں

الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ

آپ کے پاس حق آگیا ہے اور اہل ایمان کے لئے بھیحت ہے اور آپ اُن لوگوں سے فرما دیجئے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم

مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَمِلُونَ ۝ وَانْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ۝ وَبَلَدٌ غِيبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمان کی اور زمین کی غیب کی چیزوں کا علم

وَالْيَهُ يَرْجِعُ الْأَمْرَ كُلَّهُ فَاعْبُدُوهُ تَوْكَلْ عَلَيْهِ ۖ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

اور اسی کی طرف تمام امور جمع ہوں گئے سو آپ انکی عبادت کریں اور اس پر توکل کریں اور آپ کا رب اُن کاموں سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات آپ کے لئے تقویت قلب کا باعث ہیں

تفسیر: سورہ ہود کا اکثر حصہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمتوں کے واقعات پر مشتمل ہے آیت کے ختم پر ارشاد ہے کہ اے رسول ﷺ ہم جب حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے آپ کو سناتے ہیں ان کے ذریعے ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور یہ جو قصے آپ سے بیان کئے گئے ہیں ان میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سب حق ہے سچ ہے اس میں اہل ایمان کے لئے بھیحت ہے اور یاد دہانی ہے مطلب یہ ہے کہ قصوں کا بیان کرنا قصہ گوئی کے طور پر نہیں ہے ان قصوں سے آپ کے دل کو مضبوط کرنا اور اہل ایمان کو نصیحت اور یاد دہانی کرنا مقصود ہے جو لوگ ان قصوں کو پڑھیں اور

